

# فتاویٰ دیداریہ

جلد اول

از

سید فقہا مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث شاہ لوری قدس سرہ

بانی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور

مکتبہ العصر  
کریالہ (منزل ضوان لصادق)  
جی ٹی روڈ، گجرات

# فتاویٰ دیداریہ

جلد اول

از

سید فقہا مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث لوری قدس سرہ  
بانی مرکزی انجمن حزب الاحناف ، لاہور۔

ترتیب و تخریج و ترجمہ

علامہ مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی

محمد اکرم مجددی

۲۹، ذوالقعدہ ۱۴۲۸ھ

کریالہ (منزل ضنوان لصادق)  
جی ٹی روڈ، گجرات

مکتبہ العصر

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

فتاویٰ دیداریہ جلد اول	نام کتاب.....
سید الفقہاء مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری قدس سرہ	مصنف.....
بانی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور	
علامہ مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی	ترتیب و تخریج و ترجمہ.....
محمد یوسف مجددی	کمپوزنگ.....
۹۱۸	صفحات.....
۱۱۰۰	تعداد.....
۱۳۲۸	اشاعت اول.....
داور پیکجز 6- نسبت روڈ لاہور	پرینٹر.....

ملنے کے پتے.....	
مکتبہ اعلیٰ حضرت:.....	دربار مارکیٹ لاہور
مکتبہ قادریہ:.....	دربار مارکیٹ لاہور
مکتبہ مجددیہ سلطانیہ:.....	ملک پلازہ دینہ جہلم



فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	<p>بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ</p> <p>فہرست</p>	
	حضرت علامہ مولانا دیدار علی محدث الوری کے حالات	
	از حضرت صاحبزادہ محمد عبدالسلام صدیقی	۱
	تقریظ جلیل (۱): محقق اہل سنت علامہ محمد جلال الدین قادری	۶
	تقریظ جلیل (۲): استاذ الاساتذہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری	۱۲
	تقدیم: استاذ الاساتذہ علامہ حافظ خادم حسین رضوی	۱۹
	گزارشات مرتبہ عنی عنہ	۳۲
	<b>معتقدات، مستحسنات، بدعات</b>	۳۷
فتویٰ نمبر 1	آخرت میں نماز روزہ عبادات کیوں نہ ہوں گی؟	۳۹
فتویٰ نمبر 2	ایک عورت کے یکے بعد دیگر کئی خاوند ہوں تو وہ قیامت میں کس کے ساتھ ہوگی؟	۴۰
فتویٰ نمبر 3	قبول توبہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اترنے کا حکم کیوں ہوا؟	۴۳
فتویٰ نمبر 4	کیا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوٹتی تھیں؟	۴۴
فتویٰ نمبر 5	حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا بارہ برس کے بعد ڈوبی ہوئی برات کو نکالا؟	۴۵
فتویٰ نمبر 6	ایک شخص اپنے مریدوں سے رسول اور پیغام آور کہلواتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟	۴۷

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۸	ایصالِ ثواب کا کیا مردوں کو فائدہ ہوتا ہے؟	فتویٰ نمبر 7
۴۹	ایک چیز کا ثواب اگر چند لوگوں کو پہنچایا جائے تو کیا سب کو برابر ثواب ملتا ہے یا تقسیم ہو کر؟	
۵۰	محفلِ میلاد میں قیام کی شرعی حیثیت؟	فتویٰ نمبر 8
۵۱	مدینہ منورہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے علاوہ کسی اور زیارت کے لیے سفر کرنا	فتویٰ نمبر 9
۵۲	بچوں کو قرآن مجید ختم کرانے کا کوئی متعین طریقہ نہیں ہے۔	فتویٰ نمبر 10
۵۲	ختم قرآن کی خوشی میں کھانا کھلانا عمدہ بات ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:	
۵۲	بیچ آیت پڑھ کر شیرینی پر یا بغیر شیرینی کے ایصالِ ثواب جائز اور باعث برکت ہے	
۵۳	عوام جو اللہ تعالیٰ کی سلامتی پہنچاتے ہیں بے اصل امر ہے۔	فتویٰ نمبر 11
۵۳	ایصالِ ثواب کا طریقہ	
۵۴	قرآن مجید پڑھا سجدہ تلاوت نہ کیا کیا اس کا ثواب پہنچتا ہے؟	فتویٰ نمبر 12
۵۴	سجدہ تلاوت نہ کرنے والے واجب کے تارک ہیں۔	
۵۴	تلاوت کا سجدہ تلاوت کے دوران کریں یا بعد میں۔	
۵۵	سنت اور نوافل کے بعد دوبارہ امام کے ساتھ دعا مانگنا کیسا ہے؟	فتویٰ نمبر 13
۵۶	فجر، مغرب اور عشاء میں سنت و نوافل کے بعد امام کے ساتھ تین بار دعا مانگنا کیسا ہے؟	
۵۶	الحمد شریف، قل هو اللہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کیسا ہے؟	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۸	قبور اولیاء پر منت ماننا، سجدہ کرنا، ناچنا، گانا۔	فتویٰ نمبر 14
۱۲۰	تعزیہ داری اور اس میں کوشش کرنا بدعتی اور فاسق کا عمل ہے۔	
۱۳۳، ۱۳۲	سود خور، سود دینے والا اور تعزیہ میں چندہ دینے والا فاسق ہے	
۱۳۲	ترکِ تقلید بدعت اور فسق ہے۔	
۲۲۵	کسی نیک آدمی کی قبر کے قریب حصول برکت کے لیے مسجد بنا دی جائے تو جائز ہے	
۲۶۲	سنت کا قلیل عمل بدعت کے کثیر عمل سے بہتر ہے۔	
۲۷۷	رمضان اسمائے الہیہ سے ہے۔	
۲۷۷	تمام حروفِ تہجی اسمائے الہیہ ہیں۔	
۸۱۲	فاتحہ سوم میں جس وارث نے دیگر ورثہ کی فرمائش کے بغیر خرچ کیا وہ اسی کے حصہ سے وضع کیا جائے گا۔	
۶۱	<b>حدیث</b>	
۶۳	حدیث میں کھجور اور پانی کو اسود کیوں کہا گیا۔	فتویٰ نمبر 15
۶۴	مسلمان بھائی کی مدد کی فضیلت۔	فتویٰ نمبر 16
۶۵	تعمیر مسجد کی فضیلت۔	
۴۷	علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل	
۵۱	زیارتِ قبور سے ممانعت کے بعد اجازت	
۵۶	نبی کریم و تر اور تمام سنتیں گھر میں ادا فرمایا کرتے تھے۔	
۸۷	نمازِ عید اور نمازِ خسوف نبی اکرم ﷺ نے بغیر اذان و اقامت کے ادا کی	

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	لا وضوء إلا بالسواک	۹۷
	لا صلاة لجار المسجد إلا فی المسجد	۹۷
	لا مہدی إلا عیسیٰ	۹۸
	لا فتی إلا علی	۹۸
	لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب کا مفہوم	۹۷
	تعلموا اللحن فی القرآن کما تتعلمونہ	۹۹
	انا أفصح من نطق بالضاد	۱۰۳
	اتقوا مواضع التہم	۱۱۹
	صبح کی نماز کے بعد دریافت فرمایا کیا فلاں فلاں موجود ہے اور پھر یہ فرمایا یہ دو	
	نمازیں منافقوں پر بھاری ہیں	۱۲۹
	حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کا شب بیداری کے باعث فجر کی نماز میں شریک نہ ہونا اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تنبیہ فرمانا (مع حاشیہ)	۱۲۹، ۱۳۰
	لا یقبل اللہ صلاة من تقدم قوما وهم له کارہون	۱۳۶
	اخلاقیات کے بارے میں چند احادیث مبارکہ	۱۳۵ تا ۱۳۷
	نماز کی محافظت کرنے والے کے لیے نور برہان اور نجات ہوگی اور محافظت نہ	
	کرنے والے کا حشر قارون ہا مان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا	۱۳۷
	نماز پنجگانہ کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں حدیث	۱۳۸
	فجر کی سنتوں کے بارے میں حدیث	۱۶۹
	نماز فجر اور عصر کے بعد نفل نماز کی ممانعت میں حدیث	۱۶۸

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	فجر کی سنتیں قضا ہو جائیں تو ان کو فجر کے فرضوں کے متصل بعد پڑھنے کی ممانعت میں حدیث	۱۶۹
	فجر کی سنتوں کی قضا طلوع آفتاب کے بعد کی جائے (حدیث)	۱۷۰
	تہ بند کو لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا	۱۷۶
	جو شخص پیاز لہسن کھائے ہماری مسجد کے قریب نہ آئے	۱۷۹، ۷۴
	سوالی کو دینے کے بارے میں احادیث	۱۸۳، ۱۸۲
	بغیر ضرورت سوال کرنے کی ممانعت میں احادیث	۱۸۸، ۱۸۶
	نماز جنازہ میں تین صفوں کی فضیلت	۲۱۵
	نبی اکرم نے مقروض کی نماز جنازہ ادا نہ فرمائی	۲۳۱، ۲۳۰
	من ترک الصلاة متعمدا فقد كفر	۲۳۱
	بین العبد و الکفر ترک الصلاة	۲۳۲
	نفل روزہ کو عذر کی بنا توڑ دینا	۲۴۹
	ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت	۲۶۰
	نہی عن ثمن الکلب ومهر البغی وحلوان الکاهن (حاشیہ میں)	۳۳۸
	لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد	۴۲۲
	من اقتطع حق امرأ مسلم فقد أوجب الله له النار الخ	۴۲۹
	مفقود کی بیوی کے بارے میں حضرت نبی اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ	
	عنه کا ارشاد	۴۲۳
	البينة على المدعى واليمين على من أنكر	۵۲۶



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۳۶	آنکھوں کو حرام امور سے بند رکھو اور شرم گاہوں کی حفاظت کرو (حدیث)	
۵۳۷	مسجد میں بناؤ سنگار کر کے عورت کے آنے کی ممانعت	
۶۶۲	العمل القلیل من السنة خیر من عمل کثیر فی بدعة	
۶۶۳	التکبر علی المتکبر صدقة (مع حاشیہ)	
۶۷۳	الاکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ	
۶۷	<b>طہارت</b>	
۶۹	ستر کھولنے سے وضو نہیں ٹوٹتا	فتویٰ نمبر 17
۶۹	وضو توڑنے والی چیزیں	
۷۱، ۷۰	معذور کا حکم	
۷۲	نسوار چڑھانا ناقص وضو ہے یا نہیں؟	فتویٰ نمبر 18
۷۳	منہ بھرتے کی تعریف	
۷۳	کان میں تیل ڈالنا ک سے نکلا وضو نہ ٹوٹے گا	
۷۳	کان میں تیل ڈالنا منہ سے نکلا وضو ٹوٹ جائے گا	
۷۵	غسل کے بعد نئے وضو کی ضرورت نہیں	فتویٰ نمبر 19
۷۵	اپنی یا دوسرے کی شرم گاہ دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا	
۷۶	دو دروہ حوض کا رقبہ	فتویٰ نمبر 20
۷۶	دو دروہ حوض میں تھوک یا سینک ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔	
۷۷	کپڑے کے موزے کا حکم	فتویٰ نمبر 21
۷۸	بیمار یا ضعیف کو غسل سے مرض بڑھ جانے کا یقین ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 22

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۷۸	تیمم غسل کا خلیفہ ہے۔ اس کے بعد کھانا پینا، مسجد میں جانا جائز ہے	
۷۸	طاقت آنے پر غسل کرنا واجب ہے	
۷۹	ہاتھی کے جسم پر پسینہ یا نجاست نہ ہو تو اس پر بیٹھنے سے آدمی ناپاک نہیں ہوتا	فتویٰ نمبر 23
۸۰	دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا پاک ہے	فتویٰ نمبر 24
۸۱	دودھ وغیرہ میں ناپاک پانی کے ملنے کا یقین نہ ہو تو وہ دودھ وہی کھانا جائز ہے	فتویٰ نمبر 25
۸۱	شہہ سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی	
۸۱	مشرکین کے کھانے پینے کی چیزوں سے بچنا افضل ہے	
۸۳	پوسٹ مارٹم کے دوران مردہ کا خون یا گوشت بدن کو لگ جائے تو دھونا لازم ہے	فتویٰ نمبر 26
۸۵	<b>نماز</b>	
۸۷	عید کے لیے اذان و اقامت سنت نہیں اور نہ تکبیر	فتویٰ نمبر 27
۸۷	نماز عید کے اعلان کے لیے الصلاة جامعة یا دیگر اشارے جائز ہیں	
۸۸	دفن کے بعد قبر پر اذان پڑھنا مستحب ہے مزاحمت نہ کی جائے۔ اور پڑھنا بھی ضروری نہیں	فتویٰ نمبر 28
۹۰	اقامت کہنے والا صف میں ایک جگہ کھڑا ہو کر اقامت کہے یا دروازے سے کہنا شروع کرے اور صفِ اولیٰ پر ختم کرے	فتویٰ نمبر 29
۹۲	انگوٹھے چومنا	فتویٰ نمبر 30
۹۳	زمانہ طاعون و وباء میں اذان کہنا	فتویٰ نمبر 31
۹۵	نیت کی تعریف	فتویٰ نمبر 32
۹۵	نماز میں نیت کی غلطی کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۹۶	صرف زبان سے نیت کا اعتبار نہیں۔ لیکن دلی ارادہ کے ساتھ زبان کے الفاظ کا جمع ہونا مستحسن ہے	
۹۷	فاتحہ خلف الامام کی بحث	فتویٰ نمبر 33
۹۹	قرآن مجید کو ایسی غلطی سے پاک پڑھنا جس سے معنی میں فساد لازم آئے	فتویٰ نمبر 34
۹۹	واجب ہے	
۹۹	قواعد ترقیق، تقسیم، ادغام، تشدید وغیرہ کا جاننا افضل و مستحب ہے	
۹۹	لحن کی تعریف	
۱۰۱	ضاد کو کس طرح ادا کیا جائے	فتویٰ نمبر 35
۱۰۲	ضاد کو ادا کرنے کا طریقہ	فتویٰ نمبر 36
۱۰۲	چار رکعت والی نماز میں آخر میں قعدہ کرنا فرض ہے اور اس میں تشہد پڑھنا	فتویٰ نمبر 37
۱۰۴	واجب	
۱۰۴	چار رکعت والی نماز میں پہلا قعدہ واجب اور اس میں تشہد کا حکم (مع الحاشیہ)	
۱۰۵	نماز کی رکعتوں میں غلطی کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم	
۱۰۶	قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ اور دعا پڑھنا	فتویٰ نمبر 38
۱۰۶	مستحب ہے	
۱۰۶	مستحب کے ترک سے نماز کا اعادہ مستحب سنت کے ترک سے اعادہ سنت اور	
۱۰۶	واجب کے ترک سے واجب ہے	
۱۰۷	الحمد شریف کے بعد سورت ملانا واجب ہے	فتویٰ نمبر 39

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۰۷	واجب کے ترک سے سجدہ سہولاً لازم ہوتا، سجدہ سہولاً بھول جانے کی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہے	
۱۰۷	ترک واجب کے باعث امام سمیت لوگوں نے نماز کا اعادہ کیا تو اس میں فرض کی نیت سے نئے نمازی شریک نہیں ہو سکتے	
۱۰۸	قومہ جلسہ التحیات کے ترک سے نماز کا اعادہ واجب ہے	فتویٰ نمبر 40
۱۰۹	متولی اور اہل محلہ نمازیوں میں امام اور موزن کے تقرر میں اختلاف کی صورت میں شرعی حکم	فتویٰ نمبر 41
۱۱۰	مرد اور عورت اگر ایک نماز میں شامل ہوں تو مرد کی نماز کے باطل ہونے کے شرائط	فتویٰ نمبر 42
۱۱۱	مردوں، بچوں اور عورتوں کی صفوں میں ترتیب	
۱۱۲	امام کو کتنی اونچی جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے؟	فتویٰ نمبر 43
۱۱۵	ضرورت کی بنا پر اونچی جگہ کھڑا ہونے میں مطلقاً کراہت نہیں	
۱۱۷	امام کی بیوی غربت کے باعث لہنگا پہنے تو اس کی امامت جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 44
۱۱۸	امام کا بازو ٹوٹا ہوا ہو اور کانوں تک نہ لے جائے، لنگڑا، جو قدم کے ایک حصہ پر کھڑا ہوتا ہو، جذامی، پیشاب روکنے والے اور جس کا ایک ہاتھ ہو ان کی اقتداء مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرا امام مل سکتا ہو	فتویٰ نمبر 45
۱۱۹	بدعتی کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے	فتویٰ نمبر 46
۱۲۰	بدعتی اور فاسق کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	فتویٰ نمبر 47
۱۲۱	فاسق کی امامت کے بارے میں ایک غلط فتویٰ کی تصحیح	فتویٰ نمبر 48

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۲۳	داڑھی منڈانے والے حافظ کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے	
۱۲۳	جو شخص ایسی نماز کا اعادہ نہ کرے وہ فاسق ہے	
۱۲۷	فاسق کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔ اسے امام بنانا قطعاً ناجائز اور موجب گناہ ہے	فتویٰ نمبر 49
۱۲۹	بلاعذر شرعی ہمیشہ نماز قضا کرنا فسق ہے۔ اسے امام بنانا جائز نہیں	فتویٰ نمبر 50
۱۳۰	فاسق کی اقتداء میں ادا کردہ نماز واجب الاعادہ ہے	
	سود خور، سود دینے والا اور تعزیہ میں چندہ دینے والا فاسق ہے۔ اس کی اقتداء	فتویٰ نمبر 51
۱۳۲	میں نماز مکروہ تحریمی ہے	
	کسی شرعی خرابی کے باعث لوگ کسی کی امامت کو ناپسند کرتے ہوں تو اسے امام	فتویٰ نمبر 52
۱۳۵	بنانا مکروہ تحریمی ہے	
۱۳۸	قمار باز لائق امامت نہیں	فتویٰ نمبر 53
۱۴۰	حنفی کو مالکی کی اقتداء جائز ہے جب کہ وہ مختلف فیہا مسائل میں احتیاط کرے	فتویٰ نمبر 54
۱۴۰	بلاوجہ جماعت ترک کرنے والے کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔	
	حنفیوں میں قابل امامت شخص موجود ہو تو انہیں شافعی کی اقتداء کی بجائے حنفی کو	فتویٰ نمبر 55
۱۴۱	امام بنانا افضل ہے	
	شافعی اگر مختلف فیہا مسائل میں احتیاط نہ کرے تو حنفی کے لیے اس کی اقتداء	
۱۴۱	میں نماز نہ ہوگی	
	شافعی اگر مختلف فیہا مسائل میں احتیاط کرے تو اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنا	
۱۴۱	الگ نماز سے افضل ہے	
۱۴۲	تقلید ترک کرنے والا فاسق و بدعتی ہے اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے	✓

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۴۳	فسق کی چند صورتیں	فتویٰ نمبر 56
۱۴۳	فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعدادہ ہے	
۱۴۴	فسق کی چند صورتیں	فتویٰ نمبر 57
۱۴۵	فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعدادہ ہے	
۱۴۹	فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے	فتویٰ نمبر 58
۱۵۲	امام کو لقمہ دینے سے امام کی نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی مقتدی کی	فتویٰ نمبر 59
۱۵۳	اوقات منہیہ میں نفل واجب اور فرض تینوں مکروہ ہیں	فتویٰ نمبر 60
۱۵۳	ان اوقات میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کا حکم (مع الحاشیہ)	
۱۵۴	اوقات منہیہ کی تفصیل اور ان میں نماز ادا کرنے کا حکم	فتویٰ نمبر 61
۱۵۴	نصف النہار شرعی سے کیا مراد ہے	
۱۵۴	ان اوقات میں نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم (مع الحاشیہ)	
	طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک قصد نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ بلا قصد پڑھ لئے	فتویٰ نمبر 62
۱۵۸	تو حرج نہیں	
۱۵۸	اوقات مکروہہ میں نفل قصد پڑھے ثواب ہوگا لیکن گناہ گار بھی ہوگا۔	
	سنت فجر ادا کرنے کی صورت میں باجماعت نماز کے ترک کا خوف ہو تو سنت	فتویٰ نمبر 63
۱۶۱	ترک کر دے	
۱۶۱	فجر کی سنتیں نہ پڑھ سکے تو ان کو بعد میں ادا کیا جائے یا نہ؟	
۱۶۴	تراویح سنت مؤکدہ ہے	فتویٰ نمبر 64
۱۶۶	فجر کی سنتیں قضا ہو جائیں تو ان کو بعد میں ادا کیا جائے یا نہ؟	فتویٰ نمبر 65

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۷۱	نماز وتر کی رکعتوں میں مسنون قراءۃ	فتویٰ نمبر 66
۱۷۲	سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے	فتویٰ نمبر 67
۱۷۳	سری نماز میں جہر کے ساتھ یا جہری نماز میں سر کے ساتھ الحمد شریف کی ایک آیت بھی پڑھی سجدہ سہو واجب ہے	
۱۷۴	سجدہ سہو کے واجب ہونے کا قاعدہ کلیہ	فتویٰ نمبر 68
۱۷۴	سجدہ سہو کر لینے سے ترک واجب یا تاخیر فرض کا نقصان پورا ہو جاتا ہے۔	
۱۷۴	قعدہ اخیرہ میں ورود پاک کتنی تعداد میں پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے (مع حاشیہ)	
۱۷۵	پہلی یا تیسری رکعت میں التحیات پڑھنی شروع کر دے تو سجدہ سہو لازم آئے گا	فتویٰ نمبر 69
۱۷۵	رکعتوں کی تعداد بھول جانے کی مختلف صورتوں کا حکم	
۱۷۶	پا جامہ یا تہ بند ٹخنوں کے نیچے ہو تو نماز مکروہ ہے	فتویٰ نمبر 70
۱۷۷	نماز کے بعد جانماز کا کونہ لوٹ دینا کیسا ہے؟	فتویٰ نمبر 71
۱۷۸	مسلمان خاک روہوں کو مسجد میں آنے اور نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔	فتویٰ نمبر 72
۱۷۹، ۷۴	پیاز، لہسن کچا کھا کر مسجد میں جانا مکروہ ہے	
۱۸۰	مسجد میں سوال کرنا حاجت مند اور غیر حاجت مند دونوں کو حرام ہے	فتویٰ نمبر 73
۱۸۰	مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے	
۱۸۳	کسی غریب کے لیے سوال کرنا جائز ہے اور اعانت فقراء میں داخل ہے۔	
۱۸۵	بلا ضرورت سوال کرنے والوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دُڑوں سے سزا دی	
۱۸۹	جب تک قرآن سے حاجت مند ہونا ثابت نہ ہو اسے دینا حرام ہے۔	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۹۱	جمعہ کے دن کس وقت خرید و فروخت ناجائز ہے۔	فتویٰ نمبر 74
۱۹۲	خطبہ کے دوران وہ اعمال حرام ہیں جو نماز میں حرام ہیں۔	فتویٰ نمبر 75
۱۹۳	خطبہ، جمعہ کی شرائط	
۱۹۵	جمعہ کے لیے دو خطبے سنت مؤکدہ علی الاتفاق ہیں	
۱۹۵	خطبہ میں مسنون قراءت	
۱۹۷، ۱۹۶	خطبہ دس امور پر مشتمل ہوتا ہے	
۱۹۷	خطبہ میں خلفائے کرام اور اہل بیت کا ذکر مستحسن ہے۔	
۱۹۷	بادشاہ اسلام کے لیے دعا خطبہ میں مستحب نہیں	
	عربی خطبہ کے بعد خطبہ علمی کے اردو مضامین نفع عوام کے لیے پڑھ دیئے جائیں جائز ہے	
۱۹۸		
۱۹۹	نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر ادا کرنا ضروری ہے۔	فتویٰ نمبر 76
۲۰۱	عیدین اور جمعہ شہر میں متعدد مقامات پر جائز ہے	فتویٰ نمبر 77
۲۰۱	متقی امام کی موجودگی میں فاسق کی اقتداء میں نماز جمعہ اور عیدین مکروہ تحریمی ہے	
۲۰۲	نماز عید میں زائد تکبیرات اور ان کا مقام	فتویٰ نمبر 78
	خاوند بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے۔ خاوند اپنی مردہ بیوی کے بازو اور	فتویٰ نمبر 79
۲۰۳	چہرہ کو دیکھ سکتا ہے	
۲۰۴	خاوند مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا بلکہ تیمم کرائے	
۲۰۵	خاوند اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی چھو سکتا ہے۔	فتویٰ نمبر 80
۲۰۶	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کو غسل کیوں دیا؟	



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۰۷	عہد نامہ یا بسم اللہ کفنی پر لکھنے کا حکم	فتویٰ نمبر 81
۲۰۹	متاخرین نے کفن میں علماء و مشائخ کے لیے عمامہ باندھنا مستحسن قرار دیا ہے۔	فتویٰ نمبر 82
۲۱۰	جنازہ کو کس رفتار سے لے کر چلیں؟	فتویٰ نمبر 83
۲۱۱	نمازِ جنازہ کی نیت	فتویٰ نمبر 84
۲۱۱	نمازِ جنازہ کی شرائط	
۲۱۲	تیسری تکبیر کے بعد مرد اور عورت کے لیے دعاء	فتویٰ نمبر 85
۲۱۳	نمازِ جنازہ کی صفوں کے درمیان فاصلہ	فتویٰ نمبر 86
۲۱۵	جنازہ کی صفیں طاق ہوں	فتویٰ نمبر 87
	جنازے چند ہوں کو ایک بار سب پر نماز پڑھی جائے یا باری باری ان کو رکھنے	فتویٰ نمبر 88
۲۱۶	کی ترتیب	
۲۱۸	امام مردہ سے کتنے فاصلے پر کھڑا ہو	فتویٰ نمبر 89
۲۱۹	جنازہ کی نماز کے لیے نمازِ جمعہ کا انتظار کرنا مکروہ ہے	فتویٰ نمبر 90
۲۲۰	نمازِ جنازہ کے لیے مردہ کو مسجد یا محن میں رکھنا کیسا ہے؟	فتویٰ نمبر 91
۲۲۲	عذر کی بنا پر مسجد میں نمازِ جنازہ درست ہے	
	بغیر جنازہ پڑھے مردے کو دفن کر دیا تو کتنے عرصہ تک اس کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا	فتویٰ نمبر 92
۲۲۳	کی جاسکتی ہے؟	
۲۲۶	مردے کو قبر میں کس طرف سے اتارا جائے؟	فتویٰ نمبر 93
۲۲۸	نمازِ پنجگانہ ادا نہ کرنے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم	فتویٰ نمبر 94
۲۲۹	کن لوگوں کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے گی	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۳۱، ۲۳۰	مقروض کی نماز جنازہ کا حکم	
۷۱۱	شوہر نے بیوی کے مرنے پر تجھیز و تکلفین کے اخراجات و رثاء کے کہے بغیر کیے تو اب بیوی کے متروکہ مال سے وصول نہیں کر سکتا	
۲۳۳	<b>زکوٰۃ</b>	
۲۳۵	زکوٰۃ و عشر اگر ظالم حاکم نے وصول کر کے بے جا صرف کر لیا ہو تو دوبارہ ادا کرنا افضل ہے	فتویٰ نمبر 95
۲۳۷	جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو یا تندرست ہو اور کما کر کھا سکتا ہو تو اسے سوال کرنا حرام ہے۔	فتویٰ نمبر 96
۲۳۸	کن لوگوں کو سوال کرنا جائز ہے اور کن کو حرام ہے؟	
۲۳۹، ۲۳۸	جن لوگوں کو سوال کرنا جائز نہیں انہیں دینا بھی جائز نہیں	
۲۴۱	صدقہ فطر کی مقدار کی تحقیق	فتویٰ نمبر 97
۵۴۹، ۲۴۲	صدقہ فطر کی درج بالا تحقیق سے آپ نے رجوع فرمایا تھا	
حاشیہ میں		
۲۴۳	<b>روزہ</b>	
۲۴۵	مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں عید کے چاند کے اثبات کے لیے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے۔	فتویٰ نمبر 98
۲۴۸	عرفہ کے دن کے روزے کا حکم	فتویٰ نمبر 99
۲۴۹	نفلی روزہ کسی مسلمان کو خوش کرنے یا گرمی یا پیاس کے غلبہ کے باعث توڑنا جائز ہے لیکن قضا واجب ہے	فتویٰ نمبر 100

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۵۳	<b>خرید و فروخت</b>	
۲۵۵	نوٹ پر کمیشن لے کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں	فتویٰ نمبر 101
۲۵۷	مشترک جائداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں	فتویٰ نمبر 102
۲۵۸	قرض کی ادائیگی کے وقت قرض کی مقدار سے زائد دینا مستحب ہے	فتویٰ نمبر 103
۲۵۸	قرض لیتے وقت اگر زیادہ دینے کی شرط لگائی تو سود ہے	
۲۶۰	ادھار، نقد قیمت سے زائد پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں	فتویٰ نمبر 104
۲۶۱	ذبح سے قبل قربانی کی کھال فروخت کرنا جائز نہیں۔	فتویٰ نمبر 105
	تھن میں دودھ، صدف میں موتی، پیٹھ پر اون اور حیوان کے جسم پر چمڑے کی	
۲۶۱	فروخت جائز نہیں	
	تاڑی میں نشہ نہیں آیا کا فر کو بیچی یہ معلوم ہے کہ نشہ کے لیے خرید رہا ہے تو بعض	فتویٰ نمبر 106
۲۶۲	کے نزدیک جائز ہے	
	بغیر نشہ کے تاڑی مسلمان کو فروخت کی یہ معلوم ہو کہ نشہ کے لیے خریدتا ہے تو	
۲۶۲	بالا تفاق مکروہ ہے۔	
۲۶۵	سود کی رقم انگریزی سکولوں میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں۔	فتویٰ نمبر 107
۲۶۸	روپیہ اس شرط پر قرض دیا کہ واپسی پر اس قدر جنس یا رقم زائد ادا کروں گا سود ہے	فتویٰ نمبر 108
۲۷۰	حتی المقدور سود کا ادا نہ کرنا ضروری ہے	فتویٰ نمبر 109
۲۷۱	بیع سلم کی شرائط اور حکم	فتویٰ نمبر 110
۲۷۲	ایک من جوار نخود کے عوض ایک من غلہ کسی مدت پر لینا جائز ہے یا نہیں	فتویٰ نمبر 111

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	ایک شخص نے اپنا حصہ بلا تقسیم فروخت کر دیا تقسیم سے دوسروں کو نقصان نہ ہوتا ہو تو بقول امام ابو یوسف بیع جائز ہے ورنہ بالاتفاق ناجائز ہے	۷۱۴
	<b>حجر</b>	۲۷۵
فتویٰ نمبر 112	تابالغ لڑکی اپنا مہر معاف نہیں کر سکتی کسی کو اپنی کوئی چیز ہبہ نہیں کر سکتی	۲۷۷
	بالغ ہونے پر بلا جبر واکراہ مہر معاف کر سکتی ہے۔	۲۷۷
	تابالغ لڑکی کا باپ بھی مہر معاف نہیں کر سکتا۔	۲۷۷
	<b>مضاربت</b>	۲۸۱
فتویٰ نمبر 113	مضاربت کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مال کے مالک اور کام کرنے والے کا نفع میں حصہ مقرر ہو۔	۲۸۳
	ہر وہ شرط جس سے نفع کا حصہ مجہول ہو وہ مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے۔	۲۸۳
	یہ شرط لگائی کہ نقصان کا ذمہ دار مضارب ہو گا یہ شرط فاسد ہے لیکن مضاربت صحیح ہے	۲۸۳
	مضاربت صحیح ہو نفع نہ ہو تو مضارب کو کچھ نہ ملے گا۔	۲۸۵
	مضاربت میں نقصان کی صورت میں نقصان پہلے نفع سے پورا کیا جائے گا اگر پورا نہ ہو تو مضارب سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا۔ اصل زر سے پورا کیا جائے گا	۲۸۶
	کسی کو ہزار روپیہ دیا کہ آدھے مضاربت کے لیے ہیں اور آدھے ہبہ ہیں ساری رقم ضائع ہوگی تو ہبہ کے حصہ کا ضامن ہوگا	۷۱۷

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۸۷	<b>وکالت</b>	
۲۹۰، ۲۸۹	وکیل کے پاس وصول شدہ روپیہ امانت ہوتا ہے۔ اس کے ضائع ہونے پر وہ ضامن نہیں۔	فتویٰ نمبر 114
۲۹۲	فرستادہ شخص بغرض وصول و قبض شرعاً امین ہوتا ہے	فتویٰ نمبر 115
۲۹۳	قرض وصول کرنے کے لیے وکیل، خصومت کا وکیل نہیں ہوتا، وصول کے بعد وہ امین ہوتا ہے	
۲۹۵	<b>ہبہ</b>	
۲۹۷	ہبہ کے ارکان اور اس کے مکمل ہونے کے شرائط۔	فتویٰ نمبر 116
۳۰۰	تابالغ، دادا، بھائی، ماں یا چچا کی کفالت میں ہو کسی نے تابالغ کو ہبہ کیا اور کفیل نے ہبہ پر قبضہ کیا تو صحیح یہ ہے کہ ہبہ کامل ہو جائے گا۔	
۳۰۰	باپ نے تابالغ کو ہبہ کیا تو عقد ہی سے کامل ہو جائے گا	
۳۰۱، ۳۰۰	تابالغ لڑکیاں باپ کی کفالت میں ہیں ماں نے کوئی چیز ہبہ کی جب تک وہ باپ کے قبضہ میں نہ دے ہبہ کامل نہ ہوگا	
۳۰۲	اجنبی تابالغ کی کفالت کرتا ہو تو اس کے قبضہ سے ہبہ کامل ہو جائے گا	
۳۰۳	باپ اپنی اولاد میں کسی ایک کو جائداد ہبہ کرے اپنا قبضہ اٹھا کر اسے قبضہ دے دے تو ہبہ کامل ہے	فتویٰ نمبر 117
۳۰۳	چند ورثاء کو محروم کر کے ایک یا باقی کو ہبہ کرنا حرام تو نہیں مگر وہ اور ظلم ضرور ہے	
۳۰۳	مرض الموت میں کسی وارث کو ہبہ کرنا یا وصیت نامہ لکھ دینا وصیت ہے جو باطل ہے	
۳۰۴		

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۳۰۵	مرض الموت کا ہبہ ابتداء میں ہبہ ہوتا ہے لیکن وصیت کا حکم رکھتا ہے	فتویٰ نمبر 118
۲۷۷	نابالغہ کے مال سے ولی کو ہبہ کا اختیار نہیں۔	
۳۰۴	مرض الموت کا ہبہ بالآخر وصیت ہو جاتا ہے۔	
۳۰۵	مرض الموت میں کیا ہوا ہبہ موت کے بعد وصیت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔	
۷۰۱	ہبہ موہوب لہ کے قبض کرنے سے تام ہوتا ہے	
۷۰۳	بعض ورثاء کو محروم کرنا اور بعض کو ہبہ کرنا مکروہ اور ظلم ہے۔	
۷۰۴	نابالغ کو ہبہ کیا تو اس کے ولی کا قبضہ کرنا شرعاً نابالغ کا قبضہ کرنا شمار ہوتا ہے۔	
۷۰۴	باپ نے نابالغ بچے کو کوئی چیز ہبہ کی تو یہ ہبہ صرف عقد سے کامل ہو جاتا ہے۔	
۷۱۶	ہبہ مشاع اگر تقسیم سے بیکار نہ ہو تو جائز نہیں	
۷۱۷	ایک شخص نے ہزار روپیہ کسی کو دیا آدھے مضاربت کے لیے اور آدھے ہبہ کے لیے ساری رقم ضائع ہو گئی تو مضارب ہبہ کا ضامن ہوگا۔	
۷۲۱	خاوند نے بحالت صحت بیوی کو زیور ہبہ کر کے پہنا دیا تو اب وہ زیور بیوی کی ملکیت ہے	
۷۶۳	نابالغ کو ہبہ کیا جائے اس کے باپ کے قبضہ میں دے دی تو ہبہ کامل ہو گیا۔	
۸۰۴	زنا کی اولاد کو ہبہ کیا ہبہ درست ہے	
۳۰۷	<b>وقف</b>	
۳۰۹	مدت دراز تک ایک شخص جائداد پر مالکانہ تصرف کرتا رہا تو وقف کی دستاویز کا اعتبار نہیں	فتویٰ نمبر 119
۳۱۱	متولی عرصہ دراز تک مالکانہ تصرف کرتے رہے تو وقف کا دعویٰ لائق سماعت نہیں ہے	فتویٰ نمبر 120

صفیہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۳۱۳	زمین وقف کی تو جب تک متولی کے حوالہ نہ کی وقف کامل نہ ہوا۔	فتویٰ نمبر 121
۳۱۳	وقف کا ارادہ کرنے سے زمین وقف نہ ہوگی۔	
۳۱۴	غیر وقف کو وقف قرار دینا بے دینی ہے۔	
۳۱۴	وقف کا بیچنا اور اس کے بدلے روپیہ لینا حرام ہے۔	
۳۱۵	قبضہ دیئے بغیر وقف پورا نہیں ہوتا۔	فتویٰ نمبر 122
۳۱۶	جب تک وقف کرنے والا نماز ادا کرنے کی اجازت نہ دے جگہ مسجد قرار نہیں پاتی	
۳۱۶	واقف کی اجازت سے ایک دو مردے دفن ہو جائیں تو جگہ قبرستان کے لیے	
۳۱۶	وقف قرار پائے گی۔	
۳۱۷	وقف کیے بغیر کسی کا مال وقف نہیں ہو سکتا۔	فتویٰ نمبر 123
۳۱۸	مکان اور دکان جب تک وقف کر کے متولی کے سپرد نہ کر دے وقف تام نہیں	
۳۱۸	ہو سکتا	
۳۲۰	قدیمی قبرستان میں قبروں کے نشانات مٹ چکے ہوں طلبہ کے لیے مدرسہ	فتویٰ نمبر 124
۳۲۱	بنانا جائز نہیں ہے	
۳۲۱	ایک یاد و قبریں کسی جگہ ہوں ان پر حجرہ یا گنبد بنا کر مسجد کا صحن بنانا جائز ہے۔	
۳۲۳، ۳۲۱	قبرستان کا گھاس کاٹ کر چوپایوں کو کھلایا جاسکتا ہے۔ چوپائے قبرستان میں نہ	
۳۲۳، ۳۲۱	چھوڑے جائیں۔	
۳۲۳، ۳۲۱	زمین قبرستان کے لیے وقف کی ایک مردہ بھی دفن کر دیا گیا لیکن وہ جگہ مردے	
۳۲۳، ۳۲۱	دفن کرنے کے لائق نہ ہو تو قبرستان قرار نہ پائے گی۔	
۳۲۳	ہندو کے روپیہ سے جو مسجد بنوائی جائے اس کا حکم مسجد کا سا نہیں ہوتا۔	فتویٰ نمبر 125

صفیہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۳۲۲	ہندو کے روپیہ سے مسجد کے لیے جھاڑ، فانوس، پنکھے، مسجد کے کنوئیں وغیرہ پر خرچ کر سکتے ہیں	
۳۲۵	وقف کے صحیح ہونے کے بعد واقف چیز واپس نہیں لے سکتا۔	فتویٰ نمبر 126
۳۲۶	وقف کے بعد واقف چیز کا مالک نہیں رہتا۔	
۳۲۶	وقف کی ہوئی چیز پرانی ہو جانے پر ضرورت کی بنا پر متولی یا واقف اس کے بدلے میں نئی چیز خرید کر رکھے تو بالاتفاق جائز ہے۔	
۳۲۸	محلہ ویران ہونے کی صورت میں میت کو اٹھانے کا تابوت نہلانے کا تختہ وغیرہ قریب کے محلہ میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔	
۳۲۹	پہیل کے درخت کے نیچے ہندو عبادت کرتے ہوں اس کے نیچے سے مسجد نکلے تو اس کو قائم کرنے میں بڑا ثواب ہے۔	فتویٰ نمبر 127
۳۳۰	مسجد کی تعمیر کے وقت وقف کرنے سے پہلے مسجد کے نیچے یا اوپر حجرہ یا مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے۔	فتویٰ نمبر 128
۳۳۰	وقف کرنے کے بعد مسجد کے نیچے یا اوپر کوئی حجرہ یا خانہ بنانا جائز نہیں۔	
۳۳۲	مسجد یا فٹائے مسجد میں دکان تعمیر کرنا درست نہیں۔	فتویٰ نمبر 129
۳۳۳	مسجد بنوائی لیکن اس کے نیچے یا اوپر اپنی ملکیت برقرار رکھ کر تہہ خانہ یا مکان بنایا تو وہ جگہ مسجد قرار نہ پائے گی۔	
۳۳۵	زمین یا مکان اگر بعینہ وہی ہے جس کو واقف نے وقف کیا ہو تو اسے بیچنا ناجائز ہے	فتویٰ نمبر 130
۳۳۵	وقف کی آمدنی سے مکان یا زمین خریدی تو اسے فروخت کر سکتے ہیں۔	



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۳۳۵	وقفی مکان منہدم ہو گیا اس کو آباد کرنا مسجد رہو اور کرایہ پر نہ چڑھایا جاسکتا ہو تو قاضی کی اجازت سے اسے فروخت کر سکتے ہیں۔	
۳۳۷	غیر مسلم نے مسجد بنوائی اس میں نماز ادا کرنا جائز ہے لیکن مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔	فتویٰ نمبر 131
۳۳۸	رنڈی (طائفہ) کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	فتویٰ نمبر 132
۳۳۹	مسجد میں اہل اسلام کے سوا کسی کا روپیہ نہ لگائیں۔	فتویٰ نمبر 133
۳۴۰	مسجد کی تعمیر کے لیے سامان غیر مسلم سے خرید سکتے ہیں	فتویٰ نمبر 134
۳۴۱	مسجد ویران ہو گئی اگر اس کا سامان کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اسے کسی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔	فتویٰ نمبر 135
۳۴۲	ویران مسجد کا سامان تلف ہونے کا غالب گمان ہو تو اسے دوسری مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں	
۳۴۳	مسجد کی گھاس اور چٹائیاں اگر ان کی ضرورت نہ رہے تو قریب ترین مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔	
۳۴۴	وقف کنوئیں اور سرائے کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے	
۳۴۵	پرانی مسجد کی اشیاء فروخت کر کے ان کی قیمت نئی مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 136
۳۴۶	صرف اتنا کہہ دینے سے کہ میں نے اپنا مکان مسجد کے لیے وقف کیا وہ مکان وقف نہ ہوگا جب تک متولی کے سپرد نہ کرے۔	فتویٰ نمبر 137
۳۴۸	مسجد کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف	فتویٰ نمبر 138
۳۴۹	مسجد کے لیے وقف کرنے کے بعد نہ رجوع کر سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی وراثت بنتی ہے۔	

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	کسی نے مسجد بنوائی لیکن اس کے نیچے تہہ خانہ یا اوپر اپنا گھر بنا لیا تو وہ اس کو فروخت کر سکتا ہے۔	۳۵۰، ۳۴۹
فتویٰ نمبر 139	عالم باپ مر گیا اولاد چھوڑی جو باپ کی طرح اپنی خدمات انجام دیتی ہو تو حاکم پر لازم ہے کہ باپ کا وظیفہ اس کی اولاد کو دے۔	۳۵۲
	جاہل اور ناقابلِ امامت اولاد باپ کے بیت المال سے مقرر وظیفہ کی حق دار نہیں	۳۵۵
فتویٰ نمبر 140	واقف خود متولی ہو یا واقف کی جانب سے دیانت دار متولی ہو اسے معزول کرنا درست نہیں	۳۵۹
فتویٰ نمبر 141	بانی مسجد اور اہل محلہ مسجد کی خبر گیری کریں اگر جھگڑا کریں تو ان کا یہ حق جاتا رہتا ہے	۳۶۱
فتویٰ نمبر 142	دکاندار مجبوری کے باعث پانی کو جامع مسجد سے دکان پر لے جاسکتے ہیں یا نہیں	۳۶۳
فتویٰ نمبر 143	مسجد کی زمین میں نمی ہو تو درخت لگانا جائز ہے۔	۳۶۴
	مسجد میں درخت ہو اس کا فائدہ نہ ہو تو اسے باقی رکھنا جائز نہیں۔	۳۶۴
فتویٰ نمبر 144	مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۳۶۶
	مسجد کی چھت مسجد کا حکم رکھتی ہے اس پر جماع کرنا، پاخانہ پھرنا مکروہ تحریمی ہے	۳۶۶
	کعبہ کی چھت پر چلنا مکروہ ہے	۳۶۷
	سات مقامات پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے (حدیث)	۳۶۷
	بیت اللہ کے اندر داخلہ مستحب ہے جب کہ خود کو یا دوسروں کو تکلیف نہ دے	۳۶۸
	مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے۔	۳۶۸

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۳۶۹	بغرض اذان مسجد کی چھت پر چڑھنا صحابہ کرام سے ثابت ہے۔	
۳۷۰	علامہ شامی سے اختلاف۔	
۳۷۱	مسجد حرام میں نمازی سے آگے گزرنا ممنوع نہیں۔	
۳۷۳	کسی بادشاہ یا امیر کا مسجد کے لیے وقف کا حکم عام اوقاف سے مختلف ہے۔	فتویٰ نمبر 145
۳۷۳	ایسے اوقاف سے طلباء، فقراء، امام مدرس کی تنخواہ وغیرہ دے سکتے ہیں افطاری کا بندوبست بھی کر سکتے ہیں۔	
۳۷۸	متولی نے مسجد کے مقدمہ پر اپنی جیب سے خرچ کیا وہ مسجد کے فنڈ سے وصول کر سکتا ہے	فتویٰ نمبر 146
۳۷۹	مسجد کی پرانی اشیاء کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔	فتویٰ نمبر 147
۳۸۰	صحیح مسجد میں پرانی قبریں آجائیں تو ان کو برابر کر کے مسجد میں داخل کر لیا جائے	فتویٰ نمبر 148
۳۸۱	شیعہ کی مسجد کا حکم	فتویٰ نمبر 149
۳۸۲	وقف کی تعریف اور حکم (وقف کی قسم اول)	فتویٰ نمبر 150
۳۸۳	وقف کنندگان کئی ایک ہوں یا وقف کنندہ ایک ہو لیکن وقف کی جہات مختلف ہوں تو واقف کی شرط کے خلاف کرنا جائز نہیں	
۳۸۳	وقف کنندہ ایک ہو اور اوقاف متعدد ہوں اور تمام کی جہت ایک ہی ہو تو ایک کا باقی ماندہ مال دوسرے میں خرچ کرنا جائز ہے۔	
۳۸۵	مسجد میں واقع مدارس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک کی آمدنی دوسرے میں خرچ کرنا جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں	

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	مسجد کے لیے معین وقف کی آمدنی مدرسہ پر اور اسی طرح اس کے برعکس جائز نہیں ہے	۳۸۵
	مسجد کی تعمیر کے لیے وقف رقم سے بچ رہے اس کا مصرف کیا ہے۔	۳۸۶
	واقف کی شرط کے بغیر معین وقف سے کسی کا وظیفہ بغیر ضرورت کے مقرر کرنا	۳۸۶
	قاضی کے لیے جائز نہیں ہے اور ضرورت کی صورت میں جائز ہے۔	۳۸۷
	وقف کی دوسری قسم:	۳۸۷
	واقف نے مطلق مصالح مسجد کے لیے وقف کیا تو مصلحتوں کا تعین عرف زمانہ کے لحاظ سے ہوگا۔	۳۸۷
	قدیم زمانہ کا عرف معلوم ہو تو بھی عرف زمانہء حال ملحوظ ہوگا۔	۳۸۸
	اختلاف زمانہ کے باعث مصالح مسجد کا اختلاف	۳۸۸
	مسجد اور مدرسہ کے ملازم اجیر ہوتے ہیں بغیر کام کے اجرت کے مستحق نہیں ہو سکتے	۳۸۹، ۳۸۸
	وقف کی تیسری قسم (امراء اور بادشاہ ہوں کے اوقاف)	۳۹۶
	اس قسم کا حکم بیت المال سے وقف کا سا ہوتا ہے واقف کو اس سے ثواب ہوگا	۳۹۹
	بیت المال کی وقف شدہ چیز میں واقف کی شرط کا اعتبار نہیں ہوتا۔ دوسری جگہ بھی صرف کیا جاسکتا ہے۔	۳۹۹
	بیت المال کے وقف سے امداد کے مستحقین	۴۰۱
	بیت المال کے وقف کی آمدنی کم ہونے کی صورت میں مستحق کون ہوں گے۔	۴۰۳
	جن لوگوں کو بیت المال سے بطریق اعانت و عزت اسلامی کے وظیفہ ملتا ہو ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹوں کو وہی وظیفہ دیا جائے گا۔	۴۱۱
		۴۱۳
		۴۱۴

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۱۵	مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل نہ کیا جائے اگرچہ دوسری جگہ نافع ہو	فتویٰ نمبر 151
۴۱۵	اگر مسجد ویران ہو جائے اور ظالم لوگ اس کا سامان اپنے کام میں لائیں تو اسے منتقل کرنا جائز ہے۔	
۴۱۶	غاصب مسجد چھین کر قیمت دے تو متولی کے لیے وصول کرنا جائز ہے اس سے نئی مسجد بنا دے	
۴۱۷	مسجد یا حوض ویران ہو جائے اور اس کے ملبہ کے چوری ہونے کا خدشہ ہو تو دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔	
۴۱۹	قبرستان کو بصورتِ ضرورت مسجد بنانا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 152
۴۱۹	کفار کے قبرستان کو مسلمانوں کا قبرستان بنایا جاسکتا ہے جب کہ ہڈیاں ختم ہو چکی ہوں	
۴۲۰	قبرستان کی نیت سے ایک یا دو قبریں بنا دیں لوگ کسی خاص وجہ سے وہاں دفن کرنا ترک کر دیں تو اس جگہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔	
۴۲۱	دفن کے بعد میت کو نکالنا جائز نہیں مگر چند عذروں کی بناء پر جائز ہے۔	
۴۲۲	قبر پر بیٹھنے کا عذاب (حدیث)	
۴۲۳	مسجد کے نیچے یا اوپر واقف کو بھی اپنی سکونت کا مکان بنانا بالاتفاق ناجائز ہے لیکن حضرت امام محمد نے اس کی اجازت دے دی۔	
۴۲۴	قبر کا نشان مٹائے بغیر مسجد کی کرسی اونچی رکھ کر ان پر کوٹھڑے بنا دیے جائیں۔	
۴۲۴	قبر کو مسجد بنانے کی ممانعت کا معنی ہے کہ ان کو قبلہ نہ بنایا جائے۔	
۴۲۵	نیک آدمی کی قبر کے پاس مسجد بنانا بغرض حصولِ برکت جائز ہے۔	

صفیہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۲۶	چبوترہ موقوفہ علی المسجد مسجد سے اتنا دور ہو کہ درمیان میں رستہ حائل ہو تو اس پر نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ہوگا	فتویٰ نمبر 153
۴۲۷	<b>غصب</b>	
۴۲۹	کسی کا مال تلف کرائے یا حق تلفی کرائے اس کے واسطے وعید عذاب نثار ہے۔	فتویٰ نمبر 154
۷۱۵	مشترکہ جائیداد کا کرایہ وصول کرتا رہا اس پر لازم ہے کہ دوسرے حصہ داروں کا حصہ ان کو ادا کرے۔	
۸۴۴	کسی کی زمین میں مالک کی اجازت کے ساتھ مکان تعمیر کیا تو خرچ وصول کر سکتا ہے اگر بغیر اجازت تعمیر کیا تو خرچ وصول نہیں کر سکتا۔	
۴۳۱	<b>عاریہ</b>	
۴۳۳	شوہر کی جانب سے زیور اگر عاریت ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے اگر مہر ہے تو واپس نہیں لے سکتا۔	فتویٰ نمبر 155
۴۳۳	شوہر عاریت کا دعویٰ کرے اور عورت مہر کا اور گواہ کوئی نہ پیش کرے تو عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا۔	
۴۳۴	شوہر نے جو زیور پہنایا اگر عرف میں وہ عاریت شمار ہوتا ہو تو وہ عاریت ہے ورنہ عورت کی ملک ہے۔	
۵۰۶	تابع کا مال اس کے سرپرست کے پاس بالغ ہونے تک بطور امانت ہوتا ہے	
۸۴۸	<b>مفقود</b>	
۴۳۷	انتہائی مجبوری کی صورت میں مفقود خاوند کی زوجہ کے لیے شافی اور مالکی قول کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 156
۴۳۹		

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۴۰	مسئلہ مفقود میں ضرورت کے وقت مالکی اور شافعی قول کے مطابق عمل درست ہے	فتویٰ نمبر 157
۴۴۱	مفقود خاوند کی بیوی اس وقت نکاح نہ کرے جب تک اس کے خاوند کے ہم عمر نہ مرجائیں	فتویٰ نمبر 158
۴۴۲	مفقود کی بیوی کے لیے شوہر کی جائداد سے نان و نفقہ کا انتظام کیا جائے۔	فتویٰ نمبر 159
۴۴۲	قاضی کو اختیار نہیں کہ مفقود کی بیوی اور خاوند کے درمیان تفریق کا حکم نافذ کرے	
۴۴۳	مفقود کی عمر نوے برس ہوگی تو اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا اس کے بعد عورت عدت گزارے اور پھر نکاح کرے	
۴۶۸	ضرورت کی بناء پر مفقود کی بیوی کے بارے میں امام مالک کے قول پر فتویٰ جائز ہے	
۴۴۵	<b>احیاء الموات</b>	
۴۴۷	خود روگھاس اور درخت ایسی زمین میں ہوں جو کسی کی ملکیت نہیں ان میں سب مسلمانوں کا حصہ ہے۔	فتویٰ نمبر 160
۴۴۷	خود روگھاس اور درخت مملوکہ زمین میں ہوں تو بھی سب مسلمانوں کا حصہ ہے	
۴۴۷	لیکن صاحب زمین کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین میں کسی کو نہ آنے دے	
۴۴۸	خود روگھاس یا لکڑی کاٹ کر رکھی تو وہ کاٹنے والے کی ملکیت ہے۔	
۴۴۸	گھاس بونے اور لگانے سے اُگے تو یہ مالک زمین کی ملکیت ہے۔	
۴۴۸	پانی، گھاس اور آگ سب کا حکم یہی ہے۔	

صفیہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۵۱	<b>نکاح</b>	
۲۵۱	نکاح کے رکن ایجاب و قبول ہیں اور شرط دو گواہوں کا مجلس نکاح میں موجود ہونا ہے	فتویٰ نمبر 161
۲۵۳	قاضی شہر کے علاوہ جو بھی نکاح پڑھائے نکاح ہو جاتا ہے۔	
۲۵۳	دلہا دلہن گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیں نکاح ہو جاتا ہے۔	
۲۵۳	اگر عورت مجلس نکاح میں موجود نہ ہو اور نہ ہی وکیل یا ولی ہو تو قاضی خود عورت سے اجازت لے کر دلہا کو قبول کرادے۔	فتویٰ نمبر 162
۲۵۳	قبول کراتے وقت عورت کا نام مع اس کے والد کے نام کے ضرور لے تاکہ سب پہچان لیں	
۲۵۳	نکاح میں عورت کی پہچان ضروری ہے جس سے نکاح ہو رہا ہے اس کی مختلف صورتیں	فتویٰ نمبر 163
۲۵۵	حاملہ بالنکاح کا نکاح درست نہیں	فتویٰ نمبر 164
۲۵۸	زنا سے نکاح نہیں ٹوٹتا	فتویٰ نمبر 165
۲۵۹	عدت کے دوران نکاح درست نہیں۔	فتویٰ نمبر 166
۲۶۰	نکاح صغیرہ میں مہر مثل سے کم جائز نہیں اگر کم ہوگا تو پورا مہر مثل شوہر سے دلایا جائے گا	
۲۶۱	عدت گزرنے سے پہلے نکاح درست نہیں۔	فتویٰ نمبر 167
۲۶۳	جن لوگوں نے عدت کے دوران نکاح پڑھایا یا گواہ بنے یا وکیل بنے تو سب پر توبہ لازم ہے	
۲۶۳		



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۶۴	جس کا دودھ پیا اس کی کسی لڑکی سے نکاح درست نہیں۔	فتویٰ نمبر 168
۴۶۴	رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح درست ہے۔	
۴۶۵	ممانی اور بھانجے کا نکاح درست ہے۔	فتویٰ نمبر 169
۴۶۶	نابالغ کے نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے۔	فتویٰ نمبر 170
	جس کو نابالغ کے مال میں تصرف کا حق ہے اسے اس کی ذات میں تصرف بھی جائز ہے	
۴۶۷		
۴۶۸	نابالغ کا نکاح قاضی بھائی یا ماں نے کیا تو بلوغ کے بعد اسے خیال فرما کر حاصل ہے	فتویٰ نمبر 171
۴۶۹	آزاد عاقل بالغ عورت نے اپنا نکاح کسی سے کر لیا تو جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 172
۴۷۰	بالغہ باکرہ عورت کو نکاح پر مجبور نہ کیا جائے گا۔	فتویٰ نمبر 173
۴۷۰	چچا تا یا یا ماں نے بالغہ عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو نکاح نہ ہوگا۔	
۴۷۱، ۴۷۰	بالغہ عورت کا بوقت نکاح ہنسنا یا چپ رہنا اذن کے قائم مقام ہے۔	
	خالہ زاد بھائی کے ساتھ نکاح درست ہے۔ جائز نہ سمجھنے والوں کے نکاح ٹوٹ جائیں گے	
۴۷۱		
	نابالغہ کا نکاح ولی اقرب (باپ) کی اجازت پر موقوف ہے خواہ اجازت صراحتاً ہو یا دلالتاً	فتویٰ نمبر 174
۴۷۲		
	ولی ابعدا نے ولی اقرب کی موجودگی میں نکاح کیا تو وہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔	
۴۷۲		
۴۷۳	غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔	
	ولی ابعدا نے نکاح کیا ولی اقرب مجلس میں موجود تھا تو اس کا سکوت اجازت قرار نہ پائے گا صریح اجازت کی ضرورت ہے۔	
۴۷۳		

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۷۴	بالغہ کا نکاح بغیر صریح اجازت کے وکیل نے کر دیا نکاح صحیح نہیں۔	فتویٰ نمبر 175
۴۷۴	چچا زاد بھائی ماں سے زیادہ قریب ولی ہے۔	
۴۷۴	غیر کفو میں نکاح میں سکوت رضا مندی نہیں۔	
۴۷۵	عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا تو ولی کے مطالبہ پر قاضی تفریق کر دے گا۔	
۴۷۶	بلا اجازت اور اطلاع نکاح کو فضولی کہتے ہیں۔	فتویٰ نمبر 176
۴۷۶	نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اجازت نہ دے تو نکاح نہیں ہوتا	
۴۷۷	باپ کی موجودگی میں اس کی نابالغ بیٹی کا نکاح ہوا تو یہ باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا	فتویٰ نمبر 177
۴۷۸	درج بالا صورت میں باپ کا سکوت اجازت نہیں بلکہ صراحتاً یا دلالتاً اجازت ضروری ہے	
۴۷۸	باپ یا دادا کے سوا کسی اور نے غیر کفو میں نکاح کیا یا مہر مثل سے کم نکاح کیا تو بھی نکاح صحیح نہیں۔	
۴۸۰	نانا ابعدا ترین اولیاء سے ہے	فتویٰ نمبر 178
۴۸۰	ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعدا نے نکاح کیا نکاح صحیح نہیں۔	
۴۸۱	ولی اقرب اہل ولایت نہ ہو یا وہ اتنی دور چلا گیا ہو کہ کفو کی پیش کش کے فوت ہونے کا خوف ہو تو ولی ابعدا کا نکاح درست ہے۔	
۴۸۲	ولی ابعدا نے نکاح کیا تو لڑکی کو اختیارِ فسخ حاصل ہے۔ لیکن عورت قاضی سے فسخ کرائے	
۴۸۲	حیض آنے کے متصل بعد دو گواہ فسخ پر مقرر نہ کرے تو اختیارِ فسخ باقی نہیں رہتا	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۲۸۳	خیارِ بلوغ سے علیحدگی ہوئی خاوند نے دخول نہ کیا تھا تو عورت کو مہر نہ ملے گا۔	
۲۸۴	فاسق صالحہ عورت کا کفو نہیں ہے۔	فتویٰ نمبر 179
۲۸۵	مہر کی اقسام مؤجل، معجل اور مہر مثل	فتویٰ نمبر 180
۲۸۵	مہر مؤجل کا حکم	
۲۸۶	مہر معجل کا حکم	
	حاملہ بالزنا سے نکاح درست ہے اگر زانی نے نکاح کیا تو وطی بھی درست ورنہ	
۷۸۸	وضع حمل تک جماع جائز نہیں۔	
۲۸۷	مہر مثل کا حکم	
۲۸۹	متعہ طلاق کب واجب ہوتا ہے اور اس کی تفصیل	
۲۹۱	مہر معجل اور مہر مؤجل کا حکم	فتویٰ نمبر 181
۲۹۲	ذکر مہر شرط جواز نکاح نہیں ہے۔	فتویٰ نمبر 182
۲۹۲	بوقت عقد نکاح جو مہر مقرر کیا جائے وہی لازم ہوتا ہے۔	
۲۹۲	بلا ذکر مہر نکاح کی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔	
۲۹۲	مہر کے بغیر نکاح کیا پھر بھی مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔	
	تابالغ لڑکے کا نابالغ عورت سے والدین کی ولایت میں نکاح ہو تو مہر خاوند پر	فتویٰ نمبر 183
۲۹۳	واجب ہوتا ہے	
۲۹۳	تابالغ لڑکے کے مہر کے ضامن ہونے کی صورت میں باپ پر مہر واجب ہوتا ہے	
۲۹۷	مہر معجل ادا کرنے کے بعد خاوند کو اختیار ہے کہ بیوی کو جہاں چاہے رکھے	فتویٰ نمبر 184
	کن صورتوں میں عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور	
۲۹۸	کن میں نہیں	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۴۹۹	لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد خاوند کو زوجہ کے پاس آمد و رفت رکھنے سے روکنا ظلم ہے	
۵۰۱	کوئی مرض باعث سقوطِ مہر نہیں۔	فتویٰ نمبر 185
۵۰۲	نکاح فسخ ہونے سے قبل عورت مر جائے تو پورے مہر کی مستحق ہے۔	
۵۰۳	مہر جماع یا موت کے ساتھ پختہ ہو جاتا ہے۔	
۵۰۴	وہ عیوب جن میں عورت کو اختیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے۔	
۵۰۵	خاوند یا بیوی کے مرنے سے کامل مہر واجب ہو جاتا ہے۔	فتویٰ نمبر 186
۵۰۷	عورت کی کسی غیر مرد سے شناسائی ہو تو نکاح نہیں جاتا مرد خواہ طلاق دے یا نہ دے	فتویٰ نمبر 187
۲۷۷	نکاح میں نابالغہ کا ولی اقرب باپ ہے۔	
۵۶۷	دورانِ عدت نکاح خاوند کے علاوہ کسی اور سے ہرگز درست نہیں۔	
۵۷۹	مہر واجب الطلب مرد کو ادا کرنا واجب ہے۔	
۵۸۰	چھینر جو لڑکی کو دیا جاتا ہے وہ عورت کی ملکیت ہے	
۵۹۲	عدت کے ختم ہونے سے پہلے خاوند کے علاوہ کسی اور سے نکاح باطل ہے	
۷۰۰	خاوند نے مہر میں اضافہ کیا یہ اضافہ تب لازم ہوگا جب عورت نے قبول کیا ہو	
۷۱۱	تمام ورثہ نے مہر کے لیے ایک ماہ کی مہلت دی تو مہینہ سے پہلے بھی مطالبہ کر سکتے ہیں	
۸۲۵، ۸۳۶	۸۰۳	زنا کی اولاد کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا۔

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۰۹	<b>طلاق</b>	
۵۱۱	طلاق رجعی کی ایک صورت اور اس کا حکم	فتویٰ نمبر 188
۵۱۲	طلاق مغلظہ کا حکم	
۵۱۲	طلاق دینے کے بعد خاوندانکار کرے تو کیا حکم ہے	
۵۱۳	بیوی کا ہاں اولاد ہو یا نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے	فتویٰ نمبر 189
۵۱۴	طلاق صریح اور کنایہ اور ان کا حکم	
۵۱۴	بائن اور مغلظہ طلاق اور ان کا حکم	
	طلاق مغلظہ دی میاں بیوی جدا نہ ہوئے تو بصورت ثبوت طلاق اور انقصائے	فتویٰ نمبر 190
۵۱۶	عدت عورت دوسرے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔	
۵۱۷	مغلظہ طلاق کا حکم	فتویٰ نمبر 191
۵۱۸	مغلظہ طلاق کا حکم	فتویٰ نمبر 192
۵۱۹	طلاق کے ثبوت کے لیے دو عادل مسلمان گواہ کافی ہیں تحریر کی ضرورت نہیں	فتویٰ نمبر 193
	عدت گزر جانے کے بعد خواہ پہلے خاوند سے نکاح کرے یا کسی اور سے جائز	
۵۱۹	ہے طلاق مغلظہ ہو تو عدت گزرنے کے بعد بھی پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی	
۵۲۰	تین طلاق کا حکم	فتویٰ نمبر 194
۵۲۱	مدخولہ اور غیر مدخولہ کو تین طلاق دینے کے احکام	فتویٰ نمبر 195
۵۲۳	طلاق کی ایک صورت	فتویٰ نمبر 196
۵۲۳	طلاق کی ایک صورت	فتویٰ نمبر 197
۵۲۵	خاوند نے تنہائی میں طلاق دی تو طلاق ہو جائے گی	فتویٰ نمبر 198

صفیہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۲۵	وقوع طلاق اور ثبوت طلاق دو الگ چیزیں ہیں۔ ثبوت طلاق کے لیے گواہوں کی ضرورت ہے	
۵۲۶	”طلاق دے دوں گا“ سے طلاق نہیں ہوتی	فتویٰ نمبر 199
۵۲۶	طلاق کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہے	
۵۲۶	رجعی طلاق کا حکم	
۵۲۷	زنا میں مبتلا بیوی کو جھڑک کر نکال دینے سے طلاق نہیں ہوتی	فتویٰ نمبر 200
۵۲۸	بعارضہ بخار دماغ میں نقص پیدا ہو گیا طلاق دی واقع نہ ہوگی	فتویٰ نمبر 201
۵۲۹	نشہ کی حالت میں کسی نے طلاق نامہ پرائگوٹھ لگوا لیا تو کیا حکم ہے؟	فتویٰ نمبر 202
۵۳۱	دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔	فتویٰ نمبر 203
۵۳۳	مجنون، مجبوط الحواس، نابالغ اور بے ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔	فتویٰ نمبر 204
۵۳۳	حالتِ صحت میں کہا اگر میں اس مکان میں قدم رکھوں تجھے طلاق دیوانہ ہونے کے بعد وہاں گیا طلاق ہو جائے گی	
۵۳۶	عورت بلا اجازت گھر سے نکلے نکاح نہیں ٹوٹتا	فتویٰ نمبر 205
۵۳۸	ایجاب و قبول سے قبل خیالِ طلاق کی شرط معتبر نہیں۔	فتویٰ نمبر 206
۵۳۹	خیالِ طلاق کی شرط پر ایجاب و قبول ہو تو اس کا اعتبار ہے	
۴۶۱	نابالغہ یا بڑھاپے کے باعث جس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے۔	
۵۴۱	<b>خلع</b>	
۵۴۳	خلع کی تعریف	فتویٰ نمبر 207
۵۴۳	خلع ایک طلاق بائنہ ہوتا ہے	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۴۴	مرد اگر ظلم کرے اور طلاق نہ دے تو حاکم جبراً طلاق دلوادے	
۵۴۵	<b>ظہار</b>	
۵۴۷	تو میری ماں، بہن کی مثل ہے کہا تو کیا حکم ہے؟	فتویٰ نمبر 208
۵۴۷	ظہار کے کفارہ کی تفصیل	
۵۴۹	”تو اب میری ماں، بہن کے برابر ہے“ کہا تو کیا حکم ہے	فتویٰ نمبر 209
۵۴۹	ظہار کے کفارہ کی تفصیل	
۵۵۱	<b>عنین</b>	
۵۵۳	عنین کے احکام	فتویٰ نمبر 210
۵۵۶	مرد کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو یا چھوٹا ہو کہ ادخال ممکن نہ ہو فوراً تفریق کر دی جائے گی	فتویٰ نمبر 211
۵۵۶	اگر نامرد ہو یا خصی ہو تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی	
۵۵۷	اگر سال کے بعد وہ ٹھیک نہ ہو اور طلاق نہ دے تو قاضی اس کے قائم مقام ہو کر	
۵۵۷	طلاق دے دے	
۵۵۸	اگر آلہ تناسل کٹا ہوا ہو یا اتنا چھوٹا ہو کہ ادخال ممکن نہ ہو تو فوراً تفریق کر دی	فتویٰ نمبر 212
۵۵۸	جائے گی	
۵۵۹	نامرد یا خصی ہو تو ایک سال کی مہلت دی جائے گی	
۵۶۱	<b>عدت</b>	
۵۶۳	تالغہ کی عدت تین ماہ ہے بالغہ کی عدت تین حیض اور جسے حیض نہ آتا ہو اس کی	فتویٰ نمبر 213
۵۶۳	عدت تین ماہ ہے۔	
۵۶۳	عورت اپنی عدت کہاں پوری کرے۔	فتویٰ نمبر 214

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۶۴	کن صورتوں میں عورت عدت کے مکان سے باہر نکل سکتی ہے	فتویٰ نمبر 215
۵۶۵	خاوند فوت ہونے کی صورت میں عدت	
۵۶۵	کن صورتوں میں طلاق اور سوگ والی عورت اپنے گھر سے باہر آ سکتی ہے۔	فتویٰ نمبر 216
۵۶۷	خلوت صحیحہ کے بعد طلاق سے عدت لازم ہوتی ہے۔	
۲۷۹	سات عورتوں پر سوگ کرنا لازم نہیں۔	
۲۷۹	سوگ میں کیا امور ممنوع ہیں	
۲۸۰	عورت اپنی عدت کہاں گزارے	
۵۷۶	عدت تین حیض ہے	
۵۹۳	جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت	
۵۹۷	مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے	
۵۶۹	<b>حضانت</b>	
	جس نابالغ لڑکی کے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بہن خالہ فوت ہو چکے ہوں	فتویٰ نمبر 217
۵۷۱	اس کی پرورش کا حق پھوپھیوں کو ہے۔	
۵۷۱	حضانت کے استحقاق کی ترتیب	
۵۷۲	حضانت کی حق دار عورت نکاح کرے تو حضانت کا حق ختم ہو جاتا ہے۔	
۵۷۳	ماں بچہ کی پرورش کی حقدار ہے۔ حضانت کی مدت	فتویٰ نمبر 218
۵۸۹	حضانت کی مدت	
۵۹۰	حضانت کا حق ساقط ہونے کی صورت	
۵۹۶	حضانت کی مدت	



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۸۱۲	ماں بچے کی پرورش کی حق دار ہے اس کو پرورش پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	
۵۷۷	<b>نفقہ</b>	
۵۷۹	ایام عدت میں مکان سکونت نان و نفقہ اور لباس مرد کے ذمہ ہے۔	فتویٰ نمبر 219
۵۷۹	متعہ طلاق کی اقسام اور ان کے احکام	
۵۸۱	لڑکی کی شادی پر برادری کو کھانا کھلانے وغیرہ کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے شوہر کے ذمہ نہیں	
۵۸۲	عورت بلا حق شرعی بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی جائے وہ نان و نفقہ کی حقدار نہیں	فتویٰ نمبر 220
۵۸۳	شوہر بدسلوکی کرے خبر گیری نہ کرے تو عورت کو حق ہے کہ اس کے ہاں نہ ٹھہرے	فتویٰ نمبر 221
۵۸۳	نفقہ کی دو صورتیں تمکین اور ایصال	فتویٰ نمبر 222
۵۸۶	ادائے نفقہ کی مدت	
۵۸۶	بیوی کے اپنے نفقہ کے ساتھ خادمہ کے نفقہ کے وصول کرنے کی صورت	
۵۸۸	باپ بچہ کی عمر سات برس ہونے تک اس کا نفقہ اور پرورش کرنے والی ماں کا نفقہ ادا کرے	فتویٰ نمبر 223
۵۹۱	عدت کے ایام کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ ہے	فتویٰ نمبر 224
۵۹۳	ایام عدت کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے۔	فتویٰ نمبر 225
۵۱۵	ایام عدت کا نفقہ مرد کے ذمہ ہے۔	
۵۷۵	بچہ کا نان و نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔	
۵۷۵	زمانہ عدت کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے۔	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۹۷	حضانت کے زمانہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔	
۷۱۱	نان و نفقہ کی ضروریات کے علاوہ بیوی نے خاوند کے مال سے مال چرایا تو وہ اسے مہر میں شمار کر سکتا ہے۔	
۵۹۹	<b>شکار و ذبح</b>	
۶۰۱	تیریا برچھی سے بسم اللہ کہہ کر شکار کو زخمی کیا اور شکار تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔	فتویٰ نمبر 226
۶۰۱	ایسی چیز سے شکار کو زخمی کیا جو اپنے بوجھ کے باعث زخمی کرتی ہے شکار تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے۔	
۶۰۱	زخمی کرنے سے شکار صرف اس وقت حلال ہوتا ہے جب کہ باقاعدہ ذبح کرنے پر قدرت نہ ہو	
۶۰۲	گولی سے شکار کا حکم	
۶۰۳	مشرک خواہ بسم اللہ پڑھ کر شکار کو زخمی کرے وہ حلال نہیں۔	فتویٰ نمبر 227
۶۰۳	شکار کے حلال ہونے کے لئے شکاری کا مسلمان ہونا شرط ہے۔	
۶۰۵	غیر اللہ کے تقرب کی خاطر ذبح کیا جانور حرام ہو گیا۔	فتویٰ نمبر 228
۶۰۵	اگر کسی کے ایصال ثواب کے لیے ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	
۶۰۶	اگر اول نیت غیر اللہ کی تھی آخر میں نیت کو بدلا آخری نیت کا اعتبار ہوگا۔	
۶۰۷	<b>قربانی</b>	
۶۰۹	قربانی کے جانور اور ان کی عمروں کی تفصیل	فتویٰ نمبر 229
۶۰۹	چھ ماہ کا دنبہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۶۱۰	گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔	
۶۱۰	قربانی کی نیت کے بغیر اگر ایک شخص بھی شریک ہو تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔	
۶۱۰	قربانی کی کھال کو اپنے خرچ کی نیت سے بیچنا مکروہ اور صدقہ کی نیت سے جائز ہے	
۶۱۱	قربانی کی دعا	فتویٰ نمبر 230
۶۱۲	قربانی کا گوشت اور کھال کو اپنے خرچ کی نیت سے بیچنا مکروہ ہے اور صدقہ کی نیت سے جائز ہے	فتویٰ نمبر 231
۶۱۳	قربانی کے گوشت کا ایک حصہ (تہائی) غرباء کو ایک حصہ (تہائی) خویش و اقارب کو دے اور ایک حصہ (تہائی) اپنے استعمال میں لائے۔	
۶۱۳	قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہیں۔	فتویٰ نمبر 232
۶۱۵	قربانی کھال مسجد میں خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں	فتویٰ نمبر 233
۶۱۶	کیا قربانی کا چمڑا دوست و احباب کو دینا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 234
۶۱۷	گائے کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ ڈالنا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 235
۶۱۸	قربانی کے دن گزر گئے قربانی نہ کی تو اب کیا کرے	فتویٰ نمبر 236
۶۲۱	<b>اکراہ</b>	
۶۲۳	دیون کی معافی اکراہ کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔	فتویٰ نمبر 237
۶۲۳	مہر اکراہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔	
۶۲۳	خاوند بیوی کا سلطان ہوتا ہے۔	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۶۲۵	جس کو مجبور کیا اس کے عقود جو قابلِ فتح ہیں نافذ ہو جاتے ہیں لیکن اکراہ کے اٹھ جانے کے بعد مجبور کیے ہوئے شخص کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔	
۶۲۵	تحقیق اکراہ کی کم از کم ادنیٰ صورت یہ ہے کہ حاکم سخت آواز کے ساتھ محکوم کو کہے کہ یہ کام کر دے	
۶۲۷	<b>تفسیر</b>	
۶۲۹	سنت رسول اور آیت مبارکہ کا مذاق کفر ہے۔	فتویٰ نمبر 238
۶۳۱	ارتداد کے زمانہ کی اولاد اولد الزنا ہوتی ہے۔	
۶۳۱	مرتد کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔	
۶۳۲	مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ	فتویٰ نمبر 239
۶۳۵	کسی نبی کو گالی دینے والا شرعی حد میں قتل کیا جائے گا اس کی توبہ قبول نہیں۔	
۶۳۶	حضرات شیخین اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والا کافر ہے۔	
۶۳۶	حرام کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔	
۶۳۹	مرتد کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔	
۶۳۹	ارتداد کے زمانہ کی اولاد اولد الزنا ہوتی ہے۔	
۶۴۱	توہین رسول سے مرتد ہو جاتا ہے۔	فتویٰ نمبر 240
۶۴۱	کسی کلمہ کفر کہنے والے کو کب کافر قرار دیا جائے گا۔	
۶۴۱	مرتد کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔	
۶۴۱	ارتداد کے زمانہ کی اولاد اولد الزنا ہوگی	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۶۴۲	مرتد ایمان لانے کے بعد حج کا اعادہ کرے نماز اور روزے کا اعادہ لازم نہیں۔	
۶۴۲	ارتداد کے بعد عادت کے طور کلمہ شہادت پڑھنے سے ایمان دار نہ ہوگا	
۶۴۳	اہل حدیث (غیر مقلد وہابی) کے بارے میں شرعی حکم کہ ان کو مسجد میں آنے سے روکا جائے	فتویٰ نمبر 241
۶۴۴	ان کے بعض مسائل	
۶۴۷	نبی کریم ﷺ کی توہین آپ کے کسی قول و فعل سے تمسخر یا اسے ہلکا جاننا کفر ہے	فتویٰ نمبر 242
۶۴۸	کلمات کفر کہہ کر انکار کرنا اور ان کے کلمات کفر ہونے کا اقرار قائم مقام توبہ کے ہے	
۶۴۸	نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کی توبہ قبول نہیں۔	
۶۵۰	نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔	فتویٰ نمبر 243
۶۵۲	بہاء اللہ اور باب اللہ نبوت و رسالت کے مدعی ہیں لہذا کافر ہیں۔	فتویٰ نمبر 244
۶۵۴	کافر کو کافر کہنا گالی نہیں حکم شریعت کو بیان کرنا ہے۔	
۶۵۵	نبی اکرم ﷺ کے تمام ابا و اجداد مومن و موحد تھے	فتویٰ نمبر 245
۶۵۶	عدل اور اس کے درجات	فتویٰ نمبر 246
۶۹۲	چند کلمات کفر	
۱۱۷	لہنگا پہننا ہندوؤں کا طریقہ ہے	
۱۲۸	حرام کو حلال جاننا کفر ہے۔	
۱۳۱	سنت کو ہلکا جاننا کفر ہے۔	
۱۴۰	کسی شہر والوں نے جماعت ترک کر دی تو ان سے جنگ کی جائے گی	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۵۱	جو مسلمان حرام قطعی کو حلال جانے یا کسی کو حرام قطعی چیز کھانے کی اجازت دے وہ کافر ہے۔	
۲۶۵	ہندوستان دارالہرب نہیں ہے۔	
۵۳۵	حالت تندرستی میں کلمہ کفر کہے یا خدا و رسول کی شان میں گستاخی کرے تو کافر ہو جائے گا	
۵۳۵	حالت جنون اور بے ہوشی میں کلمات کفر کا اعتبار نہیں۔	
۶۵۱	زید یہ فرقہ کافر ہے۔	
۶۵۷	<b>حظرو اباحت</b>	
۶۵۹	مصافحہ ایک ہاتھ سے سنت ہے یا دو ہاتھ سے	فتویٰ نمبر 247
۶۶۱	نماز کے بعد مصافحہ کا کیا حکم ہے۔	فتویٰ نمبر 248
۶۶۳	حاسد اور کینہ ور کو سلام نہ کرنا چاہیے۔	فتویٰ نمبر 249
۶۶۴	مرد کو کون سا رنگ پہننا درست ہے۔	فتویٰ نمبر 250
۶۶۶	پھولوں کا ہار پہننا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 251
۶۶۶	مقتدی جو خوشی سے نذر کریں لینا جائز ہے۔	
۶۶۷	اجنبی مرد کا جھوٹا پانی یا کھانا مکروہ ہے۔	فتویٰ نمبر 252
۶۶۹	جس کی زیادہ آمدنی حلال اور کم حرام ہو تو اس کی دعوت کھانا جائز ہے۔	فتویٰ نمبر 253
۶۶۹	زیادہ آمدنی حرام اور کم حلال ہو تو اس کی دعوت کھانا حرام ہے	
۶۷۱	غیر مذاہب کے تہوار ہولی، دوالی وغیرہ کی تعظیم اور ان میں خوشی کرنا جائز نہیں۔	فتویٰ نمبر 254
۶۷۲	عورت کے مطالبہ پر خاوند کے لیے طلاق دینا لازم نہیں	فتویٰ نمبر 255

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۶۷۲	عورت کے ورثاء کے مطالبہ پر خاوند کے لیے مکان ہبہ کرنا لازم نہیں۔	
۶۷۳	مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا کیسا ہے۔	فتویٰ نمبر 256
۶۷۶	مسجد کی دیوار پر نہ لکھنا چاہیے ہاں اگر مضبوط لکھا ہو تو حرج نہیں۔	فتویٰ نمبر 257
۶۷۹	میت کے پاس غسل سے پہلے تلاوت کرنا مکروہ ہے۔	
۶۷۹	فرعون یا ابوجہل کا نام لکھ کر نشانہ لگانا جائز نہیں۔	
۶۸۰	چار دیواریوں اور دیوار پر اگر قرآن مجید لکھا جائے تو امید ہے کہ جائز ہوگا۔	
۶۸۰	سیڑھی پر رمضان المبارک کندہ ہو تو اسے وہاں سے ہٹانا لازم ہے۔	
	تھیلیہ میں احادیث یا فقہ کی کتابیں ہوں اسے حفاظت کی نیت سے سرہانہ بنانا جائز ہے ورنہ نہیں۔	
۶۸۱		
۶۸۳	تعویذ موم جامہ میں سلا ہوا ہو بیت الخلاء جاتے وقت یا غسل کے وقت اتار دے	فتویٰ نمبر 258
	ہندی اور کوئی دوسری زبان پڑھنا پڑھانا جائز ہے جب کہ بطریق کفر نہ	فتویٰ نمبر 259
۶۸۳	پڑھائی جائے	
۶۸۵	بچھانے کی چیز پر قرآن مجید یا اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا سے بچھانا جائز نہیں۔	فتویٰ نمبر 260
	جس کاغذ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا اسے اوراق کے درمیان نشانی کے طور پر رکھنا	
۶۸۶	جائز نہیں	
	تحریر کے حروف کو ایک دوسرے سے قطع کر دیا جائے یا بعض حروف پر کڑھائی	
۶۸۶	کر دی جائے یہاں تک کلمہ متصل نہ رہے تو بھی کراہت ختم نہیں ہوتی۔	
	اگر بچھونے پر "الملک" لکھا ہو یا الف علیحدہ اور لام علیحدہ تو بھی کراہت ختم	
۶۸۶	نہیں ہوتی	

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	فرعون یا ابوجہل کا نام لکھ کر اسے نشانہ بنانا مکروہ ہے۔	۶۸۶
	بوسیدہ قرآن مجید کے اوراق کو قرآن مجید کی جلد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں	۶۸۶
	طہارت کے بغیر ایسے سٹکوں کو اٹھانا جن پر اللہ کا نام لکھا ہو مکروہ ہے۔	۶۸۷
	پیشاب یا نکسیر کے خون سے آیت مبارکہ لکھنے کا مفہوم	۶۸۷
	نقصان کو دور کرنے کے اسباب کی تین قسمیں ہیں۔	
	(۱) یقینی (۲) ظنی (۳) موہوم اور ہر ایک کا حکم	۶۸۸
	مریض کو خون یا پیشاب پینا یا مردار کھانا جائز ہے جب کہ مسلمان طیب نے	
	بتایا ہو کہ ان میں شفا ہے اور ان کے علاوہ کوئی مباح چیز موجود نہیں۔	۶۹۰
فتویٰ نمبر 261	طاعون زدہ علاقہ سے یہ سمجھ کر بھاگنا کہ بیماری اڑ کر مجھے لگ جائے گی مکروہ	
	تحریکی ہے	۶۹۳
	اگر کثرت اموات اور لوگوں کی پریشانی دیکھ کر وحشت دور کرنے کے لیے	
	بھاگے جائز ہے	۶۹۵
فتویٰ نمبر 262	مظاہر حق اور غایۃ الاوطار کے مصنفین میں قدرے وہابیت پائی جاتی ہے۔	۶۹۶
	اشعۃ اللمعات اور تفسیر عزیزی کا مطالعہ کیا جائے	۶۹۶
	نسوار اس کثرت سے سونگھنا کہ مسجد میں نمازیوں کو تکلیف ہو مکروہ ہے۔	۷۳
	لہسن کی مانند بدبودار چیز کھانا مکروہ ہے اسے مسجد میں آنے سے روکا جائے گا۔	۷۳
	کوئی شخص زبان سے مسلمانوں کو ایذا دے اسے بھی مسجد میں آنے سے روکا	
	جائے گا	۷۳
	بے ضرورت لہنگا پہننا مکروہ ہے۔	۱۱۷



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۱۳۹	مسجد کے قریب نئی جماعت قائم کرنا گناہ اور قابل تعزیر ہے۔	
۱۹۱	جمعہ کی پہلی اذان سے فراغت جمعہ تک خرید و فروخت مکروہ تحریمی ہے۔	
۲۳۸	مسجد کے سائل کو دینا کیسا ہے	
۲۳۷	جس کو سوال کرنا حرام ہے اسے دینا بھی حرام ہے۔	
۲۵۹	قرض دار سے تحفہ لینا جائز نہیں جب کہ پہلے آپس میں تحائف کا لین دین نہ ہو	
۳۳۱	مسجد کی چھت پر جماع پیشاب اور پاخانہ مکروہ تحریمی ہے۔	
۵۳۶	بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے گی تو گناہ گار ہوگی۔	
<b>وصیت</b>		
۷۰۷	وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔	
	کسی کے لیے وصیت اس وقت نافذ ہوگی جب وصیت کنندہ کی وفات کے	
۷۰۸	وقت وہ وارث نہ ہو۔	
	لڑکے کی ہونے والی بیوی کے لیے وصیت کی اگر وصیت کے وقت منگنی ہو چکی	
۷۱۰	ہو تو وصیت درست ہے ورنہ نہیں۔	
۷۱۰	وصیت کے درست ہونے کے لیے موصی لہ کا معلوم ہونا شرط ہے۔	
۷۱۸	مرض الموت میں ہبہ وصیت بن جاتا ہے۔	
<b>میراث</b>		
۶۹۷		
۶۹۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 263
۷۰۲	جس ترکہ کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مصرف فقراء اور عاجز لوگ ہوتے ہیں۔	
۷۰۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 264

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۷۰۶	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 265
۷۰۷	اگر نسبی ذوالفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوالارحام سارے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں۔	
۷۰۸	متبنی وراثت کا مستحق نہیں ہوتا۔	
۷۱۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 266
۷۱۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 267
۷۱۶	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 268
۷۲۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 269
۷۲۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 270
۷۲۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 271
۷۲۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 272
۷۳۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 273
۷۳۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 274
۷۳۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 275
۷۴۰	زندگی میں انسان اپنے مال کا مالک ہوتا ہے جس کو چاہے کل یا بعض بخش دے	فتویٰ نمبر 276
۷۴۰	زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنے کا طریقہ	
۷۴۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 277
۷۴۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 278
۷۴۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 279

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۷۴۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 280
۷۴۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 281
۷۵۰	کوئی وارث بد چلنی کے باعث میراث سے محروم نہیں ہوتا۔	
۷۵۱	بیٹی کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں۔	فتویٰ نمبر 282
۷۵۱	مروجہ منصب قضا داخل میراث نہیں	
۷۵۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 283
۷۵۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 284
۷۵۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 285
۷۵۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 286
۷۵۶	قرض اگر مال میراث سے زائد ہو تو کل مال سے قرض ادا کیا جائے گا ورنہ کو	فتویٰ نمبر 287
۷۵۶	کچھ نہ ملے گا	
۷۵۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 288
۷۵۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 289
۷۶۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 290
۷۶۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 291
۷۶۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 292
۷۶۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 293
۷۶۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 294
۷۶۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 295

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۷۷۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 296
۷۷۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 297
۷۷۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 298
۷۷۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 299
۷۷۶	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 300
۷۷۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 301
۷۷۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 302
۷۸۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 303
۷۸۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 304
۷۸۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 305
۷۸۳	اگر اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی مال ملے گا ورنہ نصف خاوند کے بغیر کوئی وارث نہ چھوڑا تو خاوند مفلس ہو تو سارا مال اس کو دیا جائے گا ورنہ مسلمان غرباء میں تقسیم کیا جائے گا۔	فتویٰ نمبر 306
۷۸۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 307
۷۸۴	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 308
۷۸۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 309
۷۸۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 310
۷۹۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 311
۷۹۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 312
۷۹۷	تقسیم میراث	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۷۹۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 313
۷۹۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 314
۸۰۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 315
۸۰۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 316
۸۰۳	کافر بھی ان اسباب کی بناء پر وارث ہوتے ہیں جن کی بنا پر مسلمان وراثت پاتے ہیں	فتویٰ نمبر 317
۸۰۳	زنا کی اولاد اپنے باپ (زانی) کی وراثت نہیں پاسکتی۔	
۸۰۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 318
۸۰۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 319
۸۰۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 320
۸۰۹	عصبہ کی موجودگی میں ذوالارحام کا کوئی حصہ نہیں	
۸۱۰	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 321
۸۱۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 322
۸۱۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 323
۸۱۲	مصارف تجہیز و تکفین اور قرض کی ادائیگی مرنے والے کے ترکہ سے کی جائیگی	
۸۱۲	فاتحہ سوم میں کسی وارث نے دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو اس کے حصہ سے وضع کیا جائے گا	
۸۱۲	نابالغ کا حصہ تمام ورثاء نے بالاتفاق خرچ کیا تو تمام ورثہ کے حصوں سے وضع کیا جائے گا	

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۸۱۴	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 324
۸۱۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 325
۸۱۶	ابن العم کی موجودگی میں بھانجہ کو کچھ نہ ملے گا۔	
۸۱۷	مرنے والے کے مال سے پہلے تجھیز و تکفین کے مصارف اور قرض ادا کیا جائے گا	فتویٰ نمبر 326
۸۱۷	قرض کی ادائیگی کے بعد وصیت جاری ہوگی۔	
۸۱۷	تقسیم میراث	
۸۱۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 327
۸۲۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 328
۸۲۱	وراثت میں چھوٹے بڑے کے حصہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔	
۸۲۲	اقرب عصبہ کی موجودگی میں البعد عصبہ کو وراثت سے حصہ نہیں ملتا	فتویٰ نمبر 329
۸۲۲	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا حصہ نہیں ہوتا۔	
۸۲۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 330
۸۲۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 331
۸۲۶	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 332
۸۲۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 333
۸۲۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 334
۸۳۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 335
۸۳۳	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 336
۸۳۵	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 337

صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۸۳۶	لے پالک شرعاً بیٹا نہیں ہوتا۔	
۸۴۱	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 338
۸۴۷	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 339
۸۴۸	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 340
۸۴۹	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 341
۸۵۲	تقسیم میراث	فتویٰ نمبر 342
<b>تاریخ و سوانح</b>		
	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی لاش تین روز تک پڑی رہی یہ روایت محض افتراء اور دروغ ہے	فتویٰ نمبر 343
۸۵۳	18 ذی الحجہ بروز جمعہ بعد عصر آپ شہید ہوئے اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشاء کے مابین دفن ہوئے۔	
۸۵۵	بعض بلوائیوں نے آپ کو گورستان یہود آپ کو دفن کرنے کا ارادہ کیا لیکن کامیاب نہ ہوئے	
۸۵۵	امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ بے گور و کفن پڑی رہی یہ سب آپ کے لیے باعث ترقی درجات ہے۔	
۸۵۶	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بہن کو گردن مروڑا بزغالہ کھلانا کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں۔	فتویٰ نمبر 344
۸۵۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت خاتون جنت کو غسل دینے کی وجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کینرا اور لونڈی نہ تھیں۔	
۲۰۶، ۲۰		
۴۴		

فتویٰ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
	حضرت غوثِ اعظم کی کرامت کہ بارہ برس کی ڈوبی ہوئی برات کو نکالا کسی معتبر کتاب میں نہیں۔	۲۵
	حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامات متواتر ہیں۔	۲۵
	مفتی اعظم پاکستان حضرت ابو البرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ میں فتویٰ پر تصدیقی دستخط فرمائے	۲۹
	حتم قرآن کی خوشی میں عمدہ کھانا کھلانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔	۵۲
	بلا ضرورت سوال کرنے والے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروں سے سزا دی۔	۱۸۵
	مکہ معظمہ کو بکہ کہنے کی وجہ	۳۷۲
	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں کو برابر عطیات دیتے تھے اور	
	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بقدر حاجت اور علم و فضل کے مطابق	۲۱۰
	نبی کریم ﷺ کے آباء و اجداد شائبہ کفر و شرک سے پاک تھے۔	۶۵۵
	سرخ موزہ فرعون کا اور سفید ہامان کا تھا	۶۶۵
	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوران نماز اپنی انگوٹھی صدقہ کر دی تھی۔	۶۷۵
	مسيلمہ کذاب اور دواہل ایمان کا واقعہ	۶۹۱
	<b>قواعد فقہیہ</b>	
	اليقين لا يزول بالشك	۸۱
	ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص	۵۸۱، ۳۸۸
	إذا اجتمع الحلال والحرام الخ	۳۷۵
	الضرورات تبيح المحظورات	۳۲۲



صفحہ نمبر	موضوع	فتویٰ نمبر
۵۹۶، ۵۲۶	البینة علی المدعی والیمن علی من انکر اصل ہر شے میں شرعاً طہارت ہے۔	
۸۱		
۲۶۶	کل قرض جر نفعاً فہو حرام	✓
۲۶۸	کل قرض جر نفعاً فہو ربا	✓
	ان کل من تصرف فی مالہ (أی مال الصغیر) لہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا	
۲۶۷		
	<b>رسم المفتی</b>	
۸۱	شبہ سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔	
	جب دو اقوال کی تصحیح میں اختلاف ہو تو ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل کیا جائے گا	✓
۱۱۶		
	نصف النہار کے بارے میں علمائے ماوراء النہر کی بجائے علمائے خوارزم کی تحقیق کے مطابق فتویٰ دینے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے	✓
۱۵۵		

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### حالات

حضرت مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ

### از

حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالسلام صدیقی مجددی دامت برکاتہم العالیہ

خانقاہ سلطانیہ نزد کالادیو (جہلم)

آپ کے اسلاف مشہد (ایران) سے ہند تشریف لائے، سید خلیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے پردادا) پہلے شخص ہیں جن کا نام تاریخ کے صفحات پر جلوہ گرہوا، آپ ہی مشہد سے بلگرام اور وہاں سے فرخ آباد آئے، کچھ عرصہ کے بعد فرخ آباد کو خیر باد کر کے ریاست الوری میں قیام پذیر ہوئے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضارضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جس کی وجہ سے آپ حسی حسینی رضوی سید ہیں۔

مولانا سید محمد دیدار علی شاہ مشہدی رضوی نقشبندی قادری محدث الوری قدس سرہ ۱۲۷۳ھ بمطابق

1856ء پیر کے دن ریاست الوری میں اپنے عم بزرگوار سید ”شار علی“ شاہ کی دعا سے پیدا ہوئے، حضرت نے آپ کی والدہ محترمہ کو پہلے ہی بشارت دی تھی کہ تیرے گھر ایک بیٹا پیدا ہوگا جو دین اسلام کا چراغ ہوگا، اس کا نام ”دیدار علی“ رکھنا۔

حضرت سید صاحب نے ابتدائی تعلیم الوری میں حاصل کی پھر دہلی کا رخ کیا اور مولانا کرامت اللہ خان

صاحب سے درسِ نظامی کا کچھ حصہ پڑھا۔ مولانا عبدالعلی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ارشاد حسین نقشبندی

رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی زانوئے تلمذ طے کیا، اس زمانہ میں سہارن پور میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری

تدریس حدیث میں یگانہ روزگار مانے جاتے تھے ان کے پاس آپ نے دورہ حدیث پڑھا ان دنوں آپ کے ہم سبق مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گوڑوی تھے یہ وہ لوگ ہیں جو آسمان علم و شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے دورہ حدیث سے فارغ ہو کر معقولات کا بڑا وقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے۔  
حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آپ کو درج ذیل مشائخ طریقت اور شیوخ حدیث سے سلاسل طریقت اور فقہ و حدیث و تفسیر میں اجازت حاصل تھی۔

1- حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ دو سال تک ان کی تربیت میں رہے اور ان سے سلاسل طریقت کی اجازت اور خلعتِ خلافت حاصل ہوئی۔

2- حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق آپ ان کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت ہوئے اور سند حدیث حاصل فرمائی جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک صرف ایک واسطہ سے پہنچتی ہے۔ آپ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے مولانا شمس الدین احمد میاں کے درس حدیث میں ساتھی ہونے کا شرف بھی حاصل رہا۔ ان سے بھی تمام اعمال و اذکارِ سلاسل اولیاء میں اجازت اور خلافت حاصل کی۔

3- حضرت مولانا عبدالغنی بہاری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے چالیس اکابر علمائے کرام سے فقہ و حدیث میں اجازت حاصل تھی ان سے بھی سند حاصل کی۔

4- امام فنِ قراءت حضرت قاری عبدالرحمن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان سے بھی قرآن مجید حدیث اور فقہ کی اجازت سے مشرف ہوئے۔

5- اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ نے بھی حضرت محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ کو تمام سلاسل اولیاء کرام کے اعمال و اذکار اور جملہ مرویاتِ فقہ و حدیث کی اجازت اور خلافت عطا فرمائی۔

6- حضرت سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ آپ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین تھے۔ حضرت محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بھی طریقت

کے سلاسل کی خلافت اور حدیث و علومِ دینیہ کی سند حاصل کی۔

7- حضرت سید نثار علی رضوی مشہدی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے عظیم روحانی پیشوا اور رشتہ میں حضرت محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ عم محترم تھے۔ تکمیلِ علوم کے بعد آپ نے ایک عرصہ ان کی خدمت میں گزارا اور ان کی صحبتوں سے مستفیض رہے۔ انہوں نے بھی آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

8- حضرت شاہ ابوالاحمد محمد علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ ان سے بھی سندِ حدیث اور سلاسلِ طریقت میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔

سید صاحب جب علم سے فارغ ہوئے تو آپ اپنے استاد مولانا ارشاد حسین رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق ”ارشاد العلوم رام پور“ میں مدرسِ اول مقرر ہوئے چند برس کے بعد 1906ء میں بمبئی روانہ ہوئے وہاں ایک سال پورا کام کرنے کے بعد 1907ء میں وطن مالوف ”الور“ میں تشریف لائے اور مسجد ”دائرہ“ میں ”قوت الاسلام“ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا یہ مدرسہ آپ کی علمی زندگی کا سنگِ اولین قرار دیا جاتا ہے جو آپ نے دینی علوم و فنون کی اشاعت کے لیے قائم کیا۔ ”مسجد دائرہ“ میں درسِ قرآن کا آغاز فرمایا، درس کی خصوصیت یہ تھی کہ سننے والے پابندِ شریعت ہو گئے، سینکڑوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی، حتیٰ کہ ہندو بھی آپ کے درس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، مسجد کے باہر کھڑے ہو کر درسِ قرآن سنتے تھے، الور کا ہندو راجہ بڑا متعصب تھا اس نے حضرت کا درس بند کرانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرنا شروع کیے، مگر آپ استقامت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے۔

حضرت قبلہ سید صاحب ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لائے، اس دور میں پنجاب کی شہرہ آفاق واحد دینی درس گاہ ”دارالعلوم نعمانیہ“ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، مدرسہ میں درس حدیث شریف دیتے اور لاہور اور اس کے مضافات میں تبلیغی جلسوں میں خطاب فرماتے تھے، آپ کا وعظ بہت مقبول اور مؤثر تھا جس اجتماع میں آپ کا اعلان ہوتا خلقِ خدا کثیر تعداد میں آپ کی زیارت اور وعظ سننے کے لیے جمع ہو جاتی۔

1916ء میں لاہور سے آگرہ تشریف لے گئے اور رمضان ۱۳۳۴ھ بمطابق ۱۹۱۶ء جامع مسجد

اکبر آباد آگرہ کے مفتی و خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۱۹ء تک آگرہ میں آپ کا قیام رہا۔

۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں آپ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول ﷺ کے لیے روانہ

ہوئے اور حج سے واپسی پر ۱۹۲۰ء میں آپ مستقل سکونت کے ارادہ سے لاہور تشریف لائے اور جامع مسجد

وزیر خان کے خطیب مقرر ہوئے، خطابت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔

۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں آپ نے مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند قائم کی اور دارالعلوم حزب

الاحناف کی بنیاد رکھی، جہاں سینکڑوں علماء و فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے، آج شاید ہی پاکستان کا کوئی شہر یا قصبہ

ایسا ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات سرانجام نہ دے رہے ہوں۔

حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں، بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، مخالفین

کے طوفان آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکے، دنیا کی کوئی طاقت آپ کو مرغوب نہ کر سکی، علم و فضل کے تو

گویا سمندر تھے، کسی مسئلہ پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا، سورہ فاتحہ شریف کا درس شروع کیا تو

ایک سال تک صرف سورہ فاتحہ شریف کا درس جاری رہا۔ آپ کے خلوص، ایثار، زہد و تقویٰ، سادگی اور اخلاق

عالیہ کے مخالف و موافق سب معترف تھے، عوام و خواص سے انکساری سے ملتے، علمائے مشائخ اہل سنت کی

عزت و تکریم کرتے، دینی طلباء پر شفقت فرماتے، بحث سے اجتناب کرتے، مناظروں کی حوصلہ شکنی کرتے،

گالیوں کے جواب میں خاموش رہتے، اپنی ضروریات کی اشیاء خود بازار سے خرید لاتے، جہاں خلاف شرع بات

دیکھتے نرمی سے نصیحت کرتے، دوکانداروں کو مسائل شریعت سے آگاہ فرماتے، لباس سادہ، کپڑے کی ٹوپی،

تکے والا کڑتا، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ، ویسی ساخت کا جوتا استعمال کرتے تھے۔

حضرت علامہ سید صاحب کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک

صاحبزادی اور دو صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی ہے۔ ﴿۱﴾ سید احمد ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم

حزب الاحناف کا انتظام و انصرام آپ کے ذمہ ہی تھا جسے آپ نے بڑی خوبصورت انداز سے نبھایا

﴿۲﴾ علامہ ابوالحسنات سید محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد وزیر خان کے خطیب اور جمعیت علمائے پاکستان کے صدر تھے آپ تحریک پاکستان، جہاد کشمیر اور ختم نبوت کی مہم کے سچے جانناز سپہ سالار تھے۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۲ھ بمطابق 20 اکتوبر 1935ء کو آپ نے وصال فرمایا جب کہ آپ نماز عصر کے لیے نیت باندھ چکے تھے اندرون دہلی دروازہ دارالعلوم حزب الاحناف میں آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔

ہندو پاک میں آپ کی انتھک تدریسی کاوشوں کی بدولت بے شمار تلامذہ نے آپ سے علوم دینیہ کی تعلیم پائی، آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

- 1- مولانا ارشاد علی الوری
- 2- مولانا محمد رمضان بلوچستانی
- 3- مولانا رکن الدین نقشبندی
- 4- مولانا غلام محی الدین کاغانی
- 5- مولانا محمد اسلم جلال آبادی
- 6- مولانا محمد رمضان لسبیلہ سندھ
- 7- مولانا عبدالحق ولایتی
- 8- مولانا شفیق الرحمان پشاور۔
- 9- مولانا سید فضل شاہ
- 10- مولانا محمد مہر الدین
- 11- مولانا ابوالخیر نور اللہ نعیمی
- 12- مولانا عبدالعزیز۔ بورے والا۔
- 13- مولانا عبدالقیوم ہزاروی۔

آپ نے محققانہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے بعض تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱) تفسیر میزان الادیان (مقدمہ و تفسیر سورۃ فاتحہ شریف)

- (2) علامات و ہابیہ
- (3) ہدایۃ الغوی بارشاد علی در در و افص۔
- (4) اصول الکلام
- (5) تحقیق المسائل
- (6) ہدایۃ الطريق
- (7) سلوک قادریہ
- (8) فضائل رمضان
- (9) فضائل شعبان

(10) الاستغاثۃ من اولیاء اللہ عین الاستغاثۃ من اللہ

(11) دیوان دیدار علی۔ فارسی۔ اردو

## تقریظ جلیل

از

محقق اہل سنت علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری زید مجدہ

کھاریاں ضلع گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

استفتاء اور فتویٰ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی تاریخ اسلام کی ہے۔ قرآن مجید فرقانِ حمید کے نزول کے دوران صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے بعض امور سے متعلق حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرعی حکم دریافت فرمایا تو اسی وقت بعض اوقات اللہ تعالیٰ جل وعلا نے قرآن مجید میں اس کا جواب نازل فرمایا اور اکثر اوقات خود شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے حکم شرعی واضح فرمایا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کثیرہ میں یہ صورتِ حال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے وصال پر ملاں کے بعد صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے دور میں شرعی امور میں استفتاء طلب کیے جاتے رہے اور مقتدر صحابہ کرام اور جلیل القدر ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کو جواب عطا فرماتے رہے۔ یہی جواب فتاویٰ کہلائے۔ یہ سلسلہ سوال اور جواب کا وہیں نہیں رکا بلکہ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ قریب قیامت تک جاری رہے گا۔

استفتاء کرنے والے کبھی اپنی ذات سے متعلق پیش آمدہ صورت حال سے سوال کرتے اور کبھی معاشرہ کو پیش آمدہ اجتماعی صورت حال سے سوال کرتے۔ مفتی انہیں حسب حال شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں جواب عطا فرمادیتا۔ اس طرح بعض فتاویٰ کا تعلق ایک شخص سے ہوتا ہے اور بعض کا تعلق اجتماعی طور پر معاشرے

سے۔ فتاویٰ کی اہمیت اور قدر و قیمت دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے مگر اثر و نفوذ کے اعتبار سے ثانی الذکر فتاویٰ ہمہ گیر اثر رکھتے ہیں۔ ایسے فتاویٰ بعض اوقات معاشرے سے کسی برائی کو ختم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا اثر و نفوذ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس سے مقتدر اعلیٰ کے اقتدار پر زد پڑتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ فتاویٰ سے بعض اوقات حکمرانی تبدیل ہو گئی۔ یہ مقام اختصار ہے ورنہ اس کی کثیر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جن کو یہاں درج کیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ کی ایک حیثیت زبانی اور ایک تحریری ہے۔ مستفتی نے سوال اگر زبانی کیا تو مفتی نے اس کا جواب زبانی دے دیا اور اگر مستفتی نے تحریری سوال کیا تو اس کا جواب مفتی نے تحریری دے دیا۔ زبانی سوال و جواب کا انضباط بہت دشوار امر ہے۔ البتہ تحریری فتاویٰ کی جمع و تالیف اور ترتیب قدرے آسان ہے۔

درج بالا حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں کتب فتاویٰ لا تعداد و بیشمار مرتب و موجود ہوں مگر شاید ایسا نہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اسلامی کتب تفاسیر، احادیث، فقہ، تاریخ، شروح کے ساتھ حادثہ ہوا یعنی وہ قلمی مسودات کا ایک متعدد بہا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ بعض حصہ اسلام دشمن حکمرانوں کے حملوں کی نذر ہو چکا ہے۔ یہ بات تو بطور ضرب المثل کہی جاتی ہے کہ تا تاریخوں کے حملوں سے عروس البلاد بغداد مقدس کا نایاب اور کثیر علمی ذخیرہ دریائے دجلہ کی نذر ہوا جس سے قلمی مسودات کی روشنائی سے دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہو گیا تھا۔ ایسے بیسیوں حادثات اسلامی کتب کے ساتھ ہو چکے ہیں۔ تاہم بجمہ تعالیٰ اسلامی کتب کا ایک معتد بہا قیمتی ذخیرہ کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ سکا ہے۔ چنانچہ دیگر کتب اسلامیہ کے ساتھ ساتھ کتب فتاویٰ کی ایک کثیر مقدار قلمی یا مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔

فتویٰ کیا ہے اور اس کی مذہبی، دینی اور معاشرتی حیثیت کیا ہے؟ یہاں ان امور کے بیان کا موقع نہیں۔ مختصر اہل جان لیجئے ایک شخص یا معاشرہ کو درپیش صورت حال میں اسلامی حکم جاننے کی کوشش استفتاء ہے اور اس صورت حال میں کتاب و سنت اور اقوال ائمہ و فقہاء کی روشنی میں کسی عالم دین کا شرعی جواب فتویٰ کہلاتا ہے۔ گویا فتویٰ کو ایک شخص یا ایک معاشرہ کی دینی، معاشرتی، معاشی اور سماجی زندگی میں بنیادی اہمیت



حاصل ہے۔

زیر نظر فتاویٰ کی کتاب مسمیٰ بہ ”فتاویٰ دیداریہ“ تین مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

1- مولانا مفتی محمد رمضان صاحب۔

2- مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ صاحب

3- مولانا مفتی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب۔

تینوں مفتیان کرام جامع مسجد اکبر آباد (آگرہ) کے خطیب اور مفتی ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مذکور مسجد میں افتاء اور خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جس رجسٹر میں تینوں مفتیان کرام کے فتاویٰ درج ہیں اس کا دورانیہ جنگِ عظیمِ اول کا زمانہ (1914ء تا 1919ء) ہے۔

اول الذکر دو مفتیان کرام کے حالات فقیر غفرلہ القدر (راقم السطور) کو معلوم نہیں۔ البتہ تیسرے مفتی نبراس الحدیثین استاذ العلماء والمدرسین مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتب تذکرہ میں موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہیں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔ ہاں یہ وہی ہیں جو بعد میں مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ہند (اور اب پاکستان) کے بانی ہیں۔

تینوں مفتیان کرام کے فتاویٰ کی کیفیت و کمیت بھی مختلف ہے۔

اول الذکر مفتی مولانا محمد رمضان صاحب کے فتاویٰ بہت قلیل ہیں۔ جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کے فتاویٰ تحریر کرنے کا انداز بھی مختصر ہے۔ وہ مختصر عبارت میں (اور اکثر اوقات) بغیر حوالہ کتب فقہ وغیرہ کے فتویٰ تحریر کر دیتے ہیں۔

ثانی الذکر مفتی مولانا سید محمد اعظم شاہ صاحب کے فتاویٰ اول الذکر مفتی کے فتاویٰ سے ذرا زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر وہ بھی قلیل ہیں۔ مگر ان کا انداز تحریر قدرے مفصل ہے وہ کتب حوالہ جات سے اپنی تحریر کو مزین کرتے ہیں۔

حالات الذکر مفتی مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب کے اکثر فتاویٰ طویل ہیں۔ وہ قرآن مجید کی آیات کریمہ احادیث طیبہ اور اقوال ائمہ اور کتب فقہاء اور شروح محدثین کے کثیر در کثیر حوالہ جات سے اپنے موقف کو مستفتی کے لیے واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ائمہ کرام اور فقہائے عظام کے اختلاف کو بڑی شرح و بسط سے بیان کر دیتے ہیں اور ان اختلافات کی روشنی میں جواب فتویٰ کے مختلف پہلو واضح کر دیتے ہیں۔ (اگرچہ یہ امر علماء کی عظمت کا نشان ہے مگر بعض اوقات قاری اس سے الجھن محسوس کرتا ہے)

”فتاویٰ دیدار یہ“ کے چند فتاویٰ سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر یہ امر باعثِ قدح نہیں۔ مفتی اگر اخلاص، للہیت اور ممکنہ تحقیق کے بعد جواب دے اور وہ جواب دیگر جمہور فقہائے امت اور مفتیان ملت کے خلاف واقع ہو تو اس کو خطائے اجتہادی کے مانند محمول کرنا چاہئے۔ مفتی مذکور باوجود خطا کے ماجور و مثاب ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

”فتاویٰ دیدار یہ“ میں بعض وہ فتاویٰ ہیں جن کی بنا پر مروجہ کچھریوں میں فیصلے ہوئے جس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فتاویٰ کو عوام و خواص کے علاوہ مروجہ کچھریوں میں قابلِ حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

بعض فتاویٰ وہ ہیں جن کا بالواسطہ تعلق مروجہ کچھریوں سے تھا۔ وہ یوں کہ اوقاف، مساجد مدارس وغیرہ کے مقدمات کے مصارف پورے کرنے سے متعلق فتویٰ دیا۔ بعض فتاویٰ کا تعلق مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے متعلق تھا۔ مثلاً عید گاہ یا جامع مسجد میں سائلین کے سوال کرنے اور ان کی امداد کرنے والوں سے متعلق شرعی احکام کا واضح کرنا ہے۔

غرضیکہ ”فتاویٰ دیدار یہ“ کتب فتاویٰ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ لیکن اس کی موجودہ افادیت کی صورت گری کا سہرا برادر محترم علامہ مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کی گراں قدر مشکل اور مسلسل مساعی جمیلہ کا مرہونِ منت ہے۔

مفتی محمد علیم الدین مجددی مدظلہ العالی نے فتاویٰ کے رجسٹر کو بنظر عمیق پڑھا۔ شکستہ خط اور بوسیدہ ہونے

کے باعث پڑھنے میں جو مشکل پیش آئی وہ صرف وہی جانتے ہیں دوسرا اس مشکل کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ حضرات جو اس نوعیت کے مخطوطے مرتب کرتے ہیں وہ اس سے واقف ہیں۔

رجسٹر فتاویٰ پڑھ لینے کے بعد جو مراحل مفتی مراتب نے طے کیے ان کا مختصر تعارف (جو فقیر غفرلہ راقم السطور کی سمجھ میں آیا) یوں ہے۔

1- رجسٹر فتاویٰ اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب زمانی سے مستفتی نے سوال کیا ظاہر ہے کوئی عبادات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی معاملات سے متعلق، کوئی مناکحات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی میراث کے بارے میں فتویٰ پوچھتا ہے۔ جس ترتیب زمانی سے جس نے جو سوال پوچھا اسی ترتیب سے جواب رجسٹر میں نقل کر دیا۔ یہ مجموعہ فقہی ابواب سے یکسر مختلف تھا۔ قاری کے لیے اس سے استفادہ بہت دشوار تھا۔ مرتب مفتی صاحب نے تمام فتاویٰ کو فقہی ابواب پر مرتب کر دیا ہے۔ اب اس سے قاری کے لیے استفادہ نہایت آسان ہے۔ وہ اپنی پسند کا باب کھول کر پڑھ سکتا ہے۔

2- مفتیان کرام نے فتویٰ کے دوران جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں اکثر اوقات کتاب کا باب اور صفحہ درج نہیں اور نہ یہ درج ہے کہ متعلقہ کتاب کس مطبع کی ہے۔ مرتب موصوف نے حوالہ جات کی تخریج بڑی عرق ریزی سے کر دی ہے۔

3- عربی یا فارسی عبارات مندرجہ فتاویٰ جن کا ترجمہ مفتیان کرام نے نہیں کیا مرتب موصوف نے ان کا سلیس اردو ترجمہ کر دیا ہے تاکہ قاری کے لیے آسانی پیدا ہو جائے۔

4- بعض مقامات پر عربی یا فارسی عبارت کا ترجمہ مفتیان کرام نے کیا ہے مگر وہ درست نہیں۔ مرتب موصوف نے اس ترجمہ کی تصحیح حاشیہ میں کر دی ہے۔

5- بعض مقامات پر مفتیان کرام نے جس کتاب کا حوالہ درج کیا ہے اصل کتاب میں وہ حوالہ ان الفاظ سے نہیں۔ مرتب موصوف نے حاشیہ میں کتاب متعلقہ کے اصل الفاظ نقل کر دیے ہیں۔

6- بعض اوقات مفتیان کرام نے جو عبارت کسی کتاب سے بطور حوالہ نقل کی وہ عبارت اس کتاب کی نہیں

بلکہ کسی اور کتاب کی ہے۔ مرتب موصوف نے اصل کتاب کی نشان وہی فرمادی ہے۔

7- مرتب موصوف جو بذات خود مفتی ہیں، نے جہاں کہیں فتویٰ جمہور فقہائے امت کے خلاف ملاحظہ کیا اس کی تصحیح حاشیہ میں کر دی ہے۔

اس نوعیت کی کثیر مساعی ہیں جن کا حوالہ اصل مرتبہ ”فتاویٰ دیدار یہ“ ہیں جا بجا ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

8- اصل مجموعہ فتاویٰ میں بوجہ بوسیدگی یا شکستگی جو کلمات پڑھے نہ جاسکے مرتب موصوف نے انہیں اندازہ سے درج کیا ہے مگر حاشیہ میں صاف وضاحت کر دی ہے کہ یہ کلمہ انداز اسباق و سباق کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

9- مفتیانِ کرام نے بعض اوقات کسی عبارت کے لیے ایک حوالہ درج کیا ہے۔ مرتب موصوف نے وہی عبارت دیگر کتب میں موجود ہونے کی نشان دہی کر دی ہے۔

10- ایک اہم کام مجموعہ فتاویٰ کی تفصیلی فہرست درکار تھی جو مرتب موصوف نے نہایت عرق ریزی سے فقہی ابواب پر مرتب فرمادی ہے۔ فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا فتویٰ کہاں اور کس صفحہ پر ہے۔

یہ تمام کوششیں قاری کی سہولت کے لیے کی گئی ہیں اور ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مفتیانِ کرام کا وہ مجموعہ از سر نو زندہ ہو سکے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء آخر میں یہ فقیر ناتواں مرتب موصوف مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی کی بے مثال کوششوں کو بنظر تحسین دیکھتے ہوئے انہیں اس فتاویٰ کی ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل ان کی مساعی مقبول فرمائے اور یہ فتاویٰ امتِ مسلمہ کے لیے مفید فرمائے۔ آمین بجاہ طہ ویس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم وکرم و شرف۔

فقیر قادری محمد جلال الدین عفی عنہ

۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

17/ مئی 2005ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظِ جلیل

از

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی

محدث الوری حضرت مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ابن سید نجف علی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء  
الور (انڈیا) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم الوری میں حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے دہلی جا کر مولانا کرامت اللہ  
خان سے درسِ نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں پڑھیں، اس کے بعد سہارنپور جا کر بخاری شریف کے محشی مولانا احمد  
علی سہارنپوری سے حدیث شریف پڑھی شیخ الحدیث مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مقتدائے علماء و اصفیاء پیر  
مہر علی شاہ گولڑوی آپ کے رفقاء میں سے تھے۔ فراغت کے بعد معقولات کی مزید تعلیم کے لیے رامپور جا کر  
مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا عبدالعلی رامپوری سے استفادہ کیا۔

دو سال تک حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر ان کی خلافت سے مستفید  
ہوئے پھر ان کے ارشاد کے مطابق حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث  
دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دستِ اقدس پر سلسلہ نقشبندیہ اور قادریہ میں بیعت ہوئے اور  
حضرت کے صاحبزادے مولانا شمس الدین احمد میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں کچھ حصہ بخاری شریف مؤطا  
امام مالک اور کچھ شرح وقایہ سنا کر اجازت حاصل کی۔

اس کے علاوہ انہیں امام احمد رضا بریلوی سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی، جس کا کچھ حصہ راقم کو  
حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری سے حاصل ہوا تھا جسے راقم نے اپنی تصنیف ”تذکرہ  
اکابر اہل سنت“ میں شائع کر دیا تھا، وہاں سے لے کر اس مضمون کے آخر میں اس کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ 1901ء سے 1905ء تک مدرسہ ”ارشاد العلوم“ راپور میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے اس کے بعد دو سال بمبئی چلے گئے پھر اپنے وطن الورتشریف لائے اور وہاں ”قوت الاسلام“ کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا۔ کچھ عرصہ بعد لاہور تشریف لا کر جامعہ نعمانیہ میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۶ء میں مولانا ارشاد حسین راپوری کے ایماء پر اکبر آباد (آگرہ) تشریف لے گئے اور شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے دینی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے سید محمد اعظم شاہ کے بعد آپ وہاں کے مفتی مقرر ہوئے۔ سید محمد اعظم شاہ صاحب کے آخری فتویٰ پر یکم جولائی ۱۹۱۶ء/۳۰ شعبان ۱۳۳۲ھ درج ہے اور حضرت سید صاحب کے پہلے فتویٰ پر ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ اس کے بعد کے کسی فتویٰ پر سید محمد اعظم شاہ کے دستخط نہیں ہیں۔ ادھر لاہور کے اہل علم وورد آپ کو لاہور بلانے کے لیے مسلسل کوشاں تھے چنانچہ 1922ء میں آپ دوبارہ لاہور تشریف لے آئے اور جامع مسجد وزیر خاں میں خطابت درس و تدریس اور افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۹۲۳ء ”مرکزی انجمن حزب الاحناف“ قائم کی اسی انجمن کے تحت بعد میں دارالعلوم قائم کیا جہاں سے بڑی تعداد میں علماء، خطباء اور مدرسین تیار ہوئے۔ بعد میں دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ پر منتقل ہو گیا، آج کل آپ کے پر پوتے سید نثار اشرف صاحب دہلی دروازہ کے اندر چنگڑ محلہ میں واقع قدیم حزب الاحناف کو دوبارہ آباد کیے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی مزید توفیق و ہمت عطا فرمائے۔

غازی کشمیر مولانا علامہ ابوالحسنات سید محمد قادری اور مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہما اللہ تعالیٰ آپ کے دونوں صاحبزادوں کے اہل سنت و جماعت پر بڑے احسانات ہیں، شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی آپ کے پوتے اکابر علماء اہل سنت و جماعت میں سے ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کے صاحبزادے مولانا سید مصطفیٰ اشرف رضوی ان کے جانشین ہیں۔

4 جولائی 1986ء کو مرکزی مجلس رضالاہور کے بانی اور صدر حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حکیم عبدالجید تفتی صدر خلافت کمیٹی لاہور نے بیان کیا کہ ترکی کی مشہور ادیبہ خالدہ ادیب

خانم لاہور آئی تو طے ہوا کہ جمعہ کے بعد مسجد وزیر خاں میں جلسہ کیا جائے جمعہ سے پہلے مولانا سید دیدار علی شاہ نے تقریر کی ان کی تقریر میں ترکی کا نام سن کر خالدہ ادیب خانم نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اسے بتایا کہ تمہاری اور مصطفیٰ کمال پاشا کی پارٹی پر تنقید کر رہے ہیں جمعہ کے بعد اس نے فارسی میں تقریر کی اس کے بعد مولانا نے ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی واپسی پر خالدہ نے کہا:

”یہ بہت بڑا عالم ہے“

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دور کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر کچلو وغیرہ نے مسجد وزیر خاں میں جلسہ منعقد کرنے کا پروگرام بنایا حضرت اباجی (مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مجھے فرمایا کہ اخباری تراشوں والا قائل اٹھا کر لائیں وہ لے کر آیا تو آپ نے زوردار خطاب کیا اور اس میں مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے لیڈروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ نے فلاں موقع پر یہ کہا کہ فلاں موقع پر یہ کہا یہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے آپ کے خطاب کے بعد مولانا محمد علی جوہر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کا شکر ہے کہ ایسے علمائے ربانی موجود ہیں جو ہماری غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں یہ کہا اور اپنا خطاب ختم کر دیا۔

یہ بھی حضرت مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ علامہ اقبال ایکشن میں کھڑے ہوئے اور حضرت اباجی (مولانا محمد دیدار علی شاہ) سے ملاقات کے لیے آئے علامہ حضرت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے ہوئے تھے یوں تو یاد نہیں کہ حضرت ”اباجی“ کس مسئلے پر گفتگو فرما رہے تھے لیکن اتنا یاد ہے کہ وہ الہیات کے کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے اور علامہ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔

مخالفین حضرت محدث الوری کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہوئے اس بات کو بہت اچھالتے ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا جب کہ حقیقت اس سے مختلف تھی اقبالیات کے ماہر جناب سید نور محمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ حضرت محدث الوری کی خدمت میں علامہ کے کچھ اشعار علامہ کا

نام لیے بغیر پیش کیے گئے جن میں آفتاب کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے لیے صفات الوہیت ثابت کی گئی تھیں ظاہر کو دیکھتے ہوئے حضرت محدث الوری نے فرمایا کہ یہ کفر ہے، جب کہ واقعہ یہ تھا کہ علامہ نے اللہ تعالیٰ کو آفتاب کہہ کر مخاطب کیا تھا، اس صورت میں یہ مسئلہ اگرچہ غور طلب ہوگا کہ اللہ کو آفتاب کہنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام تو قیفی ہیں اس ذات اقدس کے لیے وہی نام استعمال کیے جائیں گے جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں، تاہم ان اشعار کی بنا پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا۔

### فتاویٰ دیدار یہ آگرہ

کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم حزب الاحناف کے مفتی مولانا مفتی غلام حسن قادری امام و خطیب جامع مسجد مولانا روحی اندرون بھائی دروازہ لاہور کے پاس مجھے ایک رجسٹر ملا جس میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری، امام الحدیث مولانا سید محمد دیدار علی شاہ نقشبندی قادری محدث الوری مولانا مفتی محمد رمضان اور مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے قلمی فتاویٰ تھے، رجسٹر کے کاغذات بوسیدہ اور سیاہ ہو چکے تھے۔ ان میں سے مفتی اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ تو دور حاضر کے ولی کامل، منقطع عن العلائق، بے نیاز از خلایق، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں منہمک شیخ المشائخ حضرت خواجہ قاضی محمد صادق نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد عبدالسلام حفظہ القدوس السلام نے مرتب کر کے مکتبہ ”منار الہدیٰ“ کی طرف سے 363 صفحات میں شائع کر دیئے، جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آج سے چند دن پہلے صاحبزادہ صاحب کے استاذ حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ العالی (کھاریاں) کے برادر اصغر اور شاگرد خاص مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی مدظلہ العالی مدرس دارالعلوم سلطانیہ نزد کالادپو، جہلم نے 642 صفحات پر مشتمل مسودہ بھجوایا جو کمپوز شدہ فتاویٰ کی فوٹو سٹیٹ کاپی کی صورت میں تھا۔

اس مسودے کو دیکھ کر خوشی کے ساتھ ہی حیرت بھی ہوئی مفتی صاحب نے تھوڑے سے عرصے میں نہ



صرف بوسیدہ اور سیاہ اوراق سے ان فتاویٰ کو پڑھا، نقل کیا، بلکہ حاشیہ میں حوالوں کی تخریج بھی کی، یہ نتیجہ ہے اس خلوص کا جو ان کے سینے میں دین اور علوم دینیہ کے لیے موج زن ہے، بعض مقامات پر انہوں نے اختلافی نوٹ بھی لکھے ہیں اور یہ اہل علم کا حق ہے، بعد میں دیکھنے والے علماء فیصلہ کریں گے کہ ان میں سے درست کیا ہے؟ اس مجموعے میں زیادہ حضرت امام المحدثین سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری کے فتاویٰ ہیں یا در ہے کہ بقول مولانا محمد علیم الدین صاحب یہ ان کے تین سال ایک ماہ اور چند روز کے فتاویٰ ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ساٹھ سال کے عرصے میں کتنے فتوے دیئے ہوں گے۔ کچھ فتاویٰ مولانا مفتی محمد رمضان اور حضرت مولانا سید محمد اعظم شاہ (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے بھی ہیں افسوس کہ ان کے بارے میں تاحال راقم کو سوائے ان کے نام کے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

### کچھ مرتب اور محقق کے بارے میں

گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی مدظلہ العالی اپنے بڑے بھائی اور کتب کثیرہ کے مصنف حضرت مولانا علامہ محمد جلال الدین قادری مدظلہ العالی (کھاریاں) کے شاگردِ خاص ہیں، وہ طویل عرصے سے دارالعلوم سلطانیہ نزد کالاد یو، جہلم میں فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں، بلا شبہ یادگار اسلاف ہیں۔

تدریس، تحقیق اور تصنیف سے انہیں شغف ہے، سنا ہے کہ چکے چکے امام علامہ یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت طیبہ کے موضوع پر شہرہ آفاق تصنیف ”سبل الہدیٰ والرشاد“ کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں، ان کی منظر عام پر آنے والی چند تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) سیرت سید الانبیاء علیہم السلام

یہ حضرت مولانا علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی نہایت اہم تصنیف ”بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوة“ کا ترجمہ ہے اور اس کے صفحات 610 ہیں۔

(۲) احکام طہارت۔ 230 صفحات پر مشتمل یہ کتاب طہارت (وضو، غسل اور تیمم) کے ضروری احکام پر

مشمول ہے۔

(۳) دلیل زائر حرمین شریفین

498 صفحات پر مشتمل یہ کتاب حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”المسلك المتوسط في

المسلك المتوسط“ سے ماخوذ اور حج و عمرہ کے مسائل کے ساتھ مدینہ طیبہ کی حاضری کے آداب پر بھی مشتمل ہے۔

(۴) النبی الاطہر (۵) تذکرہ قاضی فتح اللہ قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ

(۶) تعلیم و تعلم (۷) شرح مسلم الثبوت

(۸) ترجمہ خزائن فتحیہ الاسرار (۹) شرح سبع معلمات

(۱۰) ترجمہ قرآن کریم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرت علامہ کو صحت و تندرستی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور ان کا علمی

و روحانی فیض دور دراز تک پہنچائے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ

بانی مکتبہ قادریہ لاہور

28 جون 2005ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَعَنَ الْبَيْتَ اسْنَادِ الْحَيْثُ وَنَهَايَةَ سَلَامَةِ الظُّكْرِ بِوَصْلِ عَلِيٍّ جَلْبَكِ الْمَوْصُولِ التَّنْصِلِ الْعَنِيْرِ  
 مَعَ مَسَلِكِ الْمَرْفُوعِ بِوَصْلِكَ فَوْقَ كُلِّ مَرْفَعٍ وَعَلَى الْهَوِّ وَصَحْبِهِ خَيْرًا وَصَحْبِيَّةً وَرَاةً  
 وَحَدِيثَهُ طَرِقَ الْوَصُولِ إِلَى سَائِحَتِهِ الرَّحْبِ وَوَعْدَ فُسْلَامِ عَلَيْهِمَا وَرَحْمَةَ اللَّهِ وَبَرَكَاتِهِ  
 سَيِّدِ الْفَاضِلِ وَالْحَيِّدِ الْفَاصِلِ ذَا الْفَيْضِ السَّمِيِّ وَالْقَدْرِ الْعَلِيِّ مَوْلَانَا الْمَوْلَوِيِّ  
 يَا مُحَمَّدُ دِيَارِ عَلِيٍّ الْعَلَوِيِّ الْكَبِيرِيِّ الْأَرْضِيِّ الْأَلَوِيِّ مَهْمِي الثَّرَابِ أَبَادِ  
 نَلِ الْفُسَادِ وَوَايِدَهُ بِالسُّدَادِ وَالرَّشَادِ وَنَجْدَهُ الْأَسْعَدِ الْأَرْشَادِ الْأَعْمَدِ الْأَحْمَدِ

الْقَدْرِ وَالْمُنَانَةِ وَسَمِعَ وَتَنَقَّبَ مِنْ هَجْرَتِهِ سَعِيدِ الْأَنَامِ عَلَيْهِ وَعَلَى الْهَوِّ وَوَايِدَهُ حَزَنِيَّةً أَفْضَلِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ  
 قَالَهُ بَعْدَهُ وَتَمَقَّقَهُ بِقَلَمِهِ عَبْدُ الْمُصْطَفِيِّ أَحْمَدُ رَضَا الْمَجْدِيِّ السَّنِيِّ الْكَنْفِيِّ الْقَادِرِيُّ  
 الْكِرْكَاتِيُّ عَفَرَ اللَّهُ لِمَا مَضَى مِنْ سَيِّئَاتِهِ وَمَا بَقِيَ مِنْهَا صَبْرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ



امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سند کا عکس

جو آپ نے

حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری رحمۃ اللہ علیہ

اور حضرت ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ

کو عطاء فرمائی۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### تقدیم

از

استاذ الاساتذہ علامہ حافظ خادم حسین رضوی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

الحمد لله موفق المتقين لشكر النعمة، والصلوة والسلام على من أرسله الله للعالمين رحمة وعلى آله وأصحابه الهداة، وعلى سائر من اقتفى أثره واهتدى بهداه.

أما بعد!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلسلہ انبیاء و رسل امام الا انبیاء حضور پر نور ﷺ کی ذات اقدس پر مکمل کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

ولكن رسول الله وخاتم النبيين (الأحزاب: ۴۵)

حضور نبی کریم ﷺ نہ صرف آخری نبی ہیں بلکہ آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب آخری الہامی کتاب آپ ﷺ کی امت آخری امت اور آپ ﷺ کا دین (اسلام) آخری اور کامل و اکمل دین ہے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی پسندیدگی اور جامعیت کی سند یوں عطا فرمائی۔

اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً (المائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

إن الدين عند الله الإسلام (آل عمران: ۱۹)

ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

ان آیات میں اسلام کو کامل دین قرار دیا گیا ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دین اسلام میں انسان کی جملہ ضروریات و مشکلات کا حل موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ نعمت ”کامل“ ہونے کے درجہ کو نہ پہنچتی۔ اسلام کا نظام حیات آخری و ابدی ہے اسی میں ہماری تمام ضروریات کا حل پنہاں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دور مقدس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی تمام دینی و دنیاوی مشکلات کے حل کے لیے حضور ﷺ کی جانب رجوع فرماتے۔ آپ ﷺ ان کے تمام سوالات کے جوابات عطا فرماتے اور یوں امت محمدیہ میں شرعی ضروریات کے حل کے لیے سوال و جواب کی روایت قائم ہوئی جسے استفتاء اور فتویٰ کا نام دیا گیا۔

### لفظ فتویٰ کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

لفظ فتویٰ فاعلہ (زبر) کے ساتھ (فتویٰ) بھی منقول ہے اور ضمہ (پیش) کے ساتھ (فتویٰ) بھی۔ اس کا مادہ فتو یا فتی ہے بمعنی قوت و طاقت۔ طاقتور جوان کو بھی فتی کہتے ہیں لیکن یہاں مراد ”مدلل و مضبوط شرعی حکم“ ہے۔ بعض نے اس کا معنی مطلق ”جواب دینا“ بھی کیا ہے اس میں شرعی و غیر شرعی کی کوئی قید نہیں۔ علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الإفتاء بیان حکم المسئلة (التعريفات : ص : ۲۶)

ترجمہ: حکم مسئلہ بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

الإفتاء فإنه إفادة الحكم الشرعی (رد المختار: ج ۴)

ترجمہ: شرعی فیصلے سے آگاہ کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔

فتویٰ کے اصطلاحی معنی کو اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے:-

إنما الإفتاء أن تعتمد علی شیء وتبين لسائلک ان هذا حکم شرعی

(فتاویٰ رضویہ: ج ۱)

ترجمہ: افتاء کا مفہوم یہ ہے کہ تو (کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور کتب فقہ میں سے) کسی چیز پر اعتماد کر کے سوال پوچھنے والے کو بتائے کہ یہ شریعت مطہرہ کا حکم ہے۔  
المصباح ص ۱۶ پر مذکور ہے کہ:

الإخبار بحکم اللہ تعالیٰ عن مسألة دینیة بمقتضى الأدلة الشرعية لمن سأل عنه  
فی أمر نازل علی جهة العموم والشمول لا علی وجه الإلزام  
ترجمہ: کسی پیش آمدہ صورت میں ادلہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق سائل کو دینی سوال کے بارے میں عموم وشمول کے طور پر نہ کہ لازم کرنے کے انداز پر اللہ تعالیٰ کا حکم بتانے کو افتاء کہتے ہیں۔

## افتاء کی اہمیت

افتاء کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ یہ سنت الہیہ ہے اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

و یستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن (النساء: ۱۲۷)

ترجمہ: اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمہیں ان کے بارے میں۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ (النساء: ۱۷۶)

ترجمہ: اے محبوب آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔

ان آیات میں افتاء کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی جانب ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ”مفتی“ کا استعمال قطعاً درست نہیں کیونکہ اس سے بہت سی خرابیاں لازم آئیں گی۔ بہر کیف ان آیات بینات کے تحت فتویٰ کی اہمیت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔

## فتویٰ دور رسالت مآب ﷺ میں

ہادی عالم حضور نبی کریم ﷺ وحی الہی کے ذریعے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

مقدس جماعت

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل: ۴۳)

ترجمہ: پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو

کے مطابق نبی کریم ﷺ سے فتویٰ طلب کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ مسلمانوں کو عبادات، معاملات، اخلاقیات، آداب اور معاشرت وغیرہ میں شرعی احکام بیان فرماتے تھے۔ حضور ﷺ کے فتاویٰ کی حیثیت اسی قدر اعلیٰ و ارفع ہے جس قدر آپ ﷺ کی ذات اقدس اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

ما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا (الحشر: ۷)

ترجمہ: رسول تم کو جو کچھ دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تمہیں روکیں رُک جایا کرو۔

## فتویٰ دور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں

سید عالم حضور ﷺ کے ظاہری طور پر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منصب افتاء پر فائز ہوئے۔ ان میں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سرفہرست ہیں جبکہ تقریباً ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے علاوہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک طبقہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی قیادت میں ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں مصروف رہتا جب کہ درج بالا دوسرا طبقہ نصوص میں تدبر اور غور و فکر کر کے احکام کو اخذ کرتا تھا۔ ان کے پیش نظر قرآن کریم، نبی کریم ﷺ کے اقوال، اعمال اور تقریرات ہوتے تھے۔ مسائل کو اجتہاد کے ذریعے اخذ کرنے کا ثبوت قرآن کریم میں موجود ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم (النساء: ۸۳)

ترجمہ: تو ضروران سے اس کی حقیقت جان لیتے (یہ جو بعد میں کوشش کرتے ہیں)

کتاب احادیث میں حضرت معاذ بن رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث اس بارے میں ٹھوس دلیل ہے جب آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جانے لگا اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تمہارے پاس اگر کوئی جھگڑا آئے تو فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ؟ عرض کی رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنت میں بھی نہ پایا تو؟ عرض کی بغیر کسی کوتاہی کے پوری کوشش و محنت کے ذریعے اپنی رائے سے معلوم کروں گا۔ پس نبی پاک ﷺ نے ان کے سینے پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو رسول اللہ کے پسندیدہ عمل کی توفیق دی۔

(ترمذی شریف، ابوداؤد شریف)

### فتویٰ بعد از دورِ صحابہ

جب اسلام پھیلتا ہوا بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، سمرقند، صہبان، شیراز، آذربائیجان، جرجان، زنجان، طوس، بسطام، استرآباد، خوارزم، مرغینان، دامغان، کرمان، ہند اور یمن وغیرہ تک پہنچا تو مسلمانوں میں آئے روز نئے نئے مسائل نے جنم لینا شروع کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جانشین حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے ان مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ان میں سرفہرست حضرت علقمہ بن قیس، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حماد بن مسلم، حضرت نعمان بن ثابت، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں۔

فقہ (شرعی احکام) کی ابتداء تو حضور ﷺ کے دورِ اقدس سے ہو چکی تھی اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کی باقاعدہ تدوین کی جائے۔ چنانچہ اس ضرورت کو امام ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت نے پورا کیا اور فقہ کی تدوین شروع کی۔ تدوین کا مطلب یہ تھا کہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق آیات و احادیث اور اقوال صحابہ پیش



کیے جاتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس میں متعدد احتمالات بیان فرماتے اور ان کی تائید میں نصوص و عبارات پیش کرتے۔ تمام اصحاب (اپنے زمانے کے ہر فن کے ماہر ترین تقریباً چالیس افراد) ان احتمالات کی تنقیح و توضیح فرماتے، جب کسی ایک احتمال پر اتفاق ہو جاتا تو سچے تلے الفاظ میں لکھ لیا جاتا اور بعض اوقات متفق نہ ہونے کی صورت میں وہ احتمال اسی شخصیت کی طرف منسوب کر کے لکھ لیا جاتا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس علمی مجلس کا مرتب کردہ مجموعہ نہایت ضخیم تھا بعض حضرات نے اس میں درج مسائل چھ (۶) لاکھ اور بعض حضرات نے بارہ (۱۲) لاکھ بھی بیان کیا ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق ان احتمالات کی تعداد ساٹھ (۶۰) ہزار سے زائد تھی۔

الفقه زرعہ عبد اللہ بن مسعود وسقاہ علقمة  
و حصده ابراهيم النخعی و داسہ حماد  
وطحنہ ابو حنیفہ و عجنہ ابو یوسف  
وخبزہ محمد فسائر الناس یا کلون من خبزہ

(در مختار)

ترجمہ: فقہ کا کھیت حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بویا، حضرت علقمہ بن قیس نے سینچا، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حضرت حماد بن مسلم نے مانڈا، امام اعظم نے پیسا، حضرت ابو یوسف نے گوندھا اور حضرت محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہم نے روٹیاں پکائیں اور باقی سب اس کے کھانے والے ہیں۔

یعنی اجتہاد و استنباط کا سلسلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا، علقمہ نے تقویت پہنچائی، ابراہیم نے اس کے فوائد متفرقہ کو جمع کیا، حماد نے فروع کو زیادہ کیا، امام اعظم نے اس کو درجہ کمال تک پہنچایا اور تدوین فقہ کی مہم سر کی، آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم نے اصول مرتب کیے۔

ان حضرات نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ کے ساتھ ساتھ وہ تمام علوم جو اس دین کی تفہیم

وتفسیر کے لیے ضروری تھے نہ صرف ایجاد کیے بلکہ ان تمام علوم و معارف میں مختلف افراد نے مہارتِ تامہ حاصل کر کے ان علوم کے قواعد و ضوابط تک مرتب کیے اور نسل در نسل ان علوم کے ماہرین کی تیاری کا ایک متواتر سلسلہ قائم فرمایا۔ الحمد للہ یہی سلسلہ آج اس دور میں بھی قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

## فتویٰ برصغیر پاک و ہند میں

خلفائے عباسیہ کے دور سے لے کر گذشتہ صدی کے اوائل تک اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی قانونی شکل میں رائج تھی۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد فتویٰ نویسی یا افتاء کا کام مدارسِ دینیہ کی جانب منتقل ہو گیا ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک مدارسِ دینیہ بحسن و خوبی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ اور افتاء کے کام کو علمائے حق نے سنبھالا، ان میں سرفہرست حضرت مولانا شاہ فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا احمد اللہ شاہ مدرسی، حضرت مولانا کفایت علی کافی، حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کوروی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا مفتی نقی علی خان، حضرت مولانا مفتی تقی علی خان، حضرت مولانا مفتی عبدالعلی رامپوری۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، تاجدار گولڑہ، حضرت پیر سید مہر علی شاہ، مفتی امیر علی خان، مفتی سید دیدار علی شاہ، مفتی غلام جان ہزاروی، مفتی عطا محمد رتوی، مفتی عبدالحفیظ حقانی، مفتی احمد یار خان نعیمی، مفتی محمد عمر نعیمی، مفتی سید مسعود علی قادری، مفتی امین الدین بدایونی، مفتی اعجاز ولی خان اور مفتی ابوالبرکات سید احمد اور مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی وغیرہ ہیں۔

## کتب فتاویٰ کی تاریخ

بعض فقہائے امت نے کتب فقہ مرتب کیں تو بعض نے کتب فتاویٰ کو مرتب کیا۔ خالص فتاویٰ کے تحریری مواد کی تاریخ بھی عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہوتی ہے۔ ابوالحسن بصری نے اپنی کتاب "المعتمد فی اصول الفقہ" میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی کتابی صورت میں پانچویں ہجری تک پایا جاتا تھا۔

کتب فقہ کی تاریخ عہد صحابہ و تابعین سے شروع ہو کر آج کے اس دور تک پہنچتی ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون اور اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدایت العارفین میں بارہویں صدی ہجری سے قبل تک کتب فتاویٰ کا ذکر کیا ہے۔ بارہویں صدی ہجری سے قبل اور اس کے بعد کی کتب فتاویٰ درج ذیل ہیں:

فتاویٰ قاضی خان	فتاویٰ سراجیہ	فتاویٰ ابی بکر
فتاویٰ بزازیہ	فتاویٰ طرطوسیہ	فتاویٰ ظہیریہ
فتاویٰ عزیزیہ	فتاویٰ خیریہ	فتاویٰ تاتارخانیہ
فتاویٰ رضویہ	فتاویٰ حمادیہ	فتاویٰ عالمگیری
فتاویٰ جماعتیہ	فتاویٰ مہریہ	فتاویٰ نظامیہ
فتاویٰ امجدیہ	فتاویٰ فقیہ ملت	فتاویٰ نعیمیہ
فتاویٰ فیض الرسول	فتاویٰ مصطفویہ	فتاویٰ شریفیہ
فتاویٰ نوریہ	فتاویٰ حامدیہ	فتاویٰ اجملیہ
فتاویٰ بریلی	فتاویٰ مظہریہ	فتاویٰ مسعودی
	فتاویٰ دیداریہ	فتاویٰ حزب الاحناف

### کچھ صاحب فتاویٰ کے بارے میں

آخر الذکر کتاب استاذ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دیئے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ موصوف کے حالات زندگی کا احاطہ حضرت قبلہ صاحبزادہ قاضی محمد عبدالسلام نقشبندی مجددی سلطانی تفصیلاً کریں گے۔ راقم بھی اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کی غرض سے استاد محترم حضرت علامہ محمد عبدالکیم شرف قادری کی تحریر (موجود در تذکرہ اکابر اہلسنت) کا خلاصہ پیش کرتا ہے جو کہ یہاں نہایت موزوں ہے۔

استاذ العلماء والفقہاء حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی شاہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء بروز پیر بمقام الور محلہ نواب پورہ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سلسلہ نقشبندیہ کے معروف

بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی، محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری، حضرت مولانا قمر الدین اور جامع العلوم حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری جب کہ ہم درس ساتھیوں میں سلسلہ چشتیہ کی معروف شخصیت تاجدار گولڑہ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد رحمۃ اللہ علیہم ایسی شخصیات شامل تھیں۔

سلسلہ قادریہ میں آپ امام العاشقین اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور خلیفہ مجاز ہوئے۔ بعد میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے آپ کو تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

لاہور میں آخری بار تشریف لانے سے پہلے آپ شاہی مسجد واقع آگرہ بھارت کے خطیب و مفتی مقرر ہوئے پھر پاکستان کے دل شہر لاہور میں تشریف لائے اور درس و تدریس کا آغاز فرمایا۔ اس دوران دہلی دروازہ کی قدیم و معروف مسجد وزیر خان میں خطابت کی ذمہ داری آپ نے احسن انداز سے پوری کی۔ درس و تدریس سے دلی لگاؤ کے پیش نظر ۱۹۲۳ء میں آپ نے دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی اور دین متین کی خدمت کے لیے سینکڑوں علماء کی ایک جماعت تیار کی۔

آپ کی تصانیف کی تعداد دس سے زائد ہے جن میں تفسیر میزان الادیان، علامات و ہابیہ، ہدایت النغوی، درر و انفض، تحقیق المسائل اور پیش نظر فتاویٰ کا مجموعہ ”فتاویٰ دیداریہ“ سرفہرست ہیں۔  
آپ کا وصال ۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ بمطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ہوا۔

### چند معروضات فتاویٰ دیداریہ کے بارے میں

یہ کتاب اہلسنت کے تین ممتاز مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ ان میں حضرت مولانا مفتی محمد رمضان، حضرت مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ اور حضرت مولانا مفتی سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔ ہر سہ حضرات کے فتاویٰ اس دور کے ہیں جب وہ حضرات یکے بعد دیگرے اکبر بادشاہ کی تعمیر کردہ شاہی مسجد واقع آگرہ ہندوستان کے مفتی و خطیب کی حیثیت سے خدمت دین میں مصروف تھے۔

یہ کتاب تین سو چالیس (۳۴۴) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ جن میں بارہ (۱۲) فتاویٰ حضرت مولانا مفتی محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ کے کچھتر (۷۵) فتاویٰ حضرت مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اور دو سو ستاون (۲۵۷) فتاویٰ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اجل حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے صادر ہوئے۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی تعداد دیگر دو مفتیان کرام کے مجموعی فتاویٰ سے زائد ہے لہذا اسی بناء پر فتاویٰ کے اس مجموعہ کا نام ”فتاویٰ دیداریہ“ رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب صرف فتاویٰ کا مجموعہ نہیں بلکہ فقہی مسائل کا ایک عظیم ذخیرہ ہے اس مجموعہ میں مختلف موضوعات مثلاً عقائد، طہارت، نماز، زکوٰۃ، طلاق، وقف، سیر، نظر و اباحت اور میراث وغیرہ کے متعلق انتہائی پر مغز اور تفصیلی معلومات جواب کی صورت میں موجود ہیں۔ حضرت سید المحدثین نے اپنے فتاویٰ میں بالکل وہی اسلوب اپنایا ہے جسے اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رحمۃ اللہ علیہ نے العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ میں اپنایا، ان شرعی معلومات سے نہ صرف علماء و خواص بلکہ عوام بھی یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس مجموعہ میں حضرت سید المحدثین کے پہلے فتویٰ پر متعلق تاریخ ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ / ۱۲ اگست ۱۹۱۶ء رقم ہے جب کہ آپ ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ / ۲۲ دسمبر ۱۹۱۹ء تک شاہی مسجد آگرہ ہندوستان کے منصب افتاء پر فائز رہے۔ اس لحاظ سے آپ کا شاہی مسجد آگرہ میں منصب افتاء پر فائز رہنے کا کل دورانیہ تقریباً ۳ سال ۱ ماہ ۲۰ دن بنتا ہے۔ حضرت سید الفقہاء کے لازماً فتاویٰ کے کئی ایک مجموعے ہوں گے ان کو تلاش کر کے منظر عام پر لانا علمائے اہل سنت پر فرض ہے تاکہ ان کو زمانہ کی دست برد سے بچایا جاسکے۔ حزب الاحناف کا کتب خانہ ان کا مخزن ہو سکتا ہے۔ وہاں ان کی تلاش ضروری ہے۔

اس مجموعہ میں سب سے زیادہ فتاویٰ میراث کے باب میں ہیں اور سب سے طویل فتویٰ وقف کے باب میں موجود ہے، یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ اس کا سوال بھی تقریباً سب سے مختصر ہے۔

حضرت سید المحدثین نے بعض فتاویٰ میں اپنے نام کے ساتھ رضوی لکھا ہے۔ یہ نسبت امام موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ کی جانب ہے اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب نہیں چونکہ فتاویٰ کے اس مجموعہ کے

زمانہ میں آپ کو اعلیٰ حضرت سے خلافت اور سند حدیث نہیں ملی تھی۔

حضرت مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ نے بعض اوقات عربی عبارت نقل کرتے وقت یہ وضاحت نہیں کی وہ عبارت کس کتاب سے ماخوذ ہے؟ بعض جگہوں پر اصل عبارت اور درج شدہ عبارت میں فرق بھی ہے گویا حضرت والا نے بعض مقامات پر روایت بالمعنی سے بھی کام لیا ہے۔

## فتاویٰ دیداریہ کی انفرادیت

فتاویٰ دیداریہ اکثر کتب فتاویٰ سے کئی جہتوں میں ممتاز ہے ان میں سے چند خوبیاں درج ذیل ہیں۔

☆ حضرت امام الفقہاء المحمدین رحمۃ اللہ علیہ نے سائل کا شرعی حکم بیان کرتے وقت کثرت سے معتبر کتب سے حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ اس بنا پر وہ فتویٰ جہاں عام افراد کو شرعی معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ بنے گا وہیں علماء کرام کے لیے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ثابت ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ جات بیان فرمانے میں مفصل اسلوب اپنایا ہے اور صرف کتب کا نام بتانے پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ جلد نمبر، صفحہ نمبر اور مطبع کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

☆ جواب دیتے وقت صرف ہاں یا نہ سے کام نہیں لیا گیا بلکہ جواب کے متعلقہ امور پر بھی انتہائی مفید بحث فرمائی ہے اس طرح جواب اور اس کے متعلقہ امور خوب نکھر کر واضح ہوتے ہیں اور ایک جواب کئی سوالات کا جواب بن جاتا ہے۔

☆ بعض مقامات پر شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے دیگر ائمہ کرام کے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں اور آخر میں مفتی بہ قول کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

☆ پیش نظر فتاویٰ میں کئی مقامات پر فقہی قواعد کو بیان فرما کر مسائل کا استخراج کیا ہے اور تقریباً دس فقہی قواعد بھی درج فرمائے ہیں۔ ان فقہی قواعد کو مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی دامت برکاتہم نے فہرست مضامین کے آخر میں ایک جا محفوظ فرما دیا ہے۔

☆ متعدد نا درست فتاویٰ کی زبردست دلائل کے ساتھ اصلاح فرمائی، کہیں کسی مفتی کے مجمل فتویٰ کی

وضاحت فرما کر اس کے اجمال کو ڈور فرمایا تو کہیں کسی مفتی صاحب کی نقل کردہ عبارت کے دوران فقہی کتاب کی مجمل عبارت سے اخذ کیے گئے غلط نتیجہ کی درستگی فرمائی آپ نے یہ درستگی اس شاندار انداز میں فرمائی کہ حکم شرعی نکھر کر واضح ہو گیا۔ اس کی واضح مثال فتویٰ ۲۸ (صفحہ ۷۰ تا ۷۲) میں موجود ہے۔

☆ حضرت سید صاحب نے اکابرین کے نقش قدم پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ میں غلطی معلوم ہو جانے کی صورت میں بلا خوف و تامل رجوع الی الحق فرمایا۔ اس مجموعہ میں بھی آپ کا دو مقام پر پہلے دیئے گئے فتویٰ سے رجوع کا علم ہوتا ہے۔ پہلا مقام صدقہ فطر کی مقدار کے متعلق اور دوسرا مقام وراثت کے ایک مسئلہ کے متعلق ہے۔ ان کی تفصیل متعلقہ ابواب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

## کچھ مرتب فتاویٰ دیدار یہ کے بارے میں

فتاویٰ کے اس عظیم مجموعہ کو منظر عام پر لانے کے سہرا استاذ العلماء عالم باعمل حضرت علامہ مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی متعنا اللہ بطول حیالہ کے سر ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بہترین مدرس میدان تحقیق کے شاہسوار اور انتہائی منجھے ہوئے مصنف ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کے سینے میں دین متین کی خدمت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مشاغل و اوقات میں بیش بہا برکتیں عطا فرمائی ہیں آپ کے کاموں کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ آپ ایک شخص نہیں بلکہ ایک ادارہ ہیں۔ اسلاف کی علمی میراث سے حد درجہ محبت فرماتے ہیں اور اس پر مکمل یقین رکھتے ہیں ”البرکۃ مع اکابر کم“ یہ محبت صرف دل و دماغ تک ہی محدود نہیں بلکہ قرطاس و قلم کے ذریعے اس کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔

شاعر نے اکابر کی میراث کے متعلق مسلمانوں کو خوب جھنجھوڑا ہے:

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر کیا تو نے  
وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا  
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں  
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

ہمارے اکابر کی ہزاروں قیمتی علمی تحقیقات تاہنوز اشاعت کی منتظر ہیں لیکن نہ تو کوئی ان پر کام کرنے والا ہے اور نہ ہی شائع کرنے والا۔ اکابر اہل سنت کا بیشتر علمی خزانہ یا تو قصہ ماضی بن گیا ہے یا پھر خوراکِ دیمک۔ ہماری سستی کی وجہ سے اغیار ہماری کتابوں سے مسلسل علمی تحقیقات چرا کر اپنی جانب منسوب کر رہے ہیں لیکن ہم خواب خرگوش میں مست ہیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی  
 ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا  
 مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی  
 جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارہ  
 باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو  
 پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو  
 ہر کوئی مست مے ذوق تن آسانی ہے  
 تم مسلمان ہو! یہ انداز مسلمانی ہے  
 حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے  
 تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

اس وقت جو مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ بھی ہماری ستم ظریفی کا شکار ہونے ہی والا تھا کہ اللہ رب العزت نے حضرت مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی کے دل میں اس مجموعہ کو منظر عام پر لانے کا جذبہ ودیعت فرمایا۔ اگرچہ یہ مجموعہ پون صدی سے زائد عرصہ کے بعد منظر عام پر آیا ہے لیکن اس کا مقدر یہی وقت تھا کل امر موہون باوقاتھا۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ مجموعہ حضرت صاحبزادہ قاضی محمد عبدالسلام نقشبندی صدیقی سے اور انہوں نے محقق العصر حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کی وساطت سے حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری (کھاریاں) سے حاصل کیا۔ حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے ہی حضرت مولانا مفتی محمد



جلال الدین کو یہ مجموعہ مرتب کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت حضرت مفتی محمد علیم الدین صاحب کے نصیب میں لکھی۔ مفتی صاحب نے اپنی بے پناہ علمی و ذاتی مصروفیات کو پس پشت ڈال کر اہل سنت کا یہ عظیم ذخیرہ ضائع ہونے سے محفوظ فرمایا۔ شروع میں مفتی صاحب کا ارادہ صرف حضرت سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کو مرتب کرنے کا تھا لیکن اس سے دیگر دو مفتیان کرام کے فتاویٰ پس منظر میں جانے کا اندیشہ تھا لہذا حضرت مفتی صاحب نے ان فتاویٰ کو بھی شامل کر لیا تا کہ یہ کہیں قصہء ماضی نہ بن جائیں۔

فتاویٰ کا یہ مجموعہ ترتیب پانے سے قبل نہ صرف انتہائی شکستہ تحریرات پر مشتمل تھا بلکہ کئی ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ ان تحریرات کو پڑھنا انتہائی دشوار تھا لیکن مفتی صاحب نے اس کام کو مکمل کرنے کا مضبوط ارادہ کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی غیبی مدد فرمائی اور تمام مشکلات کو آسانی میں تبدیل فرماتے ہوئے آپ سے یہ عظیم کام لے لیا۔ اس کام کو دیکھ کر اس بات کا بحسن و خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب پر اللہ تعالیٰ کا کس قدر فضل و احسان اور نبی کریم ﷺ و بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم کی کس قدر توجہات کریمانہ ہیں۔

قبلہ مفتی صاحب کے گرانقدر علمی شہ پارے درج ذیل ہیں۔

### ۱. النبی الأطھر سیرت خیر البشر

تلقیح فہوم اہل الاثر فی عیون التاریخ والسیر مصنف: علامہ محمد عبدالرحمن ابن جوزی (۵۹۷-۵۱۰) علامہ جوزی کی کتاب ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں علامہ نے ابتدائے آفرینش سے اپنے عہد تک کی عظیم شخصیات کا انتہائی دلکش تذکرہ فرمایا ہے۔ کتاب کا ایک اہم جزو حضور خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں جس کا ترجمہ علامہ مفتی صاحب نے ۱۸۲ صفحات میں کیا ہے۔

### ۲. بذل القوة فی حوادث سنی النوبۃ مصنف: علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی (۱۱۷۴-۱۱۴۱)

کا ترجمہ سیرت سیدالانبیاء کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر نہایت جامع اور اہم کتاب ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے نہ صرف کتاب کا ترجمہ کیا ہے بلکہ کتاب کو مزید باطنی حسن کے ساتھ نکھارا

ہے۔ کتاب پر کی گئی محنت کو دیکھ کر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مفتی صاحب کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ ہر صاحب ذوق کے لیے یہ کتاب نہایت ضروری ہے۔

۳. دلیل زائر حرمین دو کتب ہیں، مجمل، مفصل، مصنف: مفتی محمد علیم الدین نقشبندی (صفحات ۴۹۸) یہ کتابیں حجاج کرام کے لیے بہترین راہنما ہے۔ ان میں حج کے متعلقہ مسائل کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ حاجیوں کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔

۴۔ احکام طہارت مصنف: مفتی محمد علیم الدین صاحب

اس کتاب میں قبلہ مفتی صاحب نے طہارت کے تقریباً تمام فقہی مسائل کو سہل انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس موضوع پر دور حاضر میں اس قدر جامع کتاب میسر آنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۵۔ قرآن حکیم کا ترجمہ (زیر طبع)

۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد کا ترجمہ (۲ جلدیں زیر طبع)

ان شاء اللہ مفتی صاحب کی یہ کاوشیں ہرگز رایگاں نہیں جائیں گی کیونکہ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے

فمن يعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا كفران لسعيه (سورۃ الانبیاء: ۹۴)

ترجمہ: پس جو شخص کرتا ہے کوئی نیک کام بشرطیکہ مومن ہو تو رایگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور نبی ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے دعا ہے کہ وہ مصنفین فتاویٰ کے درجات بلند

فرمائے اور حضرت مفتی صاحب اور تمام دوسرے حضرات جو دامن درمے درمے قدمے سخن اس کاوش میں شریک

ہوئے ہیں ان سب کے علم و عمل اور عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وخیر خلقہ سیدنا ومولانا

محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

### گزارشات مرتب عنفی عنہ

﴿۱﴾ ولایت نسب صداقت حسب حضرت صاحب زادہ مولانا محمد عبدالسلام مدظلہ العالی نے جب جامعہ رضویہ فیصل آباد میں دورہ حدیث شریف پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو مستقبل میں تدریس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریر کے میدان میں آنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ اب اس کے لیے ایک ایسے موضوع کی تلاش تھی جو اس قدر شاندار علمی اور روحانی روایات کے حامل اس خانوادے کے نونہال کے شایان شان ہو۔ اسی دوران استاذ الاساتذہ متکلم اسلام ترجمان اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف مدظلہ العالی کا ایک خط برادرِ مکرم استاد محترم حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ العالی کے پاس آیا کہ استاذ العلماء والمحدثین حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور اور ان کے والد گرامی حضرت امام الفقہاء و شیخ الحدیثین حضرت مولانا محمد دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے فتاویٰ پر مشتمل ایک قلمی مجموعہ ترتیب، تدوین، تخریج اور تحقیق کا منتظر ہے۔ انہوں نے اس خط میں فرمائش کی آپ اس مجموعہ کو مرتب فرمائیں۔ انہوں نے جواب میں اس پر آمادگی کا اظہار فرمادیا اور وہ قلمی مجموعہ حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ العالی کے ہاں کھاریاں پہنچ گیا۔

فقیر راقم الحروف عنفی عنہ کو یہ خیال آیا اگر یہ سعادت حضرت صاحب زادہ مدظلہ العالی کے حصہ میں آئے تو نہایت مناسب ہے۔ چنانچہ اس ناکارہ خلاق نے شوق دلا کر ان کو اس عظیم کام کے لیے آمادہ کر لیا۔ ان دونوں حضرات کی مہربانی اور بالخصوص حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ العالی کے کمال ایثار کے

باعث یہ مجموعہ چند روز کے بعد حضرت صاحب زادہ صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے اس عظیم کام کو شروع فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر کہ کچھ عرصہ کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے اس مجموعہ میں شامل فتاویٰ کا مجموعہ ”فتاویٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور“ کے نام سے اشاعت پذیر ہو گیا۔

مخطوط کا باقی ماندہ حصہ مرتب شدہ حصے سے علمی اور تحقیقی اعتبار سے فائق تر تھا۔ لیکن اس کا ایک حصہ انتہائی شکستہ تحریرات پر مشتمل اور مختلف ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔ اس حصہ کو پڑھنا انتہائی دشوار اور کٹھن کام تھا۔ راقم الحروف جب کبھی انہیں بقیہ حصہ کی ترتیب و تدوین کا کہتا تو وہ پہلو تہی کر جاتے چند بار انہوں نے اس سلسلے میں درپیش مشکلات کو واضح کرنے کے لئے وہ مخطوطہ فقیر غفرلہ کے سامنے رکھ دیا کہ آپ ہی اس کو پڑھ دیں۔ راقم الحروف کا خیال تھا کہ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں، اگر ثابت قدمی اور صبر سے اس پر محنت کی جائے تو وہ پڑھا جاسکے گا انہوں نے باقی ماندہ کو اس طرح چھوڑ کر اسے حضرت مولانا شرف قادری مدظلہ العالی کے ہاں واپس ارسال کر دیا۔

فقیر کو اس کی اس طرح واپسی پر شدید قلق تھا آخر کار فیصلہ کر لیا باقی ماندہ اس حصہ کو فقیر خود مرتب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ و تقدس کے فضل و احسان اور بزرگان دین کی توجہات کریمانہ سے یہ عاجز اس قابل ہو سکا کہ فتاویٰ کا یہ مجموعہ ترتیب پا کر ناظرین کے سامنے ہے۔ اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات کا اندازہ عام قارئین کو نہیں ہو سکتا۔ صرف وہی لوگ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی شکستہ اور مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے مخطوطات پر کام کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔

﴿۲﴾ فقیر غفرلہ نے جس اہم اور بابرکت امانت کو قارئین تک پہنچانے کی مشکل اور نازک ذمہ داری اٹھائی اس سلسلے میں فقیر کی کوششوں کا ایک نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس ناکارہ خلافت کو جن مراحل میں کامیابی ہوئی وہ اساتذہ کرام کی شفقتوں، والدین کریمین رحمۃ اللہ علیہما کی دعاؤں اور مرشد گرامی دامت برکاتہم القدسیہ کی توجہات عالیہ کا نتیجہ ہے۔ لغزشیں اور غلطیاں فقیر کی نالائقی کا باعث ہیں۔ قارئین حضرات

سے بھی گزراش ہے کہ ان لغزشوں اور غلطیوں کی نسبت اس ناکارہ خلائق کی جانب کریں حضرات مفتیان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا دامن ان سے پاک ہے نیز ازراہ کرم فقیر کو اس سے آگاہ کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو درست کیا جاسکے۔

﴿۳﴾ فتاویٰ میں ضمنی مسائل کی نشاندہی کے لئے فہرست میں مذکورہ صفحہ کی متعلقہ سطر پر ستارے کا نشان بنا دیا گیا ہے، کتب فتاویٰ میں یہ جدت ہے اس سے قاری کے لئے مزید سہولت پیدا ہوگی۔

﴿۴﴾ ادارہ مظہر علم لاہور، جہلم، میرپور بلند مرتبہ دینی کتب کا ایک معیاری ادارہ ہے۔ متعدد دینی کتب اس کے زیر اہتمام اعلیٰ معیاری انداز پر شائع ہو کر حسن قبول کا درجہ پا چکی ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو اس کے روح رواں دامت برکاتہ اور خادمین کے پیش نظر دین متین کی خدمت ہے۔ مال و متاع اور نام و نمود نہیں۔ اس کی تمام مطبوعات ایک سے ایک عمدہ اور بہتر ہیں۔ فتاویٰ دیدار یہ جلد اول کی اشاعت اسی ادارہ کے اہتمام سے ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک ادارہ کے روح رواں دامت برکاتہ اور دیگر جملہ کارکنان کو دنیا اور آخرت میں اپنی بے کراں رحمتوں سے نوازتا رہے اور روز افزاں ترقیات و درجات سے نوازتا رہے۔

آمین ثم آمین

صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد وآلہ وسلم

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

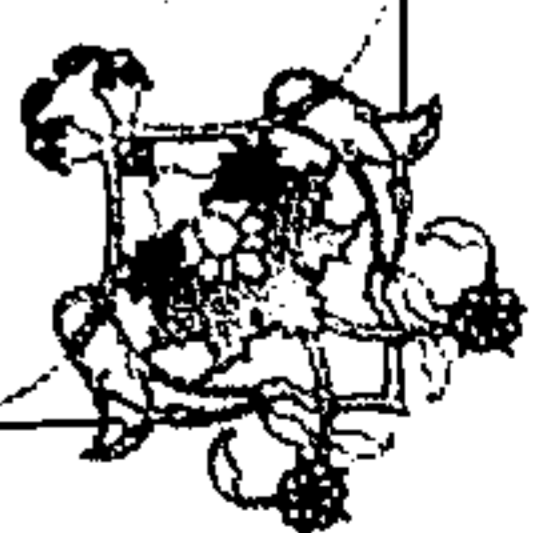
۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

۲۵ فروری ۲۰۰۶ء

ہفتہ



معقولات  
مستحسنات  
پرعات



## ﴿فتویٰ نمبر..... 1﴾

## سوال

آخرت میں عبادت نماز روزہ کیوں نہ ہوگا کیا منعم کا انعام اور عبدیت کا اظہار منافی ہے۔؟

مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام مسجد شاہ جہان پور ۷ ادا ستمبر ۱۵۷۰ء

## الجواب

آخرت میں شکر انعام الہی ضرور ہے جو بالمعنی عبادت ہے اور وہاں عبادت بغرض حصول نجات وغیرہ

نہیں ہے۔

قرآن شریف ناطق ہے۔

یلیت قومی یعملون بما غفر لی ربی و جعلنی من المکرمین۔ ما

(ترجمہ: کاش میری قوم جان لیتی کہ کس کے باعث میرے رب نے مجھے بخش دیا اور معزز لوگوں میں

سے کیا)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر..... 2﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ بعض احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں قیامت کے بعد زوجین کی ملاقات ہوگی۔ اس میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایک عورت نے یکے بعد دیگرے کئی خاوند کئے ہوں تو وہاں کس سے مل سکے گی اور کس سے نہ ملے گی؟۔ اس کا جواب معہ ادلہ ارسال ہو۔ والسلام

سائل: انوار حسین، ۱۸ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد موت علاقہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔ اس طرح بعد انقضاء ایام عدت کے عورت کو جس کسی سے چاہے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور مرد کو مثل اجنبی کے اپنی بیبیوں کو چاہنا جائز ہے، بخلاف ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا اور علی رضی اللہ عنہم۔ ☆ اس واسطے جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اعتراض کیا، کہ تم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیوں غسل دیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہی جواب دیا، کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ کو تمہاری زوجیت میں نے باعتبار دنیا اور آخرت کے دیا ہے۔ یہ ضرور جنت میں بھی تمہاری ہی بیوی رہیں گی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اور تمام لوگوں کا بعد موت علاقہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضرور نہیں ہے جس کی جو بیوی دنیا میں ہو وہی اس آخرت میں ہو۔ ورنہ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جواب کیونکر صحیح ہوگا۔

چنانچہ در مختار میں ہے۔

و يمنع زوجها من غسلها و مسها ما



(ترجمہ: خاوند کو اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روکا جائے گا)

قال الشامی رحمة الله عليه

قوله ويمنع زوجها الخ أشار الى ما في البحر من ان شرط الغاسل ان يحل له

النظر الى المغسول ما

(ترجمہ: قولہ: مرد کو روکا جائے گا الخ اس میں اس قانون کی طرف اشارہ ہے جو البحر الرائق میں ہے کہ غسل

دینے والے کے لیے شرط یہ ہے مردے کی جانب اس کا دیکھنا جائز ہو)

و ايضا في الدر المختار

وقالت الائمة الثلاثة يجوز (اي غسل الزوج زوجته) لان عليا رضي الله عنه غسل

فاطمة رضي الله عنها قلنا هذا محمول على بقاء الزوجية لقوله عليه السلام كل سبب و

نسب ينقطع بالموت الاسببي و نسبي مع ان بعض الصحابة الكر عليه شرح المجمع

للعيني ما

(ترجمہ: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تین ائمہ نے فرمایا کہ مرد کے لیے اپنی مردہ بیوی کو غسل دینا جائز

ہے کیوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ غسل دینا زوجیت کے باقی رہنے پر محمول ہے، کیوں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

ہر تعلق اور نسب موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے لیکن میرے ساتھ تعلق اور میرا نسب باقی رہتا ہے اس کے علاوہ

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے اس غسل دینے کو اچھا نہ سمجھا تھا۔ شرح المجمع للعینی)

قال الشامی

قوله: قلنا الخ قال في شرح المجمع لمصنفه فاطمة رضي الله عنها غسلتها ام ايمن

حاضنته ﷺ و رضي الله عنها فتحمل رواية غسل علي رضي الله عنه على معنى التهيئة

مطبوعه بيروت

جلد ۳ صفحہ ۵۸

رد المحتار

ما

مطبوعه بيروت

الدر المختار مع رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۸۵

ما

والقيام التام بأسبابه و لئن ثبتت الرواية فهو مختص به ألا ترى ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ  
لما اعترض عليه بذلك اجابه بقوله اما علمت ان رسول اللہ ﷺ قال ان فاطمة  
زوجتك في الدنيا والآخرة فادعاءه الخصوصية دليل على ان المذهب عندهم عدم  
الجواز قلت و يدل على الخصوصية ايضا الحديث الذي ذكره الشارح ما الخ

(ترجمہ: قولہ ہم کہتے ہیں الخ، کتاب ”المجمع“ کی جو شرح خود مصنف نے تحریر کی اس میں ہے کہ خاتون جنت  
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم ﷺ کی پرورش کرنے والی بی بی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل  
دیا تھا۔ اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے کی روایت کو ان معنوں پر محمول کیا جائے گا کہ  
آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے غسل پورے اسباب مہیا کیے اور اس کا بندوبست فرمایا۔ اور اگر غسل دینے  
کی روایت ثابت ہو جائے تو ایسا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص شمار ہوگا۔ کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ  
جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض فرمایا تو انہوں نے جواب  
میں یوں ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ تمہاری دنیا اور عقبی  
میں زوجہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنی خصوصیت کا دعویٰ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام  
رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ تھا کہ خاوند کے لیے اپنی زوجہ کو غسل دینا جائز نہیں ہے۔ اور خصوصیت پر وہ حدیث بھی  
دلالت کرتی ہے جسے شارح نے ذکر فرمایا ہے)۔

ہاں ممکن ہے کہ بذریعہ شفاعت زوج یا زوجہ یا خواہش زوجین اللہ جس کو چاہے اس کو دنیا ہی کی بیوی  
گو وہاں مستحق نار ہو بخش کر اس کو ہی عطا فرمادے۔ علی ہذا ممکن ہے کہ شوہر بشفاعت زوجہ بخشا جائے اور کسب  
خواہش زوجہ وہ شوہر اس کو عطا فرمایا جائے۔

کتبہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المجددی

﴿فتویٰ نمبر.....3﴾

سوال

حضرت آدم علیہ السلام کی جب استغفار قبول ہوگئی تو اس بعد ہبوط کا حکم خلاف قرینہ ہے۔ اس کے متعلق تحقیقی جواب ارشاد ہو۔

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔ ۷ اکتوبر ۱۵ء

الجواب

حضرت آدم علیہ السلام کا ہبوط مصالح الہی سے تھا اس کا تعلق استغفار سے کچھ نہیں۔ تقدیم و تاخیر زمانی منافی حکمت الہیہ کو نہیں ہے۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....4﴾

## سوال

حضرت ہاجرہ قبل سے مومنہ تھیں یا نہیں۔ اور کنیزگی کا داغ ان پر کس قسم کا ہے کیوں کہ اس سے نسب اسماعیل علیہ السلام پر شائبہ مملو کیت پیدا ہوتا ہے۔

## الجواب

☆ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا خور و سال تھیں جس وقت بادشاہ نے سارہ کو شکرانہ دعا میں دیا تھا اور کہا تھا

ها اجرک

یعنی اب میں تم کو اجر تیری دعا کا دیتا ہوں

لہذا ان کا نام ہاجرہ ہو گیا۔ پھر جب قریب بلوغ ہوئیں تو بی بی سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دیا۔ اور کنیز بمعنی دختر و صبیبہ ہے نہ بمعنی بردہ کیوں کہ دراصل بی بی سارہ کو خاندان شاہی کی دختر واسطے تبرک اور خدمت کے بادشاہ نے عنایت کی تھی۔

لفظ کنیز کے معنوں میں اشتباہ ہو گیا ہے جیسا کہ غلام، عبد، مولیٰ وغیرہ ہے۔ روضۃ الصفا میں ہے

و ہاجر بغایت جمیلہ بود چون بشرف صحبت و مصاحبۃ ابراہیم مشرف شد

ہماں وقتِ قالبِ مطہرش صدقِ ذرِ وجودِ حضرت اسماعیل شد

(ترجمہ: حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نہایت خوبصورت تھیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحبت اور

مصاحبۃ کے شرف سے مشرف ہوئیں اسی وقت آپ کا جسم اطہر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے موتی جیسے

وجود کے لیے صدف بن گیا)

اور یہ سب امور حسب الحکم ربانی ظاہر ہوئے تھے اور بی بی سارہ کو بذریعہ الہام حکم دیا گیا تھا جس کی تعمیل انہوں

نے فرمائی۔ پس کوئی شبہ و بارہ طہارت نسب رسول اکرم ﷺ نہیں رہا۔ اور ان کے اسلام میں بھی شک نہ رہا۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

﴿فتویٰ نمبر.....5﴾

سوال

کرامات حضرت غوث اعظم جو بارہ برس کی برات ڈوبی ہوئی نکالنا مشہور ہے اور مردہ پانصد سالہ کو ”قم باذن اللہ“ کہہ کر اٹھانا میلاد خوان بیان کرتا ہے برات کا نکالنا ضعیف روایت ہے اور مردہ جلانا قوی ہے۔ شرعاً اس کا ثبوت کیا ہے؟

سائل: رحمت علی محلہ راوی آگرہ

۷ فروری ۱۹۱۶ء

الجواب

هو المصوب

حضرت سید السادات ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ غوث اعظم تھے ان کی کرامات درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ امام یافعی نے لکھا ہے۔

ان کراماتہ تواترت او قربت من التواتر و معلوم با لاتفاق انه لم یظہر ظہور

کرامتہ بغیرہ من شیوخ الافاق کرامۃ ما

☆ (ترجمہ: آپ کی کرامات متواتر یا تواتر کے قریب ہیں اور علماء کے اتفاق سے یہ امر معلوم ہے کہ آپ کی مانند کرامات کا ظہور آپ کے بغیر آفاق کے مشائخ میں سے کسی سے نہیں ہوا)

☆ مگر حکایت برات نکالنے کی کسی معتبر نے نہیں لکھی اور نہ مردہ کو قسم باذن اللہ کہہ کر کسی مقام پر زندہ کیا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ حضرت غوث صاحب رضی اللہ عنہ اس درجہ کے نہ تھے۔ اکثر میلاد خوان بوجہ عدم واقفیت مہمل روایات اولیاء و انبیاء کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے کہ اگر یہ یہاں غلط ہے تو بھی ان کی تعریف پوری ہم نے کر دی۔ متوقع ثواب کے ہوتے ہیں۔ خیر خدا ان پر رحم کرے۔

ہزاروں کرامات اولیاء اللہ سے اور اصحاب رسول علیہ السلام سے ظاہر نہ ہونیں تو کیا جھوٹی روایت کہہ

دینے سے ان کا رتبہ بڑھ جائے گا۔ ہرگز نہیں اصحاب رسول تمام غوث و قطب و اولیاء سے افضل ہیں اور تحقیق سے ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات اکثر اصحاب سے زیادہ ہیں۔ بہر حال ہر دور و روایت جن کو پوچھا ہے کسی معتبر نے نہیں لکھی ہیں۔ اور امکان عقلی سے کوئی امر یقینی نہیں ہو سکتی۔

ہاں جو شخص منکر کرامات غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے وہ خطا کار ہو گیا کیونکہ تو اتر سے ثابت ہے۔  
واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الكتاب.

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....6﴾

## سوال

کوئی شخص اپنے مریدوں سے اپنے کورسول اور پیغام آور کہلاتا ہو اور اس کا مطلب حقیقی معنی نہ ہوں اور اس کے مرید اس کو تمام القاب آداب میں داخل کرتے ہوں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے کیوں علماء امتی کالنبیاء بنی اسرائیل حدیث میں ہے پھر محذور ہونے کی کیا وجہ ہے۔

## الجواب

جو پیر ایسا لفظ کہنا جائز رکھتا ہے تو وہ بدعتی اور بدکار ہے کیوں کہ شرعاً اس لفظ کو استعمال کرنا، جس میں شائبہ دوسرے معنی کفر کا ہونا جائز ہے۔ تو بہ کرنا چاہئے۔ اور

☆ علماء امتی کالنبیاء بنی اسرائیل

(ترجمہ: میری امت کے علماء نبی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں)

کے بعد صحت یہ معنی ہیں کہ کثرت علماء اور ان کا فیوض ہو گا نہ یہ کہ انبیاء اور اولیاء ایک ہی مدارج میں ہوں گے۔

النبوة افضل من الولاية (۲)

(ترجمہ: نبوت ولایت سے افضل ہے)

مسئلہ عقائد کا ہے۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



(۱) کشف الخفاء جلد ۳ صفحہ ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) لا جرم نبوت افضل باشد از ولایت خواہ ولایت نبی باشد خواہ ولایت ولی۔

(ترجمہ: یقینی طور پر نبوت سے ولایت افضل ہوگی خواہ وہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت)

﴿فتویٰ نمبر.....7﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ ایصالِ ثوابِ احياء کا اموات کو نافع ہے یا نہیں اور اگر ایصالِ ثواب ثابت ہے تو ایک چیز کا ثواب چند لوگوں کو پہنچایا جائے تو بالسویہ پہنچتا ہے یا تقسیم ہو کر بحسب حصہ لہذا بدلائلِ قویہ تحریر فرما کر مثاب و ماجور ہو جائے جزاکم اللہ خیر الجزاء

الجواب

اللہم رب زدنی علما.

اہل سنت و جماعت خصوصاً حنفیہ کے نزدیک نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ کا ثواب بلا کم و کاست اموات کو بخشا جاتا ہے اور ان کو پہنچتا ہے اور ثواب پہنچانے والے کو بھی بلا کم و کاست اس عمل کا ثواب ملتا ہے۔

کما فی الشامی :

صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها کذا فی الهدایة بل فی زکاة التارخانیة عن المحیط الافضل لمن يتصدق نفلا أن ینوی لجميع المومنین والمومنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شیء و هو مذهب اهل السنة والجماعة ما الخ

(ترجمہ: ہمارے علمائے کرام نے حج بدل کے باب میں تصریح کی ہے کہ انسان کو اختیار حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے دے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو، روزہ ہو، صدقہ ہو یا ان کے علاوہ اور عمل ہو۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ بلکہ فتاویٰ تارخانیہ کی کتاب الزکاة میں محیط سے منقول ہے کہ جو شخص نفلی صدقہ دے اس کے



لیے افضل یہ ہے کہ تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے ایصالِ ثواب کی نیت کرے کیوں کہ یہ ثواب ان کو پہنچے گا اور خود اس کے اجر میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی۔ یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے)

☆ رہا یہ امر کہ پھر سب اموات کو حصہ پہنچتا ہے مثلاً ایک الحمد کا ثواب بخشا جائے تو پوری الحمد کا سب کو برابر پہنچتا ہے۔ یہ امر مختلف فیہ ہے۔ مگر امیدِ فضلِ واسعِ خداوندِ کریم سے یہی ہے کہ سب کو برابر پہنچے اور یہی مختار شامی علیہ الرحمۃ ہے۔ چنانچہ شامی علیہ الرحمۃ بعد تحریر اقوالِ مختلفہ تحریر فرماتے ہیں

قلت لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرء لاهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم او يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملا فاجاب فانه اتي جمع بالثاني و هو اللائق بسعة الفضل۔ ا

(ترجمہ: میں کہتا ہے کہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر قبرستان والوں کے لیے فاتحہ پڑھی تو اس کا ثواب ان مردوں کے درمیان تقسیم ہوگا یا ہر ایک مردے کو اس کی مثل کامل (فاتحہ) کا ثواب ملے گا تو آپ نے جواب دیا کہ علماء کی ایک جماعت نے دوسری شق کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل و کرم کے لائق یہی صورت ہے)

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی المجدوی

☆☆☆ ذلك كذلك. انى مصدق لذلك

نمقه بقلمه وقاله بقمه

العبد الجانى أبو البركات سيد أحمد القادري

الرضوى الألوورى



﴿فتویٰ نمبر..... 8﴾

سوال

مخفل میلاد شریف میں قیام لازم ہے یا نہیں؟

سائل: از بلوچ پور

۱۲۲ اپریل ۱۹۱۶ء

الجواب

هو المصوب

قیام مولود میں نہ سنت ہے نہ واجب۔ بلکہ عاشقانِ رسول کا فعل تھا جو بے خودی میں کرتے ہیں۔ اور اس کی مشابہت اور اظہارِ محبت کو کھڑا ہونا اکثر علمائے جائز لکھا ہے اور جو لوگ اس درجہ محبت نہیں رکھتے ان کو کھڑا ہونا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم و حکمہ حکم۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....9﴾

## سوال

بجز مدینہ و بیت المقدس و خانہ کعبہ اور کسی زیارت کو سفر کرنا جائز ہے یا نہیں مثلاً خواجہ صاحب وغیرہ۔

سائل: از بلوچ پور

۱۲۲ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

حدیث میں ہے لا تشدوا الی الی ثلاثہ مساجد و

(یعنی تم بغرض عبادت سوائے تین مسجدوں کے اور کسی مسجد یا گھر کا سفر نہ کرو)

یہ مطلب نہیں ہے کہ زیارت نہ کرو۔ بلکہ زیارت قبور سنتِ رسول اور اصحاب وغیرہ ہے اور حدیث

صحیح میں ہے۔

☆ کنت نہیتکم عن زیارة القبور فالان زوروا ما۔

☆ (ترجمہ: یعنی میں اول تم کو زیارت قبور سے منع کرتا مگر اب تم زیارت کیا کرو) فقط

لمفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



الجامع الصغیر مع شرح فیض القدیر جلد ۶ / صفحہ ۴۰۳ / مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت.

بحوالہ مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ

مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ / المكتب الاسلامی

## ﴿فتویٰ نمبر.....10﴾

## سوال

لڑکے نے ختم قرآن کیا تو اس کا ختم کس طرح ہو؟ اور وہ ثواب لے تو کس طرح لے؟ کیا دعا پڑھے؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

لڑکے کے ختم قرآن کا کوئی طریقہ معین نہیں۔ ☆ ختم قرآن کی خوشی میں اگر کھانا کھلایا جائے تو عمدہ بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول بھی ہے۔ ☆ خواہ شیرینی پنج آیت پڑھ کر حضور ﷺ کو ثواب ہدیہ پہنچا کر یا بغیر شیرینی کے ہر طرح جائز ہے اور موجب خیر و برکت ہے۔ فقط

حردہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....11﴾

## سوال

فاتحہ و سلامتی کن کن سورتوں سے ہوتی ہے اور معمولی پڑھے (کو) جو ایک پارہ جانتا ہے کیا کیا پڑھنا

چاہئے؟

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

☆ عوام جو اللہ کی سلامتی پہنچاتے ہیں یہ امر بے اصل ہے۔ ☆ بزرگوں کو ثواب پہنچانے کا یہ طریقہ ہے کہ کھانا غریبوں کو کھلا کر خواہ شیرینی تقسیم کر کے خواہ کھانے اور شیرینی کے ساتھ الحمد اور تین قل پڑھ کر خواہ اس سے زیادہ جس قدر ہو سکے پڑھ کر بعدہ درود پڑھ کر یہ دعائے نگو۔ یا اللہ اس کلام کا ثواب حضور ﷺ کو اور بعدہ تمام بزرگوں کو جن کا نام لینا مقصود ہو لے کر کہہ دیں کہ ان کو ثواب پہنچے۔ فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....12﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سوم میں جو کہ قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اس میں سجدہ جو ادا نہیں ہوتے اس کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔

محمد حسین پیش امام مسجد راجہ بازار ماہون گنج باندکھوئی سکھہ الورد

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

بغیر سجدہ کئے ہوئے جب قرآن پڑھنے والے ہی کو سجدہ کرنے کا ثواب نہ ہو تو دوسرے کو اس کا ثواب کیوں کر پہنچ سکتا ہے۔ ☆ مگر اس میں شک نہیں جو لوگ ختم میں سجدہ تلاوت نہیں کرتے وہ بوجہ ترک واجب مستحق عذاب رہتے ہیں اور گناہگار۔ ☆ لہذا ان کو لازم ہے کہ اول تو وقت تلاوت ضرور سجدہ کر لیا کریں ورنہ بعد ختم جتنے سجدہ واجب ہوئے ہیں ان کو اکٹھا کر لیا کریں۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی لکھنوی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....13﴾

## سوال

مقتدی ایک مرتبہ دعا امام کے ساتھ مانگ چکے ہیں۔ پھر جدا گانہ نماز ختم کر کے امام کے ساتھ مکرر دعا کا انتظار کریں یہ امر شرعاً کیسا ہے۔

ثانیاً فجر و مغرب و عشاء میں بعد سنن و نوافل تین مرتبہ امام کے ساتھ دعا مانگنا کیسا ہے۔

سیوم۔ الفاتحہ علی النبی کہہ کر الحمد و قل هو اللہ و درود شریف و ان اللہ و ملائکتہ وغیرہ پڑھ کر ثواب بخشایہ کیسا ہے۔

سائل: مولوی مطیع اللہ، توپ خانہ جامع مسجد

۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

## هو المصوب

بعد المکتوبہ دعا مستحب یعنی مسنون ہے۔ پھر ہر شخص اپنی نماز ختم کر کے دعا کرے مگر یہ طریقہ جدیدہ کہ امام صاحب کی مکرر دعا پڑھنے اور ختم کرنے کے مقتدی منتظر رہیں، محض بے اصل اور مصالح شرعیہ اور علمیہ کے خلاف اور فعل مذموم ہے کیوں کہ قرآن شریف میں ہے:

فاذا قضيت الصلوة فانتشروا في الارض ما

(ترجمہ: پھر جب نماز ہو چکے تو پھر زمین میں اپنے کاروبار کے لیے چل پھر سکتے ہو)

اور مراد صلوة سے نماز فرض ہے بالاتفاق اور حدیث صحیح میں وارد ہے:

انه كان يصلي جميع السنن والوتر في البيت ما

القرآن الحكيم : سورة الجمعة آیت: ۱۰

سفر السعاده علی هامش كشف الغمة عن جميع الامة جلد اول صفحہ ۸۷ میں ارشاد نبوی یوں درج ہے

☆ (ترجمہ: نبی کریم ﷺ تمام سنتیں اور ترگھر میں ادا فرمایا کرتے تھے)

ایہا الناس صلوا فی بیوتکم فإن أفضل صلاة الرجل فی بیتہ إلا المكتوبة

(ترجمہ: اے لوگو! اپنی نمازیں گھروں میں ادا کرو کیونکہ آدمی کے لیے فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے)

☆ پس تمام فقہانے بہ نسبت مسجد کے گھر پر سنت کا پڑھنا افضل و احسن کہا ہے۔ لہذا مقتدی کا انتظار دعائے ثانی خلاف ان نصوصات کے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ امر پیدا ہونا مطابق حدیث:

قوم یعتدون فی الدعاء او الطهور ط

یعنی ایک گروہ ایسا ہوگا کہ ظاہری پاکی اور دعا کی طوالت و کثرت رکھے گا۔ اور نہایت خشوع کا اظہار کرے گا۔ اور عبادت میں اس قدر دلچسپی نہ کرے گا۔  
صاحب مجمع البحار لکھتا ہے۔

والمراد بلا تجہر بصلوتک الدعاء ط

(ترجمہ: ولا تجہر بصلوتک میں صلوة سے مراد دعا ہے یعنی بلند آواز سے دعا نہ مانگو)

لہذا یہ محل قطعاً بتکلف اور لائق ترک ہے اور بدعت مذمومہ سمجھنا چاہئے۔ ☆ اسی طرح بعد نماز فجر و مغرب و عشاء الفاتحہ علی النبی کہہ کر الحمد و قل وغیرہ پڑھنا کسی وجہ سے صحیح نہیں۔ اول تو بہیبت کذائی منقول نہیں۔ دوسرے فاتحہ کا ثواب مروج پیغمبر علیہ السلام خلاف ادب و احتیاط ہے۔ تیسرے خلاف حدیث مذکورہ بالا مکرر دعا یہ سب امور کراہت سے خالی نہیں۔ اگرچہ بظاہر محبوب معلوم ہوتے ہیں۔

ط سنن ابی داؤد کتاب الطہارت : باب الإسراف فی الوضوء : حدیث رقم : ۹۶

نوٹ: پوری حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ سیکون فی ہذہ الأمة قوم یعتدون فی الطہور و الدعاء

ط مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۳۳۷ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ میں یہ الفاظ یہ ہیں:

الصلاة لغة الدعاء



علامہ شامی فتاویٰ تنقیح حامد یہ میں لکھتا ہے۔

مطلب فی اهداء ثواب القراءۃ علی النبی ﷺ قد اجاز بعض المتأخرین کا  
لسبکی وبعض المتقدمین من الحنابلة کأبی العباس محمد بن اسحاق و السراج النشا  
پوری من اهداء ثواب القرآن له علیه السلام الذی هو تحصیل الحاصل  
و قال ابن تیمیة لا تستجب بل هو بدعة و قال قاضی ابن شہنہ یمنع و ابن العطار  
ینبغی ان یمنع. و قال ابن الجزری لا یروی عن السلف ونحن بهم نقتدی. ثم قال و اجاب  
بعضهم بجوازہ بل باستحبابہ قیاس علی ما کان یهداء الیہ فی حیاتہ فی الدنیا ولما طالب  
الدعا من عمر رضی اللہ عنہ و حث الامۃ علی الدعاء بالوسیلة ثم قال فان لم یفعل ذلك  
فقد وان فعلت به فقد قیل به. قال الکمال بن حمزہ الحسین الاحوط الترمذی ملخصاً  
یہ سب بحالت افراد ہے اور بصورت اجتماع بالاتفاق بدعت ہوگا مگر ۲ نیم ملا لوگوں کے اثر کا ہے جو  
۲ ہر بدعت مذمومہ کو سنت قرار دیتے ہیں۔ خدا رحم کرے۔

واللہ اعلم و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....14﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں:

۱۔ قبروں سے ولی اللہ کے لیے دعا مانگنا منت مانگنا سجدہ کرنا درست ہے اور ولی اللہ منت پوری کرتے ہیں۔

۲۔ گانا ناچنا باجا درست ہے۔ بزرگان دین نے سنا ہے

۳۔ اگر کوئی حافظ قرآن کوٹ پتلون پہنا کر تاہو اس کے پیچھے نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

مولوی صاحب قبروں پر سجدہ کرنے گانے ناچنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین کے نزدیک کیا حکم ہے؟ مولانا صاحب اپنے کو حنفی المذہب کہتے ہیں جواب مہری علماء دین کا ہونا چاہئے۔

۱۱ رمضان ۱۳۳۶ھ

مسلمانان قصبہ سدہ پور بذر یحہ عبد العظیم خان

## الجواب

اللهم رب زدنی علما۔

صفحہ ۲۴۵ جلد خامس در مختار میں بعد نقل اس روایت کے علامہ ہفکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وان علم اولاً باللعب لا يحضر اصلاً سواء كان ممن يقتدى به اولاً لان حق الدعوة انما يلزمه بعد الحضور لا قبله ابن كمال، وفي السراج ودلت المسئلة ان الملاهي كلها حرام و يدخل عليهم بلا اذنه لانكار المنكر قال ابن مسعود صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات. قلت وفي البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب و نحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهي معصية

والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أى بالنعمة فصرف الجوارح إلى غير ما خلق لأجله  
كفر بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب ان يجتنب كى لا يسمع لما روى (انه) عليه  
السلام ادخل اصبعه فى اذنه عند سماعه ما ال خ

(ترجمہ: اگر معلوم ہو کہ مجلس دعوت میں لہو و لعب ہوگا تو بالکل حاضر نہ ہو۔ خواہ وہ ان لوگوں سے ہو جن کی اقتداء  
کی جاتی ہے یا نہ۔ کیوں کہ دعوت کا حق حاضر ہونے کے بعد لازم ہوتا ہے اس سے پہلے اس کا حق لازم نہیں  
ہوتا۔ ابن کمال۔ السراج میں ہے کہ اس مسئلہ نے دلالت کی کہ لہو و لعب کی تمام باتیں حرام ہیں لہذا بری بات  
کے انکار کے لیے ان کی اجازت کے بغیر ان کی مجلس چلا جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لہو  
و لعب اور گانے کے آواز دل میں اس طرح نفاق اُگاتی ہے جس طرح پانی نباتات کو اگاتا ہے۔ میں کہتا ہوں  
بزازیہ میں ہے لہو و لعب کی آواز جیسا کہ بانس یا نرکل کو خاص انداز سے بجانا اور اس کی مانند دوسری آوازیں  
حرام ہیں۔ کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے لہو و لعب کی آوازوں کا سننا گناہ اس کی خاطر بیٹھنا اللہ  
تعالیٰ کی نافرمانی اور اس سے لطف اندوز ہونا نعمت کی ناشکری ہے کیوں کہ اعضا کو ان افعال کی طرف پھیر دینا  
جن کے لیے ان کو پیدا نہیں کیا گیا اس نعمت کی ناشکری ہے، شکر گزاری نہیں۔ لہذا یہ حکم پوری طرح واجب ہے  
کہ ان سے اجتناب کرے تاکہ اسے ان کی آواز سنائی نہ دے۔ کیوں کہ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے  
سننے کے وقت اپنے کان میں انگلی ڈال دی تھی)

اور قبروں کو معبود سمجھ کر بہ نیت عبارت سجدہ کرنا شرک ہے اور غالباً اس نیت سے تو کوئی بھی مسلمان نہیں  
کر سکتا۔ رہا سجدہ کرنا بہ نیت تعظیم وہ پہلے پیغمبروں کی شریعت میں جائز تھا اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ  
والسلام میں حرام۔

علی ہذا کوٹ پتلون بہ نیت تشابہ نصاریٰ پہننا فسق ہے۔

لہذا بوجہ ارتکابِ امور مذکورہ مولوی صاحب اور حافظ صاحب دونوں فاسق ہوں گے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے اور جو نماز مکروہ تحریمہ ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔ ہکذا فی الشامی و الکبیری فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی لکنھی المشہدی المفتی  
 فی جامع اکبر آباد





مدیریت



﴿فتویٰ نمبر.....15﴾

سوال

و مالنا طعام الا الاسودان التمر والماء.

اس حدیث میں کھجور اور پانی کو اسود یعنی سیاہ فرمایا اس کا کیا مطلب ہے؟۔

سائل: مولانا غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہ جہان پور

۱۴ فروری ۱۹۱۶ء

الجواب

مدینہ کے کھجور سیاہ ہوتے ہیں اور عمدہ ترین غذا ہے اور پانی بھی جب زیادہ ہو جائے تو مائل بہ سیاہی ہو

جاتا ہے اس واسطے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجمع البحار میں ہے:

و مالنا طعام إلا الأسودان أي التمر والماء والسواد هو الغالب علی تمور المدينة

و وصف الماء به للتغليب ما

(ترجمہ: ہمارے لیے دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی کے سوا کھانا نہیں ہے۔ مدینہ منورہ کی کھجوروں پر سیاہی کا

غلبہ ہوتا ہے اور تغلیب کے لیے پانی کا بھی یہی وصف بیان کر دیا)۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....16﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بادشاہ جلال الدین اکبر کے زمانہ کی بنوائی ہوئی اختیار خان فوجدار کی ہے۔ اور اس مسجد کے متعلق جائیداد بھی ہے اور اس کی نسبت مقدمات عرصہ سے چل رہے ہیں۔ اور انہی مقدمات کی بابت ایک ڈگری بنام علیم الدین وغیرہ ہوئی اور علیم الدین کی گرفتاری بھی نکلوائی۔ اسکی ادائیگی کے واسطے اہل اسلام امداد کریں تو اس کی بابت شرع کا کیا حکم ہے؟ اور امداد دینے والے کیا اجر پائیں گے؟ جو کچھ بیان فرمادیں اس کا اجر پائیں گے۔ مقدمات ہائی کورٹ اور ضلع میں بابت اسی مسجد کے چل رہے ہیں اس کے واسطے بھی روپیہ درکار ہے۔

۲۲ شعبان ۱۳۳۶ھ

علیم الدین گھڑی ساز کناری بازار

احمد حسین وغیرہ کناری بازار متصل مسجد اختیار خان

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

مسجد مذکور کی نسبت جو مقدمہ چل رہا ہے مجھ سے زیادہ اہل شہر اس سے واقف ہیں اور کیفیت ڈگری سے بھی جس قدر اہل شہر کو علم ہے میں اس سے زیادہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر ایسے موقع پریشانی میں مطلقاً ہر مسلمان سنی مقلد خوش عقیدہ کی امداد بلاشبہ موجب اجر عظیم ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کی جس کا اعلان مسجدوں کی رہائی کے متعلق ہمیشہ اکثر جمعوں میں سنتے رہتے ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

ما كان العبد في عون اخيه المسلم كان الله في عونه! او كما قال

ترجمہ: جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمان کی مددگاری میں رہتا ہے اللہ اس کی امداد میں رہتا ہے۔  
 اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کی کڑی مشکل پوری کرے۔ البتہ اس کی ستر اڑی  
 ہوئی مشکلات قیامت کے دن آسان کرے گا۔

بحوالہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد غیر ہم بالفاظ ذیل:

اللہ فی عون العبد ماں کان العبد فی عون اخیہ

اور یہ تو ظاہر ہے، اللہ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

☆ انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر ما

ترجمہ: بلاشبہ اللہ کی مسجدوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں وہی آباد کرتے ہیں  
 اور حدیث صحیح میں ہے:

من بنی مسجدا لله بنی الله له بیتا فی الجنة

ترجمہ: جو شخص اللہ کے واسطے مسجد بنا دے اللہ اس کے واسطے جنت میں گھر بناتا ہے۔ فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی المفتی شہرا کبر آباد فی جامع مسجد







طہارت



## ﴿فتویٰ نمبر.....17﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید نے بعد وضو کے اپنا ستر کھولا اور اس کے اندام نہانی کو اور لوگوں نے بھی جو با وضو تھے دیکھا۔ اب ایسی حالت میں زید کا وضو اور ان لوگوں کا وضو جن کی نظر اندام نہانی پر پڑی قائم رہا یا نہیں؟

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم رب زدنی علما

حنفیوں کے نزدیک اپنا یا کسی غیر کا اندام نہانی دیکھنے سے تو قطعاً وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کسی غیر کے اندام نہانی پر قصداً نظر ڈالنا یا بیگانگان کو کسی کو اپنی اندام نہانی دکھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ بعد وضو اگر کوئی پانی سے استنجا کرنا یا آبدست لینا بھول جائے اور یاد آنے پر استنجا پانی سے کرے یا آب دست لے لے جب بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس واسطے کہ وضو کے توڑنے والی بالاتفاق اتنی باتیں ہیں۔

☆ اول ناپاک چیز کا مثل زرد پیپ، لہو کے یا پیشاب، پاخانہ نکلنا بدن انسان سے۔ خواہ سر کے پھوڑے سے بہنے یا زخم سے ہو یا پیٹ کے۔ خواہ پاؤں کے زخم یا پھوڑے سے، خواہ آنکھ یا کان کے زخم سے یا پھنسی سے۔

اور نکلنے کے یہ معنی ہیں کہ اتنا خون وغیرہ نکلے کہ نکلنے کی جگہ چھل جائے۔ اور خون کا قطرہ باریک باریک ظاہر ہو کر خشک ہو جائے اور مطلقاً نہ رہیں تو وضو ہرگز نہ ٹوٹے گا۔

مع ہذا اگر زخم یا پھوڑے سے خشک کیڑے جھڑ پڑیں یا زخم سے بغیر خون پیپ کے لکڑی کی پھانس یا کنکر نکل آئے خواہ نکالا جائے یا زخم یا پھوڑے سے یا مردار گوشت گر پڑے یا کاٹ کر جدا کر دیا جائے وضو نہیں ٹوٹتا۔

البتہ پیشاب پاخانہ کی جگہ سے اگر خشک کیڑا یا کنکر نکلے یا نکالا جائے پاخانہ کی جگہ سے بادرسی یعنی ہوا نکلے خواہ آواز کے ساتھ یا بلا آواز تو بلاشبہ وضو ٹوٹ جائے گا مگر فقط بادرسی (ہوا نکلے) کے شبہ اور وہم سے وضو ہرگز نہ ٹوٹے گا۔

اور منہ بھرتے آئے خواہ پت کی تے کڑوی ہو خواہ ترش، بلغم کی ہو یا سودا کی، یا کھٹا پانی، خون جما ہوا ہو یا بہتا ہو تو بلاشبہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ اگر دماغ سے جما ہوا خون یا کتنا ہی بلغم نکلے وضو ہرگز نہ ٹوٹے گا۔

علیٰ ہذا اگر کھانسی سے کتنا ہی بلغم نکلے وضو نہ ٹوٹے گا۔

اور اگر نماز میں مسنونہ حالت پر کتنی بھی دیر سوتا رہے نہ وضو ٹوٹے گا نہ نماز ٹوٹے گی۔ مگر جب جاگے سونے کی حالت میں جو ارکان نماز ادا کئے ہیں یا کچھ بھی پڑھا ہے اس کو پھیر لے اور اس کا اعادہ کرے۔ ورنہ اگر ارکان فرض یا قراءت بقدر فرض کو دوبارہ نہ پھیرے تو نماز نہ ہوگی۔ مگر وضو بدستور قائم رہے گا۔

البتہ نماز میں التحیات میں یا قیام وغیرہ میں ایسا غافل ہو گیا کہ زمین پر گر پڑا ضرور وضو ٹوٹ جائے گا۔ اگر گرتے گرتے درمیان میں ہوشیار ہو گیا وضو ہرگز نہ ٹوٹے گا۔ اور اگر چپٹ سو گیا یا کروٹ پر سو گیا یا ایسا تکیہ لگا کر سو گیا کہ اگر وہ جدا ہو جائے تو گر پڑے ضرور وضو ٹوٹ جائے گا۔

بہرینچ سونے کی حالت میں اس وقت وضو ٹوٹے گا جب اعضا اتنے سست ہو جائے کہ بادرسی (ہوا نکلنے) کا گمان غالب ہو ورنہ مجرد سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی واسطے علامہ شامی صفحہ ۱۰۴ جلد اول رد المحتار مصری میں تحریر فرماتے ہیں:

☆ کہ جو شخص ایسا معذور ہو کہ ہر وقت اس کی ریاح خارج ہوتی رہتی ہے ایک ادنیٰ وقت نماز کا بھی نہیں گزرتا مگر بادرسی (ہوا خارج ہوتی) رہتی ہے یا ہر وقت قطرہ آتا رہتا ہے تو اس کا وضو اگر اول وقت ظہر میں کیا ہے جب تک عصر کا وقت نہ آئے اس خاص بیماری سے جس میں وہ مبتلا ہے خواہ وہ قطرہ کی بیماری ہو یا خون بہنے کی یا کوئی اور اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔

لہذا اگر بادسری کی بیماری ہو اور اول وقتِ عشا یا ظہر میں وضو کر کے سو جائے تو جب تک ظہر یا عشا کا وقت باقی رہے گا اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔

اور عاقل بالغ مرد و عورت اگر نماز میں اتنی آواز سے ہنس دیں کہ دوسرے سن لیں، جب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ نابالغ کا نہ ٹوٹے گا۔ ان امور کے سوا اور کسی بات سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ درمختار ہدایہ شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں اس طرح لکھا ہے۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتاویٰ نمبر.....18﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نسوار یا ناس کا ناک میں چڑھانا ناقض وضو ہے جیسے کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے۔

وان استعطف فخرج السعوط من الفم و كان ملاء الفم نقض و ان خرج من الاذنين لا ينقض كذا في السراج الوهاج.

صفحہ ۴۰ سطر ۳۰ مطبوعہ دہلی مطبع احمدی ۱۲۷۸ھ

(ترجمہ: اگر کسی شخص نے ناک میں کوئی چیز چڑھائی۔ وہ چیز منہ سے باہر نکلی اور منہ بھر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر دونوں کانوں سے نکلی تو نہ ٹوٹے گا۔ السراج الوهاج)

اور اس کے مطابق بحوالہ فتاویٰ عالمگیریہ اپنے رسالہ میں ایک عالم اس نسوار کو ناقض وضو لکھتے ہیں اور یہ عبارت یہ ہے فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ خروج نسوار کا اندرون دھن ناقض وضو ہے پس معلوم ہوا اس سے کہ تمباکو کی نسوار لینے والے جو غافل ہیں اس مسئلہ سے واجب ہے ان پر اعادہ تمام عمر کی نمازوں کا۔

انتہی بلفظہ رسالہ شرب الدخان صفحہ ۵۴ سطر ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴۔

مہربانی فرما کر جواب سے مرہون منت فرمادیں۔ خداوند کریم اجر دے۔

اس نسوار کا لینا بعض اشخاص بالخصوص پیشوایان و امام نماز نے تو یہاں تک اختیار کر لیا ہے کہ عین نماز میں یعنی ختم امامت و جماعت یا جماعت تراویح کے ترویج میں بار بار ناک میں چڑھاتے ہیں اور تھوکنے کے وقت وہی نسوار کا کھنکار یا بلغم بعینہ حلق میں آ کر منہ سے برآمد ہوتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ اور دیگر کتب فقہ کو بغور ملاحظہ فرما کر اطمینان فرمائیں۔ فقط زیادہ والسلام

۱۱ ذی الحجہ ۱۹۱۶ء

قاضی فضل احمد اسپیکٹر پولیس لودھیانہ پنجاب

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم رب زدني علما

عبارت فتاویٰ عالمگیریہ سے ظاہر ہے کہ سعوٹ یعنی ناس یا نسوار اس وقت ناقض وضو ہے جب سعوٹ منہ سے منہ بھر کر نکلے اور منہ بھر کے نکلنے کی تعریف صحیح یہ ہے جو فتاویٰ عالمگیریہ میں محیط سے نقل کی ہے۔

والحد الصحيح في ملاء الفم ان لا يمكنه امساكه الا بكلفة و مشقة كذا في محيط  
السرخسي ما

☆ (ترجمہ: منہ بھر کی صحیح تعریف یہ ہے کہ اسے دقت اور مشقت کے بغیر روکنا ممکن نہ ہو)

اور منہ بھر کر نکلنا غیر ممکن ہے جب تک سعوٹ معدہ تک جا کر معدہ کی نجاست سے مل کر باہر نہ نکلے جس کو قے کہتے ہیں جو بالاتفاق اگر منہ بھر کے ہونا قاض وضو ہے۔ چنانچہ یہ امر بہت ظاہر ہے اس دوسرے مسئلہ سے جو فتاویٰ مذکور صفحہ ۱۱ جلد اول میں مسئلہ مذکورہ سوال کے اوپر ہی مسطور ہے

و لو صب دهنًا في اذنه فمكث في دماغه ثم سال من اذنه او من انفه لا ينقض

الوضوء و عن ابى يوسف رحمة الله عليه ان خرج من فمه فعليه الوضوء لانه لا يخرج من

الفم الا بعد ما وصل الى المعدة وهي محل النجاسة فصار له حكم القي كذا في المحيط ما

☆ (ترجمہ: اگر کان میں تیل ٹپکا یا وہ دماغ میں رک گیا پھر کان یا ناک سے بہا تو وضو نہ ٹوٹے گا۔ اور حضرت

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ☆ کہ اگر وہ تیل منہ سے نکلا تو اس پر وضو کرنا لازم ہے کیوں کہ وہ

معدہ میں پہنچے بغیر منہ سے نہیں نکل سکتا اور وہ نجاست کا مقام ہے اس کا حکم قے کا ہو جائے گا۔ محیط)

مطبوعہ المکة پریس لاہور جلد اول صفحہ ۵۶ الفتاویٰ العالمگیریہ مع ترجمہ اردو ما

مطبوعہ المکة پریس لاہور جلد اول صفحہ ۵۲ الفتاویٰ العالمگیریہ مع ترجمہ اردو ما

☆ اور یہی مضمون تمام کتب فقہ سے ثابت ہے البتہ نسوار کا بلا وجہ اس کثرت سے سوگھنا خصوصاً نماز کے وقت جس کی دھانس اور بدبو سے عام مسلمان نمازیان مسجد نسوار نہ سوگھنے والوں کو تکلیف پہنچے بلاشبہ مکروہ ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے:

☆ کہ بعثت بدبو اور ایذا نمازیوں کے کچی پیاز لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے سرورِ عالم ﷺ نے قطعاً ممانعت فرمادی:

حيث قال صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من اكل من هذه الشجرة فلا يقرب من

مسجدنا

☆ (ترجمہ: جس نے اس پودے سے کچھ کھایا ہو وہ ہماری مسجد کے قریب بالکل نہ آئے)

اور در مختار میں ہے

ويكره اكل نحو ثوم و يمنع منه و كذا كل موذ ولو بلسانه

☆ (ترجمہ: مسجد میں لہسن کی مانند بدبو دار چیز کھانا مکروہ ہے اور اس سے روکا جائے گا اور ایسے ہی ایذا دینے والی ہر چیز سے روکا جائے گا ☆ اگر کوئی زبان سے ایذا دے تو اسے بھی مسجد آنے سے روک دیا جائے گا)۔

حورہ العبد العاصی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی رضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



ما اصحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ دار الفکر

اصحیح مسلم کتاب المساجد / ۷۱ مطبوعہ عیسیٰ الحلبي

سنن ابی داؤد کتاب الأطمعہ حدیث رقم ۴۱

اور غیرہ من کتب الاحادیث تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو

موسوعہ اطراف الحدیث النبوی جلد ۸ صفحہ ۱۴۰، ۱۴۳

ع الدر المختار مع رد المختار جلد ۱ صفحہ ۴۸۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....19﴾

## سوال

غسل کے وضو سے اگر غسل برہنہ کیا جائے تو نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی کو برہنہ دیکھ لیا تو وضو میں کچھ خرابی آتی یا نہیں؟ اور اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

غسل کے وضو کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ برہنہ ہی غسل کیا ہو۔ ☆ اس واسطے کہ اپنی شرمگاہ یا دوسرے کی شرمگاہ دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اپنی شرمگاہ کو برہنہ چھو لینے سے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر دیکھنے سے تو ان کے نزدیک بھی نہیں ٹوٹتا۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تو نہ دیکھنے سے ٹوٹے نہ چھونے سے۔ لہذا اگر شرمگاہ بعد وضو چھولی ہو تو بلحاظ تحقیق امام شافعی رحمہ اللہ اگر وضو کر لے اولیٰ ہے نہ کہ ضروری۔ فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....20﴾

## سوال

جناب پیش امام صاحب بعد سلام سنت الاسلام درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر فرمائیں؟

- 1- حوض دہ دروہ گز یعنی چالیس گز گھیرے کا ہے۔ کتنا گہرا ہونا چاہئے؟
- 2- حوض پر چھت ڈال کر پانی ڈھانپنا ہو تو کتنے حصے کو ڈھانپ سکتے ہیں یا تمام حوض کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔
- 3- تھوک یا ناک سے نکلنے والے مواد کو پانی میں ڈالنے سے کچھ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لیے حوض کے ساتھ علیحدہ نالی بنالی جائے تو بہتر ہے یا نہیں؟ حوض میں ڈالنے سے کچھ شرعی ممانعت تو ہونی چاہئے۔

سائل: محمد ساجی سلمان راجپوری

۹ شوال ۱۳۳۴ھ

## الجواب

حامدا ومصليا و مسلما و علیکم السلام و رحمة الله و برکاته .

☆ حوض کم از کم دس گز لمبا اور دس گز چوڑا اور کم از کم اتنا گہرا ہونا چاہئے کہ اس میں بلا تکلف چلو بھر کر پانی لے سکیں اور پانی خراب نہ ہو۔ ☆ اور کسی کا تھوک سینک چونکہ پاک ہے پانی ان سے ناپاک نہیں ہوتا۔ مگر علیحدہ تھوک وغیرہ کے واسطے نالی بنا دینا اولیٰ و افضل ہے تاکہ پانی صاف رہے اور لوگوں کو نفرت پیدا نہ ہو اور اگر بقدر وضو کی جگہ کے باقی سب حوض پاٹ دیا جائے جائز ہے۔ اس طرح ہمارے فقہاء کی کتب حنفیہ میں ثابت ہے۔



## ﴿فتویٰ نمبر.....21﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ علاوہ چمڑے کے موزوں، کپڑے کے موزوں پر یا اون کرچ کے موزہ پر یا سوراخ دار موزہ پر مسح کرنا درست ہے یا نہیں۔

سائل بدرالدین ۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

### الجواب

هو الملهم للحق والصواب

بانات، کپڑا، ٹاٹ وغیرہ کا موزہ جو اس قدر گاڑھا ہو کہ پانی نہ چھنے اور بغیر باندھے ٹخنے سے چمٹا رہے اس پر مسح کرنا درست ہے۔ اور سوراخ بقدر تین انگلی پاؤں کے جو سب سے چھوٹی ہیں مسح کرنا جائز کر دیتا ہے اور اس سے کم پر جائز ہے۔ فی المراقی الفلاح.

ولو كان الخفان متخذين من شيء ثخين غير الجلد كلبد وجوخ وكرباس  
يستمسك على الساق من غير شد لا يشف الماء وهو قولهما وإليه رجع الامام وعليه  
الفتوى لأنه في معنى المتخذ من الجلد... والرابع خلو كل منهما أي الخفين عن خرق قدر  
ثلاث اصابع من اصغر القدم ما

(ترجمہ: موزے اگر چمڑے کے علاوہ کسی گھنی بنی ہوئی چیز جیسے کہ نمدہ، اونی کپڑا (کمبل) کھڑے سے بنائے ہوئے ہوں اور باندھنے کے بغیر پنڈلی پر رکے رہیں اور پانی ان سے گذر کر پاؤں تک نہ پہنچے (تو ان پر مسح کرنا جائز ہے) یہ صاحبین کا قول ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف رجوع فرمایا اور اسی پر فتویٰ ہے کیوں کہ ایسے موزے چمڑے سے بنائے ہوئے موزوں کے معنوں میں ہیں۔ (اور مسح کے جائز ہونے کی) چوتھی شرط یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک قدم کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کی پھٹن سے خالی ہو) واللہ اعلم بالصواب.

عاجز محمد رمضان

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

﴿فتویٰ نمبر.....22﴾

سوال

ایک شخص کوئی جب بستر سے اٹھا غسل (فرض) پایا اور وہ حالت بیماری میں ہے یا موسم سردی کا ہے یا دیگر اور اسباب مانع ہیں۔ اگر نہائے تو اس کو ضرر پہنچے۔ اور نماز کا وقت موجود ہے تو ایسی حالت میں وہ کیا کرے؟ تیمم اسے کیسا ہے؟ نماز ادا کرنا ہوگی یا کہ نہا کر قضا نماز ادا کرے گا؟ اور ایسے شخص کو مسجد میں جانا اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

۱۷ رمضان ۱۴۳۶ھ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

بیمار یا ضعیف کو اگر نہانے کی حاجت ہو جائے اور مرض بڑھنے کا یقین ہو، مجرد حیلہ جوئی نہ ہو، لازم ہے کہ غسل کا تیمم کر کے نماز پڑھے۔ ☆ اور چونکہ تیمم خلیفہ غسل کا ہے جس طرح کھانا پینا، مسجد میں جانا بعد غسل کے جائز ہے بعد تیمم کے بھی جائز ہے۔ ☆ البتہ جب طاقت غسل آجائے اور خوف زیادتی مرض غسل سے نہ رہے، غسل کرنا واجب ہو جائے گا اور تیمم فوراً ٹوٹ جائے گی۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....23﴾

سوال

ہاتھی پر امام چڑھ جائے اور نماز پڑھائے تو وہ نجس ہوگا یا نہیں؟

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

ہاتھی پر چڑھنے سے جب تک کوئی نجاست یا ہاتھی کا پسینہ نہ لگے کوئی ناپاک نہیں ہوتا۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....24﴾

سوال

دھوبی اگر روئی دار کپڑے کو دھولا دے تو ناپاک سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب

دھوبی اگر روئی کا کپڑا دھولا دے تو کوئی وجہ اس میں شبہ کی نہیں ہے کیوں کہ روئی کے کپڑے کا یہ ہی حکم ہے کہ اس کو بھگو کر اچھی طرح نچوڑ دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ کذا فی منیة المصلیٰ ما

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



ما منیة المصلیٰ : صفحہ ۱۴۸ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور

وقیل إذا غسل الثوب مرة وعصره بالمبالغة يطهر وقیل لا يطهر ما لم يغسل ثلاث مرات ويعصر فی

کل مرة والفتویٰ علی الاول

(ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا جب کپڑے کو ایک مرتبہ دھولیا اور خوب نچوڑ لیا تو پاک ہو جاتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا جب تک تین بار

نہ دھویا جائے اور ہر بار نہ نچوڑا جائے پاک نہیں ہوتا اور فتویٰ پہلے قول پر ہے)

## ﴿فتویٰ نمبر.....25﴾

سوال دستیاب نہ ہو سکا۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

جب تک نجس پانی کے دودھ وغیرہ میں ملانے کا یقین نہ ہو اس دودھ وہی کا بلاشبہ کھانا جائز ہے۔  
 ☆ مجرد شبہ سے کوئی شے ناپاک نہیں ہو جاتی۔ اور جس کا مسلمان کو کھانا پینا جائز ہے اس کا ثواب پہنچانا بھی  
 عبادت ہے۔ فاتحہ دلانا جائز ہے۔ ☆ اس واسطے کہ اصل ہر چیز میں شرعاً طہارت ہے۔ تا وقتیکہ یقین نجاست  
 نہ ہو جائے کوئی شے نجس نہیں ہو جاتی۔

☆ یقین لا یزول بالشک قاعدہ مسلمہ فقہاء ہے۔ ☆ مگر حتی المقدور مشرکوں کے کھانے پینے کی  
 چیزوں سے بچنا افضل ہے۔ اور ان کا استعمال میں لانا مکروہ۔  
 چنانچہ صفحہ ۲۸۳ جلد خامس فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

ویکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل مع هذا لو اکل او شرب  
 فیها قبل الغسل جاز ولا یكون آکلا ولا شارباً حراماً و هذا اذا لم یعلم بنجاسة الاوانی  
 فاما اذا علم فانه لا یجوز ان یشرب و یاکل منها قبل الغسل لو شرب او اکل کان شارباً  
 آکلاً حراماً و هو نظیر سور الدجاجة اذا علم انه کان علی منقارها نجاسة فانه لا یجوز  
 التوضی به والصلوة فی سراویلهم نظیر الاکل والشرب من اوانیهم۔

☆ (ترجمہ: مشرکین کے برتنوں میں ان کو دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی  
 دھونے سے پہلے ان میں کھاپی لے تو جائز ہے۔ ایسی صورت میں وہ حرام کھانے یا پینے والا نہ ہوگا۔ یہ حکم اس

صورت میں ہے جب کہ اسے ان برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو۔ اور جب اسے ان کا ناپاک ہونا معلوم ہو جائے تو ان سے کھانا پینا جائز نہیں ہے جب تک دھو کر ان کو پاک نہ کر لے۔ اگر ایسی حالت میں کھایا یا پیا تو حرام کھانے اور حرام پینے والا ہوگا۔ اس کی مثال مرغی کے جھوٹے کی سی ہے کہ جب معلوم ہو کہ اس کی چونچ پر نجاست ہے تو اس کے جھوٹے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ان کے پاجاموں اور دیگر کپڑوں میں نماز ادا کرنا ان کے برتنوں میں کھانے پینے کی مانند ہے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....26﴾

سوال

مردہ کی چیرا پھاڑی سے وضو یا غسل میں تو کچھ خرابی نہیں آتی؟

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

مردے کی چیرا پھاڑی سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا نہ غسل۔ البتہ اگر اس کا خون یا گوشت ناپاک بدن سے لگ جائے اس کا دھونا اور پاک کرنا ضرور لازم ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد







نماز



﴿فتویٰ نمبر..... 27﴾

سوال

عید میں اذان کس طرح ہے اور کون آیا ہے اور چھ تکبیر کس طرح پڑھنا چاہئے تکبیر تحریمہ چھ میں شامل ہے یا نہیں اس کا مسئلہ تحریر فرمائیے گا۔

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

عید کے دن نہ اذان کہنا سنت ہے نہ تکبیر کہنا۔ ☆ اگر راستہ میں آہستہ آہستہ عید گاہ تک آدمی آتے نظر آئیں اور وقت تنگ ہو تو رومال وغیرہ سے اشارہ کر دینے کا 'الصلوة جامعة پکار دینے کا مضائقہ نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۱۰ فتح القدر مطبوعہ مصر مع الہدایہ میں ہے:

فلا یوذن للعید والکسوف و فی مسلم عن جابر بن سمرہ صلیت مع رسول اللہ ﷺ العید غیر مرة ولا مرتین بغیر اذان ولا اقامة ☆ و عن عائشة رضی اللہ عنہا خسفت الشمس علی عهد رسول اللہ ﷺ فبعث منادی ینادی بالصلوة جامعة فقط ☆ (ترجمہ: عید اور کسوف کی نماز کے لیے اذان نہ پڑھی جائے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز عید ایک یا دو مرتبہ نہیں کئی مرتبہ بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی۔ ☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں سورج گرہن لگا آپ نے ندا کرنے والے کو بھیجا کہ وہ پکار کر کہے کہ نماز باجماعت ہونے والی ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی رضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد

﴿فتویٰ نمبر.....28﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد دفن کرنے میت کے قبر کا منہ بند کر کے اور مٹی ڈال کر اس موت پر اذان دینا کیسا ہے۔

۲۷ شعبان ۱۳۳۶ھ اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ محکمہ ٹھیکہ ضلع بانس بریلی مسکو نہ تاج گنج آگرہ کڑہ عمر خاں

الجواب

وهو الموفق۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اذان کہنا، دفن کے وقت، مٹی ڈالنے سے پہلے یا پیچھے مقتدین فقہاء کے نزدیک کہیں نظر سے نہیں گزرا اور علماء متاخرین سے بعض مستحب فرماتے ہیں اور بعض اس کی تردید فرماتے ہیں چنانچہ صفحہ ۲۸۳ در المختار میں ہے:

قد یسن الأذان لغير الصلاة كما فی اذن المولود والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان أو بهيمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق وعند انزال الميت القبر قیاسا علی اول خروجه للدنیا لکن رده ابن حجر فی شرح العباب تغول الغیلان ای عند تمرد الجن لخبر صحیح فیہ اقول ولا بعد فیہ عندنا الخ ای لأن ما صح فیہ الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وان لم ینص علیه لما قد مناه فی الخطبة عن الحافظ ابن عبدالبر والعارف الشعرانی عن کل الائمة الاربعة انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی علی انه فی فضائل الاعمال یجوز العمل بالحدیث الضعیف۔

(ترجمہ: بلاشبہ نماز کے علاوہ اور مواقع پر اذان مسنون ہے جیسا کہ نو مولود غم میں مبتلا، مرگی کے مریض، غصے والے اور انسانوں اور چوپایوں میں جس کے اخلاق میں برائی آجائے ان سب کے کانوں، نیز فوج کے چھمکنے، آگ لگنے اور میت کے قبر میں اتارنے کے وقت اذان مسنون ہے۔ لیکن حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح العباب میں اس کی تردید کی ہے۔ ان مواقع کے علاوہ جنات کی سرکشی کے وقت بھی اذان پڑھنا مسنون ہے کیوں کہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی بعد نہیں ہے۔ کیوں کہ جس عمل کے

بارے میں معارض صحیح حدیث وارد ہو وہ مجتہد کا مذہب ہوتا ہے اگر اس پر مجتہد نص بیان نہ کرے کیوں کہ خطبہ میں ہم حافظ ابن عبدالبر اور عارف شعرانی نے ائمہ اربعہ سے یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ علاوہ بریں حدیث فضائل اعمال میں وارد ہے جہاں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے)

لہذا اگر اذان وقتِ دن کہی جائے اس میں مزاحمت کرنا ہرگز نہ چاہئے اور اس درجہ اس کا ثبوت بھی نہیں ہے کہ ضرور ہی کہی جائے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المشہدی المفتی شہر آشگرہ۔

واعظ جامع مسجد اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....29﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندر میں صورت کہ تکبیر صف میں ایک مقام پر کھڑے ہو کر مقتدی کہے یا دروازہ مسجد سے تکبیر شروع کرے اور چلتا جائے اور صفِ اولیٰ تک ختم کر دے جس طرح یہاں لاہور میں مولانا اکرام الدین صاحب بخاری امام مسجد وزیر خان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تعاملِ علماء بخارا اسی طرح ہے۔

۳ رجب ۱۳۶۶ھ

فضل الدین طالب علم

حمایت الاسلام لاہور

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

در مختار مطبوعہ مصر علی ہامش رد المحتار کے صفحہ ۲۹۱ میں ہے

کرہ مشیہ فی اقامتہ۔

(ترجمہ: تکبیر میں چلنا مکروہ ہے)

قال الشامی رحمہ اللہ

قولہ: کرہ ذکرہ فی روضۃ الناطفی و اختلفوا عندا تمامہا ای عند قد قامت

الصلوۃ فقیل یتمہا ماشیا و قیل فی مکانہ اماما کان المودن او غیرہ و هو الاصح کما فی

البدائع و قصر فی السراج الخلاف علی ما اذا کان اماما فلو غیرہ یتمہا فی موضع البدایۃ

بلا خلاف۔

(ترجمہ: قولہ: تکبیر میں چلنا مکروہ ہے۔ روضۃ الناطقی میں اسے ذکر کیا۔ اقامت کے اختتام یعنی قد قامت الصلوٰۃ کے وقت چلنے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا اسے چلتے چلتے مکمل کرے اور بعض نے فرمایا اپنی جگہ پر کھڑا رہ کر اسے

مکمل کرے اگرچہ مؤذن ہی امام ہو یا امام اس کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اصح قول یہی ہے جیسا کہ البدائع میں ہے۔ اور السراج الوہاج میں اختلاف صرف اسی صورت میں ذکر کیا ہے جب کہ مؤذن خود امام ہو اور اگر امام کوئی اور ہو تو جس جگہ کھڑے ہو کر اقامت کا آغاز کیا تھا اسی جگہ پر اسے مکمل کرے اس سے میں کوئی اختلاف نہیں ہے)

یعنی اصح قول تو یہی ہے کہ مکبر امام ہو خواہ مؤذن مقتدی جہاں تکبیر شروع کرے وہاں ہی ختم کرے۔ اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے مگر بعض فرماتے ہیں کہ اگر امام ہی مؤذن و مکبر ہو تو تکبیر صفِ اولیٰ میں کہہ کر قد قامت الصلوٰۃ کہتا ہوا مصلیٰ تک تمام کر دے اور اگر مکبر و مؤذن غیر امام ہے تو بالاتفاق جہاں تکبیر شروع کرے اسی جگہ تمام کر دے

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الحسنی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....30﴾

## سوال

انگوٹھے (چومنا) وقت نام پیغمبر علیہ السلام بعض کتب مثل جامع الرموز کنز العباد خزائن الروایات وغیرہ مستحب لکھا ہے۔ مولانا عبدالحی انار اللہ برہانہ نے حدیث مرویہ اور روایات منقولہ کو ضعیف لائق اعتبار نہیں فرمایا ہے۔ ما۔ لہذا کیا ہوگا؟

سائل: مولوی مطیع اللہ صاحب توپ خانہ جامع مسجد

۱۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

## هو المصوب

تقبیل ابہامین وقت نام رسول علیہ السلام بعض روایات ضعیفہ میں وارد ہے۔ جن کی بابت بعض نے ضعف کا خیال اور بعض نے موضوع فرمایا ہے۔ لہذا جو تقبیل کرتا ہو اس کی منع نہ کیا جائے گا اور جو نہ کرتا ہو اس کو حکم نہ دیا جائے گا۔ کیوں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل منع نہیں اور لا یصح لا یثبت کے لکھ دینے سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تحفۃ میں دربارہ ضعف و موضوعیت حدیث مسح علی الرقبہ لکھا ہے:-

ما (الف) بعض فقہاء (تقبیل ابہامین را مستحب نوشتہ اند و حدیث ہم درین باب نقل می سازند مگر صحیح نیست۔

(ترجمہ: بعض فقہاء نے انگوٹھے چومنے کے مستحب لکھا ہے اور ایک حدیث بھی اس بارے میں نقل کرتے ہیں لیکن وہ حدیث صحیح نہیں ہے) مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی جلد ۳ صفحہ ۳۲ مطبوعہ ملک سراج الدین کشمیری بازار لاہور۔

(ب) أما فی الأذان فقد ورد ذلك (أی تقبیل ابہامین) فی احادیث مرفوعہ و موقوفہ کلہا ضعیفہ ولا یصح فی هذا الباب حدیث مرفوع۔ السعیة فی کشف ما فی شرح الوقایة: جلد ۲: صفحہ ۴۶:

سہیل اکیلمی لاہور

قال احمد بن حنبل في شرحه الفتح المبين لانه ان كان صحيحا في نفس الامر  
فقد اعطى حقه والاما لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل و تحريم ولا ضياع حق  
للغير

(ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح الفتح المبین میں فرمایا چونکہ یہ حدیث درحقیقت صحیح ہے لہذا اسے  
اس کا حق دیا جائے گا بشرطیکہ اس پر عمل سے کوئی فساد نہ پڑے جیسا کہ حرام کو حلال قرار دینا یا حلال کو حرام قرار  
دینا اور نہ ہی اس سے کسی کے حق کا ضائع ہونا لازم آئے)

(وفيه) و ذلك ليس من باب الاختراع في الشرع و انما هو ابتغاء فضيلة و رجاء

هامع امارة ضعفه من غير ترتب مضرة عليه ما انتهى

(ترجمہ: شریعت میں یہ خود ساختہ حکم کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ یہ عمل فضیلت کے حاصل کرنے اور اس کی امید  
کے لیے ہے باوجودیکہ ضعف کی علامت موجود ہے اور اس پر کوئی نقصان بھی مرتب نہیں ہوتا)  
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس فعل کو مسنون یا واجب سمجھنے سے انکار فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔  
مگر بدعت یا مکروہ یا عدم استحباب مشائخ مرقوم نہیں فرمایا جو باعث تکلیف ہو۔

هذا ما سنع لى عند التحقيق والله اعلم و حكمه احكم۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



۱۔ لفظ "الا" تحفة الطلبة کے حاشیہ میں المطبع المصطفائی (۱۳۱۱ھ) اور ادارۃ المعارف والعلوم الاسلامیہ کراچی  
(۱۳۱۹ھ) دونوں مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ تحفة الکملة على حواشی تحفة الطلبة مع تحفة الطلبة ص ۱۱۱ شامل در مجموعہ رسائل اللکنوی: جلد اول:  
صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۳۔ تحفة الکملة على حواشی تحفة الطلبة مع تحفة الطلبة ص ۱۱۱ شامل در مجموعہ رسائل اللکنوی:

جلد اول: صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی



﴿فتویٰ نمبر.....31﴾

سوال

زمانہ طاعون و وبا میں اذان دینے میں بعض مقام پر بعد دفن مردہ اذان کا رواج دے دیا ہے۔ اس کی شرع میں کہاں تک اصل ہے۔

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب  
امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔  
۷ دسمبر ۱۵ء

الجواب

زمانہ طاعون میں اذان دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ ہاں وقت نزولِ بلیہ تکبیر و دعا کا حکم ہے۔ اہل اعمال نے اس کو دفعیہ کے واسطے مجرب سمجھ کر جاری کر دیا ہے۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....32﴾

### سوال

اگر دو یا چار رکعت کی نیت باندھی اور پھر نماز میں خیال آیا کہ نیت غلط باندھی یعنی بجائے دو کے چار یا چار کے دو کی باندھ لی تو کیا کرنا چاہئے؟

ڈاکٹر صغیر حسین گلاب خانہ آگرہ ۲۹ رمضان ۱۴۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

نیت نام دل کے قصد کا ہے۔ لہذا قبل تکبیر تحریمہ دل میں اتنا قصد ضروری ہے کہ میں ظہر کی نماز پڑھتا ہوں یا عصر کی قضا پڑھتا ہوں یا ادا فرض پڑھتا ہوں یا سنت۔ چنانچہ اگر وضو کے وقت یا گھر سے مسجد کو چلنے کے وقت بھی یہ قصد دل میں ہو اور وقت تکبیر تحریمہ مطلقاً کسی امر کا خیال نہ رہے اور اس وقت سے تکبیر تحریمہ تک علاوہ چلنے کے کوئی امر مفسد نماز مثل بات وغیرہ کے سرزد نہ ہو تو وہ نیت بھی معتبر ہوگی۔

☆ اور اگر قبل تکبیر تحریمہ نہ وقت تکبیر تحریمہ مطلقاً کچھ بھی نیت نہ ہو اور بعد تکبیر تحریمہ دل میں قصد کیا جائے کہ میں ظہر کے فرض پڑھتا ہوں یا سنت بقول قوی و مفتی بہ معتبر نہ ہوگی۔ اور بعد اس نیت کے اگر تکبیر تحریمہ دوبارہ نہ کہی جائے گی تو نماز نہ ہوگی۔ گو بقول علامہ کرنی بعد تکبیر تحریمہ بعد رکوع تک بھی نیت کر لی جائے مگر یہ غیر مفتی بہ ہے۔

☆ اور زبان سے نیت کرنا بغرض صحت عزم قلبی مستحب و مستحسن ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۳۱ ہدایہ مطبوعہ مصر مع الشروح الاربعہ میں ہے:

و المتقدم على التكبير كالقائم عنده اذا لم يوجد ما يقطعه و هو عمل لا يليق بالصلوة ولا معتبر بالمتأخرة منها عنه لان ما مضى لا يقع عبادة لعدم النية وفي الصوم جوزت للضرورة والنية هي الارادة والشرط ان يعلم بقلبه اى صلوة يصلى اما الذكر باللسان فلا معتبر به و يحسن ذلك

لا اجتماع عزيمته. ثم ان كانت الصلوة نفلا يكفيه مطلق النية وكذا ان كانت سنة في الصحيح و  
ان كانت فرضا فلا بد من تعيين الفرض كالظهر مثلا لا اختلاف الفروض. ا

(ترجمہ: تکبیر تحریمہ سے پہلے نمازی کا کھڑا ہونا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اس کے پاس کھڑا ہو جب تک اس کو  
قطع کرنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے اس کا صرف کھڑا ہونا نماز میں شمار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو  
نماز کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کا اعتبار نہیں ہے کیوں کہ نیت سے پہلے جو نماز کا حصہ  
ادا ہوا وہ عبادت نہیں ہوا کیوں کہ اس میں نیت شامل نہیں ہے۔ اور روزے کی صورت میں جواز ضرورت کی بنا پر  
ہے۔ ☆ اور نیت کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنے دل سے جانے کہ کون سی نماز ادا کر رہا ہے۔ صرف زبان کے  
ساتھ اس کا ذکر کرنے کا اعتبار نہیں ہے اور دلی ارادہ کے ساتھ اس کا جمع ہونا مستحسن ہے۔ پھر اگر نماز نفل ہو تو  
مطلق نماز کی نیت کافی ہے صحیح قول کی رو سے سنت میں بھی حکم یہی ہے۔ اور اگر نماز فرض ہو تو فرض کو متعین  
کرنا مثلاً ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں لازم ہے کیوں کہ فرض نمازیں مختلف ہیں)

اور تعداد رکعات میں اگر خطا ہو جائے مثلاً فرض ظہر میں دو کی نیت کرے اور فجر میں چار کی نیت کرے  
تو اس سے نماز میں کچھ نہیں ہوتا۔ جب ظہر کی پوری چار ادا کر لے اور فجر کی فقط دو رکعت پڑھے۔ چنانچہ ۳۰۹ اور  
مختار مطبوعہ مصر مع الشامی میں ہے:

ولا بد من التعيين عند النية لفرض ولو قضاء و واجب دون تعيين عدد ركعاته  
لحصولها ضمنا فلا يضر الخطاء في عددها ما مختصرا بقدر الحاجة  
(ترجمہ: نیت کے وقت فرض اگرچہ قضا ہو اور اسی طرح واجب نماز کی تعیین ضروری ہے۔ ان کی رکعتوں کو  
متعین کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کی نیت اس کے ضمن میں حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ان کی تعداد  
میں غلطی کر دے تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....33﴾

## سوال

کیا وجہ ہے کہ جب حدیث صحیح لا صلوة الا بفاتحة الكتاب موجود ہے تو اس کے عامل کو احنافِ خاظمی کہتے ہیں۔ حدیث جو درجہ صحت کو پہنچ گئی اس کا عامل کس طرح خاظمی ہوگا۔ جواب محققانہ نہ متعصبانہ مرقوم ہو۔

سائل: عزیز اللہ خان بھوپال

۱۶ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

## هو المصوب

حدیث کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے معنی یا مطلب بھی صحیح ہوئے۔ خصوصاً جب کہ ترکیبِ نحوی اور اسلوبِ اہلِ عرب مختلف ہو۔ یہاں پر طرفِ بفتح الکتاب کا محذوف ہے اور ہر جگہ ظرف کا محذوف ہونا واجب ہے۔ پس عبارت یہ ہوئی کہ ☆ لا صلوة كاملة الا بفاتحة الكتاب ما۔

☆ (ترجمہ: فاتحہ الکتاب کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی)

☆ جس طرح لا وضو الا بالسواک ما۔

(ترجمہ: مسواک کے بغیر نماز نہیں)

☆ لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد ما

ما i سنن الترمذی جلد اور صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

میں ان الفاظ سے یہ حدیث مروی ہے: لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب

ii سنن ابن ماجہ جلد اور صفحہ ۴۵۷ مطبوعہ دار المعرفة بیروت

میں ان الفاظ سے مروی ہے۔ لا صلوة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الكتاب

ما

ما ii الجامع الصغير مع شرحه فیض القدير جلد ۶ صفحہ ۴۳۱ مطبوعہ دار المعرفة بیروت

(ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہے)

اور یہ خیال غلط ہے کہ عاملِ حدیث صحیحِ خاطر ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تک اس کے معنی نہ معلوم ہوں اور عمل کرے گا تو بے شک خاطر ہوگا۔ قرب مبلغِ اوعی من سامع ما حدیث موجود ہے یعنی سننے والے سے زیادہ نہ سننے والا سمجھنے والا ہوتا ہے اگر معنوں میں حصر لیا جائے گا تو اول اس کی سند چاہئے اور اگر عموم کیا جائے تو سینکڑوں احادیث کے معنی بگڑ جائیں گے۔

☆ چنانچہ لا مہدی الا عیسیٰ ما

(ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر کوئی مہدی نہیں)

☆ لا فتی الا علی ما

(ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی جوان نہیں)

وغیرہ پس احادیث جو عدم جواز میں وارد ہیں ان کو اور اس حدیث کو مطابق کیا جائے گا۔ پس یا تو بوجہ تعارض دونوں کو چھوڑ دیں گے اور کتاب اللہ پر عمل کریں گے اور کتاب اللہ دوبارہ عدم قراءت ناطق ہے۔

اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا م

(ترجمہ: جب قرآن مجید پڑھا جائے سنو اور خاموش رہو)

یا کثرتِ عالمین اصحاب پر جن میں مجتہدین خصوصاً خلفائے اربعہ کا فعل لائقِ حجت علی الغیر ہوگا اور وہاں بھی عدم قراءت مرجح ہے لہذا عملِ احناف عقلاً و نقلاً بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف خطا ہے۔

والله اعلم و حکمہ احکم ہکذا فہم من المیزان للشعرانی فلینظر الیہ۔

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ

۱

۲

۳

۴

القرآن الحکیم: سورہ الاعراف آیت: ۲۰۴

## ﴿فتویٰ نمبر.....34﴾

### سوال

قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا کیسا ہے۔ اہل عرب صحیح پڑھتے ہیں یا اہل ہند۔ حرکات زیر بر پیش معروف پڑھنا چاہیے یا مجہول۔ زید حرکات کو معروف مثل علمائے عرب کے پڑھتا ہے۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں اور غلط بتاتے ہیں۔ طریقہ تعلیم و تلاوت میں قراء عرب کی تقلید جائز ہے یا حفاظ ہند۔

سائل: حافظ رحمت اللہ

مدرسہ احمدیہ کھارآگرہ ۵ مارچ ۱۹۱۶ء

### الجواب

قرآن شریف کو اس قدر (تجوید کے ساتھ) پڑھنا کہ جس میں وہ غلطی جس سے معنی کا فساد لازم آئے اس سے محفوظ رہے واجب ہے۔ ☆ اور بقیہ قواعد ترقیق و تخم و ادغام و شد و مد ان کا جاننا افضل و مستحب ہے۔ اور قرآن شریف مطابق لغت عرب و قواعد نحویہ کے پڑھے۔

حدیث میں وارد ہے :

☆ تعلموا اللحن فی القرآن کما تتعلمونہ ما

(ترجمہ: قرآن مجید میں لحن کو سیکھو جس طرح کہ خود اس کو سیکھتے ہو)

☆ و اللحن اللغة والنحو و ایضا الخطاء فی الاعراب فهو من الاضداد مجمع البحار ما

☆ (ترجمہ: لحن کا معنی لغت اور نحو ہے نیز یہ لفظ اعراب میں غلطی کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے یہ لفظ اضداد

سے ہے)

اقراءوا القرآن بلحون العرب و اصواتها و ایاکم و لحون اهل العشق و لحون اهل

ما مجمع بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة

ما مجمع بحار الانوار جلد ۴ صفحہ ۲۸۷ مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة

الكتابين هو والإلحان جمع لحن هو التطريب وترجيح الصوت وتحسين القراءة والشعر والغناء

(ترجمہ: قرآن مجید کو عربی خوش آوازی اور عربوں کی آوازوں کے ساتھ پڑھو اہل عشق اور اہل کتاب کی سروں سے پرہیز کرو۔ لحن اور الحان دونوں لحن کی جمع ہیں اس کا معنی ہے سُرنکالنا آواز کو گھمانا، گانے، شعر اور قراءت کو اچھی طرح سے ادا کرنا)

ملا علی قاری شرح منظومة الجزری رحمہ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں

الواجب علی القاری ان یعلم من علم النحو للقران المجید مقدار ما یمتنع عن اللحن الجلی المنحل للمعنی و اما ما زاد علی ذلك من الترقیق والتفخیم والمدود و الادغام فهو امر مستحب. التھی (حدیقہ) ۱

(ترجمہ: قاری پر واجب ہے کہ قرآن مجید کے لیے نحو اتنی مقدار میں سیکھے جس سے وہ لحن جلی سے بچ سکے جو معنی میں خلل انداز ہوتا ہے اور اس سے جو امور زائد ہیں جیسے باریک پڑھنا، پُر پڑھنا، مد کے ساتھ پڑھنا اور ادغام یہ مستحب امور ہیں)

اعراب کا معروف پڑھنا عموماً مکروہ ہوگا کیوں کہ اکثر جگہ (لیا بالسنتھم ۳) کا حکم لازم آئے گا۔ مثلاً راعنا ۴ راعینا پڑھنا تو غلط ہوگا اور حروف مد ولین کا فرق دشوار ہوگا۔ اور تقلید ان اہل عرب کی ہوگی جو صحت لحن جانتے ہیں، والا فلا، ہکذا فی کتب القراء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (علمائے قراءت رحمۃ اللہ علیہم کی کتابوں میں اسی طرح ہے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ

۱	مجمع بحار الانوار	جلد ۴	صفحہ ۲۸۷	مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ
۲	المنح الفکریۃ شرح المقدمة الجزریۃ	صفحہ	مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور	
۳	القرآن الحکیم : سورہ النساء :	آیت : ۴۶		
۴	القرآن الحکیم : سورہ البقرہ :	آیت : ۱۰۴		

## ﴿فتویٰ نمبر.....35﴾

## سوال

ضواد پڑھیں یا ظواد؟ قول فیصل کیا ہے۔

سائل: مولوی علاء الدین ضلع کھیڑی اودھ

۱۱۵ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

در اصل نہ ضواد ہے نہ ظواد بلکہ ضواض پڑھا جائے۔ زبان کی جڑ کو داڑھ میں لگا کر پڑھو تو نہ دواد ہونہ ظواد۔ یہ ہے قول فیصل۔

اور رسالہ مرسلہ میں نے دیکھا اس میں صرف اس قدر ہے کہ جو مشتبہ الصوت حروف ہیں ان کو ایک دوسرے کی جگہ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ باقی یہ نہیں ہے کہ ض کو ظ اور ص کو س قصداً پڑھا کرو۔

واللہ اعلم و حکمہ احکم۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ





## ﴿فتویٰ نمبر..... 36﴾

## سوال

ضواد لفظ عربی میں کس طرح ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فارسی ہندی لوگوں کو ظاء پڑھنا جائز ہے۔ افسوس اس مسئلہ کا اب تک فیصلہ نہیں ہوا مفصل جواب دیا جائے۔  
ایک رسالہ ارشاد فی سلسلۃ الضاد بھی ارسال کروں گا۔

سائل: مولوی علاء الدین نکاحسن

پرگنہ کھیڑی موضع نکلہ

۲۳ فروری ۱۹۱۶ء

## الجواب

اس مسئلہ میں اصل حرف اس قدر ہے کہ ضواد مشابہ وال ہے یا ظ کے ہے۔ بس سب کے نزدیک مشابہ ظاء کے ہے۔

اس کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ ظ کے لہجہ سے پڑھا جائے یہ بالکل غلط ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ذ، ز، ظ، ض، س، ش سب ایک ہی آواز ہو جائیں۔ کیوں کہ ذ، ٹ، ظ، ض، مخرج ذ، ٹ اور ظ، ض، کاس ص کا الگ ہے یا قریب قریب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قرب مخارج کو اتحاد آواز لازم نہیں۔ بلکہ ہر ایک حرف اپنی اصلی صفت سے علیحدہ دوسرے حرف سے ہے۔

ض کا ادا کرنا زبان کی جڑ کو دانتوں سے رگڑ کر ہے جس میں آواز دال اور ظ کے درمیان رہتی ہے اور جو اس پر قادر نہ ہوں جیسے فارسی میں تو ان لوگوں کو جس لہجہ میں پڑھیں جائز ہے۔ اور اب ہند کو عوام میں یہ کہا جاتا ہے کہ ضواد یعنی؟ پڑھو۔ جو علمائے قدیم کا دستور ہے اور یہ خیال مہمل ہے کہ لفظ ضاد دراصل ظ یا ذ ہے تو ایک حرف قرآن سے حذف ہو گیا۔ جس کی بابت ارشاد ہے:

☆ انا افصح من نطق بالضاد ما۔

(ترجمہ: میں ضاد کا نطق کرنے والوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں)

دوسرے فارسی یا ہندی میں 'ح' 'ث' 'ص' 'ض' 'ط' 'ظ' 'ع' 'ق' ذہیں آتے تو مناسب ہے کہ یہ لفظ پڑھانے سے نکال دیئے جائیں اور اکثر غیر مقلدین دھوکہ دیتے ہیں اور دھوکہ کھاتے ہیں۔

صرف ضاد میں اس قدر طوالت ہی کیا اور حرفوں میں یہ حکم نہیں ہے کہ اگر بدل کر پڑھے گا تو نماز نہ ہو

گی؟

اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ طلب بات نہیں ہے۔ رہی علماء کی تحقیق تو وہ قیامت تک جاری رہے گی۔ عوام کو اس میں دلچسپی لینا غیر مناسب ہے۔ ان کو تو مفتی بہ مسئلہ پر عمل کافی ہے۔ خیر اس میں ہے کہ اس حرف کو نہ تو وال پڑھا جائے اور نہ ظ بلکہ درمیانی حرف زبان کی جڑ کو داڑھوں میں رگڑ کر نکالو تو صاف نکلتا ہے۔ ذرا سی توجہ درکار ہے۔ افسوس کہ اپنے کام کی تحقیق میں دنیا بھر کی تکلیف گوارا ہو اور ایک حرف کا پڑھنا اور مشق کرنا ایسا دشوار ہو کہ قرآن سے نکالنے پر راضی ہو جائیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

هذا ما سنع لى عند التحقيق والعلم بجميع المعلومات عند الله ما يليق.

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر..... 37﴾

### سوال

اگر بجائے چار رکعت کے پانچ پڑھ لیں تو کیا کرنا چاہیے؟ یعنی چوتھی رکعت کے بعد بغیر سلام پھیرے کھڑا ہو جائے اور پڑھنا شروع کر دے اور پھر یاد آئے کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ چار رکعت والی نماز میں بقدر التحیات آخر میں بیٹھنا فرض ہے۔ اور اس میں التحیات کا پڑھنا واجب ہے۔ ☆ جیسے بیچ کا قعدہ واجب ہے اور اس میں التحیات کا پڑھنا سنت ہے۔

۱۔ پہلے قعدہ میں التحیات کے پڑھنے کی شرعی حیثیت کے بارے میں مراقی الفلاح شرح نور الایضاح علی هامش الطحطاوی صفحہ نمبر ۱۳۶ میں ہے۔

ويجب قراءة التشهد فيه، أي في الأول وقوله في الصحيح متعلق بكل من القعود وتشهده. وهو احتراز عن القول بسنيتها او بسنية التشهد وحده.  
(ترجمہ: پہلے قعدہ میں تشہد کا پڑھنا واجب ہے فی الصحیح کا تعلق قعدہ اور تشہد دونوں کے ساتھ ہے۔ یعنی صحیح قول یہ ہے کہ پہلا قعدہ واجب ہے اور اس میں تشہد کا پڑھنا بھی واجب ہے۔ اس سے دونوں کے سنت ہونے کے قول یا صرف تشہد کے سنت ہونے کے قول سے احتراز ہے)

اور الدر المختار علی هامش رد المحتار جلد ۳۳۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ میں ہے۔

(ہی ای من واجبات الصلاة) التشهدان (دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے)

رد المحتار میں اس کی وضاحت یوں فرمائی۔

أي التشهد القعدة الأولى وتشهد الأخيرة.

(یعنی پہلے قعدہ کا تشہد اور دوسرے قعدہ کا تشہد پڑھنا واجب ہے)۔ محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

☆ لہذا اگر اخیر کا قعدہ کر کے پانچویں رکعت کو کھڑا ہوا ہے تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے اگر یاد آ جائے فوراً بیٹھ کر درود دعا پڑھ کر اگر نہ پڑھی ہو سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے۔

اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آئے تو چھٹی رکعت پڑھ کر بعد التحیات اور درود دعا سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے چار فرض ہو جائیں گے اور یہ دو رکعت زائد نفل ہو جائے گی۔

☆ اور اگر بغیر قعدہ اخیرہ پانچویں کو کھڑا ہو گیا تو پانچویں کے سجدہ سے پہلے اگر یاد آ جائے فوراً بیٹھ کر التحیات درود دعا پڑھ کر سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے۔ چاروں فرض کامل ہو جائیں گے۔

اور اگر پانچویں کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آئے تو چھٹی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کر لے یہ ساری نماز نفل ہو جائے گی اور فرض دوبارہ پڑھے۔ فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....38﴾

سوال

اگر صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیرے اور درود شریف بھول گئے تو کیا نماز ہوگی؟

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اخیر قعدہ میں بعد التحیات درود پڑھنا سنتِ موکدہ ہے۔ اور اس کے بعد ادعیہ ماثورہ سے کوئی بھی دعا پڑھنا مستحب ہے۔ ☆ اور ترکِ سنت یا مستحب سے چونکہ سجدہ سہو نہیں آتا لہذا کلیہ مقرر کیا گیا ہے ☆ کہ مستحب کے ترک سے نماز کا پھیرنا مستحب ہوتا ہے۔ اور ترکِ سنت سے نماز کا پھیرنا سنت اور ترک واجب سے اگر سجدہ سہو بھی ترک ہو جائے تو نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....39﴾

### سوال

اگر الحمد شریف کے بعد کوئی اور سورت پڑھنا بھول گئے اور رکوع میں چلے گئے تو کیا کرنا چاہئے؟

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً۔

بعد الحمد سورت ملانا بھول کر رکوع میں چلا جائے مضائقہ نہیں۔ اس واسطے کہ سورت ملانا واجب ہے۔

☆ اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا آخر میں سجدہ سہو بھی بھول جائے تو اس نماز کا دہرانا واجب ہے۔ اگر دوبارہ نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا۔

☆ اور ایسی صورت اگر امام سے واقع ہو اور بوجہ ترک کرنے ضم سورت کے اور نہ کرنے سجدہ سہو کے اس نماز کو امام دوبارہ پڑھے تو اس نماز میں وہی نمازی شریک ہو سکتے ہیں جو اصل نماز میں شریک تھے۔ ☆ دوسرے نئے نمازی اس جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس واسطے کہ جو نماز امام نے اول پڑھی تھی فرض نماز تو وہی تھی۔ اب جو دوبارہ پڑھی جاتی ہے واجب ہے نہ کہ فرض۔ ☆ اور نئے نمازیوں نے ابھی جو نماز فرض تھی وہی ادا نہیں کی۔ تو اس رفع نقصان کی نماز میں کس طرح شریک ہو سکتے ہیں۔

اور اگر رکوع سے وقت یاد آنے کے سورت ملانے کی غرض سے کھڑا ہو گیا تو اب بعد سورت ملانے

کے دوبارہ رکوع کرے۔ اور آخر میں سجدہ سہو کرے اور اگر سجدہ سہو نہ کیا تو اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....40﴾

## سوال

قومہ اور جلسہ کا کیا حکم ہے۔ اگر قومہ ترک ہو جائے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں۔

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء

## الجواب

قومہ اور جلسہ التحیات کا ایک ہی حکم ہے۔ جن کے نہ کرنے سے نماز کا اعادہ کرے گا۔ اگر سجدہ سہونہ کیا ہو۔  
ذخیرہ میں ہے۔

انما القيام بينهما و القعود بين السجدة تین فرض عند ابی یوسف فترکہ تبطل  
الصلوة عنده و عندهما الواجب وهو الاصح المذكور فی شرح البخاری. فیجب بترکہ  
سجود السهوما

(ترجمہ: رکوع اور سجدہ کے درمیان قیام اور دونوں سجدوں کے درمیان قعود حضرات امام ابو یوسف علیہ  
الرحمہ کے نزدیک فرض ہے لہذا اس کا ترک آپ کے نزدیک نماز کو باطل کر دے گا اور امام اعظم اور امام محمد رحمہما  
اللہ کے نزدیک واجب ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے جو کہ شرح بخاری میں مذکور ہے۔ لہذا اس کے ترک سے سجدہ سہو  
واجب ہوگا)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....41﴾

## سوال

جب ایک شخص کو امام مسجد متولی نے مقرر کیا اور نمازی دوسرے امام سے راضی ہیں اور اول کے پیچھے نماز پڑھنے سے منکر ہیں۔ تو شرعاً کیا حکم ہے؟

از محلہ میوہ کڑہ

۵ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

اگر اہل محلہ نمازیوں کا امام مقرر کردہ یا تشخیص شدہ افضل ہے تو متولی کا تقرر نہ مانا جائے گا اور اگر برعکس ہے تو اس کا تقرر صحیح ہے۔ غنیۃ المستملیٰ میں ہے۔

و ان تنازع البانی فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة فان كان من اختاره اهل المحلة اولی من الذی اختاره البانی فاختیار اهل المحلة اولی لان ضرره و نفعه عائد الیہم و ان كانا سواء فاختیار البانی اولی. کذا فی البزازیة والخلاصة ما (ترجمہ: اگر امام اور مؤذن کے مقرر کرنے میں مسجد کے بانی اور اہل محلہ میں اختلاف ہو جائے تو جس کو اہل محلہ نے پسند کیا ہے وہ بانی کے پسندیدہ امام و مؤذن سے بہتر ہو تو اہل محلہ کا پسند کردہ امام و مؤذن مقرر کرنا بہتر ہے کیونکہ اس کا نفع اور نقصان اہل محلہ کی جانب راجع ہوتا ہے اور اگر دونوں برابر ہوں تو بانی کے پسندیدہ کو مقرر کرنا اولیٰ ہے۔ فتاویٰ بزازیہ اور خلاصہ میں اسی طرح درج ہے)

والله اعلم بالصواب

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....42﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندر میں صورت کہ دو مرد و عورت اگر برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو دونوں کی نماز ہو جائے گی یا مرد کی ٹوٹ جائے گی؟ اور اگر میاں بی بی نماز پڑھیں اور میاں امام ہو تو عورت کس طرح کھڑی ہو؟

از کلان پلٹن عرف کالی پلٹن ۲۲ شوال ۱۳۶۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اگر مکلف مرد اور عورت مشہاۃ مکلفہ دونوں ایک نماز میں ایک امام کے مقتدی ہوں خواہ ایک عورت کسی مرد کی اقتداء کرے اور امام نے امامت عورتوں کی یا ایک عورت کی نیت بھی کی ہو اور اس طرح جمیع حیثیات سے ایک نماز میں شریک ہوں یہ بھی شرط ہے کہ باعتبار جہت کے بھی شریک ہوں۔ پھر اس طرح ایک رکن کی مقدار برابر کھڑے ہوں کہ مرد کے بعض اعضا عورت کے بعض اعضا سے بلا حائل برابر ہو جائیں تو بلاشبہ اس مرد کی نماز جو عورت کے برابر ہوگا خواہ داہنی طرف ہو یا بائیں طرف فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر امور مذکورہ سے ایک بھی شرط مفقود ہو جائے گی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر اگر امام نے وقت تکبیر تحریرہ میں امامت عورتوں کی نہ کی تھی تو مرد کی نماز مطلقاً فاسد نہ ہوگی۔ بلکہ عورتوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

چنانچہ صفحہ ۵۶۹، ۵۷۰ کبیری میں ہے

اما (الترتیب) بینہم (أی بین الرجال و بین النساء) ففرض عندنا حتی لو حادث

امراة او صبیة مشہاۃ تعقل الصلوة رجلا أو تقدمت علیہ قدر رکن و صلوتہما مطلقہ مشترکہ

تحریمة و اداء و اتحد المكان و الجهة بلا حائل و نوبت امامتها فسدت صلوة الرجل

فشروط المحاذاة المفسدة عشرة الاول كونها بالغة او صبية مشتبهة والثاني كونها تعقل  
 الصلوة والثالث ان يكون المحاذاة قدر ركن الرابع ان يكون الصلوة مطلقة اي ذات  
 ركوع وسجود الخامس كون الصلوة مشتركة من حيث التحريم بان تبنى المرأة  
 تحريمها على تحريم الرجل او بنيا تحريمهما على تحريمه ثالث فلا تفسد المحاذاة  
 اذا صليا منفردين السادس كون الصلوة مشتركة من حيث الأداء. السابع اتحاد المكان  
 الثامن اتحاد الجهة التاسع عدم الحائل بينهما. العاشر ان ينوي الامام امامة النساء. انتهى  
 مختصرا بقدر الحاجة.

☆ (ترجمہ: مردوں اور عورتوں کے درمیان صفوں میں ترتیب ہمارے نزدیک فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی  
 عورت یا شہوت والی بچی جسے نماز کی سمجھ بوجھ ہو کسی مرد کے برابر ایک رکن ادا نیگی کے برابر یا اس سے آگے  
 رہے اور دونوں کی نماز تحریمہ اور ادا نیگی کے اعتبار سے مشترک ہو نیز مکان اور دونوں نماز ادا کرنے کی جہت  
 ایک ہو، دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور امام نے عورت کے امامت کی نیت بھی کی ہو تو اس صورت  
 میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو فاسد کرنے والی محاذات کی شرطیں دس ہیں۔  
 (۱) برابر کھڑی ہونے والی عورت بالغ ہو یا شہوت والی نابالغ لڑکی ہو۔ (۲) وہ عورت نماز کو سمجھتی ہو۔ (۳)  
 محاذات ایک رکن کی ادا نیگی کے برابر ہو (۴) نماز مطلق ہو یعنی نماز رکوع اور سجود والی ہو (۵) نماز تحریمہ کے  
 لحاظ سے مشترک ہو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے تحریمہ کی بنا مرد کے تحریمہ پر کرے یا دونوں یعنی مرد  
 اور عورت کسی تیسرے شخص کے تحریمہ پر بنا کریں۔ لہذا ان دونوں میں سے ہر ایک اگر اپنی منفرد نماز ادا کر رہا  
 ہو تو یہ محاذات نماز کو فاسد نہیں کرتی (۶) نماز ادا کے اعتبار سے مشترک ہو (۷) دونوں ایک جگہ کھڑے ہوں  
 (۸) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو (۹) دونوں کا رخ ایک سمت میں ہو (۱۰) امام عورتوں کی امامت  
 کی نیت کرے)

و فی صفحہ ۲۲۳ من الجزء الاول من الدر المختار المطبوعہ فی المصر علی

ہامش ردالمحتار

و اذا حاذتہ امرأة مشتہلۃ و لاحقۃ بینہما اقلہ قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجة  
تسع رجلا فی صلوة مطلقۃ خرج الجنازۃ مشترکۃ فمحاذاۃ المصلیۃ لمصل لیس فی  
صلواتہا مکروہۃ لا مفسد تحریمۃ و ان سبقت ببعضہا و اداء و لو حکما کلاحقین  
و اتحدت الجہۃ فلو اختلفت کما فی جوف الکعبۃ و لیلۃ مظلمۃ فلا فساد فسدت صلوتہ  
لو مکلفا و الا لا ان نوى الامام وقت شروعه لا بعدها امامتها و ان لم تکن حاضرة و ان لم  
ینوہا فسدت صلوتہا انتہی مختصرا.

(ترجمہ: اور صف میں جب کسی مرد کے محاذات میں شہوت والی عورت کھڑی ہو جائے اور دونوں کے درمیان  
کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اور اس حائل کی کم از کم مقدار ایک گز اونچائی اور انگلی کے برابر موٹائی ہونی چاہیے۔ یا  
دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جس میں ایک مرد کے کھڑا ہونے کی گنجائش ہو۔ اور نماز مطلق ہو۔ اس سے نماز  
جنازہ خارج ہوگئی۔ اور وہ نماز دونوں کی مشترک ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والی ایسی عورت کی کسی  
مرد کے ساتھ محاذات کہ مرد وہ نماز ادا نہ کر رہا ہو جو عورت ادا کر رہی ہو مکروہ تو ہے لیکن اس سے مرد کی نماز کی  
فاسد نہیں ہوتی۔ دونوں کی نمازوں کا اشتراک تحریمہ اور ادائیگی میں ہو۔ اگرچہ عورت نے نماز کا کچھ حصہ پہلے  
ادا کر لیا ہو۔ اور ادائیگی میں اشتراک اگرچہ حکمی ہو۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں لاحق ہوں۔ اور  
دونوں کا رخ ایک جانب ہو اگر دونوں کا رخ ایک جانب نہ ہو جیسے کہ کعبہ معظمہ کے اندر دونوں نماز ادا کر رہے  
ہوں یا تاریک رات میں دونوں نماز ادا کر رہے ہوں اور دونوں کا رخ ایک سمت میں نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی  
نماز کے فاسد ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرد بھی مکلف ہو۔ اگر مرد مکلف نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ نماز کے فاسد  
ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ امام نے عورت کی امامت کی نیت نماز کے آغاز میں کی ہو۔ اگرچہ عورت اس وقت

حاضر نہ ہو اگر نماز شروع کر چکنے کے بعد عورت کی امامت کی نیت کی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہوگی)

☆ اگر ایک عورت مجرد مقتدی ہو تو اس کو لازم ہے کہ تنہا امام کے پیچھے کھڑی ہو۔ اور اگر دو مرد مقتدی ہوں تو عورت پھر بھی تنہا دونوں مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔ چنانچہ صفحہ ۴۱۹ جلد اول در مختار مذکور میں ہے

يقف الواحد ولو صبيا اما الواحدة فتاخر محاذيا أي مساويا ليمين امامه على

المذهب!

ترجمہ: مقتدی صرف ایک مرد ہو اگرچہ وہ بچہ ہو تو امام کے محاذات میں یعنی اس کے برابر دائیں طرف کھڑا ہو یہی مختار مذہب ہے۔ اور اگر مقتدی صرف ایک عورت ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہوگی)

قال الشامي رحمه الله

(قوله فتاخر) فلو كان معه رجل ايضا يقيمہ عن يمينه والمرأة خلفهما و لو رجلا

يقيمهما خلفه والمرأة خلفهما بحر. وتاخر الواحدة محله اذا اقتدت برجل لا بامرأة

مثلها عن البرجندی!

(ترجمہ: اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو تو امام مرد کو اپنے دائیں جانب اور عورت کو اپنے پیچھے کھڑا کرے، اور اگر دو مرد اور ایک عورت ہو تو مردوں کو اپنے پیچھے اور عورت کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کرے۔ ایک مقتدی عورت ہو تو امام کی جگہ سے پیچھے کھڑی ہو جب کہ وہ مرد کی اقتداء کر رہی ہو۔ اور اگر وہ عورت دوسری عورت کی اقتداء کرے تو اس کے ساتھ کھڑی ہو پیچھے نہ کھڑی ہو)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی مسجد جامع اکبر آباد



۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد اول، صفحہ ۴۲۳ تا ۴۲۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ.

۲ رد المحتار: جلد ۱، صفحہ ۴۱۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر 43﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد واقع محلہ بلوچ پورہ آگرہ میں اس کے دروں کے آگے ایک چبوترہ جس کی اونچائی ایک بالشت کی ہے بنا ہوا ہے اور چبوترہ پر ٹین کا سائبان پڑا ہوا ہے۔ چبوترہ کے آگے مسجد کا صحن ہے۔ بعض اوقات بوجہ زیادتی آدمیوں کے امام اس چبوترہ پر اندر سائبان کے کھڑا ہو جاتا ہے اور مقتدی اس کے پیچھے مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی امام اونچائی پر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی نیچے اس طرح سے نماز ہو جائے گی یا نہیں۔

۲۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

اعجاز الدین خان بلوچ پورہ کلاں آگرہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

بعض فقہاء متاخرین کا فتویٰ اس امر پر ہے کہ اگر قید آدم امام اونچا کھڑا ہوگا تو نماز مکروہ ہوگی ورنہ بلا کراہت جائز ہے۔ بعض فقہاء متاخرین کا اس امر پر فتویٰ ہے کہ بقدر ذراع شرعی جو ایک ہاتھ نو انگلی کا تقریباً ہوتا ہے مقتدیوں سے امام کا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور اگر اس مقدار سے کم اونچائی پر امام کھڑا ہو تو بلا کراہت نماز ہو جائے گی۔ اور بعض کے نزدیک اتنی اونچائی پر بھی کھڑا ہونا امام کو مقتدیوں سے مکروہ ہے کہ جس سے امام اور مقتدیوں کے درمیان اونچائی نیچائی کی تمیز ہو جائے۔ خواہ وہ اونچائی ایک انگل کے ہو یا اس سے کم یا زیادہ خواہ بہت زیادہ بقدر آدم چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

قیل مقدار قامۃ و قیل ما یقع بہ الامتیاز و قیل مقدار ذراع و علیہ الاعتماد و کذا

فی شرح المنیة والفتاوی العالمگیریه والفتاوی الخانیة ۱

(ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ قد کی مقدار امام کا مقتدیوں سے اونچائی پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور بعض دیگر علماء نے فرمایا کہ اتنا اونچا کھڑا ہونا جس سے امام اور مقتدیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے مکروہ ہے۔ اور بعض نے فرمایا ایک ذراع نمازیوں سے اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اعتماد اسی قول پر ہے شرح منیة فتاوی عالمگیر یہ اور فتاوی خانیه میں اسی طرح ہے)

بہرینچ قول آخر پر عمل کرنے سے بالاتفاق نماز بلا کراہت ہوگی اور قول دوم پر عمل کرنے سے اگرچہ قول اول اور قول دوم کے اعتبار سے کراہت ہوگی مگر قول سوم کے اعتبار سے ضرور کراہت باقی رہے گی۔ لہذا اگر صحن میں اتنی گنجائش ہو کہ امام اور مقتدی سب صحن میں کھڑے ہو سکیں بلا ضرورت امام کو اونچائی پر اگرچہ اونچائی کتنی ہی ہو ہرگز کھڑا ہو کر مفت بقول آخر مرتکب کراہت نہ ہونا چاہئے۔ ☆ اور اگر صحن میں گنجائش نہ ہو بضرورت اونچائی پر اگر امام کھڑا ہو جائے بالاتفاق عند الضرورت کراہت نہیں رہتی مگر حتی المقدور قول سوم کا لحاظ ضرور ہے الواقع کہ قول سوم ظاہر الروایت ہے چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ماتحت عبارت در مختار:

وقیل ما یقع به الامتیاز (ای بین مقام الامام والمؤتمین) هو الاوجه ذکرہ الکمال وغیرہ ۲

(ترجمہ: ایک قول یہ ہے کہ امام کو اتنا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امام اور مقتدیوں کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے یہی قول برتر ہے اسے علامہ کمال اور دیگر علمائے کرام نے ذکر فرمایا ہے۔)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

وهو ظاهر الروایة کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف

۱ مرقاة المفاتیح : جلد ۳ / صفحہ ۷۷ / مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲ والفتاوی العالمگیریه والفتاوی الخانیہ. یہ الفاظ مرقاة المفاتیح کے نہیں ہیں۔ محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ۔

۳ الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۲ / صفحہ ۳۵۸ / مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

والاولی العمل بظاهر الروایة و اطلاق الحدیث و کذا رجحه فی الحلیة۔

☆ (ترجمہ: یہ ظاہر روایت ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔ البحر الرائق میں فرمایا کہ خلاصہ یہ ہے کہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل کیا جائے)

☆ یعنی صحت کے تینوں قولوں میں اختلاف ہے بعض قول اول کو صحیح فرماتے ہیں بعض قول دوم کو اور بعض قول سوم کو۔ ایسی صورت میں صاحب بحر اور اشباہ والنظائر علامہ زین الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ظاہر روایت یعنی قول سوم پر جو اطلاق حدیث کے مطابق ہے عمل کرنا اولیٰ ہے۔ اور علامہ شامی رحمہ اللہ صفحہ ۵۳ جلد اول رد المحتار مطبوع مصر مع الدر المختار کے باب رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

و کذا (ای یرجح احد القولین المصححین) لو کان احدها ظاہر الروایة و بہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتوی اذا اختلفت کان الترجیح بظاهر الروایة و فیہ من باب المصرف اذا اختلف التصحیح و جب الفحص عن ظاہر الروایة والرجوع الیہا۔

(ترجمہ: اسی طرح صحیح قرار دادہ دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی اگر ان دونوں میں ایک ظاہر الروایہ ہو، البحر الرائق کی کتاب الرضاع میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ وہاں فرمایا فتویٰ جب مختلف ہو جائے تو ظاہر الروایہ کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کتاب کے باب مصرف میں ہے جب تصحیح کے درمیان اختلاف ہو تو ظاہر روایت کی تلاش اور اس کی جانب رجوع کرنا واجب ہے) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع مسجد اکبر آباد



۱ رد المحتار: جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

۲ رد المحتار: جلد ۱ صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

﴿فتویٰ نمبر.....44﴾

سوال

اکثر جولاہوں میں عورتیں لہنگا پہنتی ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ اور جن کی عورتیں باہر پھرتی ہیں اور لہنگا پہنتی ہیں بوجہ مفلسی کے تو اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب

☆ لہنگا خاص طریقہ ہنود کا ہے۔ ☆ بے ضرورت اس کا پہننا مکروہ ہے۔ مگر غریب ہو اور کوئی لباس پر قادر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ البحر الرائق میں ہے۔

انما الممنوع فیما له بدما۔

(ترجمہ: منع اس کے لیے ہے جس کا بس چلتا ہو)

اور جن کی عورتیں (ضرورت کی بنا پر ما) باہر پھرتی ہیں اور باعصمت ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ اسی طرح عورت کی نماز کا حکم ہے۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم غفرلہ



ما البحر الرائق جلد صفحہ

ما قوسین میں اضافہ مرتب غنی عنہ کی جانب سے ہے۔



## ﴿فتویٰ نمبر.....45﴾

## سوال

پیش امام اگر بازو ٹوٹا ہوا ہو اور تکبیر تحریمہ کے وقت وہ پورے طور پر کانوں تک ہاتھ نہ لے جاسکے اور کھانا بھی بائیں ہاتھ سے تناول کرے اس کو امام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام پیچھے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

## الجواب

اگر دوسرا اس سے علم و عمل میں بہتر نہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

كما في الدر المختار

ويكره خلف امرئ وسفيه ومفلوج واهرج وشاع برصه ما

(ترجمہ: نماز امرؤ بے وقوف، فالج زدہ اور برص کے ایسے مریض کی اقتداء میں مکروہ ہے جس کا برص ظاہر ہو)

قال الشامي تحت عبارة المذكورة في صفحة ۲۱۶

وكذلك اعرج يقوم ببعض قدمه فالأقتداء بغيره أولى تاتر خالية وكذا اجدم

بیر جندی و محبوب و حاقن و من له يد واحدة فتاوی الصوفیة ما۔

(ترجمہ: یونہی لنگڑا، جو قدم کے ایک حصہ پر کھڑا ہوتا ہو اس کے علاوہ کسی اور صحیح کی اقتداء میں نماز اولیٰ ہے۔

تاتار خانیہ یہی حکم جذامی کی امامت میں نماز ادا کرنے کا ہے بیر جندی۔ یہی حکم اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کا

ہے جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو جس نے پیشاب روکا ہوا ہو اور جس کا صرف ایک ہاتھ ہو فتاوی صوفیہ)

حورہ: العبد الراعی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

الدر المختار مع رد المحتار جلد اول صفحہ ۲۱۵، ۵۱۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

رد المحتار جلد اول صفحہ ۲۱۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....46﴾

### سوال

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھے تو اسی وقت اعادہ کرے یا گھر پر جا کر یا نہیں۔

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔ ۷ ادا ستمبر ۱۵۰۰ھ

### الجواب

بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

من و قر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام ما

(ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی عزت و توقیر کی اس نے اسلام کو گرانے پر اعانت کی)

حدیث موجود ہے۔

نماز کو اسی وقت اعادہ کرے اور اگر خوف فساد کا ہو تو گھر پر اعادہ کرے۔

☆ اتقوا مواضع التهم ما.

(ترجمہ: تہمتوں کے مقامات سے بچو)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



دار المعرفہ بیروت	۲۳۷ صفحہ	جلد ۶	الجامع الصغير مع شرح فيض القدير،	ما
دار الکتب العلمیہ بیروت	۳۸ صفحہ	جلد ۱	کشف الخفاء	ما

## ﴿فتویٰ نمبر 47﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہء ذیل میں کہ جو شخص تعزیہ داری اور تعزیہ پرستی کو رونق اسلام جانے اور اس بدعتِ ضلالہ میں دامے درمے قدمے سخنے کوشاں اور شریک ہو کر ترقی دے اور نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات سے نابلد ہو۔ علم دینی میں بجز قرآن شریف کے اور کچھ پڑھا ہوا نہ ہو۔ صرف پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو۔ عام مسلمانوں کی غیبت کرتا ہو اور سب کی تحقیر کرنا اس کا معمول ہو تو ایسے شخص کا امام بنانا نماز فرائض میں از روئے شریعتِ غرائے محمد رسول ﷺ کیسا ہے؟۔ **بینوا و توجروا**

## الجواب

هو الموفق للصواب بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ ایسا شخص بدعتی ہے اور فاسق ہے۔ اور بدعتی کو امام بنانا سخت گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ جس کا دوبارہ پھیر لینا واجب ہے۔

كما فی الکبیری صفحہ ۴۷۹:

و یکره تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد و هو اشد من الفسق من

حیث العمل۔

(ترجمہ: بدعتی کو امامت کے لیے آگے کھڑا کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقاد کے اعتبار سے فاسق ہے اور یہ عمل کے

لحاظ سے فسق سے زیادہ سخت ہے)

حورہ: العبد العاصی ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

المفتی جامع مسجد اکبر آباد غفر الله له ولوالديه

## ﴿فتویٰ نمبر.....48﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شہر کی جامع مسجد میں نماز تراویح پڑھانے کے لیے کئی ایک واڑھی منڈا حافظ مقرر کیا گیا ہے وقتِ تقرر ”زید“ سے بایں عبارت فتویٰ طلب کیا گیا کہ ایک حافظ بوجہ ملازمت واڑھی منڈا داتے ہیں آیا ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ”زید“ نے حسب ذیل عبارت میں جواز کا فتویٰ دے کر خود اس حافظ کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کی اور دوسروں کو بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔

### عبارتِ جوابِ استفتاء

واڑھی منڈا وانا حرام ہے۔ اور مرتکبِ حرامِ فاسق ہے۔ اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔

یکرہ تنزیہا امامہ عبد اعرابی فاسق اعمی مبتدعاً

(ترجمہ: غلام دیہاتی، فاسق، اندھے اور بدعتی کی امامت مکروہ تنزیہیہ ہے)

اور حدیث ابوداؤد میں ہے

لا یقبل اللہ صلوة من تقدم قومهم لها کارهوناً

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ نہیں قبول فرماتا نماز اس امام کی کہ مقتدی اس سے کراہت کرتے ہیں)

اب جناب عالی کی خدمت میں حسب ذیل سوالات کے جواب بروئے شرع ارقام فرمائے

جانے کی استدعا ہے۔

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱، صفحہ ۴۱۳، ۴۱۴، مختصراً مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۲ مکتبہ امدادیہ، ملتان

جلد ۱، صفحہ ۵۹

سنن ابی داؤد:

- ۱۔ آیا صورتِ مسئلہ میں جواب جو زید نے دیا صحیح ہے یا کیا؟
- ۲۔ فاسق و مبتدع کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوتی ہے یا مکروہ تنزیہی؟
- ۳۔ اگر سوال مذکور کا جواب زید کی جانب سے ٹھیک نہیں ہے اور فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے تو ایسی حالت میں ایسے غلط فتویٰ تحریر کرنے کی بابت کیا حکم ہے؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اصل عبارت تنویر الابصار متن در مختار یہ ہے

و یکرہ امامۃ عبد و اعرابی و فاسق و اعمی الا ان یکون اعلم القوم فهو اولیٰ

(ترجمہ: مکروہ ہے امامت غلام اور اعرابی اور فاسق اور اندھے کی لیکن اگر یہ لوگ سب قوم میں سے مسائل دین زیادہ جانتے ہوں تو ان کے پیچھے بالکل بلا کراہت جائز بلکہ اولیٰ ہے)

لیکن چونکہ عبارت متن ساکت تھی اس امر سے کہ آیا ان سب کی امامت مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور فی الواقع بعض ان میں وہ لوگ ہیں جن کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور ان میں فاسق کی امامت مکروہ تحریمی۔ علامہ صفحی رحمہ اللہ نے اپنی شرح در مختار میں ویکرہ کی شرح میں تحریر فرمایا دیا کہ اس مقام پر مراد کراہت سے کراہت تنزیہی ہے۔ اور اس تفسیر سے چونکہ یہ امر متوہم ہوتا تھا کہ فاسق کی امامت بھی مکروہ تنزیہی ہے اس کی بابت اس سے آگے اخیر میں تحریر فرمادیا کہ جن کی امامت مکروہ تنزیہی ہے چونکہ علت کراہت ان لوگوں میں جہالت تھی مسائل دینیہ سے اس واسطے کہ غلام کو بوجہ خدمت ہونے غالباً فرصت تحصیل نہیں ہوتی اور اعرابی یعنی

تنویر الابصار مع الدر المختار و رد المحتار : جلد اول ، صفحہ ۲۱۳ ، ۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

نوٹ: فہو اولیٰ کے الفاظ متن تنویر الابصار کے نہیں بلکہ اس کی شرح الدر المختار کے ہیں

گاؤں والے اکثر مسائل سے جاہل ہوتے ہیں۔ اور اندھا بوجہ معذور ہونے کے اکثر پاکی ناپاکی میں احتیاط بہت کم کر سکتا ہے۔ اور تحصیل علم دین سے بھی معذور رہ جاتا ہے لہذا اگر یہ لوگ اعلم القوم ہوں یعنی سب میں زیادہ جاننے والے مسائل دینیہ کے تو پھر بوجہ رفع ہو جانے علت کراہت ان کی امامت بہ نسبت اوروں کے اولی ہوگی۔ ☆ مگر فاسق کی امامت چونکہ مکروہ تحریمی اور علت کراہت اس کی بے پرواہی ہے امور دینیہ سے بوجہ فاسق ہونے ☆ یعنی داڑھی منڈوانے یا ایک مشمت داڑھی نہ رکھنے اور کتروانے کے علی ہذا القیاس تحریر فرما دیا کہ مکروہ تنزیہی ہونا اعلم القوم ہونے کے اس کی امامت کا اولی ہو جانا مخصوص ہے فقط ان لوگوں کے ساتھ جو فاسق نہ ہوں۔ ☆ ورنہ فاسق تو اگر اعلم بھی ہو جب بھی اس کی امامت مطلقاً مکروہ رہے گی یعنی مکروہ تحریمی نہ کہ مکروہ تنزیہی۔

چنانچہ صفحہ ۳۷۶ شامی مطبوعہ دہلی میں علامہ شامی رحمہ اللہ ماتحت قولہ غیر الفاسق کے تحریر فرماتے ہیں۔

ولعل وجه ان تنفیر الجماعة بتقدیمہ یزول اذا كان افضل من غیرہ بل التنفیر یكون فی تقدیم غیرہ و اما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمہ بانہ لا یهتم لا مردینہ و بان فی تقدیمہ للامامة تعظیمہ و قد وجب علیہم اہانتہ شرعا و لا یخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لا تزول العلة فانہ لا یؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارة فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بكل حال بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمہ کراهة تحریم لما ذکرنا قال و للذالم تجز الصلوة خلفہ اصلا عند مالک و روایة عن احمد فلذا حاول الشارح فی عبارة المصنف دخول الاستثناء علی غیر الفاسق و اللہ اعلم۔

(رد المحتار جلد اول صفحہ ۵۶۰ مطبوعہ مصر)

(ترجمہ: یہ جو صاحب در مختار تحریر فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اعلم القوم ہوں تو پھر فاسق کے علاوہ ان کی امامت مکروہ نہ رہے گی بلکہ اولی ہوگی غالباً اس کی یہی وجہ ہے کہ جب وہ لوگ عالم ہوں گے لوگ ان سے نفرت نہ

کریں گے مگر فاسق اگر عالم بھی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے اس واسطے کہ جب وہ دین سے بے پرواہ ہے تو خوف ہے کہ بے وضو ہی نماز پڑھا دے لہذا مثل بدعتی کی امامت کے ہر حال میں اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ خواہ وہ عالم ہو یا جاہل۔ بلکہ شرح مدیہ میں اس کے واسطے نص کر دی کہ امامتِ فاسق مکروہ تحریمہ ہے۔ اور اسی قصد سے صاحب درمختار شارح تنویر نے استثناء کو کلامِ ماتن میں غیر فاسق پر محمول کر کے ظاہر کر دیا کہ صاحب تنویر کے نزدیک بھی فاسق کی امامت مکروہ تحریمہ ہے۔ اور اوروں کی مکروہ تنزیہی)

ہاں البتہ اگر ایسا امام فاسق ہو کہ اس کو دور نہ کر سکیں اور کسی دوسری جگہ بھی نماز باجماعت صالح امام کے پیچھے نہ مل سکے تو ترکِ جماعت سے فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لینا بہتر ہے۔ اور ترکِ جماعت کا گناہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لینے سے زائد ہے۔ اسی واسطے جب باجماعت نماز بجز اقتداءِ امام فاسق کے کہیں میسر نہ آئے بالاتفاق سب تحریر فرماتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے مگر چونکہ بالاتفاق جائز مع الکراہتہ ہے ☆ جمہور فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ اس نماز کو دوبارہ پھیر لیا جائے۔ ☆ اور جو شخص دوبارہ نہ پھیرے گا فاسق اور گنہگار ہوگا۔

چنانچہ صفحہ ۳۰۶ درمختار مطبوعہ مطبع دہلی علی ہاشم ردالمحتار میں مطلب واجبات الصلوٰۃ میں ہے:

و لها واجبات لا تفسد بتركها و تعاد و جوبا في العمد و السهو ان لم يسجد له و ان لم يعدها يكون فاسقا الما. و كذا حکم كل صلوة ادبت مع كراهة التحريم تجب اعاتها

(ترجمہ: نماز کے کچھ واجبات ہیں جن کے ترک کر دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن ان کے جان بوجھ کر ترک کر دینے اور بھول کر چھوڑنے سے بشرطیکہ اس صورت میں سجدہ سہو نہ کیا ہو اعادہ واجب ہے۔ اگر اعادہ نہ کرے گا تو گناہگار اور فاسق ٹھہرے گا یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جسے کراہت تحریمہ کے ساتھ ادا کیا گیا ہو کہ اس کا اعادہ واجب ہے)

اور بصورتِ تنزیہی بھی نماز کا دوبارہ پھیرنا مستحب ہے صفحہ ۳۰۷ ردالمحتار میں ہے

والحق التفصیل بین کون تلک الکراہۃ کراہۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہۃ

فتستحب۔<sup>۱</sup>

(ترجمہ: حق یہ ہے کہ اس کراہت میں تفصیل ہے اگر وہ کراہت تحریمی ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے اور اگر کراہت تنزیہی ہے تو اعادہ مستحب ہے)

البتہ اتنا شبہ بعض عبارات کتب فقہ اور عقائد سے پیدا ہوتا ہے کہ ان میں امامتِ فاسق کو بلا قید تحریم و تنزیہ مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔ پھر بلا وجہ اس کو کراہت تحریمہ پر کیوں محمول کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں کراہت مطلقاً بلا قید تحریم و تنزیہ بیان کی جائے اس سے مراد کراہت تحریمہ ہوتی ہے اور کراہت تحریمہ کا ارتکاب حرام کے برابر ہوتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۱۴ در مختار مذکور میں ہے

کل مکروہ ای کراہۃ تحریم حرام ای کالحرām فی العقوبۃ بالنار عند محمد

رحمہ اللہ وعندہما الی الحرām اقرب۔<sup>۲</sup>

(ترجمہ: ہر مکروہ یعنی مکروہ تحریمی حرام ہے یعنی دوزخ میں عذاب کے اعتبار سے حرام کی مانند ہے یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے ہاں حرام کے زیادہ قریب ہے)

قال الشارح

قوله کراہۃ تحریم و ہی المراد عند الاطلاق کما فی الشرح۔<sup>۳</sup>

(ترجمہ: قولہ: کراہت تحریمی کے ساتھ مکروہ۔ جب لفظ مکروہ مطلق ہو تو اس سے مراد یہی مکروہ ہوتا ہے)

علاوہ بریں جن فقہانے تصریح کراہت تحریمہ کی کر دی ہے وہ مفسر ہے ان روایات کی جن میں کراہت

۱	رد المحتار:	جلد اول، صفحہ ۳۳۷	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۲	الدر المختار مع رد المحتار:	جلد ۹، صفحہ ۴۰۹	مطبوعہ دار التراث العربی بیروت
۳	رد المحتار:	جلد اول، صفحہ ۴۰۹	مطبوعہ دار التراث العربی بیروت



مطلقہ ہے جس کا ذکر بحوالہ شرح منیہ عبارت مذکورہ رد المحتار میں گزر چکا۔ لہذا زید فتویٰ دہندہ بھی بوجہ تعظیم و ترویج اہل فسق فاسق ہو گیا اور زید اگر ایسے لوگوں کے پیچھے گاہے گاہے نماز پڑھ لیتا ہے تو مرتکب گناہِ صغیرہ ہے۔ اور اگر ایسے فاسقوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اوروں کو ترغیب دیتا ہے اور خود بھی بلا ضرورت ہمیشہ پڑھتا ہے تو اس کی عدالت بھی ساقط ہو جائے گی اور روایتِ ہلال تک میں اس کی شہادت غیر معتبر ہوگی چہ جائے کہ دیگر معاملات دینی میں اس کا اعتبار کیا جائے۔ صفحہ ۳۰۲ شامی میں ہے

صرح العلامة ابن نجیم فی رسالته المولفة فی بیان المعاصی بان کل مکروه

تحريم من الصغائر و صرح ايضا بانهم شرطوا لاسقاط العدالة بالصغيرة الايمان عليها

(ترجمہ: علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے گناہوں کے بیان میں تالیف فرمودہ اپنے رسالہ میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ ہر مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہِ صغیرہ ہے۔ نیز علماء نے صغیرہ گناہ کے ارتکاب کے باعث عدالت کے اسقاط کے لیے اس پر مداومت کو شرط قرار دیا ہے) واللہ اعلم و علمہ احکم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....49﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

- 1- ایک شخص نے جان بوجھ کے قصداً بسبب دنیاوی رنجش کے فعلِ حلال کو حرام کر دیا۔
  - 2- غیر مقلدوں کو امدادی۔
  - 3- شرعی معاملہ میں کھلف جھوٹی شہادت دے
  - 4- چار مسلمان اہل سنت و جماعت سے شرعی فعلِ حلال کو حق اور سچا تسلیم کر کے منحرف ہو گیا۔
- اور یہ شخص پیش امام ہے۔ ایسے شخص کے واسطے شرع شریف نے کیا حکم دیا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب تحریر کریں اور اپنی مہر ثبت کریں۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے۔ لہذا ایسے شخص کا امام بنانا قطعاً ناجائز ہے اور موجب گناہ ہے۔ اس واسطے کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ کبیری میں ہے۔

ولو انهم قدموا فاسقاً یا ثمناً بناءً علی ان کراهة تقدیمہ کراهة تحریم لعدم

اعتنائه بأمور دینہ ما

(ترجمہ: اگر لوگوں نے کسی فاسق کو امامت کے لیے آگے کر دیا تو وہ گناہ گار ہوں گے۔ کیونکہ اسے امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دین کے معاملات میں توجہ نہیں دیتا)

.....  
 اور اگر حرامِ قطعی کو حلال یا حلالِ قطعی کو اس نے حرام کر دیا ہے تو اس سے توبہ کرا کر اس کی بیوی سے  
 اس کا دوبارہ نکاح پڑھا دینا ضروری ہے۔ ☆ اس واسطے کہ حرامِ قطعی کو حلال اور حلالِ قطعی کو حرام کہہ دینے  
 سے کافر ہو جاتا ہے۔

کافی شرح العقائد:

والاستحلال کفر ما

(ترجمہ: حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے)

حورہ:

محمد دیدار علی حنفی، مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....50﴾

## سوال

شریعت کے مطابق بیان فرمائیں کہ کوئی شخص صبح کی نماز ہمیشہ قضا پڑھتا ہو فرضوں کے بعد والے نفل بھی نہ پڑھتا ہو آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز کسی وقت کی ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

نماز صبح بلا عذر شرعی ہمیشہ قضاء پڑھنا فسق ہے بلکہ صبح اور عشاء کی نماز کی بہ نسبت تو صریح حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ یہ دونوں نماز پڑھنا منافقوں پر بہت ہی بھاری ہے اور یہ اس وقت ارشاد فرمایا جب بعض اشخاص کو بعد نماز صبح جماعت میں نہ پایا چنانچہ صفحہ ۹۲ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

☆ عن ابی ابن کعب قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ یوما الصبح فلما سلم قال اشاهد فلان قالوا لا قال اشاهد فلان قالوا لا قال ان هاتین الصلوتین اقل الصلوات علی المنافقین (۱)

☆ (ترجمہ: حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نماز صبح پڑھائی جب سلام پھیرا فرمایا کیا فلاں موجود ہے صحابہ نے عرض کیا نہیں فرمایا کیا فلاں موجود ہے صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں فرمایا یہ دو نمازیں منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہیں) اور صفحہ ۹۷ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن سلیمان نامی صحابی کو جو ہمیشہ شب بیدار مشغول عبادت پروردگار رہتے تھے۔ صبح کی نماز میں بوجہ مکان شب بیداری حاضر نہ پایا بے چین ہو گئے اور فرمایا کہ اگر وہ واقف ہوتے

(۱) مشکوٰۃ المصابیح مع شرح مرآة المناجیح، جلد اول صفحہ ۱۷۲ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور

اس فضیلت جماعت صبح سے جس کو میں جانتا ہوں تو رات بھر سوتے مگر صبح کی نماز باجماعت قضا نہ کرتے (۱)  
اور تیسری حدیث مسلم شریف میں وارد ہے کہ جو سوتا رہ جاتا ہے اور نماز کو نہیں اٹھتا۔ اس کے دونوں

کانوں میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے (۲)

☆ پھر ایسے شخص کے جو ہمیشہ نماز صبح قضا کر کے پڑھتا ہو فاسق ہونے میں کیا کلام ہے۔ لہذا جب تک وہ توبہ نہ کر لے اور صبح کی نماز مثل دیگر نمازوں کے جماعت سے پڑھنا شروع نہ کر دے ہرگز اس کو امام بنانا جائز نہیں ☆ اور اس کو امام بنا ہی دیا گیا تو جماعت کا ثواب مل جاوے گا مگر اس نماز کا دوبارہ پھیرنا بوجہ مکروہ ہو جانے نماز کے بلاشبہ واجب ہے کما ہومن الشامی وغنیۃ المستملی وغیر ہما من کتب الفقہ فقط

(۱) مشکوٰۃ المصابیح مع شرح مرآة المناجیح، جلد اول صفحہ ۷۹ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور

نوٹ: حدیث پاک کے الفاظ یوں ہیں

☆ عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ قال إن عمر بن الخطاب فقد سلیمان بن ابی حثمۃ فی صلوة الصبح وإن عمر غدا إلى السوق ومسکن سلیمان بین المسجد والسوق فمر علی الشفا ام سلیمان فقال لها لم أر سلیمان فی الصبح فقالت إنه بات یصلی فغلبته عیناه فقال عمر لأن أشهد صلوة الصبح فی جماعۃ أحب إلى من أن أقوم لیلۃ. رواہ مالک. مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۹۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

(ترجمہ: حضرت ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو نماز صبح میں نہ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صبح کے وقت بازار گئے۔ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا آپ رضی اللہ عنہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام شقار رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے انہیں کہا میں نے سلیمان کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا وہ عرض کرنے لگیں اس نے ساری رات نماز (نفل) ادا کرتے گزار دی تو (صبح کے وقت) ان کی آنکھ لگ گئی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے صبح کی نماز کے وقت جماعت میں حاضر ہونا رات بھر کے قیام سے زیادہ پسندیدہ ہے اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے)

(۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۳۲۱ کتاب ۱۹ باب ۱۳

نوٹ: حدیث پاک کے اصل الفاظ یوں ہیں۔

ذکر عند النبی ﷺ رجل فقيل ما زال نائما حتى اصبح ما قام إلى الصلاة فقال بال الشيطان في إذنه

اور دیگر نفل کو بے وقعت سمجھ کر کسی وقت بھی نہیں پڑھتا یا نفل جو سنت رسول اللہ ﷺ ہے اس کو ہلکا اور بے وقعت سمجھ کر نہیں پڑھتا ہے تو خوف کفر ہے۔ اس واسطے کہ چھوٹی سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی ہلکا سمجھنا کفر ہے:

چنانچہ بحر الرائق میں

من تخفف سنة من سنن المرسلين فقد كفر (۱).

☆ (ترجمہ: جس شخص نے انبیائے کرام علیہم السلام کی سنتوں میں سے کسی سنت کو ہلکا جانا وہ کافر ہو گیا) اور صفحہ ۲۹ خاتمہ مسامرہ میں ہے

قد حکموا بالكفر بالمواظبة على ترك السنة استخفافا بها (۲)

(ترجمہ: علمائے کرام نے سنت کو ہلکا جان کر ہمیشہ ترک کرنے پر کفر کا حکم عائد فرمایا ہے) فقط

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد



(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق جلد ۵، صفحہ ۱۳۰، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت

زیر نظر نسخہ میں الفاظ یوں ہیں (ویکفر) باستخفافہ بسنة من السنن

(۲) المسامرہ صفحہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....51﴾

## سوال

جناب مفتی صاحب السلام علیکم !

عرض یہ ہے کہ سود خور اور سود دینے والے اور تعزیر میں چندہ دینے والے کے پیچھے جماعت ہو سکتی

ہے یا نہیں۔

بینواتوجروا

۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم رب زدنی علما

☆ ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے کما فی الہدایہ

ویکره العبد لاله لا يتفرغ للتعليم والأعرابی لأن الغالب فيهم الجاهل والفاسق

لانه لا يهتم لا مردينه (۱)

(ترجمہ: غلام کو امام بنانا مکروہ ہے کیوں کہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس کو فراغت نہیں ہوتی۔ دیہاتی کو بھی

امام بنانا مکروہ ہے کیوں کہ ان میں زیادہ تر جہالت ہوتی ہے۔ اسی طرح فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے کیوں کہ وہ

اپنے دین کے معاملہ کا اہتمام نہیں کرتا)

وفی الشرح الوقایة:

فان ام عبد او اعرابی او فاسق او اعجمی او مبتدع او ولد الزنا کره (۲)

(۱) الہدایہ، جلد اول جزء ۱ صفحہ ۳۶۳، ۳۶۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی۔

(۲) شرح الوقایة، جلد اول صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

(ترجمہ: اگر غلام یا بدوی یا فاسق یا بدعتی یا ولد الزنا نے امامت کرائی تو وہ مکروہ ہے)

و فی صفحہ ۲۷۹ من الکبیری :

لو قدموا فاسقا یا ثمونا بناء علی ان کراهة تقدیمہ کراهة تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ و تساہلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوة و فعل ما ینافیہا بل هو الغالب بالنظر الی فسقہ و لذا لم تجز الصلوة خلفہ اصلا عند مالک رحمہ اللہ و روایة عن أحمد إلا أنه جوزناہا مع الکراهة لقوله علیہ الصلوة والسلام صلوا خلف کل بر وفاجر (۱)

(ترجمہ: اگر لوگوں نے کسی فاسق کو امام بنا لیا تو وہ گنہگار ہوں گے اس لیے کہ اس کو امام بنا کر آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ وہ اپنے دینی امور میں توجہ نہیں دیتا اور اس کے لوازمات کو ادا کرنے میں سستی کرتا ہے تو اس سے کوئی بعید نہیں کہ نماز کی بعض شرطوں میں خلل ڈال دے اور ایسے کام کرے جو اس کے منافی ہوں اس کے فسق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی گمان غالب ہے لہذا امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے پیچھے نماز اصلا جائز نہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے لیکن ہم نے کراہت کے ساتھ اس کی امامت کو جائز رکھا ہے کیوں کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز ادا کرو)

☆ علاوہ بریں تعزیہ میں چندہ دینے والا اگر ثواب سمجھ کر چندہ دیتا ہے بدعتی ہے اور بدعتی کا امام بنانا سخت تر مکروہ ہے سو اس واسطے کہ بدعت محل فسق و فجور سے بہت ہی بدتر ہے کما فی الکبیری

یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد و هو اشد من الفسق من حیث

العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق و ینحاف لیستغفر بخلاف المبتدع (۲)

- (۱) i غنیة المستملی شرح منیة المصلی صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ دیوبند  
ii غنیة المستملی شرح منیة المصلی صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔
- (۲) i غنیة المستملی شرح منیة المصلی صفحہ ۲۷۹ مطبوعہ دیوبند  
ii غنیة المستملی شرح منیة المصلی صفحہ ۵۱۳، ۵۱۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور۔



(ترجمہ: بدعتی کو امامت کے لیے آگے کھڑنا کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقاد کے اعتبار سے فاسق ہے اور یہ عمل کے اعتبار سے فسق سے زیادہ سخت ہے کیونکہ عمل کے لحاظ سے فاسق اپنے فاسق ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ استغفار کرے جب کہ بدعتی کا حال اس کے خلاف ہے)

اور در مختار مطبوعہ مصر فی صفحہ ۲۳۷ جلد اول میں ہے

كل صلوة ادیت مع کراهة التحريم تجب اعادةها والمختار انه جابر للاول لان  
الفرض لا يتكرر (۱)

(ترجمہ: ہر نماز جسے کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کیا جائے اس کا اعادہ واجب ہے اور مختار یہ ہے کہ دوبارہ پڑھی گئی نماز پہلی کے نقصان کا ازالہ کرتی ہے کیوں کہ فرض نماز کا تکرار نہیں)

یعنی جو نماز کراہت تحریمیہ کے ساتھ ادا کی جاوے اس کا پھیرنا واجب ہے چنانچہ شامی کے اسی صفحہ  
مذکورہ رہنما میں ہے:

والحق التفصیل بین کون تلک الکراهة تحریمة فیجب الاعادة او تنریہة

فتستحب (۲)

(ترجمہ: حق یہ ہے کہ اس بارے میں تفصیل ہے اگر کراہت تحریمی ہے تو اعادہ واجب ہے اور اگر تنزیہی ہے  
تو مستحب۔)

فقط: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

۲۸ جمادی الاول ۱۹۳۵ء



(۱) الدر المختار مع رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(۲) رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....52﴾

### سوال

میں نے مسل متعلقہ آغا فرید صاحب کو حسب الارشاد ڈپٹی صاحب سلمہ من اولہ الی آخرہ دیکھا۔ رویدادِ مسلسل سے ظاہر ہے کہ عہدِ عدالت مہد حضرت سلطان عالم گیر غازی رحمۃ اللہ علیہ میں بعوض خدمتِ خطابت و امامت عید گاہ حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم کا ایک روپیہ روز مقرر ہوا تھا اور پھر وہ وظیفہ کچھ کمی کے ساتھ ان کی اولاد میں مرزا حیدر صاحب تک منتقل ہوتا ہوا چلا آیا اور بدستور اب تک ان کو اور ان کی اولاد کو بلا لحاظ ادائے خدمت مذکور ملتا رہا اور مل رہا ہے اور بوجہ جاہل رہ جانے اولاد حافظ عبداللطیف صاحب مرحوم اور باوصف تنبیہات مکررہ نہ کوشش کرنے مرزا حیدر صاحب ان کے صاحبزادہ آغا فرید صاحب تحصیل علوم ضروریہ دینی میں اور ناخوش ہونے نمازیوں کے جن میں علماء بھی ہوتے ہیں ان کو خطابت اور امامت یعنی خدمتِ خطابت و امامت سے باوصف جاری رکھنے وظیفہ معینہ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر جب ان کی درخواست امامت و خطابت پر مولانا رمضان صاحب مرحوم کو حکم امتحان دیا گیا اور حسب درخواست مرزا صاحب موصوف مرزا صاحب کو امتحان دینے کے بھی آٹھ سات دن کی مہلت بھی دی گئی۔ مگر بایں ہمہ بعد امتحان مرزا صاحب مواجہہ مولانا سعادت اللہ صاحب و امام صاحب مد اللہ ظلہا مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

”کچھ مسائل دریافت کیے تھے جن میں سے فرائض و واجبات پورے نہیں بیان کیے ترکیب نماز عید

بھی کامل نہیں بتائی قرآن مجید کی صحت قراءت بھی قابل اطمینان نہیں مخارج سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں“

اندریں صورت حکم مورخہ ۷ نومبر ۱۷۷۱ ڈپٹی صاحب سلمہ اللہ عن جمیع آفات الدینیہ والدنیویہ کا یہ معلوم

ہوتا ہے کہ مجھ سے فتویٰ اس امر کے بارے میں مطلوب ہے کہ ایسے خطیب کی امامت و خطابت جائز ہے یا

نہیں؟

## الجواب

صفحہ ۴۱۳ درمختار میں ہے۔

و لو ام قوما و ہم له کارهون ان الکراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه کره  
له ذلك تحريما لحديث ابى داؤد ☆ ولا يقبل الله صلوة من تقدم قوما و هم له کارهون. و  
ان هو احق لا و الکراهة عليهم ما

(ترجمہ: اگر کسی نے ایسے لوگوں کی امامت کرائی جو اسے ناپسند کرتے ہیں، اگر ان لوگوں کی ناپسندیدگی اس میں  
کسی بگاڑ کے باعث ہے یا اس لیے ہے کہ وہ خود اس سے امامت کے زیادہ مستحق ہیں تو اس کے لیے امام بننا  
مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو ان لوگوں  
کے آگے ہو کر امامت کرائے جو اسے ناپسند کرتے ہوں۔ اور اگر وہ خود امامت کا زیادہ مستحق ہے تو کراہت نہیں  
پھر ان کی کراہت ان پر لوٹ جائے گی)

قال الشامی رحمة الله

قوله لحديث هكذا رواه في النهر بالمعنى و عزاه الى الحلبي صاحب الحلية مع

انه في الحلية ذكره مطولا و نقله في البحر عنهما

(ترجمہ: قولہ: حدیث کی وجہ سے، النہر میں ہے اسی طرح بالمعنی روایت ہے۔ علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے  
صاحب حلیہ کی طرف منسوب فرمایا ہے حالانکہ حلیہ میں یہ طوالت کے ساتھ ہے اور البحر میں اسی سے نقل فرمایا  
ہے)

یعنی اگر کوئی شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ لوگ اس کی امامت سے کراہت کریں اگر ان کی

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۲۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۲۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کراہت بوجہ کسی فسادِ دینی کے ہو یا اس وجہ سے ہو کہ وہ بہ نسبت اس کے امامت کے زیادہ حق دار ہیں تو اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمہ ہے اس واسطے کہ ابوداؤد میں ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نہیں قبول کرتا نماز اس شخص کی جو کسی قوم کا امام بن جائے اور وہ لوگ اس سے کراہت کرتے ہوں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

یہی مضمون نہر میں ہے اور ایسا ہی حلیہ میں ہے اور صاحب حلیہ، حلی کی طرف اس روایت کو نسبت کرتے ہیں اور ایسا ہی البحر الرائق میں۔

اور صورتِ مسئلہ میں ظاہر ہے کہ کراہت لوگوں کی شخص مذکور کی امامت و خطابت میں بوجہ فسادِ دینی کے ہے (جس کا شرعاً اعتبار ہے) نہ کہ نفسانیت سے کہ جو ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ یا اس وجہ سے ہے کہ بہ نسبت شخص مذکور زیادہ حق دار امامت و خطابت باعتبار علم و فضل کے جماعت میں موجود ہوتے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے ان کو ان کے عہدہ سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ فقط

حورہ: العبد المقتدر الی رحمۃ ربہ الغنی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد

۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....53﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ بیس بائیس سال سے ایک شخص مسجد لال کرتی میں امامت کرتا تھا۔ چونکہ عرصہ چار سال سے اس کی حرکات ناشائستہ مثل قمار بازی وغیرہ کے متواتر اس کی دیکھنے میں آئیں۔ لہذا اس کو چند مرتبہ اس فعلِ قبیح سے متنبہ بھی کیا گیا۔ لیکن باوجود فہمائشِ کامل کے وہ حرکات ناشائستہ سے باز نہ آیا۔ اور چند مرتبہ معافی تقصیرات کی دی گئی۔ اب اس امام کو اہل محلہ نے عرصہ ایک ماہ سے مسجد سے علیحدہ کر دیا۔ اس نے چند آدمیوں کو اپنا مشیر بنا کر احاطہ مسجد سے باہر لوگوں کو علیحدہ نماز پڑھانا شروع کر دیا۔ جس وقت مسجد کے اندر جمعہ کا خطبہ اور اذان نماز ہوتی ہے اس وقت وہ دوسرا امام بھی مسجد کے باہر یہی کام کرتا ہے اور مسجد کی آواز باہر اور باہر کی آواز اندرون مسجد آتی ہے اس صورت میں مسجد کے اندر اور باہر نماز ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا

سائل: حافظ رحمت اللہ۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

هو أعلم للحق والصواب

ایسا امام شرعاً لائق امامت نہیں تمام کتب میں ہے۔

تکرہ امامة الفاسق ما۔

(ترجمہ: فاسق کی امامت مکروہ ہے)

ما قدوری مع شرح اللباب جلد اول صفحہ ۹۰ مطبوعہ بیروت میں ہے:

ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق

(ترجمہ: غلام بدوی اور فاسق کو امامت کے لیے آگے کرنا مکروہ ہے)

☆ اور جن لوگوں نے اُس کی اعانت کی ہے اور ایک نئی جماعت مسجد سے علیحدہ قریب مسجد قائم کی ہے وہ سب گنہگار ہیں اور تعزیر کے لائق ہیں قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلِيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾

(یعنی جنہوں نے ایک نئی مسجد ضد اور کفر پر بنائی اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے واسطے اور جو خدا اور رسول سے لڑ رہا ہے یعنی بدکار ہے اس کی تھاگی (سراغ رساں) بننے اور قسم کھائی جائے گی کہ یہ کام ہم نے اچھا سمجھ کر کیا تھا۔ پس اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں) ان لوگوں کو توبہ کرنا چاہئے اور خدا کے عذاب اور حکم شریعت کے خلاف کرنے سے بچیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو مسجد کے برابر دوسری جماعت نہ کرنے دیں۔ مسجد والوں کی نماز میں کچھ نقصان نہیں۔ فقط

والله اعلم بالصواب وعندہ علم الكتاب.

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

۲۵ دسمبر ۱۹۱۵ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....54﴾

## سوال

اقتداء حنفی کی مالکی مذہب کے پیچھے جو آمین بالجہر نہ کرتا ہو جائز ہے؟ اور جمعہ کے سوا اور وقت نماز میں جماعت کا عادی نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

سائل: سلامت علی متولی مسجد فتح آباد ضلع آگرہ

یکم جولائی ۱۹۱۶ء

## الجواب

## هو الصواب

اقتداء مالکی مذہب کے پیچھے درست ہے جب تک کسی مختلف فیہ مسئلہ پر احتیاط کرتا ہو۔ کذا فی الشامی  
 ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا ما  
 (ترجمہ: ہمارے عام مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ حنفی مذہب نہ رکھنے والے امام کی اقتداء جائز ہے جب کہ  
 اختلاف کے مواقع میں احتیاط کرتا ہو ورنہ جائز نہیں ہے)  
 ☆ جو شخص بلا وجہ ترک جماعت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

لو ترکھا اهل مصر یومرون بها فان قبلوا والا یقاتلون علیها لانها من شعائر الاسلام۔ فقط  
 ☆ (ترجمہ: اگر کسی شہر والوں نے اسے (نماز باجماعت کو) ترک کر دیا تو ان کو اس کا حکم دیا جائے گا۔ اگر قبول  
 کریں تو فہما۔ ورنہ اس وجہ سے ان سے جنگ کی جائے گی، کیونکہ یہ اسلام کے شعائر سے ہے) واللہ اعلم  
 وحکمہ احکم۔

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ

رد المحتار:	جلد اول صفحہ ۵۶۳	مطبوعہ مصر
الاختیار لتعلیل المختار	جلد اول صفحہ ۸۰	مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....55﴾

### سوال

پیش امام حنفی مذہب کا اگر شافعی مذہب کے طریقہ پر نماز فجر میں دعائے قنوت اور دیگر دعائیں پڑھے تو مقتدیوں کی نماز جائز ہوگی یا نہیں۔ اسی حالت میں جبکہ وہ امام دعائے قنوت پڑھنے میں مشغول اور دعا کرنے میں مصروف ہو بعض مقتدی رکوع میں اور بعض سجود میں ہوتے ہیں اور پریشان۔ ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟۔

### الجواب

اگر امام شافعی المذہب ہے اور تمام مقتدی یا اکثر حنفی اور حنفیوں میں قابلِ امامت دوسرا شخص موجود بھی ہے بلاشبہ حنفیوں کا شافعی کو امام بنانا بہتر نہیں۔ افضل یہی ہے کہ حنفی اپنا امام حنفی ہی کو بنائیں۔ اور اگر حنفیوں میں کوئی قابلِ امامت نہیں ہے ☆ اور امام شافعی جو امور حنفیوں کے نزدیک مفسد نماز ہیں اور اس کے نزدیک مفسد نہیں ہیں جیسے چوتھائی سر کا مسح کرنا یا خون بہہ نکلنے اور قے سے وضو نہ کرنا اور نماز میں ایک رکن کے اندر تین حرکت کرنا وغیرہ کہ ان سب صورت میں مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی ☆ اور اگر وہ ایسے امور میں حنفیوں کی رعایت سے قے اور خون سے وضو کر لیا کرے چوتھائی سر کا مسح ترک نہ کرے۔ علیٰ ہذا جمیع مفسدات عند الحنفیہ سے محترز رہے، تنہا پڑھنے سے اس کے ساتھ بشرکت جماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

کما فی صفحہ ۷۱ من رد المحتار المصری

لا جدال بعد اتفاق عالمی المذہبین و ہما رملی الحنفیہ و رملی الشافعیہ  
رحمہما اللہ تعالیٰ فحصل ان الاقتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض افضل من الانفراد  
اذا لم یجد غیرہ والا فالاقتداء بالموافق افضل۔ ما

☆ (ترجمہ: حنفی اور شافعی ہر دو مذاہب کے دونوں عالموں یعنی علامہ رملی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس امر پر اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا باقی نہ رہا کہ مذہب مخالف کا امام جو فرائض میں مقتدی کے



.....  
 مذہب کی رعایت کرتا ہو اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنا، اکیلے نماز پڑھنے سے بہتر ہے جب کہ اس امام کے بغیر کوئی اور امام میسر نہ آئے ورنہ موافق مذہب کے امام کی افضل ہے)

☆ اور اگر وہ غیر مقلد ہے یعنی باوصف خفی ہونے کے وہ امور (جو) خفیوں کے نزدیک مکروہ ہیں جیسے بلا ضرورت نازلہ اور وقوع مصیبت سخت کے اغیار سے جماعت اہل اسلام پر قنوت صبح کا پڑھنا، رفع یدین کرنا، آمین بالجہر کہنا، کبھی ایک بال کا مسح کرنا، کبھی سارے سر کا مسح کرنا، کبھی مس ذکر سے وضو کرنا، کبھی نہ کرنا، ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں۔ ☆ اس واسطے کہ وہ بوجہ مخالفت جمہور اہل سنت اور ترک تقلید، فاسق اور بدعتی ہے۔ اور بدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا پھیرنا واجب ہوتا ہے۔

کما فی صفحہ ۴۷۹ من الکبری

ویکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد و هو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق و ینحاف و یتستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف یعتقدہ اهل السنة والجماعة۔  
 (ترجمہ: امامت کے لیے بدعتی کو آگے کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقاد کے لحاظ سے فاسق ہوتا ہے یہ عمل کے اعتبار سے فاسق سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ عملی فاسق اعتراف کرتا ہے کہ وہ فاسق ہے۔ وہ خوف زدہ ہوتا ہے اور استغفار کرتا ہے۔ جب کہ بدعتی اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بدعتی سے مراد ایسا شخص ہے جو کسی چیز کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھے جو عقائد اہل سنت و جماعت کے خلاف ہو)

اور غیر مقلدین کا مخالف عقائد اہل سنت و الجماعت مقلدین مذہب اربعہ ظاہر ہی ہے اور اگر ان کے عقائد کی زیادہ ضرورت منظور ہو "جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد" اور "کشف العجاب" مولانا القاری عبدالرحمن پانی پت ملاحظہ ہو۔

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد

﴿فتویٰ نمبر.....56﴾

سوال

جس شخص نے رمضان کا روزہ قضا نہیں رکھا کیا وہ جمعہ کی امامت کر سکتا ہے؟ اور وہ عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ مقتدی روزہ دار اور باشرع ہیں۔

۲۰ رمضان ۱۴۳۶ھ

دفتر محمد شاہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

بغیر مرض اور سفر کے رمضان کے روزہ قضا ترک کرنے والا علیٰ ہذا ایک دو وقت قضا نماز نہ پڑھنے والا یا ہمیشہ قضا کر کے نماز پڑھنے والا فاسق ہے۔ ☆ اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔ اگر پڑھ لی جائے تو دو بارہ دہرانا واجب ہے۔ ہکذا فی الشامی والکبیری و جمیع الفقہ

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر 57﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں جو ذیل میں لکھے ہیں۔ جو شخص امانت میں خیانت کرے۔ جو شخص کبھی نماز پڑھے کبھی نماز نہ پڑھے۔ جو شخص خدا و رسول کو درمیان میں دے کر کسی کا مال مار بیٹھے۔ جو شخص لڑکا لڑکی پر منت مان کر بکرا بکری ذبح کرے۔ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نادرست؟ جواب دیجئے خدا اجر دے گا۔

وزیر خان بلوچ پورہ آگرہ

۲۰ شعبان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

ان میں سے اکثر امور فسق و فجور ہیں اور مرتکب ان کا فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔ جس کا دوبارہ پھیرنا واجب ہے۔ لہذا جب تک دوسرے امام کے پیچھے جو فاسق نہ ہو نماز باجماعت ممکن ہو اور جماعت مل سکے فاسق کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ شرح عبارت در مختار و یکرہ امامہ فاسق الخ میں علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

وفی المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لانه فی

غیرہا یجد اماما غیرہ قال فی الفتح و علیہ فیکرہ فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی

المصر علی قول محمد المفتی بہ لانه بسبیل الی التحول۔

(ترجمہ: معراج میں ہمارے علمائے کرام نے فرمایا جمعہ کے علاوہ کسی اور نماز میں فاسق کی اقتداء نہ کرنی چاہئے)

.....  
 کیوں کہ جمعہ کے علاوہ اور نمازوں میں اس کے بغیر اور امام پاسکتا ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا اس صورت میں اگر جمعہ شہر میں متعدد مقامات پر قائم ہوتا ہو تو پھر فاسق امام کی اقتداء مکروہ ہے۔ یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مفتی بہ قول ہے کیوں کہ وہ فاسق امام سے غیر فاسق امام کی طرف پھر کر جاسکتا ہے)

☆ بناء علیہ اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھ بھی لے تو واجب ہے کہ اس کو دوبارہ پھیرے۔  
 چنانچہ صفحہ ۳۳۷ در مختار مطبوعہ مع رد المختار مصری میں ہے:

کل صلوة ادیت مع کراہة التحريم تجب اعادتها

(ترجمہ: ہر وہ نماز جسے کراہت تحریمہ کے ساتھ ادا کیا گیا ہو اس کا اعادہ واجب ہے)

اور فسق و فجور ہونا امور مذکور ان آیات و احادیث معتبرہ سے ظاہر ہے۔ صفحہ ۱۷ طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر

مصنفہ برکوی رحمہ اللہ میں ہے۔

☆ عن الس رضی اللہ عنہ انہ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ انہ قال لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عہد له و تجری الامانة والخيانة فی القول ایضا (د) عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ ﷺ المستشار موتمن ومن افتی بغير علم کان الثمہ علی من افتاه ومن اشار علی اخیه بامر یعلم ان الرشذ فی غیرہ فقد خانہ قال اللہ تبارک و تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (م)  
 عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ ﷺ آية المنافق ثلاث و ان صام و صلی و زعم انہ مسلم اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا ائتمن خان (خ م) عن عمرو بن العاص اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا و من كانت فیہ خصلة منها کان فیہ خصلة من النفاق حتی یدعها اذا ائتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاهد غدر و اذا خاصم

فجر فالوعد بنية الخلف كذب عمدا حرام و اما بنية الوفاء فجازئ ثم انه لا يجب عند اكثر العلماء رحمهم بل يستحب فيكون خلفه مكروها تنزيها بدليل قوله عليه السلام اذا وعد الرجل و نوى ان يفي له فلم يفي به فلا جناح عليه و في رواية فلا اثم عليه رواه (ت.ه) عن زيد بن ارقم و عند الامام احمد و من تبعه الوفاء واجب و الخلف حرام مطلقا ففيه شبهة الخلف و آية النفاق و شان السالك الاجتناب من الخلف و الاخذ بالوفاق۔

(ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک روز ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا ”جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں وعدہ کا پاس نہیں اس کا دین نہیں“ امانت اور خیانت گفتگو میں ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے کہا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس سے مشورہ طلب کیا جائے امانت اس کے سپرد کی جاتی۔ اور جسے فتویٰ دیا گیا بغیر علم کے تو اس کے غلط فعل کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ اور اپنے بھائی کو کوئی مشورہ دینے والے جس شخص کو علم ہو کہ بھلائی اس کے علاوہ اور کام میں ہے تو یقیناً اس نے اس سے خیانت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے غضب کی بات ہے کہ تم وہ کہو جس پر خود عمل نہ کرو۔“ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزے رکھے اور نمازیں ادا کرے جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے اس کا خلاف کرتا ہے اور جب اس کو امانت سپرد کی جائے خیانت کرتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہوتا ہے اور جس میں ان میں ایک عادت ہو اس میں نفاق کی ایک نشانی ہوتی ہے جب تک وہ اسے ترک نہ کر دے جب اسے امانت سپرد کی جائے خیانت کرتا ہے جب

بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے جب معاہدہ کرتا ہے دھوکہ دیتا ہے اور جب جھگڑا کرتا ہے حق سے تجاوز کرتا ہے۔ پس توڑ دینے کی نیت سے وعدہ کرنا جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور حرام ہے۔ لیکن ایفا کی نیت سے وعدہ کرنا جائز ہے۔ پھر اکثر علماء کے نزدیک اس کا ایفاء مستحب ہے لہذا اس کا خلاف مکروہ تنزیہی ہے۔ اس کی دلیل نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے جب کوئی شخص وعدہ کرے نیت اس کی پورا کرنے کی ہو پھر وہ پورا نہ کرے تو اس کے ذمہ کوئی معصیت نہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اسے امام ترمذی اور امام بن ماجہ رحمہ اللہ علیہما نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ اور ان کے اتباع کے نزدیک وعدہ کا پورا کرنا واجب ہے اور اس کا خلاف مطلقاً حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی میں ائمہ کے درمیان اختلاف کا شبہ ہے اور یہ منافق کی نشانی بھی ہے اور سالک کی شان اختلاف سے بچنا اور اتقائی امور پر کاربند ہونا ہے)

اور صفحہ ۵۸، ۵۹ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مجتہبائی دہلی میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن عاص عن النبی ﷺ انه ذکر الصلوة یوما فقال من حافظ علیہا كانت له نورا و برہانا و نجاۃ یوم القیمة و من لم یحافظ علیہا لم یکن له نورا ولا برہانا ولا نجاۃ و کان یوم القیمة مع قارون و ہامان و ابی بن خلف رواہ احمد والدارمی و البیہقی فی شعب الایمان۔

☆ (ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے ایک دن نماز کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا جو اس کی حفاظت کرے قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور، برہان اور نجات ہوگی اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہوگا اور نہ برہان اور نہ ہی نجات۔ وہ قیامت کے دن قارون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ احمد دارمی، شعب الایمان، بیہقی)

## و فيه في صفحة ۵۸

☆ عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ خمس صلوات افترضهن الله تعالى من احسن وضوئهن و صلاهن بوقتھن و اتم ركوعھن و خشوعھن كان له على الله عهدا ان يغفر له و من لم يفعل فليس له عهد ان شاء غفر له و ان شاء عذبه رواه احمد و ابوداؤد و روى مالك و النسائي نحوه . فقط

ترجمہ: حضرت عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کیں۔ جس نے ان کے لیے اچھی طرح وضو کیا، انہیں بروقت ادا کیا، ان کے رکوع اور خشوع کو پوری طرح ادا کیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ رحمت پر اس کے لیے وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے اور جس نے ایسا نہ کیا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وعدہ نہیں اگر وہ چاہے تو معاف فرمادے اور اگر چاہے تو اسے عذاب میں مبتلا فرمادے احمد، ابوداؤد، نیز امام مالک اور امام نسائی نے اسی کی مانند روایت کیا)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....58﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک امام نے ایک عورت بدکار سے جس نے علی الاعلان حرام کاری ایک مدت تک کر کے زنا کے پیسہ سے جائیداد تقریباً پانچ ہزار کی جس کی آمدنی تقریباً پچاس یا ساٹھ روپیہ ماہوار ہے، خرید کی تھی اس کے لالچ میں آ کر نکاح کر لیا اور نکاح میں اس کے بجز مولوی دین محمد کے اور کوئی نہ تھا۔ اور وہ امام ایک مدت تک پوشیدہ اس عورت کے ساتھ رہتا تھا۔ اور اس کا حرام مال اور اس جائیداد حرام کی آمدنی کھاتا تھا۔ اور جب یہ امر ظاہر ہوا اور ایک شخص نے اشتہار چھپوا کر اس امر کے متعلق فتویٰ پوچھا تو اس نے اس فتویٰ پوچھنے کو اپنی ہتک سمجھ کر ہتک کی نالش کر دی۔ لہذا گزارش ہے کہ ایسے امام کا کیا حکم ہے۔ اور جو مولوی اس طرح نکاح کرے اجازت مال حرام دے دے یا اس طرح مال حرام کے کھانے کی تدبیر کر دے اور منع نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

### الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم رب زدنی علماً

ایسا امام فاسق ہے۔ اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔ دو بارہ پڑھنا اور پھیرنا واجب ہے۔ چنانچہ صفحہ ۴۱۴ رد المحتار میں علامہ شامی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه باله لا يهتم لامر دينه و بان في تقديمه  
للايمامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهالته شرعاً ولا يخفى انه اذا كان اعلم من غيره لا  
تزل العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال.



بل مشی فی شرح المنیة إن کراهة تقدیمہ تحریم لما ذکرنا۔

(ترجمہ: فاسق کو امامت کے لیے آگے کرنے کی کراہت کی وجہ علمائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات کی فکر نہیں کرتا نیز اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے حالانکہ شرعاً اس کی اہانت واجب ہے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اگر وہ دوسروں سے زیادہ عالم ہو تو کراہت کی یہ وجہ زائل نہیں ہوتی کیونکہ اس پر اعتماد نہیں ممکن ہے انہیں بغیر طہارت کے نماز پڑھا دے تو اس کا حکم بدعتی کی مانند ہے جس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے بلکہ منیہ کی شرح یہ روش اختیار کی کہ ایسے کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے)

پھر اگر بوجہ فسق یعنی حرام خوری یا شبہ حرام خوری یا زنا وغیرہ کے لوگ اس کی امامت سے کراہت کرتے ہیں یا اس وجہ سے کراہت کرتے ہوں کہ اس امام سے افضل دوسرا شخص قابل امامت ان میں موجود ہے اور وہ جبراً امامت کرے تو اس کو امام بننا بھی مکروہ تحریمہ ہے بلکہ بموجب ظاہر روایت معنی حدیث اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی اور جب امام کی نماز مقبول نہیں ہوتی تو مقتدی کی نماز کس طرح کامل ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ باتفاق مقتدی کی نماز جواز و عدم جواز میں تابع ہوتی ہے نماز امام کے چنانچہ صفحہ ۳۵۰ کبیری میں ہے۔

و یکرہ للامام ان یوم قوما و ہم لہ کارہون بخصلة ای بسبب خصلة توجب الکراهة اولان فیہم من ہو اولی منه بالامامة لقوله علیہ الصلوٰة و السلام ثلاث لا تجاوز صلاتہم آذانہم العبد الأبق حتی یرجع وامرأة بالت و زوجها علیہا ساخط و امام قوم و ہم لہ کارہون۔ و فی حدیث آخر ثلاثة ☆ لا تقبل لہم صلوٰة من تقدم قوما و ہم لہ کارہون الخ ۲۔

☆ (ترجمہ: امام کے لیے مکروہ ہے کہ لوگوں کی اس حالت میں امامت کرائے کہ وہ اسے کسی ایسی خصلت

کے باعث ناپسند کرتے ہوں جو کراہت کا باعث بنے۔ کیوں کہ اس صورت میں مقتدیوں میں ایسے لوگ موجود ہوں گے جو اس سے امامت کے زیادہ حقدار ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے تین اشخاص ایسے ہیں جن کی نماز ان کے کانوں سے اوپر تجاوز نہیں کرتی۔ ۱۔ بھاگا ہوا غلام جب تک واپس نہ آجائے۔ ۲۔ عورت جس نے رات گزاری اس حالت میں کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو۔ ۳۔ لوگوں کا امام جس کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تین افراد ایسے ہیں جن کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ۱۔ جو لوگوں سے آگے امامت کے لیے بڑھ گیا جب کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں الخ) ☆ اور اگر امام یا کوئی اور مولوی بلکہ جو کوئی بھی مسلمان حرام قطعی کو حلال سمجھ لے اور اس کو حلال سمجھ کر کھائے یا کھانے کی اجازت دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

کما هو مصرح من جميع كتب الفقه والعقائد.

لہذا اس امام اور مولوی پر لازم ہے کہ اس کے حلال سمجھنے اور کھانے سے توبہ کرے اور نو مسلمان ہو کر دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کرے ورنہ کافر اور مومن کے درمیان نکاح قائم نہیں رہتا۔ اور جب نکاح قائم نہیں رہا تو اولاد حلال سے نہیں ہو سکتی۔

حورہ: العبد العاصی  
ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی المفتی  
فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....59﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایسی صورت میں کہ امام کو تشابہ لگنے پر یا بھول سے قراءت سے رکا مقتدی نے لقمہ دیدیا امام نے لقمہ لے لیا آیا اس صورت میں دونوں کی نماز فاسد ہوگئی یا فقط مقتدی کی یا فقط امام کی؟ بینوا توجروا

۳ ربیع الاول ۱۳۵ھ

مولانا بخش راجہ منڈی

## الجواب

اللهم رب زدنی علما.

صورتِ مسئلہ میں نہ امام کی نماز فاسد ہوئی نہ مقتدی کی۔ مقتدی کے لقمہ دینے اور امام کے لقمہ لینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ البتہ مقتدی کو لقمہ دیتے ہوئے جلدی کر دینا اور امام کو بعد تین آیت پڑھنے کے انتظار لقمہ کرنا جائز نہیں ہے مگر اگر بلا انتظار آیت کو بغرض یاد آ جانے کے لوٹا رہا تھا اور مقتدی نے بتا دیا تو دونوں کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی۔ کچھ حرج نہیں ہے۔ کما فی الدر المختار

بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفتح و أخذ بكل حال ما  
(ترجمہ: نمازی اپنے امام کے علاوہ کسی اور نمازی کو لقمہ دے گا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی) بخلاف اس کے  
اگر اس نے اپنے امام کو لقمہ دیا تو نماز مطلقاً فاسد نہ ہوگی۔ یعنی ہر حال میں نہ لقمہ دینے والے کی اور نہ ہی قبول  
کرنے والے کی نماز فاسد ہوگی)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد دیدار محمد دیدار علی الرضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....60﴾

### سوال

جن اوقات میں نماز وسجدہ مکروہ ہے اور ان میں کس قسم کے سجدے منع ہیں اور کس قسم کی نماز؟

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۷ء

### الجواب

اوقات منہیہ میں نفل واجب فرض تینوں سجدہ مکروہ ہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے۔

ویصح اداء ما وجب فیہا ای الأوقات الثلاثة لکن مع الکراهة فی ظاہر الروایة

کجنازة اذا حضرت و سجدة آية تلبیت فیہا و نافلة شرع فیہا او نذر ان یصلی فیہا الخ۔

☆ (ترجمہ: جو نماز ان تین مکروہ اوقات میں واجب ہو جائے اس کی ادائیگی ظاہر روایت کی رو سے کراہت

کے ساتھ جائز ہے۔ مثلاً جنازہ جب ان اوقات میں آجائے آیت سجدہ کی تلاوت جو ان اوقات میں کی جائے

نفل نماز جو ان اوقات میں شروع کر دی جائے یا ان اوقات میں نماز نفل پڑھنے کی نذر مان لے)

پس علاوہ فرض نماز جنازہ وسجدہ تلاوت بھی مکروہ ہے۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے

☆ وفي البحر عن التحفة الأفضل أن یصلی علی جنازة حضرت فی تلك الاوقات ولا یوخرها بل فی

الإيضاح والتبيين التاخير مکروہ.

ترجمہ: البحر الرائق میں تحفۃ الفقہاء سے ہے کہ اگر ان اوقات میں جنازہ آجائے تو نماز جنازہ پڑھے اسے غیر مکروہ وقت تک موخر نہ

کرے۔ الايضاح والتبيين میں ہے کہ ان اوقات میں آئے ہوئے جنازہ کی نماز کو موخر کرنا مکروہ ہے۔

حاشیہ الطحاوی علی ہامش 'مراقی الفلاح' صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ نور محمد کار خانہ تجارت کتب کراچی

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....61﴾

### سوال

تجہیز و تکفین و نماز جنازہ بوقت زوال درست ہے کہ نہیں؟

۷ ارمضان ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

نکلیہ آفتاب کی نمودار ہونے سے اس وقت تک جب آفتاب کی شعاعوں سے آنکھ نہ چھپے اور غروب کے وقت سوائے اس دن کی عصر کے ☆ علیٰ ہذا نصف نہار شرعی سے یعنی صبح صادق سے غروب آفتاب تک جتنے گھنٹے دن ہو اس کے نصف دن ☆ آفتاب کے ڈھلنے سے پہلے تک نہ سجدہ تلاوت جائز نہ نماز جنازہ جائز علیٰ ہذا نہ قضا نماز جائز نہ ادا نماز جائز نہ نفل نماز جائز نہ واجب نماز جائز نہ سنت جائز۔

چنانچہ ۲۲۲ جلد اول در مختار مصری مطبوعہ مع رد المحتار میں ہے

و کرہ تحریمًا و کل ما لا یجوز مکروہ صلوة مطلقًا و لو قضاء او واجبة او نفلا او علی جنازة و سجدة تلاوة و سہو مع شروق و استواء و غروب الاعصر یومہ (التھی مختصراً)

(ترجمہ: مطلقاً ہر نماز اگرچہ وہ قضا ہو یا واجب ہو یا نفل ہو یا نماز جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو ہو)

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد اول، صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ الدر المختار جلد اول صفحہ ۲۷۵ علیٰ هامش رد المحتار میں ہے:

فلو وجبتا فیہا لم یکرہ فعلہما ای تحریمًا ولی التحفة الافضل ان لا تؤخر الجنازة.

☆ (ترجمہ: اگر سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ مکروہ اوقات میں واجب ہوئے۔ یعنی ان اوقات میں آ یہ سجدہ کی تلاوت کی یا جنازہ ان اوقات میں آ گیا تو ان کی ادائیگی ان اوقات میں مکروہ تحریمی نہیں ہے اور اکتھہ میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ نماز جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے)

سورج کی ٹکیہ چمکنے سر پر آنے اور غروب ہونے وقت سواء اس دن کی عصر کے ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے نیز وہ نمازیں جو ان اوقات میں جائز نہیں ان کا ادا کرنا بھی مکروہ ہے)

☆ پھر نصف النہار ائمہ ماوراء النہر کے نزدیک نصف النہار عرفی ہے کہ اس سے مراد ٹھیک دوپہر اور سایہ کے ٹھہرنے کا وقت ہے اور ائمہ خوارزم کے نزدیک مراد نصف النہار شرعی ہے۔

مثلاً صبح صادق چار بجے ہو اور غروب آفتاب ساڑھے سات بجے اس حساب سے دن ساڑھے پندرہ گھنٹہ کا ہو جس کا نصف پونے آٹھ گھنٹہ ہوئے۔ لہذا مشائخ خوارزم کے نزدیک پونے بارہ بجے سے زوال تک وقت کراہیت جمیع نمازوں اور سجدہ تلاوت کا ہو گا چنانچہ صفحہ ۲۰۳ جلد اول رد المحتار میں ہے۔

و عزانی القہستانی القول بان المراد انتصاف النہار العرفی الی ائمة ماوراء النہر و بان المراد انتصاف النہار الشرعی وهو الضحوة الكبرى الی الزول الی ائمة خوارزم (ترجمہ: قہستانی میں یہ قول کہ نصف النہار سے مراد عرفی دن کا نصف ہے ماوراء النہر کے علمائے کی جانب منسوب ہے اور یہ قول کہ اس سے مراد شرعی دن کا نصف ہے جو کہ ضحوی کبریٰ ہے خوارزم کے ائمہ کرام کی طرف منسوب ہے)

☆ ائمہ خوارزم اور علمائے خوارزم کی تحقیق پر فتویٰ دینے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے اور چونکہ نصف النہار عرفی کے جو سایہ گھٹ کر بڑھنے کا وقت ہے اتنا قلیل وقت ہے کہ جس میں تو نیت بھی نہیں ادا ہو سکتی بلکہ حقیقتاً ایک رکعت ادا کرنے کی بھی اس وقت میں گنجائش نہیں ہوتی اور اس کی عموماً ہر شخص تحقیق بھی نہیں کر سکتا پھر ایسے قلیل غیر معلوم وقت میں ممانعت کے کیا معنی؟ لہذا قول اہل خوارزم ہی قوی معلوم ہوتا ہے کہ مراد نصف النہار سے زوال تک حدیث ممانعت نماز میں نصف النہار شرعی ہی ہے۔ چنانچہ اسی کے صفحہ ۲۷۳ میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قد وقع في عبارات الفقهاء ان الوقت المكروه هو انتصاف النهار الى ان تزول الشمس ولا ينحفي ان زوال الشمس انما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن اداء صلاة فلعل المراد انه لا تجوز الصلوة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان او المراد بالنهار هو النهار الشرعي. وهو من اول طلوع الصبح الى غروب الشمس و على هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به اسماعيل ونوح وحموى وفي القنية واختلف في وقت الكراهة عند الزوال فقليل من نصف النهار الى الزوال لرواية ابي سعيد عن النبي ﷺ انه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس قال ركن الدين الصباغى وما احسن هذا لان النهى عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه !

(ترجمہ: فقہائے کرام کی عبارات میں ہے کہ مکروہ وقت نصف النہار سے لے کر سورج کے زوال تک ہے۔ اور یہ مخفی نہیں ہے کہ سورج کا زوال نصف النہار کے متصل بعد ہوتا ہے۔ (اور اگر مراد عرفی دن کا نصف ہو تو) وقت کی اتنی قلیل مقدار میں کوئی سی نماز بھی ادا کرنا بھی ممکن نہیں۔ تو شاید اس سے مراد اس وقت میں نماز جائز نہیں ہے یہ ہے کہ نماز کا کوئی حصہ اس وقت میں نہ پایا جانا چاہئے یا پھر دن سے مراد شرعی دن ہے جو کہ صبح صادق کے طلوع سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں نصف النہار زوال سے اتنے پہلے وقت میں ہوگا جس کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ اسماعیل 'نوح' حموی۔ اور قنیہ میں ہے کہ زوال کے وقت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وقت نصف النہار سے لے کر زوال تک ہے کیوں کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے نصف النہار سے لے کر سورج کے زائل ہونے تک نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام رکن الدین صباغی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ وضاحت کتنی خوب ہے کیوں کہ ایسے وقت میں نماز سے منع کیا گیا ہے جس کی مقدار میں نماز کی ادائیگی کا تصور

کیا جاسکتا ہے)

اور جمعہ کے دن جوازِ نماز کا قول بوقتِ زوال اور مکہ مکرمہ میں جوازِ نمازِ رکعاتِ طواف کا قول جمیع اوقاتِ مکروہ میں ضعیف ہے چنانچہ صفحہ ۱۵۱ جلد اول میں علامہ سرخسی نے تضعیف اس قول کی بہت تفصیل سے بیان کی ہے۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....62﴾

### سوال

اگر تیسری رکعت میں بیٹھ کر التحیات پڑھنے لگے اور پھر یاد آئے تو کیا کرے؟  
اگر بجائے دو کے تیسری رکعت پڑھنی شروع کر دے اور پھر یاد آ گیا تو کیا کرے فجر کی نماز میں ایسا ہو  
تو کیا کرے؟

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدني علما

دو رکعت والی نماز میں تیسری رکعت کو بجائے پانچویں رکعت سمجھ لینا چاہئے مگر چوں کہ طلوع صبح صادق سے طلوع کامل تک مطلقاً بجز دو سنت فجر کے قبل اداء فرض نفل۔ سنت پڑھنا مکروہ ہے اور ناجائز لہذا جب تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آئے تو کیا کرے اس واسطے کہ اس صورت میں اگر قعدہ اخیرہ کر کے کھڑا ہوا تھا تو دو رکعت نفل بعد فرض پڑھے جائیں گے اور اگر قبل قعدہ اخیرہ کھڑا ہوا تھا اور بعد سجدہ کر لینے تیسری رکعت کے یاد آیا اور چار پوری کر کے سجدہ سہو کر لیا تو ساری چاروں رکعت نفل ہو جائے گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک قصد انوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور بلا قصد سہو اگر پڑھے تو کچھ حرج نہیں۔ اللہ جل شانہ اس کو ثواب انوافل بلاشبہ عطا فرمائے گا۔ اس واسطے ان اوقات میں اگر قصد ابھی نفل پڑھے لے گا ثواب نفل کا ضرور مستحق ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر طلوع اور غروب اور ٹھیک دو پہر بلکہ ضحوی کبریٰ یعنی نصف النہار شرعی سے جو طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا نصف ہوتا ہے ٹھیک دو پہر تک ☆ جن اوقات میں خواہ نفل سجدہ تلاوت ہو یا نماز جنازہ ایسے اوقات میں بھی اگر نماز پڑھے گا نماز ہو جائے گی مگر گنہگار نہ فرمائی ممانعت کا بہر صورت رہے گا۔

چنانچہ صفحہ ۲۰۲ ہدایہ مصری مع الشروح الاربعہ کے شرح کفایہ میں ہے:-

(قوله لا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس) هذا باطلاقه لا تكاد تستقيم ويحتمل

انہ اراد بقوله لا تجوز الكراهة فيتناول الفرائض والنوافل لان الكراهة اذا كانت لمعنى فى الوقت توجب نقصانا فى الصلوة و اما لا يجوز الفرائض فيها لانها وجبت كاملة فلا تتاوى بالنقصان حتى يجوز عصر يومه لانه وجب ناقصا والنقصان سببه فاذا لا منافاة بين الكراهة و عدم جواز الفرائض و يحتمل انه اراد به قضاء الفرائض والواجبات كالوتر و سجدة التلاوة و جبت بتلاوة فى وقت غير مكروه فاما لو تلا آية السجدة فيها و سجدها او حضرت جنازة فيها فصلى عليها تجوز مع الكراهة لانها وجبت ناقصة فاداهما كما وجبت و فى شرح الطحاوى و لوا وجب على نفسه صلوة فى هذه الاوقات فالافضل ان يصلى فى وقت مباح و لو صلى فى هذا الوقت يسقط عنه و كذلك اداء التطوعات فى هذا الوقت يجوز مع الكراهة ۱

(ترجمہ: قولہ: سورج کے طلوع ہونے کے وقت نماز جائز نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اپنے اطلاق کے ساتھ درستی کے قریب نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ عنہ نے لا تجوز سے مراد مکروہ ہونا لیا ہے۔ تو اس صورت میں یہ حکم فرائض اور نوافل دونوں کو شامل ہو جائے گا کیوں کہ اس وقت میں نماز ادا کرنے کی کراہت کا باعث وقت میں پایا جاتا ہے جو نماز کو ناقص بنا رہی ہے۔ فرض نمازوں کی ادائیگی ان اوقات میں اس لیے جائز نہیں ہے کہ یہ کامل واجب ہیں۔ اور نقصان کے ساتھ ادا کرنے سے ادا نہ ہوں گے حتیٰ کہ اس دن کی عصر اس وقت جائز ہے کیوں کہ یہ واجب ہی ناقص ہوئی ہے اس کے نقصان کا سبب یعنی وقت ہے۔ اس تاویل سے کراہت اور فرائض کے عدم جواز میں منافات نہ رہی۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی مراد فرائض کی قضا اور واجبات مثلاً وتر سجدة تلاوت ہو جو غیر مکروہ وقت میں تلاوت کے باعث واجب ہوا ہو۔ لیکن اگر ان اوقات میں کسی نے آیت سجده کی تلاوت کی اور سجده کر لیا یا ان اوقات میں جنازہ آیا اس کی نماز ادا کر لی تو

کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ سجدہ اور نماز جنازہ ناقص ہی واجب ہوئی تھیں۔ لہذا اسے اسی طرح ادا کر لیا جس طرح کی واجب ہوئی تھیں۔ شرح الطحاوی میں ہے اگر کسی شخص نے ان اوقات میں نماز اپنے اوپر واجب کر لی تو افضل یہ ہے کہ مباح وقت میں ادا کرے۔ اور اگر اس وقت ادا کر لی تو اس کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اس وقت میں نوافل کی ادائیگی بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....63﴾

### سوال

نماز فجر ملنے کا گمان کامل نہ ہو تو سنتِ موکدہ مقتدی کو ترک کرنا واجب ہوگا کہ جماعت میں (ملنا) لازمی ہوگا۔ بعضے بتلاتے ہیں کہ جب فرض نہ ملنے کا یقین ہو تو سنت ترک کے شامل جماعت ہو جانا چاہئے۔ سنت بعد طلوع آفتاب ادا کرے۔ اگر خالی نیت باندھ کر بلا رکوع و سجود سلام پھیر کر شامل فرض ہو جائے ایسی شکل میں قبل طلوع سنت ادا ہو سکتی ہے۔ اور یہ مسئلہ شرح وقایہ کے حاشیہ کا بتلایا جاتا ہے۔ لہذا ان سب باتوں میں کونسا مسئلہ صحیح ہے؟

### الجواب

☆ جب خوف، جماعت سے فرض نہ ملنے کا ہو، سنت ضرور ترک کر دی جائے۔ اور سنت قضا نہیں کی جاتی لہذا بعد طلوع آفتاب اس جرمانہ میں دو چار چھ جتنی چاہے نقلیں پڑھ لے۔ اور اسی واسطے بعد نماز فرض تا طلوع آفتاب چونکہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ ان سنتوں کے عوض اگر پڑھنا چاہے قبل طلوع نہیں پڑھ سکتا۔ اور یہ بعض فقہانے لکھا کہ سنت کی نیت کر کے توڑ دے تاکہ اس کا ادا کرنا واجب ہو جائے بوجہ توڑ دینے کے یہ سنت واجب ہو جائے گی۔ بعد ادا کے فرض قبل طلوع ان کا ادا کرنا بھی جائز ہو جائے گا مگر یہ قول مردود ہے اور ناقابل عمل بوجہ برائی شروع کرنے عبادت کے توڑ دینے کی نیت سے چنانچہ صفحہ ۴۱۴ ہدایہ مع الشرح الاربعہ میں ہے۔

و من اتھی الی الامام فی صلوة الفجر و هو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفتوہ رکعة و یدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل لانه امکنہ الجمع بین الفضیلتین و ان خشی فوتہما دخل مع الامام لان ثواب الجماعة اعظم والوعید بالترک الزم۔

(ترجمہ: جو شخص نماز فجر میں امام کے پاس پہنچا لیکن اس نے ابھی فجر کی دو رکعت سنت ادا نہیں کی۔ اگر اسے خوف ہو کہ ایک رکعت جماعت کے ساتھ فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت امام کے ساتھ پالے گا تو مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی دو رکعت سنت ادا کرے پھر اندر آئے۔ کیوں کہ اس کے لیے دونوں فضیلتوں یعنی سنت کی ادائیگی اور باجماعت نماز کو جمع کرنا ممکن ہے۔ اور اگر اسے خوف ہو کہ دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں گے تو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے کیوں کہ جماعت کا ثواب بڑا ہے اور اسے ترک کرنے کی وعید زیادہ سخت ہے)

قال ابن کمال رحمہ اللہ فی شرحہ المسمی بفتح القدير:

الحاصل انه اذا أمکن الجمع بین الفضيلتين ارتکب و الارجح و فضيلة الفرض بجماعة اعظم من فضيلة رکعتی الفجر و لو کان یرجو ادراکه فی التشهد قبل هو کادراک الركعة عندهما و علی قول محمد لا اعتبار به کما فی الجمعة والوجه اتفاقهم علی صلوة الركعتين هذا بما سند کر و ما عن الفقيه اسماعيل الزاهد انه ينبغي ان یشرع فی رکعتی الفجر ثم یقطعها فیجب القضاء فیتمکن من القضاء بعد الصلوة و دفعه الامام السرخسی بان ما وجب بالشرع لیس باقوی مما وجب بالنذر و نص محمد ان المنذور لا یودی بعد الفجر قبل الطلوع و ایضا شروع فی العبادة بقصد الافساد انتهى مختصرا۔

(ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ جب اس کے لیے دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا ممکن ہو تو کرے ورنہ ترجیح دے دے اور فرض کو باجماعت ادا کرنے کی فضیلت فجر کی دو سنتوں سے بڑھ کر ہے اور اگر اسے امید ہو کہ امام کو تشہد میں پالے گا تو بعض علماء نے فرمایا کہ یہ ایک رکعت پالینے کی مانند ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی رو سے تشہد

کو پانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس طرح کہ جمعہ میں ہے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ اس موقع پر ادا یا قضا کے طور پر دو رکعت ادا کرنے پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے اور امام فقیہ اسماعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ فجر کی دو رکعت سنتوں کو شروع کر کے توڑ ڈالے اس طرح ان کی قضا واجب ہو جائے گی تو اسے وقت کے فرض نماز کے بعد ادا کرنے کے قدرت حاصل ہو جائے گی لیکن امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید یوں کی ہے کہ شروع کرنے کے بعد جو نفل یا سنت نماز واجب ہوتی ہے وہ نذرمانی ہوئی نماز سے زیادہ قوی نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نص فرمادی ہے کہ نذرمانی ہوئی نماز فجر کی نماز کے بعد سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ادا نہ کی جائے۔ نیز اس صورت میں عبادت کو فاسد کرنے کی نیت سے شروع کرنے کی خرابی بھی لازم آتی ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....64﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص تراویح نہ پڑھے وہ گناہ گار

ہے یا نہیں۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۶ھ

نئے خان تیکونیہ بازار آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

تراویح سنتِ موکدہ ہے لہذا جس طرح فجر کی دو سنتیں اور ظہر کی چھ سنتوں کا چھوڑنا جائز نہیں اسی طرح تراویح کا چھوڑنا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۴۵ جلد دوم مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ میں ہے

فی بیان کون التراویح سنة متوارتة أم تطوعا مطلقة متبداءة اختلفوا فیها وینقطع الخلاف بروایة الحسن عن ابی حنیفة رحمہما اللہ ان التراویح سنة لا یجوز ترکها لان النبی ﷺ اقامها ثم بین العذر فی ترک المواظبة علی ادائها بالجماعة فی المسجد وهو خشية أن تکتب علينا وواظب علیها الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم وقد قال النبی ﷺ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی و ان عمر رضی اللہ عنہ صلاها بالجماعة مع اجلاء الصحابة فرضی به علی رضی اللہ عنہ حتی دعا له بالخیر بعد موته كما ورد و امر به فی عہدہ ۔

(ترجمہ: تراویح کے متواتر سنت یا نئے سرے سے مطلقاً نفل نماز ہونے کے بارے میں علماء نے اختلاف فرمایا ہے حضرت امام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے ساتھ یہ اختلاف منقطع ہو جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا تراویح سنت ہے۔ اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے اسے قائم فرمایا ازاں بعد اس کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادائیگی پر مواظبت کرنے کے بارے میں عذر بیان فرمایا کہ خوف تھا کہ وہ ہم پر کہیں فرض نہ ہو جائیں۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ان کی ادائیگی پر مواظبت فرمائی۔ اور نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ تم میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جلیل القدر صحابہ کرام کے ساتھ جماعت کے ساتھ ادا فرمایا ہے تو اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ راضی ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ان کے لیے دعائے خیر فرمائی جس طرح کہ وارد ہے اور اپنے زمانہ خلافت میں اسے قائم رکھنے کا حکم دیا)

لہذا تارک تراویح اتنا گناہ گار ہے جتنا تارک سنت گناہ گار ہوتا ہے۔

حودہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....65﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی مصلی امام کے ساتھ فجر کی نماز میں شریک ہو جائے بوجہ نہ پانے وقت کے سنت چھوڑ جائے تو اس کو بعد ادا فرضوں کے سنت کی قضا ہے یا نہیں؟ اگر ہے کس ترتیب اور ترکیب کے ساتھ ہے؟ اس میں اپنے مذہب کے مسائل اور مذہب جو کہ ادا کرنے کے قائل ہیں مسائل لکھنا چاہئے مع علت اور دلیل کے۔

۱۸ شوال ۱۳۶۶ھ

خان ملا پیش امام مسجد رنگ ریزان راجہ منڈی

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صبح کی سنتیں اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ان کی قضا نہ قبل طلوع آفتاب کے جائز ہے اور نہ بعد طلوع۔ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعد طلوع آفتاب قبل زوال اگر قضا کر لی جائے تو ثواب سنت ہی کامل جائے گا۔ اور شیخین کے نزدیک چوں کہ حضور سرور ﷺ سے ممانعت قضاے سنت فجر حدیث مسلم سے ثابت ہے لہذا ان کے نزدیک بعد طلوع آفتاب کوئی اگر پڑھے تو نفل ہو جائیں گے نہ کہ سنت۔ البتہ اگر مع فرض فجر کے سنت بھی قضا ہو گئی ہوں تو بالاتفاق بعد طلوع آفتاب فرض و سنت دونوں قضا کئے جائیں گے۔

چنانچہ صفحہ ۱۶۱ جلد اول مبسوط علامہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ہے:

ولو صلى الرجل الفجر ثم ذكر انه لم يصل ركعتي الفجر لم يقضهما في قول ابى

حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالى و قال محمد رحمه الله احب الى ان يقضيهما اذا

ارتفعت الشمس. اما سائر السنن اذا فاتت عن موضعها لم تفض عندنا خلافا للشافعي  
رضي الله عنه و دليلنا حديث ام سلمة رضي الله عنها حين قالت لرسول الله ﷺ انقضيتها  
نحن فقال لا. و لان السنة عبارة عن الاقتداء برسول الله ﷺ في ما تطوع به وهذا  
المقصود لا يحصل بالقضاء بعد الفوات. وهي مشروعة للفصل بين الاذان والاقامة فلا  
يحصل هذا بالقضاء بعد الفراغ من المكتوبة. فاما سنة الفجر فلو فاتت مع الفجر قضاها  
معه استحسانا لحديث ليلة التعريس ☆ فان النبي ﷺ صلى ركعتي الفجر ثم صلى الفجر  
و لان هذه السنة من القوة ما ليس لغيرها. ☆ قال ﷺ صلوا فان فيهما الرغائب و ان  
انفردت بالفوات لم تقض عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله تعالى لان موضعها بين  
الاذان والاقامة و قد فات ذلك بالفراغ من الفرض و عند محمد رحمه الله تعالى يقضيها  
اذا ارتفعت الشمس قبل الزوال هكذا روى عن ابن عمر رضي الله عنهما و لان ما قبل  
الزوال في حكم اول النهار و عند الشافعي رحمه الله يقضيها قبل طلوع الشمس بناء على  
اصله في الصلوات لها سبب. والله سبحانه و تعالى اعلم. و

ترجمہ: اگر کسی شخص نے فجر کی نماز ادا کی۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس نے فجر کی دو رکعت سنتیں ادا نہیں کیں۔ تو امام  
اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں رکعتوں کی قضا نہ کرے۔ اور  
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے پسند یہ ہے کہ جب سورج بلند ہو جائے تو ان کو قضا کرے۔ لیکن اس کے  
علاوہ باقی سنتیں جب اپنے موقع سے رہ جائیں تو ان کو قضا نہیں کیا جائے گا۔ اس میں حضرت امام شافعی  
رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ ہماری دلیل ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ جب  
آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کیا ہم ان کی قضا کریں تو فرمایا نہیں۔ نیز (اس

کی عقلی دلیل یہ ہے کہ) سنت سے مراد نوافل میں نبی کریم ﷺ کی اقتداء ہے۔ اور یہ مقصد سنتوں کے فوت ہونے کے بعد قضاء سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اذان اور اقامت کے مابین فصل کے لیے مشروع ہیں لہذا یہ مقصد فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر فجر کی سنتیں جب فجر کے فرضوں سمیت فوت ہو جائیں تو ان کو فرضوں سمیت استحساناً قضا کرے کیوں کہ حدیث لیلۃ التعریس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے فجر کی دو رکعت سنتیں ادا فرمائیں اور اس کے بعد فجر کے فرض ادا فرمائے۔ نیز ان سنتوں میں اتنی قوت ہے جو دوسری سنتوں میں نہیں ہے۔ ☆ نبی پاک صاحب لولاک ﷺ نے فرمایا ان سنتوں کو پڑھو کیوں کہ ان میں عطیات ہیں۔ اور اگر صرف یہ سنتیں فوت ہوں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی قضاء نہ کرے۔ کیوں کہ ان کی ادائیگی کا مقام اذان اور اقامت کے درمیان ہوتا ہے۔ اور جب فرض سے فارغ ہو چکا تو وہ موقع فوت ہو گیا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب سورج بلند ہو جائے تو ان کو قضا کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ کیوں کہ زوال سے پہلے وقت کا حکم دن کے آغاز کا ہوتا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورج کے طلوع ہونے سے قبل ان کی قضاء کرے ان کا یہ حکم منی ہے اس اصل پر کہ نمازوں کے اسباب ہیں (اور جب سبب موجود ہوں ان کو ادا کیا جاسکتا ہے) علاوہ بریں دلیل شیخین رحمہما اللہ غالباً یہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع اسلامی لاہور کے صفحہ ۹۲ باب اوقاتِ نبی میں بروایت بخاری و مسلم مروی ہے۔

☆ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا صلوة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغیب الشمس۔

(ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ صبح کے بعد سورج کے بلند ہو جانے تک اور عصر کے بعد سورج کے غروب ہو جانے تک نماز (نفل) درست نہیں ہے)

اور یہ جو ترمذی شریف مطبع مجتہائی دہلی کے صفحہ ۵۷۷ جلد اول حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

☆ قال خرج رسول الله ﷺ فاقيمت الصلاة فصليت معه الصبح ثم انصرف النبي ﷺ فوجدني اصلي فقال مهلا يا قيس اصلانان معا فقلت يا رسول الله ﷺ اني لم اكن ركعت ركعتي الفجر قال فلا اذن ۱

☆ (ترجمہ: حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ باہر تشریف لائے۔ اقامت کہی گئی۔ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ پھر نبی اکرم ﷺ واپس آئے اور مجھے نماز پڑھتے دیکھا۔ فرمایا اے قیس رک جاؤ۔ کیا دو نمازیں اکٹھی ادا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی میں نے فجر کی دو رکعت سنت ادا نہیں کی تھیں۔ اس پر آپ نے فرمایا اب نہیں)

اول تو یہ حدیث مرسل ہے اور علامہ قاری رحمہ اللہ مرقات میں تحریر فرماتے ہیں

سیاتی ان الحدیث لم یثبت فلا یكون حجة علی ابی حنیفة رحمہ اللہ ۲

(ترجمہ: عنقریب یہ بات آرہی ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے لہذا یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت نہیں بن سکتی)

و قال ابو عیسیٰ الترمذی و اسناد هذا الحدیث لیس بمتصل ۳

(ترجمہ: حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے)

علاوہ بریں ظاہر معنی ”فلا اذن“ کے یہی ہوتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ نے میری یہ عرض سن کر کہ میں نے دو سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور شریک جماعت ہو گیا تھا فرمایا ”فلا اذن“ یعنی پس اس وقت نہ۔

۱. جامع الترمذی: صفحہ ۱۱۴، حدیث رقم ۴۲۲، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع الرياض.

۲. مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۹۵، حاشیہ نمبر ۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

۳. i. جامع الترمذی: صفحہ ۱۴۴، دار السلام للنشر والتوزیع الرياض

ii. مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۹۵، حاشیہ نمبر ۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

یعنی اگر ان سنتوں کو پڑھنا ہی ہے تو اس وقت نہ پڑھو بلکہ بعد طلوع آفتاب کے پڑھنا۔

چنانچہ اس کی مصرح دوسری حدیث ترمذی مذکورہ کے اسی صفحہ میں ہے

☆ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یصل رکعتی

الفجر فلیصلہما بعد ما تطلع الشمس ۱

☆ (ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی دو رکعت

سنت نہ پڑھی ہو اسے چاہئے کہ سورج طلوع ہو چکنے کے بعد انہیں پڑھ لے)

بناء علیہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

واحب ان یقضیہما بعد طلوع الشمس ۲

(ترجمہ: مجھے پسند ہے کہ فجر کی سنتوں کو سورج کے طلوع ہونے کے بعد قضا کرے)

ورنہ یہ حدیث بھی بمقابلہ اس حدیث کے جس کی بنا پر شیخین فرماتے ہیں کہ مجرد سنت فجر نہ قبل طلوع

شمس قضا کی جائیں نہ بعد طلوع ضعیف ہے۔ کما هو ظاہر من کلام الترمذی رحمہ اللہ حیث قال

ولا یعلم احد روى هذا الحدیث عن ہمام بهذا الاسناد نحو هذا الا عمرو بن

عاصم الکلابی ۳

(ترجمہ: حضرت عمر بن عاصم کلابی کے سوا کسی ایسے شخص کے بارے میں علم نہیں جس نے اس حدیث کو حضرت

ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے اس سند کے ساتھ اس طرح روایت کیا ہو) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی مسجد جامع اکبر آباد

۱ جامع الترمذی: صفحہ ۱۱۳، حدیث رقم ۳۲۳، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض.

۲ المبسوط: جلد ۱، صفحہ ۱۶۱، دار المعرفہ بیروت

۳ جامع الترمذی: صفحہ ۱۱۳، ۱۱۵، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض.

## ﴿فتویٰ نمبر.....66﴾

### سوال

وتر واجب رمضان میں اول رکعت میں انا انزلناہ پڑھا اور دوسری میں تبت یدا پڑھا اور تیسری میں قل هو اللہ پڑھا وتر کی دوسری رکعت میں بجائے قل یا ایہا الکافرون کے تبت یدا پڑھنے سے نماز ہوئی یا نہیں؟

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وتر میں اکثر آنحضرت ﷺ اول رکعت میں سبح اسم دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ لہذا ان سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور اگر کوئی انا انزلنا اور تبت یدا اور قل هو اللہ سے یا کسی اور سورت سے پڑھ لے جب بھی (نماز) وتر بلا کراہت ہو جائے گی کوئی حرج نہیں۔ فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی رضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....67﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام نے تیسری رکعت میں ایک آیت الحمد شریف کی جہر سے پڑھی۔ اور مقتدی کے لقمہ دینے سے آہستہ شروع کی۔ آیا سجدہ سہولاً لازم آیا یا نہیں؟۔ بینوا وتوجروا

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

سجدہ سہو کا ترک کر دینے کسی واجب کے واجبات نماز سے یا تاخیر واجب یا تاخیر فرض سے واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸ در مختار مطبوعہ علی ہاشم ردا مختار مصری میں ہے

سجود السهو يجب بعد سلام واحد عن يمينه فقط سجدتان و تشهد و سلام بترک واجب مما مر فی صفة الصلوة سهوا و ان تكرر کرکوع قبل قراءة الخ مختصرا (ترجمہ: سجدہ سہو صفت صلوة میں مذکور واجبات میں کسی واجب کے سہو کے ساتھ ترک ہو جانے سے واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ تکرار کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ قراءت سے پہلے رکوع کرنا سجدہ سہوہ صرف دائیں جانب ایک سلام کے ساتھ دو سجدوں، تشهد اور سلام کے ساتھ ادا ہوتا ہے)

اور ظاہر ہے ہر آیت الحمد بقول احوط واجب مستقل ہے۔ لہذا اگر ایک آیت الحمد بھی سہو چھوڑ دی سجدہ سہو واجب ہوگا۔

چنانچہ صفحہ ۳۳۸ در مختار مذکور میں ہے

و فی المجتبیٰ يسجد بترک آية منها (ای الفاتحة) وهو اولی قلت عليه فكل آية

واجبة

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار: جلد اول، صفحہ ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲۔ الدر المختار مع رد المحتار: جلد اول، صفحہ ۳۳۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(ترجمہ: سورۃ فاتحہ کی ایک آیت کے ترک سے سجدہ سہو کرے۔ یہی اولی قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے ثابت ہوا کہ اس کی ہر آیت ایک علیحدہ واجب ہے یہ المجتبیٰ میں ہے)

☆ اور جہر جب جہری نماز میں امام پر واجب ہے لامحالہ ہر آیت الحمد کا جہر واجب ہوگا۔ اور اگر ایک آیت کا جہر ترک ہو جائے گا لازم آئے گا یا کل الحمد کا۔ لہذا اگر آیت الحمد سے سری میں جہر اڑھی جائے گی علی حد اگر امام جہری میں سر اڑھے گا ضرور اس پر سہو واجب ہوگا۔

حورہ: العبد الراجی ابو محمد محمد دیدار علی لکھنی  
المفتی فی جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....68﴾

### سوال

اگر چار رکعت پڑھنے ہوں اور دوسری رکعت میں التحیات معہ درود پڑھ لیا تو کیا کرنا چاہئے۔

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً

☆ یہ کلیہ ہے کہ ترک واجب اور تاخیر فرض اور واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور سجدہ سہو کر لینے سے نقصان ترک واجب یا تاخیر فرض پورا ہوتا ہے۔ اسی واسطے بصورت ترک سجدہ سہو اس نقصان کے پورا کرنے کے واسطے اس نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ ☆ لہذا چار رکعت والی نماز میں چونکہ بعد التحیات کھڑا ہو جانا فرض ہے اور بوجہ پڑھنے درود پاک کے بقدر اللهم صل بھی فرض میں تاخیر ہو جاتی ہے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے خواہ درود پڑھنے خواہ اللهم صل! ہی کہہ کر یاد آتے ہی کھڑا ہو جائے۔ فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



! صاحب الدر المختار نے علامہ زیلی کے حوالہ سے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ اللهم صل علی محمد سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔

اس کی عبارت یوں ہے۔

وتأخیر قیام ای الثالثة بزيادة علی التشهد بقدر رکن وقیل بحرف وفي الزیلعی الأصح وجوبه باللهم علی محمد. الدر المختار مع رد المحتار جلد اول صفحہ ۸۴۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ بہار شریعت میں بھی صاحب در مختار کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....69﴾

## سوال

اگر پہلی رکعت میں التحیات پڑھنی شروع کر دے تو کیا کرے؟ اگر تیسری یا پہلی رکعت میں سلام پھیر دے تو کیا کرے؟ اور اچھی طرح یاد نہ ہو یعنی شبہ ہو تو کیا کرے؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدني علما

☆ اگر پہلی یا تیسری رکعت میں پوری التحیات یا ایک دو کلمہ پڑھ لیا یا بھول کر سلام پھیر دیا تو بوجہ تاخیر فرض بعد پوری کرنے نماز کے سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر اس امر میں شک ہو کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری علیٰ ہذا تیسری ہے یا چوتھی تو اس کو چاہئے کہ سوچے اور جس امر کا ظن غالب ہو اسی پر بنا کرے۔ اور اگر دونوں جانب سے کسی طرف ظن غالب نہ ہو بلکہ دو طرفہ برابر شک ہے کہ نہیں معلوم پہلی ہے یا دوسری علیٰ ہذا تیسری ہے یا چوتھی تو پہلی ہی رکھے۔ علیٰ ہذا تیسری ہی سمجھے مگر اس پہلی میں بیٹھ کر التحیات پڑھے اور اسی طرح تیسری میں بھی بیٹھ کر التحیات پڑھے پھر دوسری علیٰ ہذا چوتھی رکعت التحیات درود دعا پڑھ کر سلام پھیر کر سجدہ سہو کر کے پھر التحیات درود دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اس واسطے کہ اگر فی الواقع وہ دوسری تھی تو بیچ کا قعدہ جو واجب ہے ادا ہو گیا۔ اور اگر چوتھی تھی تو قعدہ فرض ادا ہو گیا۔ اور ایک رکعت زائد پڑھنے سے جو خروج عن الصلوٰۃ میں یعنی سلام پھیرنے میں جو تاخیر ہوئی تھی اس کا نقصان سجدہ سہو سے جاتا رہا۔ علیٰ ہذا بصورت ہونے اس پہلی رکعت کے دوسری حقیقتاً۔ اگر یہ تیسری میں اس کو دوسری سمجھ کر بیٹھا اور پھر ضرور ہے کہ تیسری میں بیٹھے اس واسطے کہ وہ فی الواقع چوتھی ہوگی۔ اور قعدہ اخیرہ فرض ہے۔ تو پھر چوتھی پڑھے گا اور فی الواقع وہ پانچویں ہوگی سجدہ سہو آخر میں کرنے سے یہ سارے نقصان سے نکل جائیں گے اور نماز کامل ہو جائے گی۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی اٹھنی مسجد جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....70﴾

## سوال

پانجامہ یا تہ بند ٹخنوں کو چھپاتا ہوا جائز ہے اور نماز ہو جائے گی یا مکروہ؟ مرد کو اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب

پانجامہ یا تہ بند ٹخنوں تک ہو تو جائز ہے مگر ٹخنوں سے نیچے مکروہ ہے اور نماز بھی مکروہ۔ حدیث ابو داؤد میں ہے۔

ان الله جل ذكره لا يقبل صلوة رجل مسبل ازاهما

(ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتا جو اپنا تہ بند لٹکائے) ☆

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....71﴾

## سوال

بعد نماز گوشہ جا نماز کولوٹ دینا دیکھا گیا ہے اس کی شرع میں کہاں تک اصل ہے۔

## الجواب

بعد نماز گوشہ جا نماز کولوٹ دینا کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہ گزرا۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....72﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان کلمہ گواہل سنت و جماعت قوم شیخ پیشہ خاک روپی کرتے ہیں۔ آیا یہ لوگ مسجد میں نماز جماعت سے یا علیحدہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور مسجد ہذا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں یا نہیں۔ شرع شریف کیا حکم دیتا ہے؟

سائل: علیم الدین گھڑی ساز کناری بازار آگرہ

۱۰ ستمبر ۱۹۱۶ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

ہر مسلمان سنی حنفی ہر ایک مسجد میں استحقاق نماز پڑھنے کا اور مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ خواہ وہ خاک روپی پیشہ کرے خواہ پاخانہ اٹھائے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مسجد میں آئے پاک صاف ہو کر آئے۔ اور نہ ایسی چیز کھا کر جس کی بو سے مسلمانوں کو ایذا پہنچے جیسے پیاز لہسن۔ اگر بسند (بدبو) ہے مسجد میں آئے مکر وہ ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

من اكل من هذه الشجرة فلا يقر بن مسجدنا

الف) صحیح البخاری	جلد ۱	صفحہ ۲۱۶	مطبوعہ دار الفکر
ب) صحیح مسلم	المساجد / ۱		مطبوعہ عیسیٰ الحلبی
ج) سنن ابی داؤد	کتاب الاطعمہ	حدیث رقم ۴۱	
وغیرہا کتب الأحادیث تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی			
جلد ۸	صفحہ ۱۲۰ تا ۱۲۳		مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

☆ یعنی وہ شخص جو اس درخت یعنی پیاز لہسن سے کھائے بلاشبہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔

علی ہذا جس کے بغل گندہ یا مونہ کی بدبو یا کوڑھ یا گھنچ وغیرہ سے لوگوں کو تکلیف ہو اگر وہ بسند (بدبو) سے ہو لوگ پریشان ہوتے ہوں اس کی جماعت اور حاضری مسجد معاف ہے۔ اور جب کچھ نہیں تو بھنگی چمار مسلمان سنی حنفی کو مسجد میں وضو کرنے پانی پینے نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ جو ایسے مسلمان کو فقط بوجہ خاک روپی کے نماز پڑھنے سے منع کرے سخت گناہگار ہے اور پیرو طریق کفارِ نابکار۔

حورہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی

مفتی مسجد جامع آگرہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....73﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد بھرت پور میں بروز جمعہ اکثر سائل اپنے کو غریب الوطن نادار مسافر اور ایسے الفاظ سے ملقب کر کے نمازیوں کی صف کے آگے پیچھے گشت لگا کر باواز بلند سوال اپنی امداد کا زین نقد سے کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں کوئی نمازی ادائے سنت میں کوئی اپنے دیگر اذکار میں مشغول ہوتے ہیں۔ آپ از روئے شریعت اطلاع بخشیں کہ ایسے وقت ان سائل کو سوال کرنے سے باز رکھا جائے تو خلاف سنت ہوگا؟ بینوا توجروا

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

فقہائے کرام کے نزدیک تو مسجد میں سوال کرنا حاجت مند ہو یا غیر حاجت مند دونوں کو حرام ہے ☆ اور مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا مکروہ ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۸۸ جلد اول در مختار مطبوعہ مصر علی ہامش رد المحتار میں ہے:

و یحرم فیہ السؤال و یکرہ الاعطاء مطلقا و قبل ان تخطی ما

☆ (ترجمہ: مسجد میں مانگنا حرام ہے اور دینا مطلق مکروہ ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اگر سائل لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے تو دینا مکروہ ہے)

یعنی بعض فرماتے ہیں کہ اگر سائل مسجد میں صفوں پر کودتا اور صفوں کو چیرتا پھرے اور نماز پڑھنے والوں کو اور مسجد میں انتظار نماز میں بیٹھے ہوؤں کو تکلیف دے تو اس طرح سوال کرنا بھی حرام ہے اور ایسے سائل کو دینا

بھی مکروہ ہے ورنہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس واسطے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حالت نماز میں سائل کو انگوٹھی نکال کر دی اس پر اللہ نے ان کی تعریف فرمائی حیث قال اللہ

و یوتون الزکوۃ و ہم را کعون ۱

(ترجمہ: اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس حال میں جب کہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں)

چنانچہ در مختار مذکورہ میں صفحہ 296 جلد خامس کتاب الخطر والاباحۃ میں ہے

ویکفرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم يتخط رقاب الناس فی المختار کما فی

الاختیار و متن مواہب الرحمن لأن علیاً رضی اللہ عنہ تصدق بخاتمه فی الصلوۃ فمدحه

اللہ بقوله و یوتون الزکوۃ و ہم را کعون ۲

(ترجمہ: مختار قول کی رو سے مسجد میں مانگنے والے کو دینا مکروہ ہے ہاں اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو مکروہ

نہیں ہے جیسا کہ الاختیار اور مواہب الرحمن کے متن میں ہے۔ کیوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے

دوران نماز اپنی انگشتری صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف یوں فرمائی کہ یہ لوگ رکوع کی حالت میں

صدقہ ادا کرتے ہیں)

قال الشامی رحمہ اللہ :

قوله (الا اذا لم يتخط) ای ولم یمر بین یدی المصلین قال فی الاختیار فان کان

یمر بین یدی المصلین و يتخطی رقاب الناس یکرہ لانه اعانة علی اذی الناس حتی قبل

هذا فلس لا یکفرہ سبعون فلساً ۳.

(ترجمہ: قولہ: ہاں اگر لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو مسجد کے سائل کو دینا مکروہ نہیں۔ یعنی نہ ہی وہ نمازیوں کے

القرآن المجید : سورة المائدہ : آیت ۵۵ /

الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۵ صفحہ ۲۹۶ / مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

رد المحتار : جلد ۵ صفحہ ۲۹۶ / مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



آگے سے گذرے الاختیار میں ہے کہ اگر سوال کرنے والا نماز ادا کرنے والوں کے آگے سے گذرے اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگے تو اسے دینا مکروہ ہے کیوں کہ یہ لوگوں کو تکلیف پہنچانے پر اعانت ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اس طرح دیئے ہوئے ایک پیسہ کے گناہ کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتے)

یعنی اگر سائل نمازیوں کے آگے سے نکل یا صفوں کو چیرتا اور ایذا دیتا پھرے تو اس کو ایک پیسہ دینے کے گناہ کا کفارہ اگر ستر پیسہ اللہ واسطے دے دے جب بھی نہیں ہو سکتا۔

بہر نہج جو سائل فی الواقع حاجت مند ہو اور قرینہ سے معلوم ہو کہ مجبور پریشان ہو کر سوال کرتا ہے یا قرینہ سے معلوم ہو کہ یہ سائل جو کرایہ ریل یا سواری مانگ رہا ہے بوجہ شدت مشقت سفر مانگتا ہے۔ اگر چہ پیدل چلنے پر قادر ہے یا جاڑوں میں بغیر سرمائی کے گزر کر سکتا ہے مگر بوجہ مشقت شاق سردی کے سوال کرتا ہے تو چونکہ اس کو سوال کرنا جائز ہے اگر مسجد میں سوال نہ کرے یا مسجد ہی میں کرے مگر اس طرح نہ کرے کہ صفوں کو چیرتا پھرے اور نمازیوں کو اس کے سوال سے ایذا نہ پہنچے اور لوگوں کے ورد و وظائف اور نماز میں خلل انداز نہ ہو تو اس کو دینا بھی جائز ہے۔ بلکہ موجب ثواب ہے کما حققہ الغزالی رحمہ اللہ فی کتاب الفقر والزهد من الجزء التاسع لا حياء العلوم فی صفحه 306-307-308 من احیاء المطبوعۃ علی هامش التحاف السادۃ اور ایسی صورت پر محمول ہیں یہ حدیثیں۔

☆ قال النبی ﷺ للسائل حق و لو جاء علی فرس و

(ترجمہ: مانگنے والے کا حق ہے اگر چہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے)

وقال النبی ﷺ لا یمنعن احدکم السائل ان یعطیہ و ان کان فی یدہ قلبا من

ذهب

۱. احیاء علوم الدین : جلد ۴ صفحہ ۳۲۷ مطبوعہ دار الوعی حلب

۱. احیاء علوم الدین مع التحاف السادۃ المتقین جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲. التحاف السادۃ المتقین جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت

(ترجمہ: تم میں کوئی بھی سائل کو ہرگز نہ روکے کہ اس کو کچھ دینا پڑے گا اگرچہ اس کے ہاتھ میں خالص سونا موجود ہو)

و قال ﷺ لو صدق السائل ما افلح من ردهما

(ترجمہ: سائل اگر سوال میں سچا ہو تو جس نے اس کو خالی لوٹا دیا اس نے فلاح نہ پائی)

حالانکہ صفحہ ۳۰۳ جلد تاسع اتحاف السادة المتقين شرح احياء علوم الدين میں بہ نسبت حدیث اول منقول ہے کہ یہ حدیث بے اصل ہے۔ حیث قال صاحب الاتحاف رحمه الله

عن احمد بن حنبل انه قال اربعة احاديث تدور في الاسواق ليس لها اصل منها  
للسائل حق الخ

(ترجمہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار احادیث بازاروں میں کثرت سے بولی جاتی ہیں لیکن ان کی کوئی اصل نہیں ہے ان میں پہلی ہے للسائل حق الخ۔)

اور حدیث ثانی کی نسبت تحریر فرماتے ہیں اس کی سند میں عثمان بن فائد ضعیف ہیں۔

اور حدیث سوم کو بھی اگرچہ علامہ ابن المدینی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

مگر تاہم یہ حدیث مفسر ہے پہلی دونوں حدیثوں کی خبر کی۔

خلاصہ مضمون دونوں احادیث مذکور اور نیز آ یہ کریمہ

اما السائل فلا تنهر (سوالی کو مت جھڑکو)

۱ اتحاف السادة المتقين جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲ اتحاف السادة المتقين جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت

۳ اتحاف السادة المتقين جلد ۱۱ صفحہ ۵۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، میں ہے کہ :

وفيه عثمان بن فائد وهو ضعيف

۴ ایضا: میں ہے۔ قال ابن المدینی ثلاثة اشياء لا يصح عن النبي ﷺ منها لو صدق السائل

یہی ہوتا ہے کہ اگر سائل فی الواقع حاجت مند معلوم ہو گو اس کے ہاتھ میں سونا بھی ہو یا گھوڑے پر سوار ہو اور بوجہ زیادت مقدار ادا کے دین لازمہ وغیرہ مثلاً وہ حاجت مند اور سچا معلوم ہو تو اللہ فرماتا ہے اس کو مت جھڑکو اور اگر اس کو باوصف طاقت خالی ہاتھ کوئی پھیر دے گا وہ فلاح یاب نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی حاجت مند سائل کے پھیر دینے کی نسبت بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا کہ اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھ کو کھانا نہیں کھلایا۔ میں پیاسا تھا تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔ میں تنگا تھا تو نے مجھ کو کپڑا نہیں پہنایا۔ جب بندہ عرض کرے گا تو تو ان سب امور سے پاک ہے تو ارشاد ہوگا ہمارا فلاں بندہ بھوکا تھا پیاسا تھا تنگا تھا اس نے تجھ سے مانگا اگر تو اس کو دیتا گویا ہم کو دیتا یعنی جب وہ فی الواقع حاجت مند تھا اور سچا اور تو اس کی حاجت روائی پر قادر تھا تو تو نے اس کو نہ کھلایا گویا ہم کو ہی نہ کھلایا علیٰ ہذا القیاس۔

☆ اگر غریب خستہ حال کے واسطے سوال کرے تو وہ بھی جائز اور داخل اعانتِ غرباء و فقراء خستہ حال ہے۔ اور جن سے بے تکلفی ہو جیسے اپنے بزرگ یا حکام یا دوست جو بلا سوال بھی دیتے رہتے ہوں اور اس کے سوال سے ناراض نہ ہوں بلکہ خوش ہو کر دیں نہ کہ شرمناک تو ان سے بھی مانگ لینے کا مضائقہ نہیں چنانچہ صفحہ ۳۰۲ اتحاد السادة شرح احياء العلوم کی جلد نہم میں علامہ زبیدی حنفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله (انه قد وردت مناہ كثيرة في السؤال وتشديدات) عظمية تدل على تحريمه والمراد بالسؤال ههنا سؤال الناس عامة و يكون ذلك لنفسه و خرج بذلك إذا كان يسأل لغيره فهذا غير داخل في تلك التشديدات بل هو معونة و خرج بذلك أيضا ما إذا كان لنفسه و لكنه سال الاقارب والاصدقاء فهو طريق القوم و عليه العمل لأن الاصدقاء يفرحون بذلك ويرون الفضل والمنة للصدیق القاصد واليه يشير قوله وورد فيه أيضا ما يدل على الرخصة إذ قال عليه السلام للسائل حق انتهى ما .

(ترجمہ: مانگنے کے بارے میں بہت سی ممانعتیں اور عظیم وعیدیں وارد ہیں جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں)

یہاں پر سوال سے مراد عام لوگوں سے مانگنا ہے اور وہ بھی اپنی ذات کے لیے۔ ان ممانعتوں سے وہ صورت خارج ہے جب کہ کسی دوسرے کے لیے مانگا جائے تو وہ ان وعیدوں میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ تو کسی کی مدد کرنا ہے اور اس سے وہ صورت بھی خارج ہے جب کہ اپنے لیے مانگے لیکن رشتہ داروں اور دوستوں سے سوال کرے یہ صوفیہ کرام کا طریقہ ہے اور اسی پر دور حاضر میں عمل ہے کیوں کہ دوست اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور قصد کرنے والے دوست کا اسے احسان اور مہربانی شمار کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نیز آپ سے وارد ارشاد میں اس طرح سوال کرنے کی رخصت پر دلالت پائی جاتی ہے کیوں کہ آپ کا ارشاد مبارک ہے للسان حق الخ

☆ ورنہ بلا ضرورت سوال کرنے والوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دروں سے پٹوانا اور زیادہ حاجت سے جو اس نے جمع کر رکھا تھا اس کا فقراء حاجت مندوں کو دلوانا روایت صحیحہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ صفحہ ۳۰۵ جلد نہم احیاء العلوم میں مذکور ہے:-

و سمع عمر رضی اللہ عنہ سائلا یسال بعد المغرب فقال لو احد من قومہ عش الرجل فعشاه ثم سمعہ ثالیا یسال فقال الم اقل لك عش الرجل قال عشیته فنظر عمر فاذا تحت یدہ مخلاة مملوءة خبزا فقال لست سائلا و لكنك تاجر ثم اخذ المخلاة و نشرها بین یدی اهل الصدقة و ضربہ بالدرة قال لا تعدوا

☆ ترجمہ: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو مغرب کے بعد مانگتے سنا آپ نے اپنے خاندان کے ایک فرد کو فرمایا اس شخص کو رات کا کھانا کھلا دو۔ اس نے اس کو کھانا کھلا دیا۔ آپ نے دوبارہ اسے مانگتے ہوئے سنا تو پوچھا کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ اس شخص کو کھانا کھلا دو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو اس نے ہاتھ کے نیچے ایک تو برا روٹیوں سے پڑ تھا۔ تو آپ نے فرمایا تم مانگتے نہیں ہو تم تو تاجر ہو۔ پھر وہ تو برالے لیا اور صدقہ کے مستحق افراد کے سامنے سے پھیلا دیا اور اسے ڈڑہ سے سزا دی اور فرمایا آئندہ ایسا مت کرو۔

اور اتحاف مذکورہ کی جلد نہم صفحہ ۳۰۲ میں ہے:

قال النبی ﷺ:

☆ ”من سال عن غنی فانما يستکثر من جمر جهنم و من سال و له ما یغنیه جاء یوم

القیمة و وجهه عظم یتقعق لیس علیہ لحم“.

قال العراقی رواه ابو داؤد و ابن حبان...

و لمسلم من حدیث ابی هريرة

”من سال الناس اموالهم تکثرا فانما یسال جمرا“ ..

و للبخاری و الطبرانی من حدیث ابن مسعود و ابن عمر

”لا یزال العبد یسال و هو غنی حتی یخلق وجهه“.

و فی اسناده لین.

و للشیخین من حدیث ابن عمر

”ما یزال الرجل یسال الناس حتی یاتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزغة لحم“.

و ایضا فیہ و روی عبداللہ بن احمد فی زوائد المسند من حدیث علی

”من سال مسألة عن ظهر غنی استکثر بها من رصف جهنم“

و روی ابن حبان و ابن شاہین و تمام و الضیاء من حدیث عمر

”من سال لیثری ماله فانما هو رصف من النار یلقمه من شاء فلیقل و من شاء

فلیکثر“

و ایضا فیہ و فی روایة للطبرانی فكان یلقم الرصفة الخ

(ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”فراخ دستی کے باوجود جو شخص سوال کرتا ہے وہ دوزخ کے انگاروں کو زیادہ

کر رہا ہے۔ اور جس شخص نے مانگا حالانکہ اس کے پاس اتنا تھا جو اس کے لیے کافی تھا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے لاکہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہوگا جو حرکت کر رہی ہوگی)

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”اسے امام ابو داؤد نے اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے“

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”جس نے اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کا وہ انگارے مانگ رہا ہوتا ہے“

امام بزار اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

”آدمی امیر ہونے کے باوجود سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا چہرہ بوسیدہ ہو جاتا ہے“

اس حدیث کی سند میں کچھ نرمی ہے

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی

”آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کے چہرہ

پر گوشت کا ایک ٹکرا بھی نہ ہوگا“

امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہما نے زوائد مسند میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ

”جو شخص باوجود فراخ دستی کے سوال کرتا ہے وہ صرف دوزخ کے گرم پتھر زیادہ کر رہا ہوتا ہے“

امام ابن حبان، امام ابن شاہین، امام تمام اور امام ضیاء رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے

روایت کی:

”جو شخص مال دار ہونے کے لیے سوال کرتا ہے مانگا ہو اوہ مال دوزخ کے گرم پتھر ہوتے ہیں جنہیں وہ

ننگے گا اب جو چاہے کم مانگے جو چاہے زیادہ سوال کرے“

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

”وہ گرم پتھر نکلے گا۔ الخ“

پھر اس مال کی مقدار جس کے بعد سوال کرنا حرام ہے بحسب اختلاف حالات لوگوں کے اور اختلاف اوقات حاجت کے بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ صبح اور شام کا کھانا ہے اس کا یا اس کے کھانے اور اس کے اہل و عیال کے کھانے کا اور زیادہ سے زیادہ اس کی مقدار پچاس درہم ہے جو تقریباً پندرہ روپیہ کے قریب ہوتے ہیں یا اس قیمت کا سامان بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ۲۰۹ احیاء العلوم مذکورہ میں ہے۔

و قد ورد فی الحدیث

”استغفروا بغنی اللہ تعالیٰ عن غیرہ قالوا و ما هو قال غداء یوم و عشاء“

و فی حدیث آخر

”من سال و له خمسون درہم او عدلہا من الذهب فقد سال الحافا“

و فی لفظ آخر

”اربعون درہما“

(ترجمہ: حدیث پاک میں آیا ہے

”اللہ تعالیٰ کی غنا کے ساتھ اس کے ماسوا سے غنی ہو جاؤ۔ صحابہ نے عرض کی وہ کیا ہے؟ فرمایا ایک دن

کے صبح اور رات کھانا“

دوسری حدیث میں آیا ہے

”جس کے پاس پچاس درہم یا ان کے برابر رقم ہو اور وہ مانگے تو اس نے لوگوں سے لپٹ کر مانگا ہے“

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

”اس کے پاس چالیس درہم ہوں۔ الخ“

قال الزبيدي رحمه الله في شرح في بيان حديث الاول

و في حديث سهل بن الحنظلية قالوا و ما يغنيه يا رسول الله قال قدر ما يغديه و يعشيه

رواه احمد و ابو داؤد و ابن خزيمة و ابن حبان و ابن جرير و الطبراني و الحاكم

في حديث علي قالوا و ما ظهر غني قال عشاء ليلة ...

رواه عبد الله بن احمد و اسناده حسن

وهذا هو المختار من مذهب ابي حنيفة رضي الله عنه .

(ترجمہ: علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی حدیث کی شرح میں فرمایا: حضرت سهل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی

حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کی کونسی چیز آدمی کے لیے کافی ہوتی ہے فرمایا اتنی مقدار جس سے صبح اور شام کا

کھانا ہو سکے۔ اسے امام ابو داؤد امام ابن خزیمہ امام ابن حبان امام ابن جریر امام طبرانی امام حاکم نے روایت کیا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فراخ دستی کیا ہے؟ فرمایا ایک رات کا کھانا۔

اسے امام عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ عنہ کا مختار مذہب یہی ہے)

یعنی اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد وغیرہ ائمہ حدیث نے سهل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے بسند حسن دوسری روایت میں اس غنا کی مقدار جس کے بعد سوال حرام ہے فقط شام

کے وقت کا کھانا آیا ہے۔ اور یہی مقدار مذہب امام اعظم سے مقدار مختار ہے۔

☆ اور ظاہر ہے کہ علاوہ حاجت مند پیوہ یتیم فقراء مساکین اور مسافرین کا جس کا قرآن سے فی الواقع

ایسا ہی حاجت مند ہونا نہ ثابت ہو جائے ان کو دینا بھی حرام ہے اور اعانت ہے ان کے فعل حرام پر خصوصاً جب

صفوں کو چیرتے اور نمازیوں کو سختیء سوال سے ستاتے پھریں۔ جیسے عید و بقر عید کو بھیک کا پیشہ کرنے والے فقیر



.....  
 مسجدوں میں صفوں کو چیرتے اور مسجدوں میں نمازیوں کے آگے گھوڑ دوڑ کرتے پھرتے ہیں۔ ایسوں ہی کے  
 دینے کی نسبت علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو ایک پیسہ دینے کا گناہ اتنا ہوتا ہے کہ اگر اس کے  
 کفارہ میں ستر پیسہ اللہ واسطے دیئے جائیں جب بھی دینے والا اس گناہ سے بری نہیں ہوتا۔ چنانچہ اول فتویٰ ہذا  
 میں یہ مضمون معہ عبارت مذکور ہو چکا ہے۔

حورہ العبدالراجی ابو محمد محمد دیدار علی  
 لمفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....74﴾

## سوال

جمعہ کو کس وقت خرید و فروخت نہ چاہئے۔ اذان اول یا اذان دوم سے۔

## الجواب

هو المصوب

☆ احتیاط یہ ہے کہ وقت جمعہ یعنی بعد زوال سے جس وقت تک جامع مسجد میں نماز نہ ہو جائے خرید و فروخت مکروہ تحریمی ہے اور اذان اول جو منار پر اول وقت دی جاتی ہے اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

الاصح انه الاول باعتبار الوقت و هو الذي يكون على المنارة بعد الزوال ما .

(ترجمہ: سعی کا وجوب اور بیع کا ترک جس اذان سے لازم ہو جاتے ہیں اس سے مراد اصح قول کے مطابق وہ ہے جو وقت کے اعتبار سے پہلی ہوتی ہے اور وہ زوال کے بعد منارہ پر پڑھی جاتی ہے) اور مطلب بیع شراء کے مکروہ کا یہ ہے کہ بیع تو جائے گی مگر یہ فعل گناہ ہوگا۔

والله اعلم بالصواب و عنده ام الكتاب

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ

عفی عنہ و کفاه



﴿فتاویٰ نمبر.....75﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین

اول یہ کہ خطبہ علمی یوم جمعہ یا عیدین میں معہ اشعار پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ بخیاں فہمیدگی عوام خطبہ معہ اشعار پڑھنا جائے تو اس کی نسبت علماء حقانی کیا حکم صادر فرماتے

ہیں؟

سوم یہ کہ اگر خطبہ علمی کا معہ اشعار پڑھنا جائز تصور کیا جائے تو بعد اختتام خطبہ اول وقت نشست

منبر قبل آغاز خطبہ ثانی بھی اشعار خطبہ علمی و دیگر مسائل کا اذکار کیا جائے تو یہ طریق نزد علماء درست ہے یا نہیں؟

سائل: محمد خان پیش امام

الجواب

جلد اول فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ ۱۰۶ میں ہے:

و یحرم فی الخطبة ما یحرم فی الصلوة ما

(ترجمہ: دوران خطبہ وہ اعمال حرام ہیں جو نماز میں حرام ہیں)

اور یہ اس واسطے کہ ظہر کے فرض جمعہ کے دن بوجہ فرضیت جمعہ دو رکعت ہیں۔ اس کی وجہ تحقیقی فقہاء

کرام سے یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ قائم مقام دو رکعتوں کے کر دیا گیا۔ لہذا اذان اول نماز جمعہ سنتے ہی

سعی الی الخطبة بموجب سیاق اور دلالت آیت کریمہ:

یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ ما

(ترجمہ: اے ایمان والو! جمعہ کے روز جب نماز کے لیے ندا دی جائے، تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو) فرض کر دی گئی اور نماز جمعہ کی اذان کے ساتھ سعی ذکر اللہ کی طرف، جس سے مراد باتفاق، وہ خطبہ ہے، واجب ہوگئی

کما فی الکبیری فی صفحہ ۵۱۵

فہی (ای الخطبة) من جملة الخصوصیات التي لم یرد اسقاط الرکعتین الا مع مراعاتها فكانت شرطاً و شرط الخطبة کونها فی الوقت لا تصح قبله لانه من جملة الخصوصیات المقيدية بها و ان تكون بحضور الجماعة للتوارث فلو خطب وحده ثم حضرت الجماعة فصلی بهم لا تجوز للتوارث و لقوله فاسعوا الى ذکر الله و هو يشمل الصلوة و الخطبة ما .

(ترجمہ: خطبہ ان خصوصیات میں سے ہے، جن کی رعایت کے بغیر دو رکعتوں کا ساقط ہونا وارد نہیں ہے۔ لہذا یہ (خطبہ) جمعہ کے لیے شرط ہے۔ اور خطبہ کی شرائط یہ ہیں)

☆ (۱) خطبہ وقت کے اندر ہو۔ وقت سے پہلے یہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ ان خصوصیات میں سے ایک ہے جن کے ساتھ نماز جمعہ مقید ہے۔

(۲) یہ جماعت کی موجودگی میں دیا جائے۔ اگر خطیب نے اکیلے خطبہ پڑھ دیا پھر جماعت آگئی اور ان کے ساتھ اس نے نماز جمعہ ادا کی تو جائز نہیں۔ کیونکہ توارث اسی طرح جاری ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے فاسعوا الى ذکر الله (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف بھاگ کر آؤ) اس لفظ کے مفہوم میں نماز اور خطبہ دونوں شامل ہیں۔

چنانچہ روایت مذکور سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ مقصود خطبہ سے مجرد وعظ نہیں ہے بلکہ من وجہ یہ خطبہ حکما حکم نماز میں ہے۔ اس واسطے صاحب عالمگیر یہ فرماتے ہیں، کہ جو امور نماز میں حرام ہیں، خطبہ میں بھی

حرام ہیں ما

اور نماز کے متعلق علامہ نھفکی در مختار مصری کے صفحہ ۳۵۷ میں تحریر فرماتے ہیں

و صح شروع ایضا مع کراهة التحريم بتسبيح وتهليل و تحميد.... كما صح

لو شرع بغير عربية ای لسان کان و شرطاً عجزه ۲

یعنی تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کی جگہ سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کے ساتھ نماز شروع کر دی نماز ہو

جائے گی مگر مکروہ تحریمہ ہوگی۔ جیسا کہ فارسی یا کسی دوسری زبان میں مثلاً ”اللہ بہت بڑا ہے“ کے ساتھ مکروہ

تحریمہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک شرط صحت عجز مصلی ہے۔

یعنی بکراہت تحریمی بھی جب نماز ہوگی جب مصلی عربی میں اللہ اکبر ادا نہ کر سکے اور مجبوراً اردو میں

یا کسی دوسری زبان میں ادا کرے۔

پھر بعد عبارت مذکور تحریر فرماتے ہیں۔

و علی هذا الخلاف الخطبة و جميع اذکار الصلوة ۳

(ترجمہ: خطبہ اور نماز کے تمام ارکان کے بارے میں بھی یہی اختلاف موجود ہے)

یعنی جو حکم تکبیر تحریمہ کا ہے وہی حکم بموجب اختلاف اقوال امام و صاحبین رحمہما اللہ خطبہ کا ہے۔ لہذا

بلاشبہ خطبہ کا علاوہ عربی کسی غیر زبان میں گوجائز ہے، مگر مکروہ تحریمہ ہے۔

مگر اب کلام اس امر میں ہے کہ آیا دونوں خطبہ شرط جواز نماز ہیں یا مجرد ذکر اللہ بقدر الحمد للہ یا

سبحان اللہ بھی کافی ہے۔ اور پھر دونوں خطبوں کے بعد درمیان دونوں خطبوں کے کلام کرنا یا نصیحت آمیز نظم

یا نثر، طویل یا مختصر یا مطلقاً جائز ہے یا ناجائز۔ اور جائز ہے تو جائز مع الکراہت ہے یا بلا کراہت۔ لہذا اولاً

۱ الفتاوی العالم گیریہ مع ترجمہ اردو جلد ۲ صفحہ ۸۱۲ المکہ پریس لاہور

۲ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳ مع رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۱۶۱ دار احیاء التراث العربی بیروت

تفصیل ان امور کی بیان کی جاتی ہے۔ پھر متعلق خطبہ علمی جواب دیا جائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک شرط جواز نماز جمعہ فقط ذکر اللہ بقدر الحمد لله یا مجرد لا الہ الا اللہ بہ نیت خطبہ ہے۔ جس کا زبان عربی میں ادا کرنا ضرور ہے۔ اور اگر سوا عربی کے بھی شروع کر دی تو جواز نماز کو کافی ہوگا۔ مگر یہ فعل مکروہ تحریمہ ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک شرط صحت نماز کم از کم خطبہ کا زبان عربی میں اور عند العجز، جب عربی میں نہ پڑھ سکے بقدر التحیات پڑھنا ضرور ہے۔

کما فی الدر المختار صفحہ ۸۴۷

و کفت تحمیدة او تهلیلة او تسبیحة للخطبة المفروضة مع الکراهة و قال لا

بدمن ذکر طویل و اقله قدر التشهد الواجب بنیتھما

(ترجمہ: خطبہ کی فرضیت کی ادائیگی کے لیے ایک بار الحمد لله یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا کافی ہے لیکن صرف اسی پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ خطبہ کی فرضیت کی ادائیگی کے لیے طویل ذکر ضروری ہے جس کی کم از کم مقدار تشہد ہے اور یہ خطبہ کی نیت سے پڑھا جانا ضروری ہے۔

☆ اور سنت موکدۃ بالاتفاق دو خطبہ ہیں جو بہت دراز نہ ہوں اس واسطے کہ خطبوں کا بہت دراز پڑھنا مکروہ ہے۔ کما فی الدر المختار :

و یسن خطبتان خفیفتان و تکرہ زیادتھما علی قدر سورة من طوال المفصل ما

☆ (ترجمہ: دو ہلکے خطبہ پڑھنا سنت ہے اور ان کا طوال مفصل کی ایک سورت سے زیادہ ہونا مکروہ ہے) اور بقدر تین آیت کے درمیان میں بیٹھنا بھی سنت ہے۔

کما فی الدر المختار :

بجلسة بینھما بقدر ثلث آیات ما

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۱۹ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔

۳۔

(ترجمہ: دو خطبوں کے درمیان تین آیات کی مقدار جلسہ کرے)

☆ ہر خطبہ کے اول میں حمد و ثنا اور شہادتین اور صلوٰۃ و سلام اور کچھ مضامین و عظمٰ ساتھ تلاوتِ آیتِ کلام اللہ کے مسنون ہے۔ چنانچہ خطبہ میں کبھی سورۃ والعصر کبھی رکوع لا یتسوی اصحاب النہار الآیۃ کا پڑھنا حضور سرور عالم ﷺ سے منقول ہے۔ اس واسطے تارک کسی بھی امر کا امور مذکور سے گنہگار ہوتا ہے۔ اور بعد جلسہ خفیفہ خطبہ ثانی میں بعد اعادۃ حمد و ثنا و صلوٰۃ و سلام اور مومن مرد اور عورتوں کے واسطے دعا مروی و ماثور۔

كما في البحر الرائق

وہی (ای الخطبۃ) تشتمل علی عشرۃ احدثا البداءۃ بحمد اللہ و ثانیہا الثناء علیہ بما هو اہلہ و ثالثہا الشہادتان و رابعہا الصلوٰۃ علی النبی ﷺ و خامسہا العظۃ و التذکیر و سادسہا قراءۃ القرآن و تارکھا مسی روی انہ صلی اللہ علیہ و سلم قرأ فیہا سورۃ العصر و مرۃ اخرى لا یتسوی اصحاب النار و اصحاب الجنة اصحاب الجنة هم الفائزون و اخرى و ناد و ایا مالک و سابعہا الجلوس بین الخطبتین و ثامنہا ان یعید فی الخطبۃ الثانیۃ الحمد لله و الثناء و الصلوٰۃ علی النبی ﷺ و تاسعہا ان یزید فیہا الدعاء للمومنین و المومنات و عاشرہا تخفیف الخطبتین بقدر سورۃ من طوال المفصل و یکرہ التطویل۔

☆ (ترجمہ: خطبہ دس امور پر مشتمل ہوتا ہے۔ (۱) الحمد للہ سے آغاز کیا جائے (۲) اس پاک ذات کی ثناء ایسی کہی جائے جس کا وہ اہل ہے۔ (۳) توحید و رسالت کی شہادت (۴) نبی پاک ﷺ پر درود (۵) وعظ و نصیحت (۶) قرآن مجید کی قراءت۔ اس کو ترک کرنے والا ایک برا کام کرنے والا ہے۔ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ خطبہ میں سورہ عصر کی تلاوت فرماتے اور کبھی لا یتسوی اصحاب النار و اصحاب الجنة

أصحاب الجنة هو الفائزون: (ترجمہ: جنتی اور دوزخی برابر نہیں، جنتی لوگ ہی کامیاب ہیں) اور کبھی  
 ونادوا یا مالک پڑھا کرتے تھے (۷) دو خطبہ کے درمیان بیٹھنا (۸) دوسرے خطبہ میں الحمد للہ اللہ تعالیٰ  
 کی ثنا اور نبی اکرم ﷺ پر درود پاک کا اعادہ کرنا۔ (۹) اس خطبہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے  
 دعا کا اضافہ کرنا (۱۰) طوالِ مفصل کی ایک سورت کے برابر خطبہ میں تخفیف کرنا ان کو طویل کرنا مکروہ ہے)  
 ☆ اور اخیر میں ذکر خلفاء راشدین اور عمین مکرمین اور اہل بیت کرام مستحسن ہے:

کما فی صفحة ۱۲۸ من البحر المصری

ذکر الخلفاء الراشدين مستحسن بذلك جرى التوارث و يذكر العمین  
 (ترجمہ: خلفائے راشدین کا ذکر مستحسن ہے۔ توارث اسی طرح جاری ہے اور نبی پاک ﷺ کے چچاؤں کا ذکر بھی  
 کرے)

☆ اور دعا کرنا سلطان اسلام کے لئے اور جائز اور اس کو مستحب سمجھنا بدعت۔

کما فی اخر الصفحة المذكورة من البحر

و فی السراج الوہاج واما الدعاء للسلطان فی الخطبة فلا يستحب روی ان عطاء ا  
 سئل عن ذلك فقال انه محدث و انما كانت الخطبة تذكیرا  
 ☆ (ترجمہ: سراج و ہاج میں ہے کہ خطبہ میں بادشاہ اسلام کے لیے دعا کرنا مستحب نہیں ہے۔ حضرت عطاء  
 رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ نو ایجاد امر ہے خطبہ تو صرف نصیحت  
 ہوتا ہے)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دعا سلاطین اسلام کے واسطے امر زائد ہے خطبہ سے اس کو کوئی علاقہ نہیں  
 کسی سے اس پر انکار منقول نہیں۔ بلکہ ظالم بادشاہوں کی تعریف بے جا پر یہاں تک انکار فقہا منقول ہے کہ اس  
 وقت اگر سامعین باتیں کرنے لگیں اور نہ سنیں تو بہتر ہے۔



## کما فی البحر

ان الخطیب مادام فی الحمد والموعظة فاعلیهم الاستماع فاذا اخذ فی مدح

الظلمة والنساء علیهم فلا بأس بالكلام حیثما

(ترجمہ: خطیب جب تک وعظ و نصیحت میں مشغول رہے حاضرین پر واجب ہے کہ اسے سنیں اور جب ظالم

حکمرانوں کی مدح و ثناء شروع کرے تو اس وقت باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

☆ مگر باایں ہمہ نقصانِ سنیہ خطبہ یا ارکانِ جمعہ کی روایت نہیں پائی جاتی۔ ☆ اندریں صورت خطبہ علمی

میں تو بعد اختتامِ مضامین مذکورہ خطبہ زبانِ عربی میں اردو میں مضامین وعظ ہی غالباً مسطور ہیں جن کا اول ہی

سے اگر خطبہ میں پڑھنا شروع کر دیا جائے جائز ہے گو مع الکراہتہ جائز ہے۔ پھر بعد اختتامِ تمام مضمون خطبہ کے

زبانِ عربی میں جو طریق مسنون ہے اگر ان مضامین اردو کو بغرض نفع عوام پڑھ دیا جائے بلاشبہ جائز معلوم ہوتا

ہے۔ جب دعاء سلاطین اسلام کے واسطے جائز ہے تو یہ مضامین باوصف ہونے ان مضامین کے مضامین وعظ

بغرض صحیح اگر پڑھے جائیں کیا حرج ہے۔ البتہ ابتدا ہی سے قصداً خطبہ اردو میں پڑھا جائے تو بلاشبہ عند الامام

مکروہ تحریمہ یعنی جائز مع الکراہتہ ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلا عجز مطلقاً ناجائز ہے۔ جیسے تکبیر کو علاوہ زبان

عربی کے کسی زبان میں ادا کرنا جائز مع الکراہتہ تحریمہ اور نزدیک صاحبین بلا عجز مطلقاً ناجائز

ہے۔ کما مر فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی النقشبندی القادری

المفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....76﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرح مبین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں نماز جمعہ کے بعد جو چار رکعت احتیاطی فرض پڑھے جاتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ اگر ہندوستان میں جمعہ کی جماعت ہو جاتی ہے تو احتیاطی کے کیا معنی؟ اور اگر نہیں تو وہ دور رکعت جو جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں کیا حکم رکھتی ہیں؟ فرض ہیں یا نفل اگر نفل ہیں؟ تو نفلوں کے جماعت کا ثبوت کیا ہے؟ دلائل سے جواب باصواب تحریر فرما کر مطلع فرمائیے۔

سائل: انتظام اللہ انوار حسین، فیاض خان، لیاقت حسین صاحبان

چڑیمارٹولہ آگرہ ۲ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

و هو الموفق للصواب

صورتِ مسئلہ میں چونکہ فرضیتِ جمعہ قطعی الثبوت ہے اور شروطِ جمعہ ظنی الثبوت لہذا بوجہ قطعی الثبوت ہونے کے باوصف فقدانِ بعض شروط، مثل شرطِ سلطان وغیرہ کے جمعہ کو عقیدۂ فرض سمجھ کر ضرور ادا کیا جائے اور چونکہ فقدانِ بعض شروط اور نیز عدمِ جوازِ جمعہ متعدد مسجدوں میں بقول مرجوع مورث شہہ عدمِ صحتِ جمعہ ہے اور شبہات سے بچنا مومن کو ضروری لہذا بعد اداءِ جمعہ چار فرض کا پڑھنا بہ نیتِ ادراکت و قنہ ولم اوذ بعد یا اس نیت سے کہ ادا کرتا ہوں میں وہ چار فرض اس آخر ظہر کے جو میرے ذمہ ضروری ہے۔ کما فی الشامی

و نقل المقدسی عن المحيط کل موضع وقع الشک فی کونہ مصراینبغی لہم ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنية الظہر احتیاطا حتی انہ لو لم تقع الجمعة موقعها ینخرجون عن عہدۃ فرض الوقت باداء الظہر و مثلہ فی الکافی و فی القنیۃ لما ابتلی اہل مرو باقامة

الجمعتين فيها مع اختلاف العلماء في جوازهما امر ائمتهم بالاربع بعدها حتما احتياطاً و نقله كثير من شراح الهداية و غيرها و تداولوه و في الظهيرية و اكثر مشايخ بخارى عليه ليخرج عن العهدة بيقين ثم نقل المقدسي عن الفتح انه ينبغي ان يصلى اربعاً ينوي بها آخر فرض ادركت وقته و لم اؤده ان تردد في كونه مصراً او تعددت الجمعة ما الخ (ترجمہ: علامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے محیط سے یوں نقل فرمایا کہ ہر مقام جہاں اس کے مصر (شہر) ہونے میں شک ہو وہاں کے رہنے والوں کو چاہئے کہ جمعہ کی جماعت کے بعد احتیاطاً چار رکعتیں ظہر کی نیت سے ادا کریں تاکہ اگر جمعہ اپنے مقام (مصر) میں ادا نہیں ہوا تو وقت میں فرض نماز سے ظہر کی ادائیگی کے ساتھ یقینی طور پر عہدہ برآں ہو جائیں۔ کافی میں اسی طرح ہے۔ اور قنیہ میں ہے کہ جب مرد کو رہنے والے دو جگہ جمعہ قائم کرنے کی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ساتھ ہی ان دو مقامات میں جمعہ کے جواز میں اختلاف بھی تھا تو ان لوگوں کے ائمہ نے ان کو احتیاط کے لیے چار رکعت ضروری طور پر ادا کرنے کا حکم دیا۔ ہدایہ کے شارحین اور دیگر بہت سے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور رواج دیا ہے۔ ظہیر یہ میں ہے کہ بخاری کے اکثر علماء کا یہی موقف ہے تاکہ ذمہ داری سے یقینی طور پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ اس کے بعد علامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدر سے نقل فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ چار رکعت ادا کرے اور نیت یہ کرے کہ آخری وہ فرض نماز ادا کرتا ہوں جس کا وقت میں نے پایا اور ابھی ادا نہیں کی۔ جب کہ اس جگہ کے شہر ہونے کا شک ہو یا متعدد مقامات پر جمعہ ادا کیا جاتا ہو ۲۔

حورہ : ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

۳ رمضان ۱۳۳۴ھ

۱ رد المحتار علی الدر المختار جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ مصر

۲ امام الفقہاء والحدیث حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا شاہی جامع مسجد اکبر آباد (آگرہ) میں بحیثیت مفتی و خطیب تقرر کے بعد یہ پہلا فتویٰ ہے۔ فتویٰ کے اجراء کی تاریخ ۳ رمضان ۱۳۳۴ھ ہے۔ رجسٹر پر غلطی سے سوال کے آنے کی تاریخ ۲ شوال درج ہو گئی ہے۔ آپ کے پوتے حضرت سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اس مسجد میں بحیثیت مفتی و خطیب تقرر کی تاریخ ۳ رمضان ہی لکھی ہے (ملاحظہ ہو کتاب سیدی ابوالبرکات) لہذا اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....77﴾

## سوال

بعض مسلمان ایک متقی امام کے پیچھے عید اور جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور بعض لوگ کسی ضد کی وجہ سے امامِ فاسق کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں اور ایک شہر میں دو جگہ عید اور جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔

۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ

سائل حسام الدین بینواہ علاقہ ریاست الور

## الجواب

نماز عیدین اور نماز جمعہ دو جگہ جائز ہے ☆ مگر متقی امام کے ہوتے ہوئے فاسق امام کے پیچھے نماز جمعہ و عیدین پڑھنا بلاشبہ مکروہ تحریمہ ہے۔

حردہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ العلی

ابو محمد محمد دیدار علی الالوری السنی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....78﴾

## سوال

دستیاب نہیں ہو سکا۔

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

عید کی نماز واجب ہے ساتھ چھ تکبیروں واجب کے علاوہ تکبیر تحریمہ کے۔ لہذا بعد تکبیر تحریمہ سبحانک اللہم پڑھ کر امام مقتدی سب رفع یدین کے ساتھ تکبیر کہہ کر ہاتھ نہ باندھیں۔ تیسری تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھیں پھر امام اعوذ، بسم اللہ، الحمد، سورت پڑھ کے رکوع کرے اور دوسری رکعت میں بعد الحمد اور سورت کے تین تکبیر اسی طرح کہے اور ہاتھ نہ باندھیں اور ہاتھ چھوڑے ہوئے ہی اللہ اکبر کہہ کر رکوع کریں اور زیادہ تصریح ہمارے رسالہ فضائل رمضان میں ہے۔ بطریق نمونہ ایک رسالہ ارسال ہے۔ جتنے مطلوب ہوں ڈیڑھ آنہ فی رسالہ سے آپ طلب کر سکتے ہیں۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....79﴾

## سوال

جناب مولوی صاحب کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں بعد انتقال زوجہ کے شوہر اس کو کاندھا دے سکتا ہے اور منہ اس کا دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بموجب شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ مع نام کتاب و صفحہ سے آگاہی فرمائیں۔

سائل: غلام نبی بازار آگرہ۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

یہ امر تو ظاہر ہی ہے کہ جب غیر کاندھا دے سکتے ہیں تو شوہر کے کاندھا دینے میں کیا حرج ہے؟ حالانکہ غیر بعد موت بھی عورت کی طرف دیکھنے سے منع کئے گئے ہیں اور شوہر کو بعد موت اپنی زوجہ کا منہ بلکہ بازو تک دیکھنا بلا تکلف جائز ہے۔ کما فی الدر المختار

و يمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الاصح ما

(ترجمہ: خاوند کو اپنی مردہ بیوی کو غسل دینے اور ہاتھ لگانے سے روکا جائے گا، لیکن اس کی طرف دیکھنے سے اصح قول کے مطابق نہ روکا جائے گا)

قال الشامي رحمه الله في صفحة ۶۳ من شرح الدر المختار

قوله من النظر اليها عزاه في المنح الى القنية و نقل عن الخالية انه اذا كان للمرأة

محرم يممها بيده و اما الاجنى فبخرقه على يده و يفض بصره عن ذراعها و كذا الرجل

فی امرأته الافی غض البصر ما۔

(ترجمہ: قولہ: اس کی طرف دیکھنے سے نہ روکا جائے گا۔ منخ الغفار میں اس قول کو قنیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور ☆ فتاویٰ خانہ سے نقل کیا ہے کہ جب عورت کا کوئی محرم موجود ہو اور کوئی عورت موجود نہ ہو تو اس کو غسل نہ دیا جائے بلکہ وہ محرم اپنے ہاتھ سے اسے تیمم کرا دے۔ لیکن اجنبی اپنے ہاتھ پر کپڑا پیٹ کر تیمم کرائے اور تیمم کے وقت اس کے ہاتھ نہ دیکھے۔ خاوند اگر اپنی مردہ بیوی کو تیمم کرائے تو اس کا حکم بھی اجنبی مرد کی مانند ہے۔ لیکن ہاتھوں کو دیکھنے کی اسے اجازت ہے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....80﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھا کر گہوارہ اور قبر میں رکھ سکتا ہے

یا نہیں؟

۷ مارچ ۱۹۱۵ء

غلام نبی گڑھ گاریاں آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صفحہ ۶۳۳ جلد اول درمختار میں ہے۔

و يمنع الزوج من غسلها و مسها لا من النظر اليها على الارحح ما

یعنی شوہر کو منع کیا جائے اپنی بیوی کے غسل دینے سے اور اس کو ہاتھ لگانے سے نہ کہ اپنی بیوی کو

دیکھنے سے بعد موت کے بروایت اصح۔

لہذا اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ قبر میں بھی عورت کو وہی لوگ اتاریں جن پر وہ حرام تھی یعنی اس کے رشتہ

دارزی رحم محرم نہ کہ شوہر۔

صفحہ ۵۵۳ من الکبیری

و ذو الرحم المحرم اولی بوضع المرأة فان لم یکن فاهل الصلاح من الاجانب

ذکرہ فی المحيط

مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

صفحہ ۶۳۳

جلد ۱

الدر المختار علی هامش رد المختار

مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند

صفحہ ۵۵۲

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی



(ترجمہ: اولیٰ یہ ہے کہ عورت کو ذی رحم محرم رشتہ دار قبر میں رکھیں۔ اگر کوئی ایسا رشتہ دار موجود نہ ہو تو اجنبی جو اہل صلاح ہوں یہ کام سرانجام دیں۔ محیط)

☆ اور جو منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت خاتونِ جنت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا اول تو اس پر انکار صحابہ منقول ہے۔ علاوہ بریں یہ امر مخصوص ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ بوجہ باقی رہنے علاقہ زوجیت کے درمیان سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے قیامت تک بخلاف دوسرے لوگوں کے علاوہ حضور ﷺ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے مرنے کے بعد زوجہ کے سب کا علاقہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے۔

کما هو ظاهر من رواية المنقولة في الدر المختار في صفحه ۶۳۳ حيث قال:

وقالت الائمة الثالثة يجوز لأن عليا رضي الله عنه غسل فاطمة رضي الله عنها قلنا هذا محمول على بقاء الزوجية لقوله ﷺ كل سبب و نسب ينقطع بالموت الاسببي و نسبي مع ان بعض الصحابة انكر عليه شرح المجمع للعيني و

(ترجمہ: حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا خاوند کے لیے اپنی مردہ بیوی کو غسل دینا جائز ہے کیوں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ غسل دینے یہ روایت ان دونوں حضرات کے درمیان وفاتِ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے باوجود زوجیت کا تعلق باقی رہنے کے باعث ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا موت کے ساتھ ہر تعلق اور نسب ختم ہو جاتا ہے لیکن میرا تعلق اور نسب باقی رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر انکار بھی فرمایا تھا۔ شرح المجمع للعینی)

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی المفتی فی جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....81﴾

سوال دستیاب نہیں ہوا۔

۱۷ رمضان ۱۳۳۶ھ

### الجواب

عمامہ پر یا کفن میت پر یا پیشانی یا سینہ میت پر عہد نامہ یا بسم اللہ یا کلمہ طیبہ لکھنے کو بعض فقہا نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے میت کو بخش دے چنانچہ صفحہ ۲۶۸ در مختار میں ہے۔

کتب علی جبهة الميت او عمامته او كفته عهدنامه يرجى ان يغفر الله للميت و اوصاه بعضهم ان يكتب في جبهته و صدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رؤى في المنام فسئل فقال لما وضعت في القبر جاء تنى ملائكة العذاب فلما رأوا مكتوبا على جبهتي بسم الله الرحمن الرحيم قالوا امنت من عذاب الله ۱

(ترجمہ: میت کی پیشانی، اس کے عمامہ اور کفن پر عہد نامہ لکھے تو امید ہے کہ میت کو بخش دیا جائے گا۔ بعض لوگوں نے وصیت کی کہ اس کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحيم لکھا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ خواب میں اسے دیکھا گیا اور پوچھا گیا تو اس نے کہا مجھے جب قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آگئے جب انہوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحيم لکھا دیکھا تو کہنے لگے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں رہا)

البتہ مگر روشنائی وغیرہ سے لکھنے میں چونکہ خوف تلویث و توہین کلام الہی ہے بعض فقہار و شنائی سے لکھنے کو منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بلا روشنائی وغیرہ کلمہ کی انگلی سے بسم اللہ پیشانی اور کلمہ طیبہ سینہ پر لکھ دیا جائے چنانچہ صفحہ ۲۶۹ شامی میں ہے۔

نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر  
مداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم و علی الصدر لا اله الا الله محمد  
رسول الله و ذلك بعد الغسل قبل التکفین!

(ترجمہ: بعض حاشیہ نگاروں نے فوائد شرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر سیاہی کے بغیر شہادت کی انگشت  
کے ساتھ بسم الله الرحمن الرحیم لکھا جائے اور اس کے سینہ پر لا اله الا الله محمد رسول الله . یہ  
کام میت کو غسل دینے کے بعد اور کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ



## ﴿فتویٰ نمبر.....82﴾

## سوال

اگر پارچہ پر کلمہ لکھ کر میت کے سر پر لپیٹ دیتے ہیں یہ عمل ناجائز تو نہیں ہے؟

۷/رمضان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

عمامہ میت کے سر پر لپیٹنا مختلف فیہ ہے۔ متقدمین فقہاء مکروہ فرماتے ہیں اور متاخرین فقہاء فقط علماء و مشائخ کے واسطے غالباً بغرض اظہار تعظیم علم مستحب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۹۳۶ در مختار میں ہے

وتكره العمامة للميت في الاصح مجتبی و استحسناها المتأخرون للعلماء

والاشراف۔

(ترجمہ: صحیح ترقول کی رو سے میت کو عمامہ پہنانا مکروہ ہے۔ لیکن متاخرین فقہاء نے علماء اور بزرگ لوگوں کے لیے اسے مستحسن قرار دیا ہے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی فی جامع اکبر آباد

۷/رمضان ۱۳۳۶ھ



## ﴿فتویٰ نمبر.....83﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ جنازہ کو گورستان لے جاتے وقت کون سی رفتار مناسب ہے؟ آہستہ یا تیز یا اپنی معمولی رفتار سے جانا چاہئے؟ اگر تیز رفتاری سے کچھ ضعیف لوگ میت کو کاندھانہ دے سکیں اور پیچھے رہ جائیں تو کیسا ہے؟

## الجواب

## هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم. اللهم رب زدني علما

جنازہ کو تیز گام حالت سے لے جانا سنت ہے۔ مگر مثل ہنود بھاگتے ہوئے لے جانا درست نہیں ہے۔

كما في الدر المختار: ويسرع بها بلا خيب اي عدو سريعاً

(ترجمہ: جنازہ کو اٹھا کر جلدی جلدی چلیں تیز نہ دوڑیں)

قال الشامي رحمة الله عليه حد التعجيل المسنون ان يسرع به بحيث لا

يضطرب الميت على الجنازة للحديث اسرعوا بالجنازة

(ترجمہ: جلدی چلنے کی مسنون حد یہ ہے کہ اتنا تیز چلیں کہ پاکی میں میت ہچکولے نہ کھانے لگے۔ کیونکہ کہ

حدیث پاک میں ہے جنازہ کو اٹھا کر جلدی چلو)

البتہ بلحاظ ضعیف لوگوں کے اگر آہستہ کچھ دور تک چلیں کچھ نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ مگر طریق سنت

وہی ہے جو نقل کر دیا گیا۔ فقط

حورہ: العبد العاصی

ابو محمد محمد دیدار علی، المفتی جامع مسجد اکبر آباد

الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۱۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت  
رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۱۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....84﴾

### سوال

نمازِ جنازہ کی جو نیت ہوتی ہے اس کو امامِ کامل طور پر نہ کہے اور مثلاً والدعاء لہذہ المیت پڑھنا چھوڑ دے وہ نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ بیوا تو جروا

### الجواب

☆ شرائطِ نمازِ جنازہ چھ امور ہیں۔

(اول) میت کا مسلمان ہونا۔ اور جب تک میت دفن نہ کی جائے میت کا غسلِ مسنون کے ساتھ پاک ہونا۔ ہاں البتہ اگر میت مسلم ہے بلا غسل و نمازِ جنازہ دفن کر دی گئی ہو تو تین دن تک اس کی قبر پر بھی نماز ہو سکتی ہے بلکہ ضرور ہے۔ اس واسطے کہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے

شرطِ دوم، سوم، چہارم، مصلیٰ کے بدن اور کپڑے اور جاءِ نماز کا پاک ہونا۔ لہذا اگر ناپاک جوتے پہنے ہوئے یا اس جوتے پر جس کا تلانا پاک ہے گو اوپر سے پاک ہو نماز پڑھی جائے جائز نہ ہوگی۔

شرطِ پنجم میت کا امام کے سامنے رکھا جانا۔

اور رکنِ نمازِ جنازہ اول چار تکبیریں ہیں اور رکنِ دوم قیام ہے اگر والدعاء لہذہ المیت زبان سے نہ کہا کچھ نقصان نہیں۔ البتہ دل میں نیت نمازِ جنازہ کی بوقتِ تکبیر تحریمہ ہونا ضروری ہے۔ تلفظ بالعیۃ مستحب ہے نہ شرائطِ نماز سے ہے اور نہ ارکان سے۔ فقط

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....85﴾

## سوال

کیا نیت جنازہ میں مرد و عورت کی ضمیر میں فرق ہے جیسا کہ ذیل میں نیت درج ہے یا دونوں کی ایک نیت ہے اگر ایک ہے تو کیا نیت ہے۔ نیت نماز جنازہ بموجب تحریر بالا درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

نویت ان اودی اربع تکبیرات صلوة الجنازة الشاء لله تعالى والصلوة على النبی والدعاء لهذا الميت متوجها الى الکعبة الشریفة. الله اکبر

سائل: غلام نبی کڑھ گار بیان آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

کتب فقہ میں بعد تیسری تکبیر کے یہی دعا ماثور ہے

اللهم اغفر لحینا و میتنا و شاهدنا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا و ذکرنا و انشانا اللهم

من احييته منا فاحيه على الاسلام و من توفيته منا فتوفه على الايمان ما۔

(ترجمہ: اے اللہ! ہم میں سے زندہ مردہ موجود غائب چھوٹے بڑے مرد عورت کو بخش دے۔ اے اللہ!

ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندگی نصیب فرما اور ہم میں سے جسے تو موت دے اسے ایمان

پر موت نصیب فرما)

چونکہ احييته و توفيته کی ضمیر من کی طرف پھرتی ہے جو عام ہے اور شامل ہے مردگان اسلام کو مرد

ہوں خواہ عورت۔ لہذا نماز مرد کی ہو خواہ عورت کی یہی ایک ضمیر مذکور رہے گی۔ البتہ اگر اس سے پہلے اگر یہ دعا

پڑھے جس کو علامہ شامی صفحہ ۶۴۴ جلد اول شامی میں نقل فرماتے ہیں۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره واهله خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجته وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر وعذاب النار! منح.

(ترجمہ: اے اللہ! اسے بخش دے۔ اس پر رحم فرما۔ اس کو عافیت عطا فرما۔ اس کو معاف فرما۔ عزت کے ساتھ اس کی مہمانی فرما۔ اس کی قبر کو وسیع فرما۔ اس کو پانی برف اور اولوں سے غسل دے۔ اسے گناہوں سے اس طرح صاف فرما جس طرح کہ سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس کو اس کی دنیا والے گھر سے بہتر گھر اور دنیا کے اہل سے بہتر اہل دنیا کے جوڑا سے بہتر جوڑا بدلے میں عطا فرما۔ اسے جنت میں داخل فرما۔ اسے عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے پناہ میں رکھ)

تو ضرور مرد کی نماز میں اس طرح پڑھے اور عورت کی نماز میں ”ہ“ کی جگہ ”ہا“ پڑھنا چاہیے جیسے طفل نابالغ کی نماز میں اللہم اجعلہ پڑھتے ہیں اور نابالغ لڑکی نماز میں اللہم اجعلہا پڑھتے ہیں اور نیت اول تو قصد دل کو کہتے ہیں مگر عربی میں نیت کرے تو مرد کی نماز میں کہے لہذا المیت اور عورت کی نماز میں لہذه المیت.

حورہ: العبد الراجی  
ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی  
فی جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....86﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ کی صفوف میں درمیانی فرق (فصل) کتنا ہونا چاہئے؟ اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ تنگ ہو تو اس صورت میں کم از کم کتنا کتنا فصل رکھا جائے؟

سائل: حبیب احمد آگرہ

### الجواب

هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً۔

نماز جنازہ میں سجدہ تو ہوتا نہیں۔ لہذا زیادہ فصل کی ضرورت نہیں۔ بقدر گنجائش اور وسعت و تنگی جگہ کے اختیار ہے۔ بحسب ضرورت جتنا فصل ممکن ہو رکھیں۔ اس واسطے اس کے متعلق فقہا سے تصریح نہیں پائی جاتی۔ فقط

حورہ: عبدالعاصی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی، المفتی

جامع مسجد اکبر آباد

غفر الله له ولوالديه



## ﴿فتویٰ نمبر..... 87﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ صفیں نماز جنازہ کی بہ عدد و طاق رہیں گی یا نہیں؟ یعنی ایک اور تین کے بعد نمازیوں کی کثرت پر یہی عمل رہے گا پانچ اور سات وغیرہ یا زیادتی پر اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا؟

### الجواب

هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

صفوف جنازہ بحالت قلت و کثرت رجال ہر حال میں طاق رکھنا مستحب ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے

عن مالک بن ہبیرہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول ما من مسلم يموت

فيصلى عليه ثلاثة صفوف من المسلمين اوجب ما

☆ (ترجمہ: حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: کہ

جو مسلمان مرے اس پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کریں تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب

فرمادیتا ہے)

حورہ: العاصی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی جامع مسجد اکبر آباد

غفر الله له ولوالديه



## ﴿فتویٰ نمبر.....88﴾

## سوال

کیا مرد و عورت کے دو چار جنازے ہوں تو ان کی ایک ہی نماز جائز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

سائل: غلام نبی، کڑھ گاریبان آگرہ

۷ مارچ ۱۹۱۸ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اگر کئی جنازے مرد اور عورت کے اکٹھے ہوں تو اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ ہر جنازہ کی نماز علیحدہ پڑھائی

جائے۔ کما فی صفحہ ۶۲۸ من الدر المختار المطبوعہ مع الشامی

و اذا اجتمعت الجنائز فا فراد الصلوة علی کل واحدة اولیٰ من الجمع۔

(ترجمہ: اگر کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو ہر جنازہ پر الگ نماز ادا کرنا تمام پر اکٹھی نماز ادا کرنے سے اولیٰ ہے)

اور جوان میں افضل ہو باعتبار دین و دیانت میں اس کی نماز اول پڑھائی جائے۔

کما فی الدر المختار فی صفحہ المذكورة

تقدیم الافضل الفضل۔

(ترجمہ: افضل کی نماز جنازہ پہلے ادا کرنا افضل ہے)

اور اگر سب کی اکٹھی پڑھائی جائے تب بھی جائز ہے۔ اور اندر میں صورت اگرچہ جنازوں کا اس طرح

رکھنا بھی کہ ایک کا سر دوسرے کے پاؤں کی طرف رہے جائز ہے مگر امام افضل کے پاس ہو۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ سب

قبلہ کی طرف آگے پیچھے اس طرح رکھے جائیں کہ سب کا سینہ امام کے سامنے رہے تاکہ نماز علی وجہ السنۃ ادا ہو۔  
چنانچہ صفحہ ۶۲۸ درمختار میں ہے

وان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحدا و قام عند افضلهم و ان شاء  
جعلها صفا مما يلي القبلة واحدا خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلي الامام  
(ترجمہ: اگر سب کی نماز جنازہ اکٹھی پڑھے تو جائز ہے پھر اگر چاہے تو تمام جنازوں کو ایک صف میں رکھ دے  
اور ان سے افضل کے پاس کھڑا ہو اور اگر چاہے تو قبلہ کی جانب ان جنازوں کی صف بنالے یوں کہ ایک  
جنازے کے پیچھے دوسرا ہو۔ اور ہر جنازے کا سینہ امام کی سمت میں ہو)

قال الشامي

(ترجمہ: علامہ شامی نے فرمایا:)

هذا جواب ظاهر الرواية و روى عن ابى حنيفة غير رواية الاصول ان الثانى اولى  
لان السنة هي قيام الامام بخداء الميت  
(ترجمہ: ظاہر روایت کی رو سے یہ جواب ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اصول کی روایت کے علاوہ  
اور روایت میں یوں منقول ہے کہ دوسرا طریقہ بہتر ہے کیوں کہ سنت یہ ہے کہ امام میت کے سامنے کھڑا ہو)  
مگر مرد کا جنازہ امام کے قریب رہے بعدہ صبی کا پھر عورت کا کما ہو مذکور فی صفحہ ۶۲۹  
من الدر المختار

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد



۱	الدر المختار علی هامش رد المختار	جلد ۱	صفحہ ۶۲۸	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲	رد المختار	جلد ۱	صفحہ ۶۲۸	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....89﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہء ذیل میں کہ امام کو جنازہ سے کتنے فاصلہ پر کھڑا ہونا مناسب ہے؟

حبیب احمد آگرہ

## الجواب

هو الموفق للصواب.

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ البتہ میت کا بجانب قبلہ اور امام کے آگے ہونا ضرور ہے۔

كما في الدر المختار

و شرطها ايضا حضوره و وضعه و كونه هو او اكثره امام المصلى و كونه للقبلة ما

(ترجمہ: نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے میت کا موجود ہونا، اس کا پورا یا کچھ جسم نمازی کے سامنے ہونا اور اس

کا قبلہ کی جانب ہونا شرط ہے)

حورہ: العاصی

ابو محمد محمد دیدار علی، المفتی جامع مسجد اکبر آباد

غفر الله له ولوالديه



## ﴿فتویٰ نمبر.....90﴾

## سوال

بعد نماز جمعہ جنازہ، تجہیز و تکفین کی کراہت کیوں ہے بلکہ بنظر ثواب و کثرت جماعت بعد نماز جمعہ

مناسب ہے۔

## الجواب

تجہیل نماز جنازہ واسطے اہتمام نماز جمعہ ہے۔ اگر تجہیل ناممکن ہو تو بعد نماز دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس غرض سے تساہل کرنا کہ جماعت کثیر نماز پڑھے گی غیر مناسب ہے۔ اس کو مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ لکھا ہے۔ کذا فی الطحطاوی ۱

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



(۱) فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تاخير الصلوة عليه ليصلى عليه الجمع العظيم بعد صلوة

الجمعة ولو خافوا فوت الجمعة بسبب دفنه يوخر الدفن

(ترجمہ: اگر میت کو جمعہ کے دن صبح کے وقت غسل اور کفن دے کر تیار کر دیا گیا تو اس کی نماز جنازہ کو اس لیے موخر کرنا مکروہ ہے کہ نماز

جمعہ کے بعد بہت بڑی جماعت اس کی نماز جنازہ ادا کرے گی اگر دفن کے باعث نماز جمعہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو دفن کو موخر کر دیا

جائے)

الطحطاوی علی مراقی الفلاح : صفحہ ۳۳۲ / مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

## ﴿فتویٰ نمبر.....91﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردہ کو اندر مسجد یا صحن میں رکھ کر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۲۷ شعبان ۱۳۳۶ھ

اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ محکمہ ٹھیکہ ضلع بانس  
بریلی مسکو نہ تاج گنج آگرہ کڑہ عمر خان

### الجواب

وهو الموفق۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صحن مسجد اور بناء مسجد یعنی اتنی مسجد جو پٹی ہوئی ہو چونکہ عرف عام اہل اسلام بانی مسجد کے نزدیک مسجد ہی ہوتی ہے۔ اور عموماً ہندوستان وغیرہ میں یہی عادت ہے کہ کچھ حصہ مسجد پٹو دیتے ہیں اور اکثر کہیں کم حصہ کھلا ہوا صحن رکھتے ہیں۔ بعض جگہ مسجد کے نیچے جگہ خالی پختہ رکھ کر پانی سے بھر کے اوپر سے پٹو دیتے ہیں اور دوطرفہ کناروں کی طرف سے کھلا رکھ کر وضو کرنے کی جگہ وضو کے لیے بنا دیتے ہیں اور اس کو خارج مسجد سمجھتے ہیں۔ اس واسطے کہ مسجد کے اندر وضو کرنا بالاتفاق ممنوع ہے اور بعض جگہ مسجد کا سامان رکھنے کی غرض سے مسجد یا صحن مسجد کے نیچے سردابہ رکھ دیتے ہیں کہ جو بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ اس کی اس زمین کے اندر جتنی زمین مسجد سمجھی جاتی ہے اور بانی مسجد نے اس کو بہ نیت مسجد وقف کیا ہو خواہ اس کے نیچے سامان مسجد کے لیے جگہ خالی ہو یا مصارف مسجد کے پانی کے لیے جگہ ہو علیٰ ہذا خواہ وہ پٹی ہو یا بصورت صحن۔ نماز جنازہ بلا عذر پڑھنا بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی اور بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی اور قوی روایت یہی ہے کہ مکروہ تحریمہ ہے چنانچہ آخر

صفحہ ۶۵۲ جلد اول در مختار مطبوعہ مصر مع رد المختار میں ہے

و کرهت تحریمًا و قیل تنزیہًا فی مسجد جماعۃ ہو ای المیت فیہ وحدہ او مع القوم و اختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم و المختار الکراہۃ مطلقًا. خلاصۃ بناء علی ان المسجد انما بنی للمکتوبۃ و توابعها کنافلۃ و ذکر و تدریس علم و هو الموافق لا طلاق حدیث ابی داؤد من صلی (علی) میت فی المسجد فلا صلوة لہ۔

ترجمہ: نماز جنازہ پنج گانہ جماعت والی نماز مسجد میں ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور بعض علماء کے ہاں مکروہ تنزیہی ہے اس صورت میں جب کہ صرف میت مسجد میں ہو یا لوگوں سمیت میت مسجد میں ہو۔ اس صورت میں اختلاف ہے جب کہ صرف میت مسجد سے باہر ہو یا کچھ نمازیوں سمیت وہ باہر ہو۔ مختار یہ ہے کہ ہر صورت میں کراہت ہے۔

خلاصہ: اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد صرف پنج گانہ نماز اور اس کے توابع مثلاً نفل نماز ذکر علوم کی تدریس کے لیے بنائی جاتی ہے اور یہی سنن ابو داؤد کے حدیث کے اطلاق کے موافق ہے وہ حدیث یوں ہے۔ من صلی علی میت فی المسجد فلا صلوة لہ۔

(یعنی جو مسجد میں کسی آدمی کی نماز جنازہ ادا کرے اس کی نماز نہیں ہے)

اور چونکہ کراہت تحریمہ ظاہر الروایۃ ہے لہذا یہی روایت مختار ہے اور فتویٰ کے قابل۔ چنانچہ آخر صفحہ ۶۵۳ رد المختار مذکور میں ہے

و بهذا التقرير ظهر ان الحدیث موید للقول المختار من اطلاق الکراہۃ الذی ہو

ظاهر الروایۃ۔

۱ الدر المختار مع رد المختار: جلد ۱، صفحہ ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ رد المختار: جلد ۱، صفحہ ۶۵۳، ۶۵۴، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



(ترجمہ: اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ حدیث پاک مختار قول کی تائید کرتی ہے کہ کراہت مطلق ہے اور یہی ظاہر روایت ہے)

☆ لہذا اگر عذر مینہ وغیرہ کا ہو تو بصورتِ عذر صحیح مسجد کے اندر بھی بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ ۶۵۴ شامی مذکورہ میں ہے

انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلاما

(ترجمہ: جنازہ کی نماز مسجد میں صرف بغیر عذر کے مکروہ ہے اور اگر عذر ہو تو کوئی کراہت نہیں)

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی شہر آگرہ واعظ

فی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....92﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ ایک شخص کا انتقال اس کے وطن سے چالیس کوس کے فاصلے پر ہوا اس کے رشتہ دار اس جنازہ کو دو روز میں وطن میں لائے۔ اس عرصہ میں میت کے بدن سے بو آنے لگی تھی اور جنازہ پھول گیا تھا۔ مگر کسی مقام سے پھٹا نہ تھا۔ چنانچہ اس کو غسل بھی دیا گیا۔ لیکن اس کے جسم سے کسی مقام پر زخم تک ظاہر نہ ہوا۔ مگر بموجب فرمانے وہاں کے قاضی کے بغیر نماز جنازہ کے اس میت کو دوسرے دن اس کی موت سے دفن کر دیا گیا۔ جب یہ خبر ایک دوسرے عالم کو ہوئی تو انہوں نے قاضی صاحب کی غلطی ظاہر کر کے تیسرے دن قبر پر نماز جنازہ ادا کی۔ اس پر قاضی صاحب معترض ہیں کہ بوجہ پڑھنے نماز جنازہ کے تیسرے دن قبر پر مولوی صاحب پر کچھ جرمانہ ہونا چاہئے۔ لہذا مفصل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جائے آیا نماز جنازہ تیسرے دن قبر پر پڑھنا جائز تھا یا نہیں؟ اور قاضی صاحب کا فرمان بجا ہے یا غلط؟ بینوا و توجروا

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں نماز جنازہ میت پر اس وقت تک پڑھنا ضروری ہے جب تک اس کے اعضا نہ بکھریں اور سالم رہیں اور بدن اس کا پھٹنا نہ ہو۔ اور اگر میت کو دفن کر دیا ہو بغیر اداء نماز جنازہ کے اور ظن غالب ہو کہ ابھی تک بدن میت کا پھٹنا نہیں ہوگا بلکہ سالم ہوگا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کر لی جائے۔

كما في الهداية

وان دفن الميت ولم يصل عليه صلى على قبره لان النبي ﷺ صلى على قبر امرأ

ة من الانصار ويصلى عليه قبل ان يتفسخ والمعتبر في معرفة ذلك اكبر الراى هو

## الصحيح لاختلاف الحال و الزمان و المكان ۱

(ترجمہ: اگر میت کو دفن کر دیا گیا اور اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی ایک عورت کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ میت کے پھٹنے سے پہلے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کی پہچان میں غالب رائے کا اعتبار ہے اور یہی صحیح ہے کیوں کہ یہ مدت حالت وقت اور جگہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے)

اور میت کے سالم رہنے کا اندازہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تین دن کا لکھ کر اگرچہ اپنی کتاب امالی وغیرہ میں فرما دیا ہے کہ بعد تین دن کے اگر میت کو بلا نمازِ جنازہ دفن کر دیا ہو تو تین دن کے بعد نمازِ جنازہ قبر پر پڑھی جائے مگر صحیح یہی ہے کہ یہ اندازہ لازم نہیں ہے اگر بعد کئی دن کے بھی غالب ظن بوجہ موسم سرما یا دہلا ہونے میت کے بھی ہو کہ جسم میت پھٹا نہ ہوگا بلکہ سالم ہوگا تو بعد تین دن کے بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور اگر قبل تین دن کے بوجہ موٹا ہونے جسم میت کے اور شدتِ موسمِ برسات یا گرما کے غالب ظن سب کا یہی ہو کہ اب جسم میت پھٹ گیا ہوگا تو جب بھی نمازِ جنازہ تین دن کے اندر ہی پڑھی جائے۔

كما في العناية تحت عبارة الهداية "هو الصحيح"

قوله هو الصحيح احتراز عما روى عن ابى يوسف رحمة الله عليه في الامالى انه يصلى على الميت فى القبر الى ثلاثة ايام و بعده لا يصلى عليه و هكذا ذكر ابن رستم فى نوادره عن محمد رحمة الله عليه عن ابى حنيفة رحمة الله عليه و الصحيح ان ذلك ليس بتقدير لازم لان تفرق الاجزاء يختلف باختلاف حال الميت من السمن و الهزال و باختلاف الزمان من الحر و البرد و باختلاف المكان من الصلابة و الرخاۃ ۲۔

(ترجمہ: قولہ یہی صحیح ہے: یہ اس روایت سے احتراز ہے جو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے امالی میں ہے

کہ دفن شدہ میت پر نمازِ جنازہ تین دن تک پڑھی جائے گی اور اس کے بعد نہ پڑھی جائی گی۔ امام ابن رستم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نوادر میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے یہی روایت نقل کی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ لازم نہیں ہے، کیونکہ اعضا کے پھٹنے کی مدت میت کی حالت کے اختلاف یعنی فریبہ ہونے اور دبلا ہونے، وقت کے اختلاف یعنی گرمی اور سردی اور جگہ کے اختلاف یعنی قبر کی جگہ کا سخت ادا زرم ہونے سے مختلف ہوتی ہے)

اور صورتِ مسئلہ میں تو نمازِ جنازہ تیسرے دن پڑھی گئی ہے لہذا قولِ فعل مولوی صاحب بلا تکلف صحیح ہے اور قاضی صاحب سے جو خطا ہوئی اس سے لازم ہے کہ توبہ کریں نہ کہ اپنی بات سے مولوی صاحب کو مستحقِ جرمانہ بنادیں اور اگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو ایسا ضدی قاضی ہرگز قابلِ قضا و فتویٰ نہیں۔

واللہ اعلم و علمہ احکم

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد عرف آگرہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....93﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت کو داہنی طرف سے قبر میں اتارنا کتاب میں تحریر نہیں ہے لیکن اکثر صاحب ایسا کہتے ہیں کہ بعد دوپہر کے بائیں طرف سے میت کو قبر میں اتارنا چاہئے تاکہ سایہ قبر میں اول نہ داخل ہووے۔ ہمزاد سایہ کے ہمراہ دفن ہوتا یا کیا؟

برائے توجہ واحسان جواب جلد مرحمت ہوتا کہ اطمینان ہو فقط

مستفتی احمد نصیر خان۔

امام مسجد بگیا نہ

## الجواب

جمیع کتب فقہ میں تمام فقہا یہی تحریر فرماتے ہیں کہ جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب رکھنا چاہئے اور قبلہ ہی کی طرف سے اٹھا کر قبر میں رکھا جائے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

ویدخل الميت الخ یعنی توضع الجنازة فی جانب القبلة من القبر و یحمل

منه الميت فیوضع فی اللحد (۱)

(ترجمہ: میت کو قبلہ کی جانب کنارہ قبر سے داخل کیا جائے۔ یعنی جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے

وہاں سے میت کو اٹھایا جائے پھر قبر کے اندر رکھا جائے)

الهدایہ مع حاشیہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اول جزء ۲ صفحہ ۱۵۱

مطبوعہ دار القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

وضاحت: ویدخل الميت تک ہدایہ کی عبارت ہے اس سے آگے مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ کی عبارت ہے۔

لہذا یہ عقیدہ خلاف سنت رکھنا ہے کہ بعد دوپہر بائیں طرف سے اتاریں اور قبل دوپہر داہنی طرف سے بالکل لغو بلکہ بدعت ہے اور بی اصل۔ ایسے عقائد باطلہ سے مسلمانوں کو بچنا اور دوسروں کو بچانا ضروری امر ہے۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المشہدی لکھنوی  
 المفتی فی جامع اکبر آباد  
 مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ



## ﴿فتویٰ نمبر.....94﴾

## سوال

گزارش ہے کہ عرصہ پانچ یا چھ روز گزرے دھوبی ایک عورت کا جنازہ لے کر صبح کی نماز سے پہلے مسجد اکبری میں نماز جنازہ پڑھانے کے واسطے آئے۔ جماعت نماز صبح ہونے کے بعد امام صاحب مسجد اکبری نیچے مسجد کے تشریف لائے۔ اور دھوبیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ عورت نماز پڑھتی تھی یا نہیں؟ اس مجمع دھوبیوں میں سے کسی نے یہ کہا کہ یہ نماز نہیں پڑھتی تھی۔ امام صاحب نے سنا فرمایا کہ ہم نماز نہیں پڑھائیں گے۔ نہیں پڑھائی۔ اور مکان کو چلے گئے۔ چلے جانے کے بعد احمد خان موذن مسجد اکبری نے جنازہ کی نماز پڑھا دی۔ لہذا رپورٹ اطلاع ارسال حضور ہے۔

نواب علی منصب دار و محاسب

جناب عالی

مفتی صاحب: براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ جب امام صاحب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ متوفیہ مسلمان ہے تو ان کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورت تھی یا نہیں؟ اور نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کرنا جائز تھا یا نہیں؟  
محمد عبدالغفار عثیٰ عنہ  
۲۳ جولائی ۱۹۱۵ء

## الجواب

اللهم رب زدنی علما ارنا الحق حقا والباطل باطلا

صفحہ ۶۴۲ جلد اول در مختار مطبوعہ علی ہامش رد المحتار میں ہے

وهی فرض علی کل مسلم خلا اربعة بغاة و قطاع الطريق اذا قتلوا فی الحرب  
ولو بعده صلی علیہم لانه حد او قصاص و کذا اهل عصبه و مکابر فی مصر لیلای سلاح  
و خناق غیر مرة فحکمهم کالبغاة و من قتل نفسه و لو عمدا یفسل و یصلی علیہ و بہ یفتی  
و ان کان اعظم و زرا من قاتل غیرہ و رجح الکمال قول الثانی بما فی مسلم انه علیہ

السلام التي برجل قتل نفسه فلم يصل و لا يصلي على قاتل احد ابويه اهانة له والحقه في  
النهر بالبغاة.

☆ (ترجمہ: چار قسم کے لوگوں کے سوا ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) باغی (۲) ڈاکو  
جب یہ کہ دونوں قسم کے لوگ جنگ میں قتل کر دیئے جائیں۔ اور جنگ کے بعد اگر انہیں قتل کیا جائے تو ان کی  
نماز جنازہ ادا کی جائے گی کیوں کہ ان کا یہ قتل حد یا قصاص کے طور پر ہوگا (۳) شہر میں رات کو اسلحہ کے ساتھ  
بے گناہ لوگوں سے تعرض کرنے والا (جگ ٹیکس وصول کرنے والا) (۴) لوگوں کو گلا دبا کر مارنے والا جب کہ یہ  
بار بار ایسا کرے۔ ان کا حکم باغی افراد کا سا ہے۔ اور جس نے خودکشی کی اگرچہ عمدا کی ہو اسے غسل دیا جائے گا  
۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھا جائے گی۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ اگرچہ اس کا گناہ دوسروں کو قتل کرنے سے زیادہ  
ہے۔ علامہ کمال رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے کیوں کہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے  
پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی۔ اور آپ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ اپنے ماں باپ میں  
سے کسی ایک کو قتل کرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی۔ یہ حکم اس کی اہانت کے لیے ہے۔ اور انہر میں  
اسے باغیوں کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔

اور صفحہ ۱۷۲ جلد اول فتاویٰ عالمگیری میں ہے

الصلوة على الجنابة فرض كفاية اذا قام به البعض واحدا كان او جماعة ذكرا  
كان او انثى سقط عن الباقيين واذا ترك الكل الموا هكذا في التارخانية والصلوة على  
الجنابة تنادي بأداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط الصلوة على الجنابة كذا في  
النهاية وشرطها اسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممكنا.

الدر المختار مع رد المحتار: جلد اول، صفحہ ۶۲۲، ۶۲۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ.

الفتاویٰ العالمگیریہ مع اردو ترجمہ، جلد ۲، صفحہ ۸۹۴، مطبوعہ فضل ربی پریس راولپنڈی



ماحصل ان تمام عبارتوں کا یہ ہے کہ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جو لوگ موجود ہوں ان میں سے اگر ایک آدمی تنہا بھی نماز جنازہ ادا کرے گا سب گناہ سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔ اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے اور بلا نماز جنازہ میت دفن کر دی جائے سب گنہگار ہوں گے۔

اور شرط نماز جنازہ یہ ہے کہ میت مسلمان ہو۔ مگر اگر میت مسلمان امام وقت سے باغی ہو کر حالت بغاوت میں ماری گئی ہو یا ڈاکو ڈکیتی کی حالت میں مارا گیا ہو یا جو شخص اپنی ماں کو یا باپ کو قتل کر ڈالے اور ان کے قصاص میں مارا جائے اور برولیت راجح جو شخص خودکشی کرے ان کی نماز جنازہ بغرض ان کی ذلت ظاہر کرنے اور لوگوں کے زجر و تنبیہ فرمانے کے نہ پڑھی جائے۔ ☆ علاوہ بریں جو شخص قرض دار مر جاتا بغرض زجر فرمانے لوگوں کے قرض نہ ادا کرنے سے حدیث صحیح میں آیا ہے کہ میت کا حال آنحضرت ﷺ لوگوں سے دریافت فرما کر اگر قرض دار ہوتا خود اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے اور دوسروں کو فرماتے کہ تم پڑھا دو۔ پھر سبیل اداء قرض ہو جاتی تو خود آپ بہ نفس نفیس علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھا دیتے ورنہ خود نہ پڑھاتے چنانچہ صفحہ ۲۱۲ مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ نظامی دہلی میں ہے۔

عن سلمہ بن الاکوع قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذ اتی بجنازة فقالوا صل علیہا فقال هل علیہ دین قالوا لا فصلی علیہا ثم اتی بجنازة اخرى فقال هل علیہ دین قبل نعم قال هل ترک شیئا قالوا لثلة دنایر فصلی علیہا ثم اتی بالثالثة فقال هل علیہ دین قالوا لثلة دنایر قال هل ترک شیئا قالوا لا قال صلوا علی صاحبکم قال ابو قتادة هل یارسول اللہ علیک و علی آلک واصحابک و علی دینہ رواہ البخاری۔

☆ (ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے آپ سے عرض کی اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اس کے ذمہ کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کی نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ

پڑھادی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اس کے ذمہ کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے عرض کی تین دینار تر کہ چھوڑا ہے آپ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھادی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے بتایا تین دینار قرض ہے۔ پوچھا کیا کچھ چیز چھوڑی ہے؟۔ لوگوں نے عرض کی نہیں تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کرو۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ، آپ کی آل، صحابہ اور مجھ پر قرض نہیں ہے؟

بہر نچ باوجود جاننے اس امر کے کہ یہ مسلمان ہے ضرور استفسار فرمالتے کہ یہ قرضدار تو نہیں؟ تاکہ آپ کے بذاتِ خاص نماز نہ پڑھانے سے لوگ ادائے قرض کی کوشش کریں۔ اور قرض دار نہ مریں۔ اور شاید آپ کے نماز نہ پڑھانے سے کسی کو رحم آجائے اور وہ اس کا قرض ادا کر دے۔ لہذا اگر میت اور میت کے لانے والے تمام افراد بے نمازی ہوں اور اتنے ترک نماز سے بے خوف ہوں کہ خود بھی کوئی نماز نہ پڑھے اور مثل مزدوروں کے میت کو رکھ کے علیحدہ جا بیٹھیں۔ اور وقتِ دریافت بے خوفِ خدا بے دھڑک کہہ دیں کہ اس نے بھی کبھی نماز نہ پڑھی۔ اور کوئی بزرگ یا عالم ایسے ہوں کہ ان کی نماز نہ پڑھانے سے وہ سب لوگ یا بعض لوگ نماز پڑھنے لگیں۔ اور تنہا وہ خود نہ پڑھائے اور دوسروں کو کہہ دے یا اشارہ کر دے کہ تم پڑھا دو۔ تو یہ امر بلاشبہ موافق حدیث مذکور معلوم ہوتا ہے۔ گو صریح روایت بہ نسبت نماز نہ پڑھانے ایسے بے نمازی کے جنازہ کی اب تک نہیں ملی۔ اور غالباً وجہ نہ ملنے ایسی روایت کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ بلکہ صحابہ و تابعین میں کوئی مسلمان بے نمازی ہوتا ہی نہ تھا۔ اس واسطے کہ نماز نہ پڑھنے کا گناہ تمام دنیا بھر کے گناہوں سے اتنا زیادہ ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

☆ قال النبی ﷺ من ترک الصلوة متعمدا فقد کفر۔

یعنی جو قصداً نماز چھوڑ دے وہ بلاشبہ کافر ہو گیا۔

چنانچہ بعض ائمہ دین بموجب ظاہر حدیث یہی فرماتے ہیں۔ مگر ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعمدا کے معنی بلحاظ دیگر احادیث مستحلا کے ہیں۔ یعنی جو کوئی نماز چھوڑنے کو حلال سمجھ لے وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے ورنہ فاسق ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اور مسلم شریف میں ہے

☆ قال ﷺ بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة!

(ترجمہ: بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز ترک کرنے کا ہے)

والله اعلم و علمہ احکم۔ اللہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق اتباع شریعت اور اجتناب بدعت

اور ملازمت نماز پنج گانہ بخوف و خشیت عطا فرمائے آمین ثم آمین

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد



صحیح مسلم: صفحہ ۵۱، حدیث رقم ۲۳۷، دار السلام للنشر والتوزیع الرياض

نوٹ: مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة.

ترجمہ: مسلم آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کو ترک کرنے کا ہے۔



زکوٰۃ



## ﴿فتویٰ نمبر.....95﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اگر عشر زکوٰۃ کو ظالم بادشاہ جبراً وصول کر لیں اور ان کے صرف کرنے کی جگہ صرف نہ کریں تو اصحاب زکوٰۃ و عشر و خراج پر اس کے مصارف پر دوبارہ عشر و زکوٰۃ وغیرہ نکال کر خرچ کرنا لازم ہے؟

۹ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

شرعاً دوبارہ نکال کر اس کے مصارف پر خرچ کرنا لازم تو نہیں مگر دیناً دوبارہ نکال دے اور مصارف پر خرچ کرے تو افضل ہے تا آنکہ عند البعض خراج بھی دوبارہ نکال کر اس کے مصارف پر خرچ کر دے تو افضل ہے۔

كما في الدر المختار المطبوعة على هامش رد المحتار في صفحة ۲۶ من الجزء الثاني

أخذ البغاة والسلاطين الجابرة زكوة الاموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج

لاعادة على اربابها ان صرف الماخوذ في محله الآتي ذكره والا يصرف فيه فعليهم فيما

بينهم وبين الله اعادة غير الخراج لانهم مصارفه

(ترجمہ: باغی اور ظالم بادشاہ اموال ظاہرہ مثلاً چوپایوں کی زکوٰۃ، عشر اور خراج وصول کر لیں تو نصاب کے مالکوں

پر ان کا دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے بشرطیکہ وہ وصول کردہ زکوٰۃ وغیرہ اپنے مصارف پر خرچ کر دیں جن کا ذکر آئے

گا۔ اور اگر وہ مال ان مصارف پر خرچ نہ ہوا ہو تو نصاب کے مالکوں پر ان کا دوبارہ ادا کرنا ان کے اور اللہ تعالیٰ کے

درمیان لازم ہے۔ خراج کی دوبارہ ادائیگی لازم نہیں ہے کیونکہ وہ باغی وغیرہ بھی اس کے مصارف ہیں)

مگر اس زمانہ میں چونکہ خراج بھی اپنے موقع پر خرچ نہیں کیا جاتا لہذا اس کا دوبارہ نکال کر اس کے مصارف پر خرچ کرنا احتیاط ہے۔

كما هو ظاهر من قول الشامي في صفحة ۲۶ من الجزء الثاني

اما الخراج فلا يفتون باعادته لانهم مصارفه إذ اهل البغي يقاتلون اهل الحرب والخراج حق المقاتلة شرح الملتقى ما

(ترجمہ: خراج کی صورت میں علمائے کرام اس کے اعادہ کا فتویٰ نہیں دیتے کیونکہ وہ باغی اور ظالم بادشاہ خود بھی ان کے مصارف ہیں کیونکہ باغی لوگ اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں۔ اور خراج جنگ کرنے والوں کا حق ہے۔ شرح الملتقى)

اسی واسطے عدم اخراج خراج کو دوبارہ دینا علامہ زیلیعی سے ضعیف معلوم ہوتی ہے۔

حيث قال الشامي رحمه الله في الصفحة المذكورة .

و ذكر الزيلعي ما يفيد ضعفه حيث قال و قيل لانفتيهم باعادة الخراج ما

(ترجمہ: علامہ زیلیعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی عبارت ذکر فرمائی ہے جو خراج کے دوبارہ ادا نہ کرنے کے قول کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کہا گیا ہے کہ ہم خراج کے اعادہ کا فتویٰ نہیں دیتے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



رد المحتار:	جلد ۲، صفحہ ۲۶،	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
رد المحتار:	جلد ۲، صفحہ ۲۶،	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....96﴾

### سوال

مکرمی معظمی مولانا مفتی سید دیدار علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بمبئی میں عید بقر عید کے دن مسجدوں میں بوقت نماز جس طرح فقیر جن کا پیشہ ہے بھیک ہے اور سوال کرنے کو عیب نہیں بلکہ ہنر سمجھتے ہیں اور نمازیوں کے آگے سوسو پچاس پچاس بھاگتے پھرتے ہیں اور وظیفہ پڑھنے والوں کو جو بانظر بیٹھے ہوتے یا بعد نماز طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ان کو دینا اور ان کو جو منع کرنے پر قادر ہو متولی یا اہل محلہ ان کا منع نہ کرنا اور اس کو نیک کام سمجھنا کیسا ہے؟

۱۵ رمضان ۱۳۳۶ھ

مولوی عبدالحلیم امام مسجد جاملی محلہ بمبئی

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

☆ جس کے فحش کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو یا بالقوہ یعنی وہ شخص جو تندرست اور مزدوری کر کے ایک دن کا کھانا حاصل کر سکتا ہے وہ حکماً اسی فحش کے حکم میں ہے جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو۔ ایسے فحش کو کھانے کے واسطے سوال کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر ایک دن کے کھانے کے لائق موجود ہو مگر کپڑے قدر ضرورت نہ رکھتا ہو یا مکان سکونت بقدر گزر نہ رکھتا ہو علی ہذا مسافر گھر تک پہنچنے کا سامان نہ رکھتا ہو تو بقدر رفع ضرورت اس کو سوال جائز ہے۔ ضرورت سے زائد اس کو بھی سوال حرام ہے۔ اور ایسے سائل کو دینا بھی حرام بسبب مدد کرنے کے فعل حرام پر جو سوال ہے۔

چنانچہ جلد دوم باب المصروف صفحہ ۷۵ در مختار میں ہے:-

ولا يحل ان يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل او بالقوة كالصحيح

المكتسب و يائلم معطيه ان علم بحاله لاعالته على المحرم ما

☆ (ترجمہ: جس شخص کے پاس بالفعل ایک دن کی خوراک موجود ہو اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں اور اس شخص کے لیے بھی سوال حلال نہیں جس کے پاس بالقوہ ایک دن کی غذا موجود ہو جس طرح کہ وہ شخص جو تندرست اور کمانے والا ہو۔ اگر ایسے سائل کو دینے والے شخص کو اس کا حال معلوم ہو تو وہ گناہ گار ہوگا کیوں کہ اس نے حرام پر امداد کی ہے)

قال الشامي رحمه الله :

قوله ولا يحل قيد بالسؤال لان الاخذ بدونه لا يحرم بحر و قيد بقوله شيئا من القوت لان له السؤال ما هو محتاج اليه غير القوت كثوب شر نبلالية و اذا كان له دار يسكنها ولا يقدر على الكسب قال ظهير الدين لا يحل له السؤال اذا كان يكفيه مادونها  
معراجاً

(ترجمہ: قولہ لا تحل: یعنی اس کے لیے جائز نہیں مصنف علیہ الرحمہ نے اسے سوال کے ساتھ مقید فرمایا کیوں کہ سوال کے بغیر کسی سے کچھ لینا حرام نہیں ہے۔ بحر۔ نیز حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے کچھ خوراک کی قید لگائی۔ کیوں کہ جس کے پاس خوراک موجود ہے اسے اس کے علاوہ اور ضرورت کی چیز مثلاً کپڑے کا سوال کرنا جائز ہے۔ شرنبلالیہ۔ اور جب اس کے پاس گھر ہو جس میں رہ رہا ہو اور وہ کھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو امام ظہیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب سوال کے بغیر اس کی کفایت ہو سکے تو اسے سوال کرنا جائز نہیں ہے)

☆ اور ظاہر ہے کہ بمبئی کے سائل جو عیدین میں نمازیوں کو تنگ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بے نمازی ناپاک بے غسل اس طرح صفوں کے آگے صفوں کو چیرتے ہوئے پھرتے ہیں کہ بالکل حرمت مسجد نہیں رہتی۔

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲ صفحہ ۷۵، ۷۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۷۵، ۷۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



لہذا ان کو دینا اور منع نہ کرنا، تک حرمیت مسجد کرانا ہے جو قطعاً حرام ہے۔ اور جو لوگ باوصف قدرت ان کو منع نہیں کرتے وہ مرتکب حرام اور سخت گناہگار ہیں۔ اور جو ان کو دیتے ہیں وہ بھی بسبب مدد کرنے والے فعل حرام کے سخت گناہگار ہیں۔ اور جو ایسے سائلوں کو مسجد سے نکال دیں مستحق ثواب ہیں۔

چنانچہ صفحہ ۶۰۹ جلد اول شامی میں ہے

قال فی النہر والمختار ان السائل ان کان لا یمربین یدی المصلی و لا یتخطی للرقاب و لا یسال الحافا بل لامر لابد منه فلا باس بالسوال والاعطاء او و مثله فی البزازیة و فیہا فلا یجوز الاعطاء اذا لم یکنوا علی تلک الصفة المذكورة قال الامام ابو نصر العیاضی ارجو ان یغفر اللہ تعالی لمن ینخرجہم من المسجد و عن الامام خلف بن ایوب لو کنت قاضیا لم اقبل شہادة من یتصدق علیہم۔

(ترجمہ: انہر میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ مانگنے والا اگر نمازی کے آگے سے نہ گزرے اور نہ ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگے اور اصرار کر کے نہ مانگے بلکہ کسی ایسی چیز کے لیے مانگے جس کے بغیر اسے چارہ نہ ہو تو اس مانگنے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں اسی طرح ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب سائل اس طرح مذکورہ کیفیت پر نہ ہوں تو ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو نصر عیاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف فرمادے گا جو انہیں مسجد سے نکال دے۔ اور امام خلف بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر میں قاضی ہوتا تو ان لوگوں کی شہادت قبول نہ کرتا جو ان کو دیتے ہیں)

یعنی امام خلف بن ایوب فرماتے ہیں کہ اگر میں قاضی ہوتا ایسے سائلوں کو صدقہ دینے والوں کی شہادت کبھی نہ قبول کرتا نباء علیہ صفحہ ۲۹۶ جلد خامس کتاب الکراہیۃ ودر مختار میں علامہ صفحہ صفقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

## هذا فلس لا يكفره سبعون فلساً

یعنی ایسے سوال پیشہ مسجد میں سوال کرنے والے سائلوں کو ایک پیسہ دینے کا اتنا گناہ ہے کہ اگر اس کے عوض ستر پیسہ اللہ واسطے دیئے جائیں تو وہ اس ایک پیسہ دینے کے گناہ کا کفار نہیں ہو سکتا۔  
لہذا متولیان مسجد اور اہل محلہ پر لازم ہے کہ ضرور اس طوفانِ بے تمیزی کا علاج کریں اور عیدین کی صفوں میں گشت کرنے سے ان ظالموں کو منع کر کے مستحقِ اجرِ عظیم ہوں۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



رد المحتار جلد ۵، صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

وضاحت: حضرت سند ال محمدین رحمۃ اللہ علیہ نے غلطی سے اس حوالہ کو در مختار کی طرف منسوب فرمایا لیکن در حقیقت یہ حوالہ اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ رد المحتار کا ہے۔

محمد علیم الدین نقشبندی غفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....97﴾

### سوال

جناب مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اشتہار انجمن اسلامیہ بہرت پور میں جو سیکرٹری صاحب نے صدقہ فطر کا وزن ہمارے سیر مروجہ سے جو اسی روپیہ سیر ہوتا ہے سواد و سیر لکھا ہے کیا یا صحیح ہے یا غلط؟

سائل: حافظ رفیق احمد، امام مسجد بھرت پور

۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

از خاکسار و یدار علی بخدمت حافظ محمد رفیق صاحب امام مسجد جامع بھرت پور سلمہ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شرح دقایہ کی جلد اول صفحہ ۳۰۱ میں ہے کہ صاع عراقی حنیفوں کے نزدیک صدقہ فطر میں معتبر ہے اور صاع حجازی شافعیوں کے نزدیک۔ صاع عراقی میں آٹھ رطل عمدہ نئی گیہوں سماتی ہیں اور حجازی میں ایک ٹکٹ پانچ رطل۔ لہذا امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صدقہ فطر نصف صاع حجازی ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ کے نزدیک نصف صاع عراقی۔

اور وہ دو من کا ہوتا ہے اور من چالیس استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال کا۔ اس حساب سے ایک من ایک سو اسی (180) مثقال کا ہوا۔ اب حساب کر لو کہ مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور نصف صاع دو من کا ہوتا ہے۔ جس کے 360 مثقال اور ایک ہزار چھ سو بائیس (1622) ماشہ ہوئے جس کے 135 تولہ ہوتے ہیں اور چونکہ ہمارا سیر مروجہ اسی روپیہ بھر کا ہوتا ہے اور روپیہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا۔ لہذا 135 تولہ سے فی تولہ جب چار رتی نکالی تو 5 روپیہ (تولہ) 10 ماشہ بھر نکلے اور ان کو جب 135 میں جمع کیا تو 140 روپیہ (تولہ) 10 ماشہ بھر وزن نصف صاع عراقی کا جو دو من شرعی ہوتا ہے ہوا۔ اور اب ایک سو چالیس (140) تولہ دس ماشہ بھر وزن کو اسی 80 روپیہ پر جو وزن ہمارے سیر مروجہ کا ہے تقسیم کیا تو پونے دو سیر دس

.....  
 ماشہ بھر ہمارے سیر سے وزن نصف صاع عراقی کا ہوا جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ لہذا احتیاطاً  
 مناسب ہے کہ آدھ پاؤ کم دو سیر صدقہ فطر نکالا جائے اور پونے دو سیر دس ماشہ بھر سے ہر گز کم نہ ہو۔

نہیں معلوم محمد شرف الدین خان صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ بہرت پور نے جو فقہائے محققین  
 حنفیہ کی طرف نسبت کر کے نصف صاع کا وزن تقریباً سوا (دو) سیر مروجہ لکھا ہے کس حساب سے بلا حوالہ کتاب  
 اس وثوق سے کیسا لکھا ہے۔ رد المحتار در مختار شرح وقایہ سے جو ثابت ہوتا ہے وہ مفصلاً خدمت عالی میں عرض کر  
 دیا گیا۔ لہذا سیکرٹری صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون میری طرف سے عرض کر دینا کہ اگر اس  
 تحقیق سے خاکسار کو بھی مع حوالہ کتب مفصلاً مطلع فرمایا جائے (تو) مشکور ہوں گا۔ ورنہ آئندہ بلا تحقیق ایسی  
 جرات نہ فرمائیں۔ اس واسطے کہ بموجب صاع حجازی بھی جو مختار امام شافعی رحمۃ اللہ ہے تقریباً صاع اڑھائی  
 سیر تیرہ روپیہ (تولہ) اور نصف صاع سوا سیر ساڑھے چھ روپیہ (تولہ) بھر کا ہوتا ہے۔

والسلام

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی

مفتی جامع مسجد آگرہ

۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ



☆ امام الفقہاء الحدیث حضرت مولانا دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق سے رجوع فرمایا تھا چنانچہ ملاحظہ ہو اسی  
 فتاویٰ کی کتاب الظہار، صفحہ ۵۴۹/فتویٰ نمبر ۲۰۹/میں ظہار کے بارے میں فرمایا ”اگر بوجہ بڑھاپے یا مرض کے مطلقاً روزہ رکھنے کی  
 طاقت نہ رکھے ساتھ مسکینوں کو دو دفعہ ترکاری سے پیٹ بھر کھانا کھلانا ہے یا ساتھ مسکینوں کو فی مسکین سواتین چھٹانک دو سیر گیہوں دے  
 دینا ہے“

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ



روزہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....98﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شہر میں اکتیس ذیقعدہ کو پیر کے روز منگل کی شب کو رویت ہلال ذوالحجہ ہوئی۔ ایسی حالت میں کہ مطلع صاف نہ تھا۔ بلکہ ابر غلیظ محیط تھا دیکھنے والوں میں سے دو آدمیوں نے آ کر ایک جماعت معززین شہر کے سامنے شہادۃ چاند دیکھنے کی دی۔ اور ان کی شہادۃ کی تائید میں اور بھی شہر کے مختلف محلوں سے خبریں آئیں کہ پیر کے روز فلاں فلاں شخص نے چاند دیکھا جو کہ بعض ثقہ اور بعض مستور الحال ہیں۔ مفتی صاحب نے ایسی حالت میں کہ علت فی السماء رویت کے وقت میں موجود تھی ان دو شہادتوں کو کافی اور قابل اعتبار تسلیم کر کے اعلان کر دیا کہ عیدالضحیٰ حسب الشہادۃ پنجشنبہ کو ہوگی۔ اس شہادت کی تاکید میں بذریعہ خطوط کے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ دکن حیدرآباد اورنگ آباد و مکہ معظمہ میں بھی عیدالضحیٰ جمعرات کو تھی حسب اعلان بنا بر شہادۃ کل شہر میں جمعرات کو عید ہوئی مگر چند آدمیوں نے جن کی تعداد تیس یا چالیس سے زیادہ نہیں اس شہادت کو غیر معتبر سمجھ کر جمعرات کو عید نہیں کی۔ جن میں اکثر جاہل اور بعض ذی علم ہیں۔ اور اب وہ کہتے ہیں کہ جنہوں نے اس شہادت پر عید کر لی نہ ان کی نماز ہوئی اور نہ قربانی۔ بلکہ سب کی نماز عید اور قربانیاں ضائع گئیں اور یہ سارا فتنہ ایک دیوبندی مولوی صاحب کا ہے کہ انہوں نے ہمارے مولوی صاحب کے فتویٰ کی مخالفت کر کے ہمارے بعض علماء کو جدا کر کے باہم تفرقہ ڈال دیا ہے۔ لہذا جو امر حق ہو اس سے جلد مطلع فرمایا جائے۔

### الجواب

اللهم رب زدنی علما.

ہدایۃ مع الشروح الاربعہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۰۲ جلد ثانی میں ہے

و اذا كان بالسما علة لم يقبل في هلال الفطر الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين  
لانه تعلق به نفع العبد و هو الفطر فاشبهه سائر حقوقه والاضحى كالقسط في هذا في ظاهر  
الرواية و هو الاصح خلافا لما روى عن ابي حنيفة رحمه الله انه كهلل رمضان لانه تعلق

به نفع العباد وهو التوسع بلحوم الاضاحي ما

(ترجمہ: اور جب آسمان پر علت ہو تو عیدِ فطر کے چاند کے لیے امام صرف دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو قبول کرے۔ کیونکہ اس کا تعلق بندوں کے نفع کے ساتھ ہے جو کہ افطار ہے۔ تو اس کی مشابہت بندوں کے باقی حقوق کے ساتھ ہوگئی۔ اور عیدِ قربانی کا حکم بھی ظاہر روایت کی رو سے عیدِ فطر کی مانند ہے۔ اور یہی اصح ہے۔ لیکن اس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک روایت مختلف ہے جس کی رو سے عیدِ قربانی کا چاند رمضان المبارک کے چاند کی مانند ہے۔ کیونکہ اس سے بندوں کے منافع کا تعلق ہے اور نفعِ قربانیوں کے گوشت کے ساتھ فراخ دستی ہے)

قال ابن همام رحمة الله في شرحه في صفحة ۲۰۳ من فتح القدير

قوله لانه تعلق به نفع العباد تعليل لظاهر الرواية و في التحفة رجع رواية النوادر فقال والصحيح انه يقبل فيه شهادة الواحد. لان هذا من باب الخبر فإنه يلزم المخبر اولا ثم يتعدى الى غيره

وايضا فإنه يتعلق به امر ديني و هو وجوب الاضحية و هو حق الله تعالى فصار كهلل رمضان في تعلق حق الله تعالى به فيقبل في الغيم الواحد العدل ولا يقبل في الصحوا لا التواتر ما

(ترجمہ: قولہ: کیونکہ اس کے ساتھ بندوں کے نفع کا تعلق ہے۔ یہ ظاہر روایت میں بیان کردہ حکم کی تعلیل ہے۔ تحفہ میں نوادر کی روایت کو ترجیح دی گئی ہے۔ صاحب تحفہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ اس بارے میں ایک شخص کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ شہادتِ خبر کے باب سے ہے تو پہلے یہ خبر دینے والے پر لازم ہوتی ہے پھر اس سے متعدی ہو کر اوروں پر لازم ہوتی ہے۔ نیز اس کے ساتھ ایک دینی معاملہ کا تعلق ہے۔ اور وہ ہے قربانی کا واجب ہونا جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تو یہ چاند بھی رمضان المبارک کے چاند کی مانند ہے کہ اس کا تعلق بھی

الهداية: جلد اول: جز ۲، صفحہ ۲۵۲، ادارة المعارف والعلوم الاسلاميه كراچي

فتح القدير جلد ۲ صفحہ ۶۱، ۶۲، المطبعة الكبرى الاميرية مصر

اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ہے۔ لہذا بادل میں ایک عادل کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ لیکن مطلع صاف ہونے کی صورت میں متواتر اخبار کو ہی قبول کیا جائے گا)

و فی صفحہ ۵۴ من الجزء الاول للدر المختار

فی شرح المنیۃ للعلی عند قوله و لا يجوز مس مصحف الابدغلافه اذا تعارض

امامان معتبران عبر احدهما بالصحيح والآخر بالاصح فالأخذ بالصحيح أولى لانهما

اتفقا علی انه صحيح والأخذ بالمتفق اوفق فلیحفظ ما

(ترجمہ: حللی کی شرح منیہ میں جہاں منیۃ المصلیٰ میں ہے کہ قرآن مجید کو غلاف کے بغیر چھونا جائز نہیں۔ اس پر

علامہ حللی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا جب دو معتبر اماموں کا تعارض ہو ایک نے ایک صورت کو صحیح سے تعبیر کیا

جب کہ دوسرے نے دوسری کو اصح سے تعبیر فرمایا تو صحیح والے قول کو اپنانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ دونوں اس

صورت کے صحیح ہونے پر اتفاق کرتے ہیں تو متفق صورت کو اپنانا اوفق ہے اسے خوب یاد رکھ لو)

لہذا اھلال عید الفصحی میں بقول صحیح ایک مرد مسلمان عادل کی بھی گواہی عید اور قربانی کر لینے کے واسطے

کافی تھی، گواہی صورت مستولہ میں بموجب روایت ظاہر الروایت تو بعض ثقہ اور بعض مستور الحال موجود

ہیں۔ اندریں صورت صحت نماز عید اور صحت قربانی میں کسی طرح بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ اس کی مخالفت کرنا

اور یہ کہنا کہ نہ نماز ہوئی نہ قربانی فی الواقع یہ ایسے ہی مولوی اور ان کے بھولے بھالے قلعین ہی کا کام ہے جو

امکان کذب جناب باری کی قائل ہیں۔ اور مجلس میلاد رسول اللہ ﷺ کو کنیا کے جنم اشٹمی سے تشبیہ دیتے ہیں

جیسا کہ کلام مستفتی سے ظاہر ہے۔

اعاذنا اللہ و جمیع المؤمنین من امثال هذه المفتین آمین ثم آمین.

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام اہل ایمان کو اس قسم کے مفتیوں سے اپنی پناہ میں رکھے آمین ثم آمین)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد

الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱ صفحہ ۵۴ مکتبہ رشیدیہ کونٹہ



﴿فتویٰ نمبر.....99﴾

سوال

عرفہ کے روزہ کا کیا حکم ہے۔

محمد اسلام خان  
قصبہ شمس آباد ضلع آگرہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

تفسیر عزیزی میں تفسیر والفجر میں ہے کہ ذی الحجہ کے نوروزوں کے ایک دن کا روزہ برس دن کے

برابر ہے۔ اس میں عرفہ آ گیا۔

حورہ: محمد دیدار علی عفی اکبر آباد



تفسیر عزیزی: پارہ عم: صفحہ: ۱۵۸ مطبوعہ لاہور میں ہے

روزہ ہر روز آن دہ روز برابر یک سال است

ترجمہ: ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں سے ہر دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر ہے۔

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....100﴾

### سوال

آگرہ میں ایک شاہ صاحب نووارد ہیں جو اپنے کو شاہ بہاء الدین کا خلیفہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ایک مسماۃ کے گھر جو ان سے تعارف و ارادت رکھتی تھی تشریف لائے۔ عورت نے بوجہ نادانستگی اپنے خوردسال بچے کے ہاتھ پان بنا کر ان کے لئے باہر بھیج دیا۔ مگر شاہ صاحب روزہ دار تھے تاہم انہوں نے ٹھیک دس بجے دن کے پان مرسلہ عورت نوش فرما کر اپنا نفل روزہ توڑ دیا یہ کہہ کر کہ اس تحفہ پان کو رد کرنا نہیں چاہتا۔ اور پھر دوسرا پان گھر میں سے منگوا کر مسماۃ کے شوہر کو بھیج دیا کہ جو ان سے عقیدت رکھتا تھا نفل روزہ توڑا دیا۔ اس معاملہ کے دس پندرہ دن بعد وہی عورت آگہ پر سوار ہو کر اپنے ایک رشتہ دار کے گھر جاتی تھی۔ شدتِ دھوپ کا وقت تھا۔ شاہ صاحب نے براہِ کرم بہ اصرار تمام اس عورت کا نفل روزہ توڑا دیا۔ تب اس کو دھوپ میں اپنی رشتہ داری میں جانے دیا۔ پس کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ یہ فعل شاہ صاحب کا کس حد تک شرعاً جائز و روا تھا۔ اور اس کا فاعل موجب ثواب یا عذاب ہوگا اور اس کا مرتبہ گروہ اسلام میں کیسا سمجھنا چاہئے؟

۲ شعبان ۱۳۶۰ھ ۱۳ مئی ۱۹۱۸ء

محمد نواب مرزا حکیموں گلی آگرہ

### الجواب

اللهم رب زدنی علماً۔

☆ نفل روزہ رکھ کر کسی کی ناراضگی کے خیال سے یا کسی مسلمان کے خوش کرنے کی نیت سے یا خوفِ شدتِ گرمی یا شدتِ تشنگی سے توڑنا جائز ہے۔ مگر پھر اس روزہ کو قضا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صفحہ ۱۸۱ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع مجتہدائی دہلی میں ہے

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت دخل علی النبی ﷺ ذات یوم فقال هل عندکم

شیء فقلنا لا قال فانی إذا صائم ثم اتانا یوما آخر فقلنا یا رسول اللہ ﷺ اهدی لنا حیس

فقال ارنیه فلقد صحبت صائما فاكل رواه مسلم.

(ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف فرما ہوئے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا پھر آج میرا روزہ ہے۔ اس کے بعد آپ ایک اور دن تشریف لائے ہم نے عرض کی ہمارے ہاں جیس یعنی ایک کھانا جو کھجور، گھی اور ستو سے تیار ہوتا ہے ہدیہ کے طور پر آیا ہے تو آپ نے فرمایا مجھے دکھاؤ میں صبح سے روزہ سے ہوں آپ نے وہ کھایا۔ اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا)

و عن ام هانی قالت لما كان يوم الفتح فتح مكة جاءت فاطمة فجلست على يسار رسول الله ﷺ و ام هانی عن يمينه فجاءت الوليدة باناء فيه شراب فناولته فشرب منه ثم ناوله ام هانی فشربت منه فقالت يا رسول الله لقد افطرت و كنت صائمة. فقال لها ا كنت تقضين شيئا قالت لا قال لا يضرک ان كان تطوعا. رواه ابو داؤد و الترمذی و الدارمی و فی رواية لاحمد و الترمذی نحوه و فيه فقالت يا رسول الله اما كنت صائمة فقال الصائم المتطوع امير نفسه ان شاء صام و ان شاء افطرا

(ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب فتح یعنی فتح مکہ کا دن تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور نبی اکرم ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام ہانی آپ کے دائیں جانب تھی ایک چھوٹی بچی ایک برتن اٹھائے آئی اس میں پینے کی کوئی چیز تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے نوش فرمایا پھر وہ ام ہانی کو دے دیا تو میں نے بھی پیا۔ ام ہانی عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ میں روزہ افطار کر دیا حالانکہ میرا روزہ تھا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم قضا کر رہی تھیں تو اس نے عرض کیا نہیں تو فرمایا اس کا تجھ کچھ نقصان نہیں ہے بشرطیکہ تمہارا یہ روزہ نفلی ہو۔ اسے امام ابو داؤد و رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام

دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت میں بھی اسی طرح ہے اور اس حدیث میں یوں ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا میرا روزہ نہ تھا تو فرمایا نفلی روزہ رکھنے والا اپنے آپ کا حکم ان ہوتا ہے چاہے وہ روزہ رکھے اور چاہے افطار کرے)

و عن زہری عن عروۃ عن عائشہ قالت کنت انا و حفصۃ صائمۃین فعرض لنا طعام اشتہیناہ فاکلنا منه فقالت حفصۃ یا رسول اللہ انا کنا صائمۃین فعرض لنا طعام اشتہیناہ فاکلنا منه قال اقضیا یو ما آخر مکانہ رواہ الترمذی ما۔

(ترجمہ: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور حفصہ روزہ سے تھیں ہمارے سامنے کھانا آیا جس کی ہمیں خواہش تھی۔ تو ہم نے اس سے کھالیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دونوں روزہ دار تھیں ہمارے سامنے کھانا آیا۔ اس کی ہمیں خواہش تھی تو ہم نے اسے کھالیا تو فرمایا اس کی جگہ ایک دن قضا کر لو۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا)

قال فی اللمعات والمرقات شرحی المشکوۃ ما

(ترجمہ: لمعات اور مرقات المفاتیح جو دونوں مشکوٰۃ شریف کی شرحیں ہیں میں ہے)

قولہ ﷺ اقضیا هذا دلیل الحنفیۃ علی وجوب قضاء صوم التطوع ما۔

(ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: تم دونوں قضا کر لو یہ احناف کی دلیل ہے اس حکم شرعی پر کہ نفلی روزہ کی قضا واجب ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد

۸ شعبان ۱۳۳۶ھ

مکتبہ امدادیہ ملتان  
مکتبہ امدادیہ ملتان

صفحہ ۱۸۱  
صفحہ ۱۸۱

مشکوٰۃ المصابیح  
حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح

۱  
۲

# خرید و فروخت



## ﴿فتویٰ نمبر.....101﴾

## سوال

نوٹ پر کمیشن کرنسی لے کر فروخت کرنا جائز ہے؟ دوکان پر کوئی خرید کرنے آئے تو دوسرے دوکان سے مال لا کر اس کو نرخ پر دینا اور ایک آنہ دلالی لینا جائز ہے؟

سودگران لکونہ متصل جامع مسجد آگرہ

۵ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

## هو المصوب

نوٹ شرعاً بحکم سرکار عامل ہے جو گم ہو جائے تو ثمنی اس کامل جاتا ہے۔ نہ دراصل روپیہ ہے اور نہ سونا ہے۔ پس بظاہر اس کی کرنسی رواج اور ضرورت پر ہو جائز ہے جیسے سکہ سے چاندی۔ جن کی قیمت زیادہ کم ہو جاتی ہے۔ لہذا جائز سمجھا جائے گا کہ نوٹ کو حسب رواج کم و بیش فروخت کیا جائے اور اگر نوٹ کو روپیہ فرض کیا جائے تو بے شک کرنسی نا جائز ہوگی جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے مگر اول قول زیادہ محقق ہے۔

اگر شے مبیعہ بوجہ عیب یا دھوکہ دینے بائع کے واپس کرے تو واپس لینا ہوگا۔ من الحامدیۃ

ان غره ای غر المشتري البائع و بالعکس او غره الدلال فله الرد والا فلاوبه افتی صدر الاسلام وغیرہ و تصرفه فی بعض المبیع قبل علمه بالغبن غیر مانع منه فی رد مثل ما ائلفه و يرجع بكل الثمن علی الصواب علائی علی التنویر الخ ما .

(ترجمہ: اگر خریدار کو فروخت کنندہ نے دھوکا دیا یا معاملہ اس کے برعکس ہو یا دلال نے دھوکا دیا تو اسے اجازت ہے کہ بیع کو لوٹا دے ورنہ نہیں لوٹا سکتا حضرت صدر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء نے یہی فتویٰ دیا ہے اور غبن

کے علم سے قبل بیع کے کسی حصہ میں تصرف اس اختیار کے مانع نہیں ہے لہذا جتنا خرچ کیا اس کی مثل واپس کرے اور درست قول یہی ہے کہ پوری ادا کردہ قیمت لوٹالے یہ جزئیہ علانی علی التتویر سے ماخوذ ہے (ایسی صورت میں کہ دلال بائع سے لے کر خود فروخت کر دے تو اس کو دلالی اصل بائع سے لینا چاہئے۔ فتاویٰ حامد یہ میں ہے۔)

الدلال اذا باع العين بنفسه ثم اراد ان ياخذ من المشتري الدلالة ليس له ذلك لانه هو العاقد حقيقة و تجب على البائع الدلالة لانه فعل بامر البائع ما .  
(ترجمہ: دلال جب کسی چیز کو خود فروخت کرے پھر خریدار سے دلالی وصول کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کیوں کہ حقیقت میں وہ خود معاملہ طے کرنے والا ہے اس کی دلالی فروخت کرنے والے کے ذمہ ہوگی کیوں کہ اس نے فروخت کنندہ کے حکم سے فروخت کی ہے)

والله اعلم بالصواب  
کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....102﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ میرا حصہ مکان جس میں ہم تین بھائی شریک ہیں اگر میں بلا تقسیم کسی اجنبی کو بیچوں تو جائز ہے یا نہیں جائز؟ اور اگر بھائی خرید لیں تو مجھ کو ان کو اسی قیمت پر جو دوسروں سے ملتی ہے دینے میں کچھ عذر نہیں ہے۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم .

الله رب زدنی علما

خواہ اجنبی کو حصہ مذکور بیچا جائے خواہ اپنے دونوں بھائیوں کو یا ایک کو جو اس مکان میں شریک ہیں اگر مع زمین مشترکہ بیچا جائے بلا اختلاف جائز ہے کوئی حرج نہیں۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ





## ﴿فتویٰ نمبر.....103﴾

## سوال

مالا بدمنہ ترجمہ اردو ذریعہ بیع تجارت وغیرہ میں درج ہے کہ ”حضرت رسول اللہ ﷺ جب قرض ادا کرتے تھے تو بجائے ایک وسق کے دو وسق ادا کرتے تھے“ لہذا کتاب مذکور کی عبارت سے ایک خیال یہاں پر یہ پیدا ہو گیا ہے کہ جب صاف کتاب بیع میں ایسی عبارت درج ہے تو مسلمان کو بلا شرط اس طور قرض دینے والے کو لینے والا ضرور کچھ فائدہ پہنچائے۔

۷ ارمان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

جو کچھ مالا بدمنہ میں لکھا ہے بہت صحیح ہے۔ اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔ مگر اس وقت تک ہی مستحب ہے کہ جب کبھی قرض دار وقت اداء قرض اگر کچھ بھی زیادہ (نہ دے) تو قرض خواہ کچھ بھی نہ مانگے نہ شکایت کرے۔ ورنہ قرض دہندہ یہ سمجھ کر دے گا کہ یہ ضرور وقت ادا کی کچھ زیادہ؟ دیتا ہے۔☆ اگر کبھی نہ دے گا تو پھر حسب عرف تقاضا کر کے زیادہ لے لوں گا تو پھر بلاشبہ سود ہو جائے گا۔

چنانچہ صفحہ ۳۵ جلد چہارم مبسوط شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ میں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر قرض لینے سے پیشتر قرض دہندہ کو کبھی کھانا نہیں کھلاتا تھا تو اب بوجہ قرض کھانا۔۔۔۔۔ حرام ہے۔۔۔۔۔

عن محمد بن سيرين قال اقرض عمر بن خطاب رضي الله عنه ابى بن كعب رضي الله عنه عشرة الاف درهم و كانت لابي رضي الله عنه نخل بعجل فاهدى ابى بن كعب رضي الله عنه رطبا لعمر رضي الله عنه فرده عليه فلقيه ابى فقال اظننت انى اهديت اليك لاجل مالك ابعث الى مالك فخذہ فقال عمر لابي رضي الله عنهما رد علينا

.....  
 ہدیتنا و بہ ناخذ فان عمر رضی اللہ عنہ انما رد الہدیۃ مع انہ کان یقبل الہدایا لانیہ ظن انہ  
 اہدی الیہ لاجل مالہ فکان ذلک منفعۃ القرض فلما اعلمہ ابی رضی اللہ عنہ انہ ما اہدی  
 الیہ لاجل مالہ قبل الہدیۃ منہ وهذا هو الاصل و لہذا قلنا ان المنفعۃ اذا کانت مشروطۃ  
 فی الاقراض فہو قرض جر منفعۃ و ان لم یکن مشروطۃ فلا باس بہ لحتی لو  
 رد المستقرض اجود مما قبضہ فان کان ذلک عن شرط لم یحل لانہ منفعۃ القرض و ان م  
 یکن ذلک عن شرط فلا باس بہ لانہ احسن فی قضاء الدین و هو مندوب الیہ۔

☆ ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت  
 ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم قرض دیا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا عجل میں کھجوروں کا باغ تھا  
 تو آپ نے پکی ہوئی تازہ کھجوریں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو تحفہ میں ارسال کیں آپ نے وہ ان کو  
 واپس لوٹا دیں۔ پھر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور عرض کیا آپ نے گمان کیا کہ میں  
 نے آپ کو یہ تحفہ آپ کے مال کے باعث بھیجا تھا۔ اپنے مال کی طرف کسی کو بھیج دو اور اسے لے لو۔ اس پر  
 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارا تحفہ ہمیں واپس بھیج اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ کیوں کہ حضرت  
 عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحفہ لوٹا دیا تھا حالانکہ آپ تحفے قبول فرمایا کرتے تھے کیوں کہ انہوں نے گمان کیا کہ  
 انہوں نے ان کے مال کی وجہ سے ہدیہ بھیجا تھا۔ تو یہ قرض پر نفع ٹھہرتا تھا۔ جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے  
 انہیں بتایا کہ انہوں نے مال کی وجہ سے ہدیہ نہ دیا تھا تو آپ نے ہدیہ قبول کر لیا۔ اور یہی قانون ہے۔ اسی لیے  
 ہم کہتے ہیں جب قرض دینے میں منفعت شرط ہو تو یہ ایسا قرض ہوتا جو نفع کے حصول کا باعث ہوتا ہے۔ اور اگر  
 نفع کی شرط نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ حتیٰ کہ اگر قرض دار نے وصول شدہ مال سے بہتر مال واپس کیا اگر یہ شرط کے  
 باعث نہ ہو تو حرج نہیں۔ کیوں کہ اس نے قرض کی ادائیگی میں بہتر طریق اپنایا اور یہ مستحب ہے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....104﴾

### سوال

ایسی شے تجارت کی جس کا نرخ بازار میں ایک قائم نہیں رہتا جیسے پارچہ یا دیگر اور یہ ہمراہ روپیہ بارضامندی خریدارزائد قیمت پر بوعده کسی مدت کے بیچ جائز ہے کہ نہیں؟

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اگر خریدار سے یہ معلوم کر کے ادھار خریدے گا دس روپیہ کی چیز کو گیارہ بارہ کو بیچے اور یہ کہہ بھی دے کہ نقد دس کو بیچ رہا ہوں اور وہ اس امر پر راضی ہو جائے بلا تکلف جائز ہے۔ بوجہ پائے جانے ارکان بیچ کے مع الشروط کہ وہ مبادلہ مال کا ہے بتراضی بائع و مشتری۔ البتہ اولیٰ یہ ہی ہے نقد ادھار ایک نرخ سے بیچے۔ البتہ اس طرح بیچنا جائز ہے کہ کسی سے اس طرح بیچ کرے کہ اگر نقد روپیہ دو گے تو میں نے تم کو یہ

مال دس میں بیچا ورنہ بارہ میں چنانچہ صفحہ ۲۲۸ مشکوٰۃ شریف میں ہے

عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعة رواہ مالک والترمذی

وابوداؤد والنسائی

☆ (ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک بیچ میں دو بیعوں کو جمع

کرنے سے منع فرمایا۔ مالک ترمذی، ابوداؤد و نسائی)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....105﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت قبل ذبح طے کر سکتا ہے یا نہیں؟  
اگر کر سکتا ہے تو کتنے دن پہلے؟

محمد اسلام خان قصبہ شمس آباد ضلع آگرہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

بقول مفتی بہ جو چیز پیدائشی طور سے دوسری چیز میں ملی ہوئی ہو جیسے کھال اور بال کہ بال کھال سے اور کھال گوشت سے ملی ہوئی ہے اس کو تا وقتیکہ باہم جدا نہ کر لے اس کا بیچنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس طرح بیچ کر اچھی طرح جدا کر کے خریدار کو دیدی جب بھی بیچ فاسد غیر صحیح ہی رہتی ہے خواہ وہ قربانی کی کھال ہو۔

كما في الدر المختار

بيع لبن في ضرع و لو لؤ في صدف و صوف على ظهر غنم و كذا كل ما اتصاله خلقى كجلد حيوان كما مر لما انه معدوم عرفا و لو سلم الصوف او اللبن بعد العقد لم ينقلب صحيحا فقط

☆ (ترجمہ: تھنوں میں موجود دودھ سپی میں موجود موتی اور بھیڑ بکری کی پیٹھ پر موجود اون کی بیچ فاسد ہے اور اسی طرح ہر اس شے کی بیچ فاسد ہے جس کا اتصال دوسری چیز کے ساتھ پیدائشی طور پر ہو جیسے کہ جانور کی کھال جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ یہ عرف میں معدوم شمار ہوتی ہیں اگر بائع نے عقد بیچ کے بعد اون اور دودھ خریدار کے سپرد کر دیئے تب بھی یہ بیچ صحیح نہیں ہوگی)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ بہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....106﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان کلمہ گو سیندھی یعنی تاڑی (جو ایک نشی شے بمنزلہ شراب کے ہوتی ہے) بیچنے کا سرکار سے اجارہ لینا اور خود بذاتہ فروخت کرنا یا ملازمان سے فروخت کروانا اور فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۹ شعبان ۱۳۶۶ھ

ایک عالم نے اس کی فروخت کی بابت فتویٰ دے دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ گنے کارس بیچنا اور اس سے فائدہ اٹھانا عوام کا طریقہ ہے۔ اسی طرح درخت سیندھی یعنی کھجور کارس المعروف تاڑی کے بیچنے میں بھی کسی قسم کا حرج نہیں۔ کیوں کہ جس زمین میں یہ درخت ہوتے ہیں وہ زمین تو رکھتی رہتی ہے اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور سرکاری محصول دینا پڑتا ہے۔ اس لئے اس کا بدلہ اس طریق سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا اس عالم کا کہنا صحیح ہے یا غلط اور اگر غلط ہے تو ایسا فتویٰ دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے کی بابت شریعت میں کیا حکم ہے؟ بحوالہ عبارات کتب مفصل تحریر فرما کر اعزاز فرمائیں اور اجر عظیم کمائیں۔

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ سنا جاتا ہے کہ علی الصبح جب جاڑوں میں برتن تاڑی کا درخت سے کھولا جاتا ہے اس میں نشہ نہیں ہوتا اور کچھ دیر بعد اس میں نشہ آتا ہے لہذا جس شخص کو بیچی جائے اگر وہ کافر ہے اور تاڑی میں ابھی نشہ بھی نہیں آیا ہے مگر یہ معلوم ہے کہ یہ نشہ کے واسطے خریدتا ہے تو بعض کے نزدیک اس سے بیچ کر قیمت لینا جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے اور مسلمان سے بیچ کی جائے اور یہ علم ہو کہ نشہ کی غرض سے خریدتا ہے باتفاق مکروہ تحریمہ بلکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو حرام ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۷۶ جلد خامس باب الخطر والاباحہ در مختار میں ہے:

و جاز بیع عصیر عنب ممن يعلم انه يتخذہ خمرا لان المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره و قيل يكره لاعالته على المعصية و نقل المصنف من السراج والمشكلات ان قوله ممن ای من كافر اما بيعه من المسلم فيكره و مثله في الجوهره والباقاني وغيرهما وزاد القهستاني معزيا للخانية انه يكره بالاتفاق۔

(ترجمہ: انگور کارس اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے جو اسے شراب بنائے گا۔ کیوں کہ گناہ اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہے بلکہ اس میں تبدیلی آچکنے کے بعد جو شراب حاصل ہوگی اس کے ساتھ گناہ قائم ہوگا۔ بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیوں کہ اس میں گناہ پر اعانت ہوتی ہے۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے السراج اور المشكلات سے نقل فرمایا کہ قولہ اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا اس سے مراد کافر ہے۔ مسلمان کے ہاتھ اسے فروخت کرنا مکروہ ہے جو ہرہ باقانی وغیرہ میں اسی طرح ہے قہستانی خانیہ کی طرف منسوب کر کے یہ اضافہ فرمایا کہ یہ بالاتفاق مکروہ ہے)

و ایضا فی الدر المختار فی صفحہ ۲۳۷

کل مکروہ ای کراہة تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبة بالنار عند محمد و اما المکروه کراہة تنزیہ فالی الحل اقرب اتفاقا عندهما وهو الصحيح المختار. و مثله البدعة والشبهة الی الحرام اقرب فالمکروه تحریمما نسبتہ الحرام کنسبته الواجب الی الفرض فیثبت بما یثبت به الواجب یعنی بظنی الثبوت و یائم بارتکابه کما یائم بترک الواجب۔

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

۲ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۲۰۹ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

(ترجمہ: ہر مکروہ یعنی جس میں کراہت تحریمی پائی جائے حرام ہوتا ہے۔ یعنی وہ دوزخ میں سزا کے اعتبار سے حرام کی مانند ہے۔ یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ لیکن وہ مکروہ جس میں کراہت تزیہی پائی جائے وہ بالاتفاق حلال کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اور یہی صحیح اور پسندیدہ قول ہے اور اس کی مثال بدعت ہے شبہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔ مکروہ تحریمی کی نسبت حرام کے ساتھ اس نسبت کی مانند ہے جو واجب کو فرض سے ہوتی ہے۔ لہذا یہ اسی طرح کی دلیل شرعی سے ثابت ہوگا جس سے واجب ثابت ہوتا ہے۔ یعنی ظنی الثبوت دلیل سے ثابت ہوگا۔ اور اس کے ارتکاب سے آدمی اسی طرح گناہ گار ہوگا جس طرح کے واجب کے ترک کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے)۔

قال الشامی:

قوله ای کراہة تحریم وھی المرادۃ عند الاطلاق کما فی الشرح و قیدہ بما اذا کان فی باب الحظر والاباحۃ الخ بیری۔  
ترجمہ: قولہ: مکروہ تحریمی اور جب مکروہ بولا جائے اور اس کے ساتھ کوئی قید نہ ہو تو پھر یہی مراد ہوتا ہے جیسا کہ شرح میں ہے اور اسی میں ہے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ لفظ باب الحظر والاباحہ میں ہو) اور ظاہر ہے کہ روایت مذکورہ میں کراہت مطلقہ ہے اور روایت مذکورہ روایت باب الحظر والاباحہ کی بھی ہے۔ لہذا روایت مذکورہ میں مراد کراہت سے امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک حرمت مراد ہے۔ اور بقول شیخین کراہت تحریمہ واللہ اعلم و علمہ احکم

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....107﴾

## سوال

گزارش یہ ہے کہ لوکل ایجنسی کا سرمایہ جو بینک بنگال میں بلا سود جمع ہو رہا ہے اس کا زر سود رائیگان جاتا ہے۔ اب بوجہ اشد ضرورت تعلیم انگریزی اطفال مسلمانان آگرہ یہ درخواست ہے کہ وہ رقم سود مسلم ہائی اسکول آگرہ کو دے دی جائے جو بمقابلہ ضائع و بیکار ہونے کے اس طور پر صرف میں آجانا قرین مصلحت ہے۔ یہ بھی التماس ہے کہ اگر فتویٰ لیا جانا ضرور ہو تو ہم سے طلب کیا جائے۔

حسب استفسار ممبران لوکل کمیٹی خصوصاً پیری خان صاحب و ڈپٹی عبدالغفار خان صاحب  
سائل: فخر الدین سید محمد علی ممبران کمیٹی ہائی اسکول اسلامیہ آگرہ ۸ جون ۱۹۱۶ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

☆ بقول مختار ہندوستان دارالحدیث نہیں ہے اور نص قرآنی صراحتاً ناطق ہے۔

قال الله تعالى:

احل الله البيع و حرم الربا

یعنی: اللہ نے بیع کو حلال کر دیا اور ربا یعنی بیاج کو حرام کر دیا

اور ربا کی تعریف صاحب ہدایہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

ان الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض

شرط فيه ولا يعتبر الوصف لانه لا يعد تفاوتاً عرفاً.



(ترجمہ: سود وہ زیادتی ہوتی ہے جس کا مستحق معاوضہ میں معاملہ کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ وہ زیادتی کسی کے عوض میں نہیں ہوتی۔ نیز وہ زیادتی معاملہ میں شرط کی گئی ہوتی ہے۔ اور معاملہ میں بدل قرار دی گئی چیزوں کے وصف کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ ہونے کا عرف عام میں اعتبار نہیں ہوتا) مگر یہ تعریف وزنی اور کیلی چیزوں میں متحقق ہوتی ہے۔ جیسا چاندی، سونے، اناج، مثلاً اگر کسی نے ایک روپیہ کی چاندی خریدی اور بغیر بہاؤ پوچھنے کے یا بعد پوچھنے بہاؤ کے بائع کو دس روپیہ دے دیئے۔ اور اس نے بغیر مانگنے مشتری کے بلا شرط کم و بیش گیارہ روپیہ بھر چاندی دیدی تو بھی یہ ایک روپیہ بھر شرعاً حقیقتہً بیاج ہے۔ اس واسطے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اگر روپیہ کے ساتھ ایک روپیہ کے پیسہ شریک کر کے خریدی جائے تو بوجہ جنس بدل جانے کے اب گیارہ روپیہ بھر چاندی حلال ہو جائے گی۔

مگر صورتِ مسئولہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ روپیہ بنک میں بلا شرط کمی بیشی امانت رکھا جاتا ہے یا بطریقہ قرض دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں قطع نظر اس امر سے کہ وقف کا روپیہ متولی کہاں کہاں محفوظ رکھ سکتا ہے اور بطور قرض دے بھی سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ بصورتِ امانت بجز اپنی امانت کے زیادت کا ہرگز استحقاق نہیں۔ اور اگر بصورتِ قرضہ دیا جاتا ہے تو اگر بشرط نفع قرض دیا جاتا ہے کہ ہم علاوہ اپنے روپیہ کے وقت ادائیگی تم سے روپیہ سینکڑہ مثلاً زائد لیں گے۔ بلاشبہ وہ ایک روپیہ زائد لینا حرام ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

☆ وفي الاشباہ ☆ كل قرض جو نفعاً فهو حراماً

(ترجمہ: الاشباہ میں ہے ہر قرض جو نفع لائے وہ حرام ہے)

قال الشامي رحمة الله عليه في صفحه ۱۰۲ من الجزء الرابع لرد المحتار

قوله كل قرض ای اذا كان مشروطاً كما علم مما نقله عن البحر و عن الخلاصة ۱۔

۱۔ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۷ صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ رد المحتار جلد ۷ صفحہ ۲۹۸ دار احیاء التراث العربی بیروت

(ترجمہ: قولہ: ہر قرض یعنی جب کہ نفع قرض لینے دینے میں شرط ہو جس طرح کہ البحر الرائق اور خلاصہ کی نقل کردہ عبارت سے معلوم ہوا ہے)

اور اگر وقت قرض دینے کے نفع کی شرط نہ لفظاً تھی نہ عرفاً اور وقت ادا نیگی قرضدار بطریق جزائے

احسان

کے کچھ زائد دیدے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

كما في الشامي في الصفحة المذكورة :

وفي الذخيرة و ان لم تكن النفع مشروطا في القرض فعلى قول الكرخي لا باس

بہا

(ترجمہ: اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر نفع لینے دینے کی شرط قرض میں نہ ہو تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس نفع لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی المجددی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....108﴾

## سوال

ایک شخص نے ایک روپیہ ایک ماہ کے وعدہ پر قرض لیا اور وعدہ کیا کہ ایک روپیہ اور دس بابا کے سیر گیہوں زائد دوں گا تو جائز ہے یا نہیں۔ اس کو دیہات میں روپ کہتے ہیں۔ جاہل لوگ منسوب بہ سود کرتے ہیں۔ اس کا جواب مشرح معہ حوالہ کتب مرقوم ہو۔

سائل: مولوی علاء الدین

نگلہ پرنگلہ حسن ضلع کھیڑی اودھ

۲۲ فروری ۱۹۱۶ء

## الجواب

روپیہ قرض اس شرط پر دیا کہ اس کی واپسی پر اس قدر گیہوں یا پیسے (زوائد) ملیں گے شرعاً جائز نہیں۔ کیوں کہ قرض میں شرط منافع کی کرنا سود میں داخل ہے۔

☆ کل قرض جر نفعاً فہو ربا ما

(ترجمہ: ہر قرض جو نفع لائے وہ سود ہے)

در مختار میں ہے:

فلو شری عشرة دراهم فضة لعشرة دراهم وزاده دانقا ان وہبہ منہ انعدم الربا ولم

یفسد الشراء۔

(ترجمہ: اگر دس درہم کے بدلے دس درہم چاندی خریدی اور ایک دانق زائد دیا اگر وہ دانق دینے والے نے

الجامع الصغير مع شرح فيض القدير	جلد ۵	صفحہ ۲۸	مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
الدر المختار علی هامش رد المحتار	جلد ۴	صفحہ ۱۹۶	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہبہ کر دیا تو ربا ختم ہو گیا اور وہ بیع فاسد نہ ہوئی)

فلو مشروطا و جب ردہ ما .

(ترجمہ: اگر ایک دانق بیع میں بطور شرط شامل ہو تو اس کا واپس کرنا واجب ہے)

جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر شرط قرض کی واپسی کے وقت کچھ زائد سلوک کر دے تو جائز ہے مگر قرض

لیتے وقت یہ شرط نہ کرے ورنہ سود ہوگا۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....109﴾

## سوال

ایک مسلمان متوفی پر ایک ہندوسا ہوکار کا ڈیڑھ صد روپیہ قرض ہے۔ من جملہ اور اس کے (ایک سو روپیہ) اصلی اور ۵ روپے سود کا ہے۔ وارث متوفی کے اصل روپیہ دینا چاہیں تو کیا سود کا مواخذہ قرض دار متوفی پر آخرت میں ہوگا یا وہ شرعاً ناجائز سمجھا جائے گا؟ کیوں کہ سود لینا دینا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔

۷ ارمضان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

حتی المقدور سود کا نہ دینا بہتر بلکہ ضروری ہے اس میں کوئی مواخذہ شرعی نہیں ہے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی فی جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....110﴾

سوال

بیع سلم یعنی لانے کرنا ایک روپیہ دے کر ایک من گیہوں لینا از روئے شرع جائز ہے اور بیع سلم کس طرح شرع میں جائز ہے۔

سائل: مولوی علاء الدین نگلہ

پرگنہ نگلہ حسن ضلع کھیڑی اودھ

۲۲ فروری ۱۹۱۶ء

الجواب

بیع سلم جس کو لانے کہتے ہیں اس میں ضرور ہے کہ اول قسم اس چیز کی جس کی قیمت مقرر کرے پھر اس کا نرخ پھر اس کی جگہ پھر اس کا وقت کہ فلاں ماہ۔ پس یہ بیع سلم جائز ہے۔ نرخ کی کمی بیشی بائع مشتری کی رضامندی پر ہے۔ مگر اس قدر زیادتی شرعاً مکروہ ہوگی۔

کتبہ: السید المفتی محمد اعظم غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....111﴾

### سوال

بجائے ایک من جو نخود کے ایک من غلہ بوعده کسی مدت کے لینا درست یا نہیں؟

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ

### الجواب

باب ربا میں قاعدہ کلیہ یہ ہے جب ثمن اور بیع ایک جنس ہوں جیسے چاندی چاندی کے ساتھ خریدی جائے یا سونا سونے کے ساتھ خریداجائے خواہ ایک طرف کھوٹا ہو اور دوسری طرف (کھرا) علیٰ ہذا اسکہ دار بے اسکہ کے عوض خریداجائے یا بے اسکہ دار (کے) خواہ دونوں طرف کھرا مال ہو۔ علیٰ ہذا جیسے گیہوں، گیہوں کے ساتھ خریدے جائیں تو اس صورت میں برابر برابر خریدنا جائز ہے اور دست بدست۔ اگر ایک چاول کی بھی زیادتی کمی ہوگی بیع حرام ہو جائے گی اور وہ کمی زیادتی داخل (ربا) ہوگی۔ اور اگر قیمت لے کر چاندی دکان کے اندر سے ہی نکال کر دے گا اتنی دیر کرنا بھی حرام ہوگا۔

اور اگر جنس بدل جائے مثلاً جو کے ساتھ چنے خریدے جائیں مثل صورت مسئلہ کے تو زیادتی کمی بلاشبہ حلال ہے مثلاً من جو کے عوض دو من چنے خریدنا جائز ہے۔ مگر ادھار خریدنا۔ اگر برابر برابر خریدے مطلقاً حرام ہے۔ اس واسطے کہ دونوں ایک طریق سے تول کر لیے دیئے جاتے ہیں۔ البتہ اگر تول بھی بدل جائے مثلاً چنے کا عرف پابلی وغیرہ کے پیمانہ کے انداز سے بیچنے کا کہیں عرف ہو اور جو ترازو سے تول کر دیئے لیے جائیں تو ایسی جگہ من جو دو من اور تین من بھر چنوں کے عوض ادھار بھی بیچنا جائز ہو جائے گا۔ اور اگر چنے مکئی باجرہ وغیرہ کا انداز تول سے اگر عرف ہو گا وزنی سمجھا جائیں گی اور اگر عرفا کیل یعنی پابلی وغیرہ میں بھر کر بیچنے کا ہو گا کیلی سمجھے۔ مگر جو گیہوں ہمیشہ خواہ عرفا کیل سے بکس یا تول سے ہمیشہ کیلی ہی سمجھی جائے گی۔ لہذا اگر کہیں جو تول سے بکتے ہوں اور چنے کیل سے تو چونکہ جو ہمیشہ کیلی ہی سمجھے جاتے ہیں لہذا کیلی کا کیلی کے ساتھ اندر میں صورت ادھار خریدنا مثلاً چنوں کا ایسی جگہ جو کے ساتھ ادھار خریدنا قطعاً جائز ہوگا اور اگر دست

بدست خرید جائے بوجہ بدل جانے جنس کے من جو کے عوض دوسرے من چنے یا گیہوں لینا مثلاً جائز ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ مذکور میں ہے۔

و اذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم اليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والاصل فيه الاباحة واذا وجد حرم التفاضل والنساء لوجود العلة واذا وجد احدهما وعدم الاخر حل التفاضل وحرم النساء

(ترجمہ: اگر دونوں وصف معدوم ہوں یعنی جنس اور قدر تو ان میں باہمی کمی بیشی سے بیچنا بھی جائز ہے اور اگر ادھار ہو تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ حرام ٹھہرانے والی علت موجود نہیں اور اصل اس میں اباحت ہے۔ اور جب یہ دونوں وصف یعنی قدر اور جنس پائے جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں کیونکہ حرمت کی علت موجود ہے۔ اور جب ایک وصف موجود ہو اور دوسرا معدوم ہو تو زیادتی جائز ہے لیکن ادھار حرام ہے)

حررہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد







حج



## ﴿فتویٰ نمبر.....112﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

- (۱) سات یا آٹھ برس کی لڑکی کے معاف کرنے سے مہر معاف ہو سکتا ہے؟
- (۲) اگر اس کا باپ مہر معاف کر دے معاف ہو سکتا ہے یا باپ کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہو سکتا؟
- (۳) اگر نابالغہ کا شوہر مر جائے ایامِ عدت اپنے سسرال میں شوہر کے گھر ہی پورے کرے یا اپنے میکے میں بھی ایامِ عدت پورا کر سکتی ہے؟
- (۴) اپنے جہیز کی وہ خود مالک ہے یا شوہر متوفی یا اس کے ماں باپ اگر شوہر مر جائے؟
- (۵) اس نابالغہ کے نکاح کا ولی اس کا باپ ہے یا اس لڑکی کے سسرال والے؟

عبدالرحمن امام مسجد باندی کوئی

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

☆ نابالغہ لڑکی کا مہر معاف کر دینا یا اپنی کسی چیز کا ہبہ کر دینا قابلِ اعتبار نہیں۔ لہذا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے مہر معاف نہیں کر سکتی۔ اور وہ بھی جب معاف ہوگا جب خوشی سے معاف کرے۔ اور اگر مار کے خوف سے معاف کر دے ہرگز معاف نہ ہوگا۔ ☆ اور نابالغہ کی طرف سے اس کا ولی جو باپ ہے اگر وہ معاف کر دے جب بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ ☆ نابالغہ کے مال سے ولی کو ہبہ کر دینے اور معافی وغیرہ کا ہرگز اعتبار نہیں ہوتا۔ چنانچہ صفحہ ۳۶۶ جلد دوم در مختار مصری مطبوعہ مع رد المختار میں ہے:-

و صحح حطہا۔

(ترجمہ: عورت کے لیے مہر کا ساقط کرنا درست ہے)

قال الشامی رحمة الله:

(قوله وصح حطها) الحط الاسقاط كما في المغرب و قيد بحطها لان حط أبيها

غير صحيح لو صغيرة و لو كبيرة توقف على اجازتها و لا بد من رضاها ففي هبة الخلاصة

خوفها بضرب حتى وهبت مهر لم يصح لو قادر ا على الضرب الخ

(ترجمہ: قولہ: عورت کے لیے مہر کو ساقط کرنا درست ہے۔ ”حط“ کا معنی ساقط کرنا ہے۔ جیسا کہ مغرب میں

ہے۔ مہر کے ساقط کرنے کو عورت کے ساتھ خاص رکھا کیوں کہ اس کے باپ کے لیے ساقط کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر وہ کم سن ہو۔ اور اگر عورت بڑی (بالغہ) ہو تو ساقط کرنا عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ مہر کے ساقط

کرنے میں عورت کی رضا مندی ضروری ہے۔ خلاصہ کی کتاب الہبہ میں ہے اگر مارنے دھمکی دی حتی کہ عورت

نے مہر ہبہ کر دیا۔ اس صورت میں اگر دھمکی دینے والا مارنے پر قادر ہو تو اس کا ساقط کرنا درست نہیں)

اور دعویٰ مہر نابالغہ کی طرف سے نابالغہ کا ولی اقرب جو اس کا ولی نکاح ہے وہی کر سکتا ہے۔

نابالغہ پر چار مہینے دس روز تک کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ چار مہینے دس روز عدت بیٹھنا اس پر

بھی لازم ہے۔ چنانچہ صفحہ ۶۵۵ در مختار مذکور میں ہے۔

والعلة للموت اربعة اشهر و عشرا بشرط بقاء النكاح صحيحا الى الموت و

لو صغيرة ۲

(ترجمہ: خاوند کے مرنے کی صورت میں عدت چار ماہ اور دس روز ہے۔ اس عدت کی شرط یہ ہے کہ موت تک

نکاح صحیح رہے۔ اگرچہ عورت کم سن ہو)

مگر صغیرہ پر چار مہینے دس روز کا سوگ کرنا لازم نہیں چنانچہ صفحہ ۱۷۱ جلد دوم در مختار مذکور میں ہے:

مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جلد ۲ صفحہ ۳۶۶

رد المحتار:

۱

مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جلد ۲ صفحہ ۳۶۶، ۳۶۷

رد المحتار مع رد المحتار: جلد ۲

۲

ولا حداد علی سبعة کافرة و صغيرة و مجنونة الخ

☆ (ترجمہ: سات عورتوں پر سوگ منانا لازم نہیں ہے۔ (۱) کافرہ (۲) نابالغہ (۳) پاگل الخ)

☆ اس واسطے کہ سوگ عبارت ہے ترک زیب و زینت سے جو سرمہ لگانا خوشبودار تیل اور مہندی لگانا ہے اور زعفرانی کپڑے پہننا۔ اس واسطے کہ بوجہ عدم بلوغ وہ مخاطبہ حقوق اللہ نہیں ہے۔ اور سوگ حق اللہ ہے چنانچہ ہدایہ صفحہ ۲۰۶ مطبوعہ مطبع یوسفی میں ہے:

والحداد ان ترک الطیب والزینة والكحل والدهن المطیب وغير المطیب من عذر و فی جامع الصغير الامن وجع ولا تختضب بالحناء لما روينا ولا تلبس ثوبا مصبوغا بالعصفر ولا بزعفران ولا حداد علی کافرة ولا علی صغيرة لان الخطاب موضوع عنها۔

☆ ترجمہ: سوگ یہ ہے کہ خوشبو، زینت، سرمہ، خوشبودار تیل اور غیر خوشبودار تیل کے استعمال کو ترک کر دے۔ ہاں عذر کے باعث استعمال کر سکتی ہے۔ جامع صغیر میں درد کے باعث یہ اشیاء استعمال کر سکتی ہے۔ عورت سوگ کی مدت کے دوران مہندی نہ لگائے۔ اس کی دلیل وہ حدیث پاک جو ہم نے روایت کر دی ہے۔ نیز عسفر اور زعفران کے ساتھ رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ کافر عورت کے ذمہ سوگ نہیں ہے اور نہ ہی کم سن عورت پر سوگ لازم ہے کیوں کہ شرعی احکام کا خطاب اس سے اٹھالیا گیا ہے۔

البتہ بوجہ لازم ہونے عدت کے ایام عدت شوہر کے گھر میں پوری کر سکتی ہے چنانچہ صفحہ ۲۰۷ ہدایہ مذکورہ میں ہے:

و علی المعتلة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها با لسکنی حال وقوع الفرقة والموت و ان کان نصیبها من دار المیت لا یکفیها فاخرجها الورثة من نصیبهم انتقلت لان هذا انتقال بعذر توثر فیہ الاعذار و صار کما اذا خافت علی متاعها او خافت

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ الہدایہ: جلد ثانی جزو ثالث، صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸ مختصر اِدارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

## سقوط المنزل ما

☆ (ترجمہ: عورت پر لازم ہے کہ وہ اس گھر میں عدت گزارے کہ خاوند سے فرقت اور اس کی موت کی حالت میں جس گھر کی طرف اس کی سکونت کی نسبت تھی۔ اگر مرنے والے خاوند کی وراثت سے اس کے حصہ میں آنے والا مکان اس کی سکونت کے لیے کافی نہ ہو اور ورثہ نے اس کو اپنے حصہ سے نکال دیا تو وہاں سے نکل آئے کیوں کہ یہ منتقل ہونا عذر کے باعث ہے اور عذر اس سلسلہ میں موثر ہیں۔ تو اس کا حکم اس عورت کی مانند ہو گیا جسے اپنے سامان کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا مکان کے گر جانے کا خوف ہو)

قال العینی رحمة الله: (قوله على متاعها) أي ذالك المنزل من سرقة او نهباً فقط

(ترجمہ: قولہ: اسے اپنے سامان کے ضائع ہونے کا خوف ہو یعنی اس مکان میں اسے چوری یا کسی کے چھیننے کے باعث اسے اپنے سامان کے ضائع ہونے کا خوف ہو)

صورت مذکورہ میں ولی اقرب نکاح صغیرہ مذکورہ کا اس کا باپ ہے اس کو بعد انقضائے عدت وفات

جہاں مناسب سمجھے اس کے نکاح کر دینے کا اختیار ہے۔ صفحہ ۳۳۷ در مختار مذکورہ میں ہے

الولی فی النکاح العصبہ بنفسہ

(ترجمہ: نکاح میں ولی عصبہ بنفسہ ہوتا ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی



۱۔ الہدایہ: جلد ثانی جزو ثالث، صفحہ ۳۵۰ تا ۳۵۱ مختصر الادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲۔ (۱) حاشیہ الہدایہ: جلد ثانی جزو ثالث، صفحہ ۳۵۱ مختصر، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲ (۲) البناہ شرح الہدایۃ للعینی جلد ۲، صفحہ ۲۳۷، ملک سنز فیصل آباد

۳۔ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۳۳۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



# مضارِب



﴿فتویٰ نمبر.....113﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر کو کچھ روپیہ چند شرائط کے ساتھ دیا جن کی نقل ہم رشتہ سوال ہذا ہے۔ عمر نے اس روپیہ سے تجارت کی۔ روپیہ صرف زید کا اور کاروبار تجارت عمر کے متعلق تھا۔ زید نے کچھ عرصہ بعد اپنے روپیہ کی نالاش کر دی۔ اب یہ مقدمہ پنجاب میں منتقل ہو کر آ گیا ہے اور فریقین شرعی فیصلہ پر راضی ہیں۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس شرائط نامہ کے بموجب یہ قرض تھا یا شرکت؟ اور شرکت تھی تو کون سی قسم کی؟ اور تجارت کے نفع نقصان میں دونوں بہ حصہ مساوی شریک ہوں گے یا اس کا بار صرف زید پر یا صرف عمر پر پڑے گا؟ اور مال موجودہ یا جو روپیہ قرض میں ہے وہ کس کا خیال کیا جائے گا؟ بدیں صورت اپنے کل روپیہ پانے کا عمر سے مستحق ہے یا بعض کا؟

نقل شرائط نامہ دستخطی فریقین مورخہ ۲ جنوری ۱۳۱۳ء

جناب من بعد ادائے آداب کے التماس آپ کی خدمت بابرکت میں یہ ہے مجھ کو جناب کے ارشاد کی تعمیل بسر و چشم منظور ہے مگر شرط ذیل

اول یہ کہ بعد ایک سال کے منافع لینا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ کل اخراجات دوکان کے نفع نقصان میں شریک ہونا ہوگا۔

تیسرے یہ کہ اگر جناب کو علیحدگی منظور ہو تو پیشتر چھ مہینہ کے اطلاع دیجئے گا۔ وہ روپیہ بعد منہائی نفع و نقصان کے جو باقی رہے گا دیا جائے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مال دے دیا جائے وہ نہیں دیا جائے گا۔ روپیہ بتدریج دیا جائے گا۔

چوتھے یہ کہ میری تجارت میں آپ دست انداز نہ ہوں گے۔ مجھ کو اپنی رائے پر کام کرنا ہوگا۔ فقط دستخط عمر

بینوا توجروا  
سائل: حکیم سید عرفان علی

## الجواب

اللهم رب زدني علما.

صورتِ مسئلہ میں حسبِ شرط ہم رشتہء سوال عقدِ مضاربتہ صحیح ہے۔ اس واسطے کہ بموجب عرفِ شرط دوم کا یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ نفع میں شرکت حصہ برابر کے بالصف رہے گی۔ اور شرطِ شرکت نقصان وغیرہ اگرچہ خود باطل ہیں مگر صحتِ مضاربتہ میں ہرگز حارج نہیں۔

كما في الجزا الخامس في البحر في صفحة ۲۶۲

الخامس ان يكون نصيب كل منهما معلوما فكل شرط يودي الى جهالة الربح فهي فاسدة و مالا فلا. مثل ان يشترط ان يكون الوضعية على المضارب او عليهما فهي صحيحة و هو باطل ما

☆ (ترجمہ: مضاربتہ کے صحیح ہونے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ مال کے مالک اور کام کرنے والے میں سے ہر ایک کا حصہ نفع سے معلوم ہو۔ ☆ لہذا ہر وہ شرط جس سے نفع کا حصہ مجہول ہو جائے اس سے مضاربتہ فاسد ہو جائے گی اور جس شرط سے نفع کا حصہ مجہول نہ ہو مضاربتہ صحیح رہے گی۔ ☆ مثلاً یہ شرط لگائی کہ نقصان مضارب پر ہوگا یا دونوں کے ذمہ ہوگا تو مضاربتہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے)

و في العالم گیریہ

كل شرط يوجب جهالة الربح او قطع الشركة في الربح يوجب فساد المضاربة و مالا يوجب شيئا من ذلك لا يوجب فسادها. نحو ان يشترط ان يكون الوضعية عليهما كذا في الذخيرة. ما

(ترجمہ: ہر وہ شرط جس سے نفع کا مجہول ہونا یا نفع میں دونوں کی شراکت کا خاتمہ لازم آئے وہ مضاربتہ کے فساد کا

البحر الرائق شرح كنز الدقائق: جلد ۷ صفحہ ۲۶۲ دار المعرفہ بیروت

الفتاوی العالم گیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۸ مطبوعہ مصر



باعث ہوتی ہے اور جس شرط سے یہ لازم نہ آئے وہ مضاربہ کے فساد کا باعث نہیں ہوتی مثلاً یوں شرط لگائی کہ نقصان دونوں پر تقسیم ہوگا)

اور جب شرعا بشروط مذکورہ مضاربہ صحیح ہے اور بموجب عرف عام شرط دوم سے آدھے آدھے نفع میں زید و عمر کا شریک ہونا ظاہر ہے اور نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولو قال رب المال للمضارب علی ان ما زرق الله من الربح بیننا جاز او یکون

الربح بینہما سواء. ما

(ترجمہ: مضاربہ میں مال کے مالک نے مضارب (کام کرنے والے) کو کہا کہ ہماری مضاربہ اس شرط پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نفع عطا فرمایا وہ ہمارے درمیان ہوگا یا کہا کہ نفع دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا۔ تو عقد مضاربہ جائز اور درست ہے)

زید اپنے مال کا مع نفع کے نصف کا مستحق ہے۔ علی ہذا عمر کل نفع سے نصف کا حقدار۔ اور اگر نفع کچھ بھی نہیں ہوا تو عمر کو کچھ نہیں ملے گا کما فی العالمگیری

ولو كانت (الی المضاربة) صحیحة فلم یربح المضارب لا شیء له ما

☆ (ترجمہ: اگر مضاربہ درست ہو اور مضارب کو کوئی نفع حاصل نہ ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا)

اور اگر زمانہ مضاربہ میں اول نفع ہو اور آخر زمانہ اس المال کچھ کم ہو جائے تو اول نفع سے اس المال پورا کر دیا جائے گا۔ بعدہ جو کچھ زائد اس المال سے بچے گا وہ باہم تقسیم ہو جائے گا۔

اور اگر بعد پورا کر دینے کے نفع سے کچھ نہ بچے تو مضارب کو کچھ نہیں ملے گا اور باوصف نفع سے اس المال پورا کرنے کے بھی نقصان اس المال پورا نہ ہو تو مضارب سے کچھ نہ لیا جائے گا۔

کما فی الكنز.

ما	الفتاویٰ العالمگیریہ	جلد ۴	صفحہ ۲۸۸	مطبوعہ مصر
ب	الفتاویٰ العالمگیریہ	جلد ۴	صفحہ ۲۸۸	مطبوعہ مصر

و ما هلك من المضاربة فمن الربح فان زاد الهالك على الربح لم يضمن

المضارب ما .

☆ (ترجمہ: مضاربہ کے عقد کے بعد جو کچھ مال ضائع ہوگا وہ نفع سے پورا کیا جائے گا۔ اور اگر نقصان نفع سے

زیادہ ہو تو اس کا ضامن مضارب نہیں بلکہ وہ اصل زر سے پورا کیا جائے گا)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

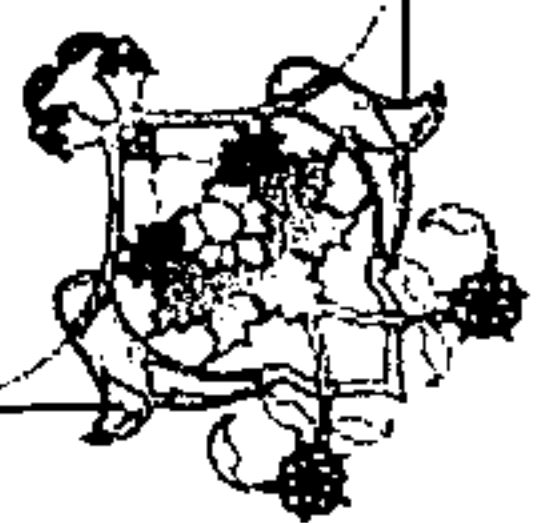
محمد دیدار علی الرضوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد





و کالت



## ﴿فتویٰ نمبر.....114﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ میں ملازم حاجی اکرم الہی محمد انوار الہی صاحب سودا گرانِ جنت کے ہاں تقریباً چار سال سے ہوں۔ اور تمام کاروبار کی خرید و فروخت میرے ہاتھ سے ہے۔ اب مالکان نے حکم کیا کہ تم اطراف سے روپیہ وصول کر لاؤ۔ چنانچہ بحکم ان کے واسطہ روپیہ وصول یابی کے گیا۔ اور چلتے وقت ایک زنجیری گئی تھی کہ اس کو لگانا اور جو روپیہ وصول ہو روانہ کرنا۔ چنانچہ جو روپیہ وصول ہوتا گیا یعنی بریلی سے بذریعہ رجسٹری روانہ کر دیا اور مراد آباد سے ایک شخص آنے والا تھا ان کو دے دیا۔ اب نگینہ اور نجیب آباد سے قریباً 260 روپیہ کے وصول ہوئے۔ وہاں پر سے وقت نہ ملا روانہ کرنے کا۔ اور نہ نوٹ گاڑی کے وقت سے پہلے دستیاب ہوئے۔ وہاں پر سے سہارن پور پہنچا قریباً 8 بجے شب کے۔ اتفاق سے مالکان کا لڑکا ارشاد الہی صاحب وہاں پر مل گئے۔ اب خیال ہوا کہ یہ بھی روپیہ وصول کرنے کو آئے ہیں۔ اگر یہ ہمراہ چلے تو روپیہ کم وصول ہوگا۔ اس وجہ سے اس گاڑی سے چلنا خیال کیا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ جائے گا تو خود کہنے لگے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں نے بہت انکار کیا کہ آپ نہ جائیں۔ اگر آپ جائیں گے تو ہم بھی صبح چلیں گے۔ چونکہ یکہ وغیرہ آ گیا تھا اور چلنے کا ارادہ بھی کر چکے تھے اس وجہ سے انہوں نے کہا اب چلو۔ کل مظفر نگر اور میرٹھ ہو کر دہلی پہنچیں گے۔ میں ہمراہ ہو گیا۔ اور ٹکٹ مظفر نگر کا لیا۔ اور ہم دونوں مظفر نگر نہ اتر سکے۔ غنودگی آ گئی۔ اور آگے اسٹیشن پر اٹھ کر معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ مظفر نگر اسٹیشن پیچھے رہ گیا۔ آپس میں اب رائے (یہ ٹھہری) کہ صبح میرٹھ ہو کر پھر مظفر نگر آ جائیں گے۔ گاڑی میں چل دیئے۔ ہم نے بموجب حکم کے زنجیر سے صندوق کو باندھ رکھا تھا۔ اور باحفاظت اوپر سر کے رکھا تھا سیٹ پر۔ اور اچھی طرح بیٹھ گئے کہ ایسا نہ ہو کہ میرٹھ بھی نکل جائے ہم دونوں سوتے رہ جائیں۔ آخرش زیں وجہ پان کھایا اور تمباکو پان میں زائد کھایا کہ غنودگی نہ آئے۔ مگر خدا کی قدرت کہ چھاؤنی میرٹھ پر ہم نے اٹھ کر صندوق کو دیکھا۔ اور بستر لپیٹ لیا کہ آگے اتریں گے۔ کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور بھائی ارشاد الہی جو کہ ہمراہ تھے وہ بھی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ہم دونوں گفتگو

ہی کر رہے تھے کہ آگے اتریں گے۔ گاڑی چھاؤنی میرٹھ کے چل جانے پر ہم جاگتے رہے۔ اب جب کہ شہر میرٹھ پر گاڑی ٹھہرنے پر میرٹھ شہر کے جب کہ مسافر اترتے تھے ہم غنودگی سے گھبرا کر اٹھے۔ اور بھائی ارشاد الہی صاحب کو اٹھایا۔ اور کہا کہ شہر میرٹھ آ گیا۔ اترو۔ اب اترتے وقت سامان اٹھانا چاہا اور ادھر نظر کی تو اسٹیل بکس نہ پایا جن میں مبلغ 260 روپیہ مالک کے اور کپڑے میرے موجود تھے۔ فوراً ٹکٹ کلکٹر کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میرا اسٹیل بکس ابھی کوئی لے گیا ہے۔ آپ ٹکٹ نہ لیں جب تک میں نہ دیکھ لوں۔ انہوں نے کہا ایک شخص پلیٹ فارم ٹکٹ دے کر گیا ہے اور خالی ہاتھ آیا تھا اور ایک اسٹیل بکس ہاتھ پر رکھ کر لے گیا ہے۔ اور ابھی گیا ہے دوڑ کر۔ بہت تلاش کیا۔ اور ایک داروغہ صاحب کے ہمراہ بھی مگر کسی طرح منہ نہ لگا۔ آخرش رپورٹ پولیس میں کی۔ وہ ہمراہ ہے۔ اس کو ملاحظہ کر کے جو قاعدہ شرع ہو میرے ذمہ روپیہ ادا کیگی ہو تو مطلع کریں یا اگر ناجائز ہو تو مطلع کریں۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

صورتِ مسئلہ سے ظاہر ہے کہ مسی الطاف خان مستفتی امین روپیہ وصول شدہ کرم الہی نے بموجب حکم کرم الہی کے اسٹیل بکس کو جس میں روپیہ امانتی وصول شدہ کرم الہی کا اور مستفتی کے کپڑے بھی تھے بوقت روانگی ریل زنجیر سے سیٹ کی زنجیر کے ساتھ باندھ دیا تھا اور حکم مالک کے موافق حفاظت میں کسی طرح کی نہیں کی اور بایں ہمہ وہ تلف ہو گیا اور وقت قیام ریل کوئی اس کو لے گیا۔ لہذا اب روپیہ کا تاوان مالک مال کو الطاف خاں سے شرعاً لینا درست نہیں۔

کما فی الہدایۃ

الودیعة امانة فی ید المودع اذا هلکت لم یضمنہا

(ترجمہ: جس شخص کو ودیعت سپرد کی جائے اس کے قبضہ میں ودیعت امانت ہوتی ہے۔ جب وہ ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا)

البتہ اگر الطاف خان اپنے مال کی طرح یا حسب حکم مالک یعنی کرم الہی حفاظتِ مال نہ کرتا ضرور ضامن ہوتا۔

كما هو ظاهر من الكتب الفقهية  
(جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے)

حردہ: ابو محمد محمد دیدار علی  
مفتی جامع مسجد اکبر آباد  
مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....115﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ملازم بکر کو بغرض روپیہ وصول یا بی مختلف شہروں میں بھیجتا ہے۔ اور چلتے وقت روپیہ تلف ہو جانے کے خوف سے یہ کہہ دیتا ہے کہ ہر شہر میں سے جس قدر روپیہ وصول ہو وہیں سے بھیج دینا۔ اپنے پاس روپیہ رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ خرچ کا کچھ خیال نہ کرے اور شب کے وقت سفر نہ کرنا۔ ہر شہر میں ایسے وقت ہی روانہ ہونا جو تم دن میں دیگر شہر میں پہنچو اور ایک زنجیر بھی بکر کو دیدیتا ہے کہ اگر کوئی وقت شب کو کہیں سے چلنا ہو یا دن کے وقت تمہارا چلنے کا ارادہ ہو تو اس زنجیر کو ٹرنک اور ریل کی تپائی میں ڈال کر قفل لگا دینا تا کہ ٹرنک تلف ہونے سے محفوظ رہے۔ لیکن بکر نے کسی بات کی پرواہ نہ کی اور ٹرنک راستہ میں کھو دیا۔ چونکہ اس میں کچھ روپیہ بھی تھا وہ بھی تلف ہو گیا۔ لہذا اس صورت میں ان روپوں کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

الله رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بکر زید کا چونکہ ملازم ہے اور بغرض وصول یا بی مختلف شہروں میں زید کا بھیجا ہوا ہے۔ لہذا زید کا رسول یعنی قاصد بغرض قبض مال زید ہوا اور رسول بغرض وصول و قبض شرعا امین ہوتا ہے۔

كما هو ظاهر من رواية الهداية

والوكيل بقبض الدين لا يكون وكيلا بالخصومة لانه امين محض والقبض ليس

بمبادلة فاشبه الرسول ما

☆ (ترجمہ: قرض پر قبضہ کے لیے وکیل، خصومت، کاوکیل نہیں ہوتا کیوں کہ وہ صرف امین ہوتا ہے۔ اور قبضہ میں مال کا مال کے ساتھ مبادلہ نہیں ہوتا تو اس کی مشابہت ایلچی سے ہوئی) اور جب بکر شرعا امانت دار زید کا ہے، امانت کا حکم شرعا یہ ہے کہ اگر وہ تلف ہو جائے، امین اس کا ضامن نہیں ہوتا۔

کما فی الہدایہ :

الودیعة امانة فی ید المودع اذا هلكت لم یضمنها ما

(ترجمہ: جس کو ودیعت کے طور پر کوئی چیز دی جائے، تو وہ چیز اس کے قبضہ میں امانت ہوتی ہے، اگر ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا)

مگر اگر امانت دار بموجب حکم صاحب مال حفاظت نہ کرے یا اپنے مال کی طرح اس کی حفاظت نہ کرے، اور اس وجہ سے تلف ہو جائے، جیسا کہ صورتِ مسئلہ سے ظاہر ہے، ضرور ضامن ہوگا۔ لہذا صورتِ مسئلہ میں بکر ضرور مالِ تلف شدہ زید کا ضامن ہوگا۔ اس واسطے کہ ہدایہ میں ہے

واذا نھاه المودع ان یخرج بالودیعة فخرج بها ضمن لان التقیید مفید اذا لحفظ

فی المصر ابلغ فكان صحیحاً

(ترجمہ: ودیعت دینے والے نے وصول کرنے والے کو اس ودیعت کے ساتھ سفر کرنے سے منع کیا۔ اس نے اس کے ساتھ سفر کیا تو ضائع ہونے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا۔ کیوں کہ ایسی قید لگانے کا فائدہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شہر میں حفاظت بہتر ہو سکتی ہے تو یہ قید لگانا درست ہے)

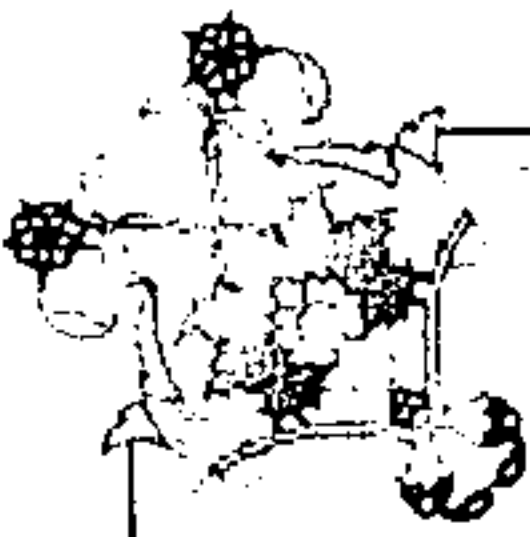
حررہ: العبد العاصی

محمد دیدار علی، مفتی مسجد جامع اکبر آباد ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء



ط	الہدایہ	جلد ۳	صفحہ ۲۷۲	مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
ط	الہدایہ	جلد ۳	صفحہ ۲۷۳	مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان





م



## ﴿فتویٰ نمبر.....116﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد مملوکہ جو بذریعہ مہر اور بطریق میراث کے اپنی والدہ کی طرف سے حاصل کی تھی ان کو اپنی دو لڑکیوں پر جو نابالغ تھیں ہبہ کر دیا اور ہبہ نامہ بھی لکھ دیا۔ مگر باوجود موجودگی ولی اقرب کے جو ان کا باپ ہے اور اب تک موجود ہے جس کی مہدِ تربیت میں وہ دونوں لڑکیاں پرورش پا رہی ہیں۔ اور ان کا کفیل نان و نفقہ بجز باپ کے اور کوئی نہ تھا۔ خود ہی ہندہ قابض و متصرف جائداد مذکورہ پر رہی۔ اور اب تک اس جائداد پر قابض و متصرف ہے۔ اندریں صورت یہ جائداد ملک ہندہ ہی رہے گی یا ان لڑکیوں کی ملک قرار دی جائے گی؟ اور بعد مرنے ان لڑکیوں کے یہ جائداد وارثوں پر تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمد زکریا خان قصبہ فریدنگر ضلع میرٹھ

۱۷ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لولیه. والصلوة علی رسولہ و نبیہ و آلہ و صحبہ اجمعین. اللهم رب

زدنی علما۔

رکن ہبہ ایجاب و قبول ہے۔ یعنی ہبہ کرنے والا عاقل بالغ کہے کہ میں نے یہ مکان یا یہ چیز تم کو بخشا یا ہبہ کی۔ پھر موہوب لہ یعنی جس کو بخشا جائے کہے کہ میں نے قبول کیا۔ اور شرط صحیح ہونے ہبہ کے یہ ہے کہ جس چیز کو واہب ہبہ کرے وہ فقط اس کی ملک ہو۔ اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور جب وہ ہبہ کرے تو اس میں اپنی شرکت نہ رکھے۔ اور اس چیز سے اپنا قبضہ اٹھالے۔ بلکہ اگر مکان ہے تو اس میں سے اپنا کل سامان نکال

لے۔ كما في الدر المختار

و شرائط صحتها في الموهوب ان يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول

كما سيتضح و ركنها هو الايجاب و القبول ما .

(ترجمہ: ہبہ کے درست ہونے کی شرطوں میں ایک یہ ہے کہ ہبہ کی جانے والی چیز موهوب لہ کے قبضہ میں

آجائے۔ (اگر وہ تقسیم کو قبول کرتی ہو تو) غیر منقسم نہ ہو۔ نیز وہ چیز غیر موهوب چیز سے متمیز اور الگ ہو۔ کسی اور

چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے)

و هكذا في العالم گیر یہ حیث قال :

و منها أي من شرائط الهبة ان يكون الموهوب مقبوضا حتى لا يثبت الملك

للموهوب له قبل القبض. و ان يكون الموهوب مقسوما اذا كان مما يحتمل القسمة و ان

يكون الموهوب متميزا عن غير الموهوب و لا يكون متصلا ولا مشغولا بغير الموهوب ما

(ترجمہ: ہبہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ (۱) ہبہ کے جانے والی شے پر موهوب لہ کا قبضہ ہو، حتیٰ کہ اس پر قبضہ

کرنے سے پہلے اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی (۲) ہبہ کی جانے والی چیز اگر تقسیم کو قبول کرتی ہو تو، وہ تقسیم شدہ

ہو۔ (۳) موهوب چیز غیر موهوب اشیاء سے علیحدہ ہو ان کے ساتھ نہ یہ متصل ہو اور نہ ہی مشغول ہو)

علیٰ ہذا جیسے شے موهوبہ میں امور مذکورہ شرط صحت ہبہ ہیں، موهوب لہ کے شے موهوبہ کا مالک

ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ موهوب لہ جس جلسہ میں واہب ہبہ کرنے یا ہبہ نامہ لکھ کر دے، اُس جلسہ میں بہ

اذن و اجازت واہب اس کو خالی کر کے اس پر قبضہ تام کر لے۔ اور اگر اُس جلسہ میں قبضہ نہ کر سکے تو دوسرے

وقت اس سے اجازت لے کر اس پر کامل قبضہ حاصل کر لے۔ اور اگر وہ اجازت قبضہ نہ دے اور اپنا ہی قبضہ

رکھے تو اس کا مالک واہب ہی رہے گا اور وہ ہبہ نامہ وغیرہ سب لغو و بیکار رہے گا۔

چنانچہ در مختار میں ہے۔

و تتم الهبة بالقبض الكامل و لو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به

الاصل ان الموهوب ان مشغولا بملك الواهب منع تمامها ما .

(ترجمہ: ہبہ موهوب لہ کے کامل قبضہ سے مکمل ہوتا ہے۔ اگر ہبہ کی جانے والی چیز ہبہ کرنے والے کی کسی چیز کو شاغل ہو (جیسے بوری میں گندم ہے تو بوری کو ہبہ کرے۔ گندم کو اس کے ساتھ ہبہ نہ کرے) لیکن واہب کی کسی چیز سے مشغول نہ ہو (جیسے گندم کو ہبہ کرے لیکن بوری کو ہبہ نہ کرے اس صورت میں ہبہ درست نہ ہوگا) ہبہ کے درست ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر موهوب سے واہب کی کسی چیز میں مشغول نہ ہو (جیسے گندم بوری کے اندر ہو اور صرف گندم ہبہ کرے) تو یہ صورت ہبہ کے تکمیل میں مانع ہے)

قال الشامي :

قوله منع تمامها اذا القبض شرط فصولين ما

(ترجمہ: قولہ: یہ صورت ہبہ کی تکمیل کو مانع ہوگی کیونکہ موهوب لہ کا قبضہ کرنا شرط ہے۔ یہ مسئلہ جامع فصولین میں درج ہے)

اور اگر موهوب لہ نابالغ بے سمجھ ہے جیسا کہ صورتِ مسئلہ میں دونوں دختر ہیں تو ایسی صورت میں موهوب لہ کے باپ کا قبضہ ضروری ہے۔ خواہ موهوب لہ کی ماں موهوب لہ کو ہبہ کرے یا بھائی یا کوئی اجنبی بشرطیکہ موهوب لہ مہر تہیت باپ میں ہو۔ اور باپ ہی موهوب لہ کے نان و نفقہ اور ضروریات کا کفیل ہو جیسا کہ صورتِ مسئلہ سے ظاہر ہے کہ دونوں لڑکیوں کے نان و نفقہ اور ضروریات کا کفیل عند الہبہ باپ ہی تھا۔ اور باپ ہی تادموت ایک دختر اور نابالغ و عقد دختر ثانی رہا۔ ہاں البتہ اگر ماں واہبہ موهوب لہ کے نان و نفقہ اور ضروریات کی متکفل باوصف موجودگی باپ کے ہوتی اور باپ ان کا خبر گیر نہ ہوتا تو اندر میں صورت ماں کا

الدر المختار مع رد المحتار جلد ۸ صفحہ ۴۲۷ مطبوعہ بیروت ما

الدر المختار مع رد المحتار جلد ۸ صفحہ ۴۲۷ مطبوعہ بیروت ما

قبضہ سابقہ ہی بعد ہبہ مثل قبضہ موصوبہ ہی کے بقول مفتی بہ سمجھا جاتا۔ کما فی العالمگیریہ

ولو كان الصغير في عيال الجد أو الاخ أو الام أو العم فوجب له هبة فقبط الهبة

من كان الصغير في عياله والاب حاضر اختلف المشايخ فيه والصحيح الجواز هكذا في

فتاوی قاضی خان و بہ یفتی هكذا فی الفتاوی الصغری فقط ما

☆ (ترجمہ: اگر چھوٹا بچہ 'دادا' یا 'بھائی' یا 'اماں' یا چچا کی کفالت میں ہو اسے کوئی چیز ہبہ کی گئی اس پر اس شخص

نے قبضہ کیا جس کی کفالت میں وہ نابالغ بچہ ہے اور باپ موجود ہے علماء کا اس ہبہ کے صحیح ہونے اور غیر صحیح

ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا ہبہ جائز ہوتا ہے۔ فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے۔

اسی پر فتوی ہے یہ فتاوی صغریٰ میں ہے)

و ایضا فیہ :

وهبة الاب لطفله تتم بالعقد ولا فرق فی ذلك بینما اذا كان فی یدہ او فی

مودعہ.. و کذا لو وهبته امه و هو فی یدها والاب میت و لیس له وصی و کذا کل من

یعولہ کذا فی التبین. و هكذا فی الکافی ما

☆ (ترجمہ: باپ کی جانب سے اپنے نابالغ بچے کو کیا گیا ہبہ عقد سے کامل ہو جاتا ہے۔ ہبہ کی گئی چیز اس کے

قبضہ میں ہو یا اس بچے کے قبضہ میں جسے وہ دی گئی دونوں صورتوں میں ہبہ کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(کچھ الفاظ کے بعد) اور اسی طرح اگر اس نابالغ کی ماں نے اسے کوئی چیز ہبہ کی وہ چیز ابھی ماں کے قبضہ میں

ہے اس نابالغ کا باپ مر چکا ہے اور اس کا وصی بھی کوئی نہیں تو ہبہ کامل اور درست ہے اور یہی حکم ہے اس صورت

میں جب کہ نابالغ کا کفیل اسے ہبہ کرے۔ تبیین میں ایسے ہے اور کافی میں بھی ایسے ہی ہے)

☆ اور جب باوصف موجودگی ولی اقرب یعنی باپ لڑکیوں موصوبہ لہما کے اور رہنے ان دونوں لڑکیوں

۱۔ الفتاوی العالمگیریہ جلد ۴ صفحہ ۳۹۳ مطبوعہ مصر

۲۔ الفتاوی العالمگیریہ جلد ۴ صفحہ ۳۹۱ مطبوعہ مصر

.....  
 کے عند الہبہ مہد پرورش باپ میں اور نہ ہونے ماں کے کفیل نان و نفقہ ہر دو دختر ان ماں نے جائداد مملوکہ اپنی دونوں لڑکیوں کو ہبہ کر کے اور ہبہ نامہ لکھ کر ان کے ولی اقرب اور کفیل نان و نفقہ یعنی باپ کے قبضہ میں بالکل اپنا قبضہ اٹھا کر صورتِ مسئلہ میں نہیں دی تو وہ جائداد لڑکیوں کے ملک میں نہیں آئی۔ بلکہ بدستور ان کی ماں مسماۃ ہندہ ہی کی مملوک رہی۔ اس واسطے کہ بعد الہبہ بموجب روایات مذکورہ کے قبضہ سابقہ یا نیا اس جائداد موصوبہ پر ان کی ماں مسماۃ ہندہ کا بقول مفتی بہ قائم مقام قبضہ ان لڑکیوں موصوبہ لہما کے جب ہوتا جب باپ ان کا کفیل نہ ہوتا۔ اور ان کی پرورش کی متکفل ان کی ماں مسماۃ ہندہ و ہبہ ہی ہوتی۔ اور جب باپ ولی اقرب متکفل نان و نفقہ و جملہ ضروریات دختر ان مذکورہ موجود تھا تو اب ضرور تھا کہ ماں مسماۃ ہندہ بعد ہبہ اس جائداد سے اپنا قبضہ اٹھا کر ان لڑکیوں کے باپ کو قبضہ تام دے دیتی تاکہ ملک ہندہ سے وہ جائداد نکل کر ملک دونوں لڑکیوں کی ہو جاتی۔ اور جیسا مسماۃ ہندہ نے بعد ہبہ اب تک اس جائداد سے باوصف موجودگی ولی اقرب کفیل نان و نفقہ و جملہ ضروریات دختر ان مذکورہ اس پر سے اپنا قبضہ نہیں اٹھایا وہ جائداد ان لڑکیوں کی ملک نہیں ہوئی۔ اور جب ان لڑکیوں کی ہی ملک نہیں ہوئی تو بعد موت ان لڑکیوں کے ورثاء پر کسی طرح تقسیم نہیں ہو سکتی۔

کما هو ظاهر من الروایات المذكورة اور دوسری صورت فتاویٰ عالمگیریہ سے تو یہ بھی امر ظاہر ہے کہ اگر باپ کفیل نان و نفقہ بھی نہ ہو جب یعنی بغیر قبضہ باپ کے خواہ ماں ہبہ کرے یا کوئی اور موصوبہ کسی کی مہد تربیت میں ہو سوائے باپ کے اس کا قبضہ موجودگی باپ میں قائم مقام قبضہ موصوبہ لہ صغیر نہیں ہو سکتا۔ اور بلا قبضہ باپ کے ہبہ نامہ تمام رہتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

و اما غیر الاب والجد نحو الاخ والعم والام و سائر القرابات ففی الاستحسان یملکون قبض الہبہ اذا کان الصغیر فی عیالہم و کذلک وصی ہؤلاء یملکہ استحسانا۔  
 اذا کان فی عیالہ و کذا الاجنبی الذی یعول الیتیم و لیس للیتیم احد سواہ جاز قبض الہبہ استحسانا و یتوی فی ہذہ المسائل اذا کان الصبی یعقل القبض اولا یعقل و ہذا کلہ اذا کان الاب میتا او حیا غائبا غیبہ منقطعہ فاما اذا کان حیا حاضرأ و الصبی فی عیال ہؤلاء

هل يصح لم يذكر الفصل في الكتب نصا إلا أنه ذكر في الاجنبى اذا كان يعول اليتيم و  
ليس لهذا اليتيم احد سواه جاز قبض الهبة عليه و هذا الشرط يقتضى ان لا يصح قبض  
هؤلاء اذا كان حاضرا و ذكر في الجدا ايضا انه لا يملك القبض على الصغير اذا كان  
الاب حيا ولم يفصل بينما اذا كان الصغير فى عياله او لم يكن فظاهر ما اطلقه يقتضى ان  
لا يصح كذا فى الذخيرة ما

(ترجمہ: باپ اور دادا کے علاوہ باقی رشتہ داروں، بھائی یا چچا یا ماں کی کفالت میں اگر نابالغ ہو تو استحسان کی رو سے ان کے قبضہ کی صورت میں ہبہ درست ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کے وصی کو بھی نابالغ کی طرف سے ہبہ کی چیز پر قبضہ کا اختیار ہے جب کہ وہ اس وصی کی کفالت میں ہو۔ اور اسی طرح وہ اجنبی جس کی کفالت میں وہ نابالغ رہتا ہو اور اس کے بغیر اس یتیم کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہ ہو تو اس کا قبضہ بھی درست ہے۔ ان صورتوں میں بچہ کو قبضہ کی سمجھ ہو یا نہ ہو حکم ایک ہی ہے۔ یہ سب کچھ اس صورت میں درست ہوگا جب کہ نابالغ کا باپ مر چکا ہو یا وہ دور دراز علاقہ میں رہتا ہو۔ اور اگر باپ زندہ موجود ہو اور نابالغ بچہ ان لوگوں کی کفالت میں ہو تو فقہ کی کتابوں میں اس صورت کا حکم مذکور نہیں ہے۔ ہاں اس قدر موجود ہے کہ اجنبی شخص اگر یتیم کی کفالت کرتا ہو اور اس کے سوا یتیم کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اور نہ ہو تو اس اجنبی کا ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ درست ہوتا ہے۔ اس شرط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر باپ موجود ہو تو ان کا قبضہ درست نہیں۔ دادا کی صورت میں بھی مذکور ہے کہ نابالغ کی طرف سے اس کا قبضہ باپ کے زندہ ہونے کی صورت میں درست نہیں باپ کے کفیل ہونے یا کفیل نہ ہونے کی صورت میں اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو اس اطلاق کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ اس کفیل کے قبضہ سے ہبہ کامل نہ ہو سکے گا جب تک باپ قبضہ نہ کر لے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی



## ﴿فتویٰ نمبر.....117﴾

## سوال

خلاصہ سوال: طویل لا طائل زید کی بجز ایک بیٹی کے تمام بیٹیاں آوارہ اور بدچلن ہیں۔ لہذا زید اپنی نیک چلن بیٹی کے نام تمام جائیداد کا وصیت نامہ لکھ کر سب ورثہ کو معہ اپنی بیوی کے محروم الارث کرنا چاہتا ہے۔ عندالشرع یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا و توجروا۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

صورتِ مسئلہ میں زید اپنی حیات میں جس بیٹی سے خوش ہے علیٰ ہذا علاوہ بیٹی کے جس سے بھی خوش ہو اس کو کل جائیداد یا جس قدر بھی چاہے ہبہ کر کے اگر اپنا قبضہ اٹھا کر اس کو قبضہ تام دیدے اور نیز اپنی حیات میں تمام جائیداد کو وقف کر کے اگر کسی متولی کے سپرد کر دے وقف بھی کر سکتا ہے۔ ☆ مگر چند ورثہ کو محروم کر کے ایک وارث کو ہبہ کر دینا گواہ حرام نہیں مگر مکروہ اور ظلم ضرور ہے۔  
چنانچہ طیبی سے حاشیہ صفحہ 261 مشکوٰۃ میں ہے:-

ولو وهب بعضهم (الی بعض الاولاد) دون بعض فمذهب الشافعی و مالک و ابی حنیفہ رحمہم اللہ انہ مکروہ و لیس بحرام و الہبۃ صحیحۃ ما .  
(ترجمہ: اگر کسی نے اپنی اولاد میں کچھ کو نظر انداز کر کے کچھ کو ہبہ کیا، تو امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے حرام نہیں ہے اور ہبہ درست ہے)

الف) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۷ مطبوعہ المطبع المجتہبی دہلی  
ب) شرح الطیبی جلد ۷ صفحہ ۲۲۲۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ



☆ البتہ اگر ہبہ مرض الموت میں کرے گا جو بالآخر وصیت ہے یا وصیت نامہ بعض اولاد کے نام لکھ کر دے گا تو وہ ناجائز ہے گا۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے:

الا لا وصیة لوارث ما

(ترجمہ: خبردار وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے)

اور بموجب اسی حدیث صحیح تمام کتب فقہ میں ہے۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



i جامع الترمذی حدیث رقم ۲۱۲۰، ۲۱۲۱

ii سنن نسائی باب ۵ حدیث رقم ۲۷۱۳، ۲۷۲۷

iii مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۳۸

وغیرہا کتب الأحادیث تفصیل کے لیے:

موسوعه اطراف الحدیث النبوی جلد ۸ صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۳ مطبوعه دار الکتب العلمیہ بیروت

کی طرف رجوع کریں۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....118﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی پہلی زوجہ سے اولاد ہوئی۔ وہ زوجہ اس کی اولاد چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ پھر اس نے دوسرا نکاح کیا اس سے بھی اولاد ہوئی۔ وہ شخص بیمار ہوا۔ حالت بیماری میں ایک ہبہ نامہ جائداد وغیرہ کا پچھلی اولاد اور زوجہ موجودہ کے نام لکھ کر رجسٹری کرادی۔ اس وقت پہلی اولاد موجود تھی۔ پھر وہ شخص اسی بیماری میں دس بارہ یوم بعد فوت ہو گیا اب بموجب شرع شریف پہلی اولاد بھی حصہ پانے کی مستحق ہے؟ بینوا توجروا

سائل: محی الدین ساکن جی پور

۵ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لله رب العالمين. والصلوة والسلام على رسوله ونبيه وعلى آله وذريته.

اللهم رب زدني علما.

صورتِ مسئلہ میں شخص مذکور نے چونکہ مرض الموت میں ورثہ کو ہبہ کیا ہے لہذا یہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے اور جمیع مال متروکہ مع مال موہوب جمیع ورثہ اولاد ہر دو زوجہ و زوجہ موجودہ و دیگر ورثہ پر اگر ہوں حسب شریعت تقسیم ہوگا ☆ اس واسطے کہ ہبہ مرض الموت میں اگرچہ ابتداء ہبہ ہوتا ہے مگر بعد موت حکم وصیت کارکھتا ہے اور وصیت وارث کو ناجائز ہے۔

چنانچہ صفحہ 181 جامع الفصولین میں ہے

وہب قنا لامراته فاعتقته ثم مات المريض نفذ و تضمن القيمة اذا التملك في

.....  
 الابتداء صح لکن القلب وصیة بعد ذالک و هو المختار ما .

(ترجمہ: اپنی بیوی کو ایک غلام ہبہ کیا۔ اس بیوی نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر خاوند مر یض مر گیا تو عتق نافذ رہے گا اور عورت اس غلام کی قیمت کی ضامن ہوگی کیوں کہ عورت کو مالک بنانا آغاز میں درست تھا لیکن بعد میں وہ وصیت میں تبدیل ہو گیا۔ یہی مختار ہے)

حورہ:

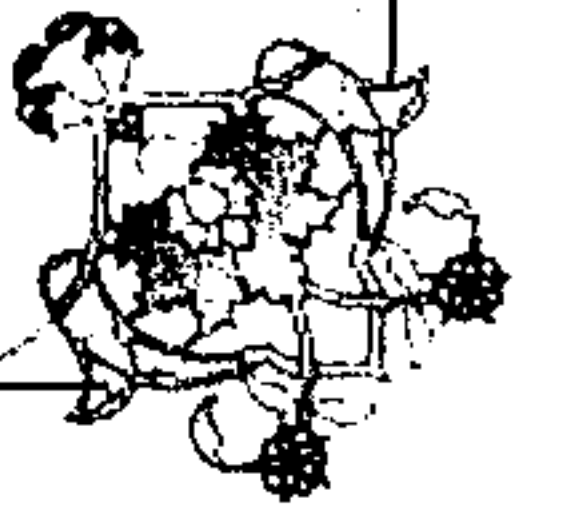
ابو محمد محمد دیدار علی عفی اللہ عنہ وعن والدیہ مفتی

مسجد جامع اکبر آباد





وقف



## ﴿فتویٰ نمبر.....119﴾

## سوال

ایک زمین زید کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ مالکانہ تصرفات کرتا رہا اور اس کے بعد بھی ورثا کرتے رہے۔ جس کو زائد از چالیس برس سے ہوئے اور کوئی مزاحم نہ ہوا۔  
اب اس کے ورثا متصرف ہیں۔ عمر دعویٰ وقف کر کے اس زمین کو لینا چاہتا ہے اور کاغذ وقف رکھتا ہے۔ شرعا کیا حکم ہے؟

## الجواب

## هو المصوب

عمر کا دعویٰ دربارہ وقف، بعض دستاویز وقف سے ناجائز ہے جب کہ مدت دراز تک مالکانہ تصرف رہا۔  
فتاویٰ حامد یہ میں ہے:-

(سئل) فیما اذا كان بيد زيد عقار معلوم يتصرف فيه هو و ابوه من قبله من مدة تزيد على اربعين سنة بلا معارض ثم مات عن ورثة قام عمرو الان يدعى عليهم انه وقف عليه ولم يصدقوه على ذلك و مضت هذه المدة ولم يدع عمرو و بذلك و لا منعه مانع شرعى و الكل فى البلدة فهل لا تسمع دعواه المزبور

(الجواب) نعم قال فى المبسوط ترك الدعوى ثلاثا و ثلاثين سنة و لم يكن له مانع من الدعوى ثم ادعى لا تسمع دعواه لان ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. وقد افتى بمثل ذلك شيخ الاسلام عبد الله آفندى المفتى بالممالك العثمانية وسئل فى هذه الصورة عما اذا سمع القاضى تلك الشهادة و حكم بنزع العقار للوقف من يد الورثة و كتب به حجة فهل ينفذ حكمه ام لا و ما يلزم

ذٰلِكَ الْقَاضِي فَاجَاب لَا يَنْفَدُ حُكْمُهُ وَلَا تَعْتَبِرُ حُجَّتُهُ وَ يَعْزَلُ مَلَا

(ترجمہ: سوال: زید کے قبضہ میں ایک معین جائیداد ہے جس میں وہ اور اس سے پہلے اس کا باپ چالیس سال سے زائد عرصہ سے بغیر کسی رکاوٹ کے تصرف کرتے آئے ہیں۔ پھر وہ وارث چھوڑ کر مر گیا عمر و اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ وہ وقف ہے وہ وراثت اس کی اس معاملہ میں تصدیق نہیں کرتے اتنی مدت گزری لیکن کیا عمر و نے اس کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کسی شرعی مانع نے اسے اس سے روکا یہ سب لوگ شہر میں رہتے ہیں کیا مذکورہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

جواب: ہاں (نہیں سنا جائے گا) مبسوط میں ہے کہ ایک شخص نے تینتیس برس تک دعویٰ چھوڑے رکھا اور دعویٰ سے کوئی مانع بھی موجود نہ تھا اس کے بعد اس نے دعویٰ کیا اب دعویٰ نہ سنا جائے گا کیونکہ باوجود قدرت کے دعویٰ کو ترک کرنا بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا حق نہ تھا۔ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی مفتی ممالک عثمانیہ نے اسی طرح کا فتویٰ دیا ہے ان سے اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ جب قاضی اس شہادت کی سماعت کرے اور وراثت کے قبضہ سے جائیداد کو وقف کے لیے چھین لینے کا حکم دے اور اس کی حجت تحریر کر دے تو کیا اس کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں اور اس قاضی پر کیا لازم آتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اس کی حجت کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اسے معزول کر دیا جائے گا)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....120﴾

### سوال

حضرت میران نمک شاہ کی درگاہ کو سر جان ولیم نے ۱۲۱۵ھ میں زمین وقف کر دی۔ متولیان نے کچھ دنوں بعد تقسیم نصف نصف کر کے ایک کی زوجہ نے اراضی کو رہن کر دیا۔ ایک نے زوجہ کے نام بیع نامہ لکھ دیا۔ اب اس اراضی کو ایک اس زوجہ کا جس نے اراضی کو رہن کیا ہے بیع نامہ بنام جس و نت رائے اور مسمی بہاری لال کرتی ہے شرعاً کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا

سائل: ولی اللہ محمد شاہ کر مندوی سگ شہر آگرہ

۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء

### الجواب

#### هو المصوب

قرینہ سوال اور معاملہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس عطیہ سر جان ولیم پر متولیاں (درگاہ) تصرف کرتے رہے۔ اگرچہ بنام وقف درگاہ کو دی گئی تھی۔ مگر تصرفات مالکانہ متولیاں کے بعد دیگرے مدت دراز تک کرتے رہے اور کوئی مزاحم نہ ہوا۔ لہذا اب دعویٰ وقف لائق سماعت نہیں۔ فتاویٰ حامد یہ میں ہے:

(سئل) فیما إذا كان بيد زيد ارض معلومة يتصرف فيها بطريق الإرث بلا معارض له

ولمورثه قبله من مدة تزيد على ستين سنة والآن قام ناظر وقف اهلى يعارضه فيها مدعيا جريانها

فى الوقف المذبور مستندا فى ذلك لمجرد ذكرها فى كتاب وقف بيده منقطع الثبوت ولم

يسبق ولا لمن قبل من نظار الوقف وضع يد عليها لجهة الوقف فهل حيث كان الامر كذلك

يمنع الناظر من معارضة زيد فيها ويعمل بوضع اليد والتصرف المذبورين ولا عبرة بمجرد

ذكر الأرض فى كتاب الوقف المذبور بدون سبق تصرف شرعى لجهة الوقف المذبور.

(الجواب) نعم لأن حجج الشرع الشريف ثلاثة البينة والإقرار والنكول وكتاب

الوقف إنما هو كاخذ به خط وهو لا يعتمد عليه ولا يعمل به كما صرح به كثير من علمائنا  
ولا ينزع شيء من يد أحد إلا بحق ثابت معروف ما

(ترجمہ) سوال: زید کے قبضہ میں مقرر زمین ہے جس میں وہ وراثت کے طور پر تصرف کرتا ہے۔ ساٹھ سال سے زائد کا عرصہ ہوا کہ اس اور اس کے مورث کے تصرف میں رہی کوئی مقابل نہیں آیا۔ اب ملکی وقف کا نگران اس سے معارضہ کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مذکورہ زمین وقف ہے اور دلیل صرف یہ دیتا ہے اس کے پاس وقف کی کتاب میں صرف اس کا ذکر موجود ہے۔ اس کا ثبوت اس کے پاس کچھ نہیں۔ وقف کے اعتبار سے نہ اس نگران کا اس زمین پر کبھی قبضہ رہا اور نہ اس سے پہلے نگرانوں کا قبضہ رہا۔ تو کیا اس صورت حال میں وقف کے نگران کو اس زمین کے بارے میں معارضہ سے روکا جائے گا۔ مذکورہ بالا افراد کے اس زمین پر قبضے اور تصرف پر عمل کیا جائے گا اور مذکورہ بالا زمین پر وقف کے اعتبار سے کبھی کسی تصرف کے بغیر صرف اس وقف کی کتاب میں اس کے ذکر کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا۔

**جواب:** ہاں (وقف کی کتاب میں صرف اس کے ذکر کا کوئی اعتبار نہیں ہے) شرع شریف میں صرف تین چیزیں ثبوت کی دلیل ہیں (۱) گواہی (۲) اقرار (۳) انکار۔ وقف کی کتاب صرف کاغذات کا مجموعہ ہے جن پر تحریر ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور نہ اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس کی تصریح ہمارے کثیر علماء نے فرمائی ہے۔ معروف طریقہ سے ثابت شدہ حق کے بغیر کسی شخص کے قبضہ سے کوئی چیز چھینی نہیں جاسکتی)

پس مالکانہ تصرف بلا مزاحمت مرید وغیرہ کرتے رہے اور انتقالات بیع و رہن نافذ ہوتے رہے۔ لہذا

اب اس کو وقف قرار دینا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفر له

فائدہ:

ایسی صورت میں اگر حاکم وقف بھی قرار دے تو اس کا حکم غلط ہوگا جیسا کہ مسئلہ نمبر ۳۹ میں درج ہے۔

منہ غفر له



## ﴿فتویٰ نمبر.....121﴾

### سوال

ایک مکان زر خرید ہے۔ اپنے بھانجے کو ملا۔ اسے فروخت کیا اور بیع نامہ میں (سوائے اصل الدین مکان متعلقہ مسجد فلاں) لکھا لیکن کوئی وقف نامہ نہ شرائط نہ مصارف تحریر کئے۔ مگر ارادہ ہے کہ اگر خدا وسعت دے تو مسجد کی خدمت اپنے پاس سے اور زمین مذکورہ کی آمدنی وغیرہ سے کروں گا اور ولایت خود رکھوں گا۔ اب اہل محلہ اور ممبران مسجد مجبور کرتے ہیں کہ اس کا روپیہ یعنی قیمت موصول ادا کرے تاکہ ہم مسجد میں لگا دیں یا کرایہ نامہ لکھ دے۔ شرعاً ایسے موقع پر کیا حکم ہے جو تعمیل کی جاوے۔

### الجواب

#### هو المصوب

وقف میں ضرورت تکمیل کی ہے خصوصاً جب کہ زمین کسی مسجد کو وقف کی جائے تو حوالہ متولی جب تک نہ کرے تو کامل نہ ہوگا (صفحہ ۲۱۵ جامع الاحکام جلد اول دیکھو)  
قال ابو جعفر وعلیه الفتوی.

(ترجمہ: امام ابو جعفر نے فرمایا اور اسی پر فتویٰ ہے)

اور یہاں نہ تو واقف نے وقف نامہ لکھا اور نہ تصریح مصارف اور نہ اقرار کیا ہے ☆ بلکہ آئندہ ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اور زبردستی وقف نہیں ہو سکتا۔

اگر وقف ہی فرض کیا جائے تو مالک خود کو متولی قرار دیتا ہے بعدہ کسی کو حق نہیں ہے کہ اس سے علیحدہ کرے۔

جب تک اُس سے خرچ وغیرہ کی تفصیل نہ معلوم ہو کہ اس قدر آمدنی مسجد کے فلاں کام میں اور اس قدر اپنے رشتہ داروں کے واسطے مقرر کیا ہے یا سب مسجد میں اپنے آپ جمع کرتا رہوں گا۔ اور کسی محلہ دار یا

حاکم کو ہرگز حق نہیں ہے کہ صرف آئندہ ارادہ پر وقف جائز کر دیں جب تک کامل نہ ہو جاوے۔

☆ اور محلہ دارسخت لادین ہیں کہ جو وقف بھی قرار دیتے ہیں اور اس کی قیمت واقف سے لے کر مسجد

میں حرام مال لگانا چاہتے ہیں۔ ☆ کیونکہ کہ وقف کا بیچنا اور روپیہ لینا حرام ہے۔ اور مسجد میں اس کا لگانا

سخت کبیرہ گناہ ہوگا اور محلہ داروں کو کوئی منصب دست اندازی کا نہیں ہے۔ جب تک تکمیل وقف واقف کی

طرف سے نہ ہو جاوے اور کاغذ پر رجسٹری نہ کراوے۔ اور علاوہ اس کے ابھی اس نے مکانہ وقف کیا اور نہ

حدود معین کئے نہ تصریح قبضہ نہ تفصیل خرچہ نہ بیان تولیت۔

غرض کہ یہ زمین وقف نہیں۔ اور مطالبہ اہل محلہ کا بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ ہاں مالک کو فہمائش

کریں کہ وعدہ پورا کرے۔ تاکہ عند اللہ ماخوذ نہ ہو۔

واللہ اعلم و حکمہ احکم

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....122﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں میونسپل بورڈ نے ایک زمین بہ نیت وقف کرنے کے مسلمانوں پر واسطے قبرستان کے خریدی ہے اور ابھی مسلمانوں کے سپرد نہیں کی۔ آیا بلا اجازت اور سپرد کرنے کے مسلمانوں کو اس میں کسی مسلمان کو مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: انوار حسین چڑی مارٹولہ اکبر آباد

۲۰ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

الحمد لله العلی الاعلی والصلوة والسلام علی رسولہ المصطفی وآلہ المجتبی.

اللهم رب زدنی علما.

وقف بلا قبضہ دینے کے پورا نہیں ہوتا۔ کما فی الدر المختار

ولا یتیم الوقف حتی یقبض لم یقل للمتولی لان تسلیم کل شیء بما یلیق بہ ففی

المسجد بالا فرازا

(ترجمہ: وقف تام نہیں ہوتا جب تک قبضہ نہ ہو جائے۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے یہ نہ فرمایا کہ جب تک متولی قبضہ

نہ کرے کیوں کہ ہر چیز کی سپردگی اس کے حال کے مناسب ہوتی ہے مسجد میں اس کی زمین کو جدا کر دینے سے

وقف تام ہو جاتا ہے)

قال الشامی رحمة الله علیه

قوله ففی المسجد بالا فرازا ای والصلوة فیہ وسیاتی و فی المقبرة بدفن واحد

فصاعدا باذنه ما۔

☆ (ترجمہ: قولہ: مسجد میں اس کی زمین کو الگ کر دینے سے وقف تام ہو جاتا ہے۔ ☆ یعنی اس کے ساتھ ساتھ واقف کی اجازت سے اس میں نماز ادا کرنے سے۔ جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ ☆ قبرستان میں واقف کی اجازت سے ایک یا ایک سے زائد مردوں کے دفن ہونے (سے) وقف کامل ہو جاتا ہے) لہذا جب تک با اجازت واقف با وکیل واقف ایک یا کچھ زائد مردے اس میں دفن نہ کر دیے جاویں کسی مسلمان کو بلا اجازت اس میں دفن کرنا جائز نہیں۔ فقط

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی المجددی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

۱۹ شوال ۱۳۳۲ھ



رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ بیروت  
اصل مسودہ میں اسی طرح سوال پر تاریخ ۲۰ شوال ۱۳۳۲ھ اور جواب پر ۱۹ شوال ۱۳۳۲ھ درج ہے۔ ممکن ہے یہ اختلاف  
سائل یا حضرت مجیب رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی تھی کی بنا پر ہو۔

محمد علیم الدین عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....123﴾

### سوال

ہم مفتیانِ دینِ اسلام اور علمائے کرام سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ عابدہ نے کچھ روپیہ کی وصیت کی اور زید سے کہا کہ اس روپیہ سے ایک مسجد بنوادینا۔ زید نے اس روپیہ سے حسب وصیت مسجد تیار کرائی لیکن ضروریاتِ تعمیر کے لیے وہ روپیہ نا کافی ہوا اور کچھ روپیہ زید نے اپنے پاس سے لگا کر اس کی تعمیر کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ مسجد کے صحن کے ملحق اس نے علیحدہ اپنی زمین پر چند دکانات اپنے ذاتی صرف سے بنوائیں اور ان پر وہ تاحینِ حیات قابض و متصرف رہا۔ کرایہ وغیرہ بھی خود وصول کرتا رہا اور انہیں نقل و اصلا کسی صورت میں بھی وقف نہیں کیا تو زید کے بعد اس کا لڑکا عمر وراثتاً ان دوکانوں کا حقدار و مالک ہوگا یا نہیں۔ اور کیا زید کے انتقال کے بعد بغیر کسی وصیت کے وہ جائیدادِ موروثی وقف میں شامل سمجھی جائے گی؟

سائل حاجی الطاف حسین

### الجواب

ظاہر ہے کہ بغیر وقف کئے ہوئے کسی کا مال کسی طرح وقف نہیں ہو سکتا تو لامحالہ بعد انتقال زید کے مثل دیگر مال جائیداد بعد ما تقدم علی الارث زید کے ورثہ ان دوکانات کے بھی بحسب حصص متعین شریعت مستحق ہوں گے۔ اور اگر بجز ایک بیٹے کی یا چند بیٹوں کے اور کوئی وارث نہیں ہے تو فقط بیٹے ہی کل مال و جائیداد اور ان دوکانات کے شرعا وارث ہوں گے۔ مسجد کے پاس مسجد سے ملحق اپنی ذاتی زمین بنانے سے وہ مکان بغیر وقف کئے ہوئے ہرگز وقف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسجد بھی بعد بنانے کے جب وقف ہوگی جب بائاً مسجد اس کو اپنی ملک سے جدا کر کے عموماً نماز پڑھنے کی مسلمانوں کو اجازت دیدے اور اس میں نماز پڑھنے لگیں کہ:

فی الدالمختار :

ولا يتم الوقف حتى يقبض لم يقل للمتولى لان تسليم كل شيء بما يليق به ففى

المسجد بالافراز وفي غيره بنصب المتولى و بتسليمه اياه ابن كمال ما  
 (ترجمہ: وقف کامل نہیں ہوتا جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے یہ نہ فرمایا کہ جب تک متولی  
 اس پر قبضہ نہ کر لے کیوں کہ ہر چیز کی سپردگی اس طرح ہوتی ہے جو اس کے مناسب ہو۔ مسجد میں سپردگی اس کو  
 اپنی دیگر ملکیت سے علیحدہ کر دینے سے اور اس کے علاوہ باقی میں متولی مقرر کرنے اور وقف شدہ چیز اس کے  
 حوالے کرنے سے وقف تام ہوگا)

قال الشامی :

قوله ففي المسجد بالافراز اي والصلوة فيه ما

(ترجمہ: صاحب درمختار نے فرمایا کہ مسجد میں وقف تام اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ اس کو اپنی دیگر مملو کہ زمین  
 سے علیحدہ کر دیا جائے یعنی اس میں نماز بھی ادا کر لی جائے۔)

☆ اور علاوہ مسجد دیگر مکانات و دکانات میں وقف صحیح جب ہوگا جب واقف وقف کر کے کسی کو متولی  
 مقرر کر کے اس کے سپرد کر دے۔ اور تا وقتیکہ دوسروں کو متولی مقرر کر کے اس کے سپرد نہ کر دے اور خود متصرف  
 رہے بہ موجب عبارت مذکورہ درمختار وہ مکان یا دوکان گو تحریر یا زبانی وقف کر دی ملک واقف سے نہ نکلے گا۔  
 اور بوجہ ناتمام رہنے وقف کے مالک مکان ہی اس کا مالک رہے گا۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے  
 نزدیک خود واقف ہی متولی ہو سکتا ہے۔ لہذا اگر وہ خود متولی رہنا چاہے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے  
 نزدیک مجرد وقف کر کے اپنی کل جائداد سے جدا کر کے بحیثیت تولیت قابض و متصرف رہنا بھی تکمیل وقف کو  
 کافی ہے۔

كما في الشامی :

ان من شرط التسليم و هو محمد لم يصح تولية الواقف لنفسه و من صحها و هو

ما الدر المختار مع رد المختار جلد ۶، صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ما رد المختار جلد ۶ صفحہ ۴۱۷، ۴۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

أبو يوسف رحمة الله عليه لم يشترطه تأمل ما

(ترجمہ: جس نے سپرد کرنے کو شرط قرار دیا اور وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کے نزدیک وقف کرنے والے کا خود متولی بننا درست نہیں۔ اور جس نے وقف کرنے والے کا خود متولی درست قرار دیا ہے اور وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے اس کی شرط نہیں لگائی)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....124﴾

## سوال

علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کیا فرماتے ہیں ایک پرانا وقف قبرستان ہے۔ جس میں اب صرف چند قبریں نظر آتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ کچھ ایسی قبریں ہوں جو مٹی میں دب کر ناپید ہو گئی ہوں۔ اس میں مدت سے مردے دفن نہیں ہوتے۔ جنگی سے وہاں دفن کرنے کی اجازت نہیں۔ اس قبرستان میں طلباء علوم دین کے لیے دارالاقامہ یا مدرسہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ نمایاں قبروں کو یا تو چار دیواری کے ذریعہ محفوظ کر دیا جائے گا یا ان پر چھت قائم کر کے اس پر طلبہ کے درس یا قیام کے لیے جگہ بنوادی جائے گی۔

۸ شوال ۱۳۳۶ھ

محمد شریف ساکن ملٹھولہ آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اس قسم کے قبرستان میں قدیم سے گو اس میں نشان ایک قبر بھی باقی نہ رہے بہ موجب روایت فتاویٰ عالمگیریہ تو مطلقاً انتفاع ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۴۵۳ جلد ثانی فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

سئل هو (ای القاضی الامام شمس الانمہ الاوزجندی رحمہ اللہ) ایضا عن المقبرۃ فی القرۃ اذا درست ولم یبق فیها اثر الموتی ولا العظم ولا غیرہ هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا. و لها حکم المقبرۃ کذا فی المحيط فلو کان فیها حشیش یحش و یرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیها کذا فی البحر الرائق!

(ترجمہ: حضرت قاضی امام شمس الانمہ الاوزجندی رحمۃ اللہ علیہ سے دیہات کے ایسے قبرستانوں کے بارے میں پو



چھا گیا جب وہ قدیم ہو جائیں ان میں مردوں کی نشانیاں اور ہڈیاں وغیرہ نہ رہیں تو کیا ان میں کھیتی باڑی کرنا اور غلہ اگانا جائز ہے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ ان کے لیے قبرستان کا حکم ہے۔ محیط ☆ اگر وہاں گھاس موجود ہو تو اسے کاٹ لیا جائے اور چوپایوں کی طرف بھیج دیا جائے۔ لیکن چوپایوں کو ان میں چرنے کے لیے نہ چھوڑا جائے گا۔ البحر الرائق)

☆ البتہ ایک دو قبر ماضی میں جس کو قبرستان دائرہ یا عامہ نہیں کہہ سکتے یہ تعاملِ قدیم پایا جاتا ہے کہ ان کو مثل حجرہ کے چار دیواری یا گنبد میں دے کر اوپر صحن مسجد بنوادیا گیا ہے یا اتنی اونچی جگہ چار دیواری میں دے کر اس کے گرد اگر صحن مسجد بنوادیا گیا ہے یا مکان قیام گاہ مسافرین و طلبہ بنوادی گئی ہیں چنانچہ یہ امر جامع مسجد آگرہ سے اور مسجد وزیر خان واقع لاہور سے اور درگاہ حضرت سلیم چشتی رحمہ اللہ وغیرہ دیگر مقامات سے ظاہر ہے۔ بلکہ غالباً روضہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی صحن مسجد کے اندر ہے جو بعد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصلی پرزائد کیا گیا ہے مگر قبرستان عامہ کا قیاس اس مقبرہ پر نہیں کر سکتے جس میں ایک دو قبر کے بعد لوگوں نے کسی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا ہو اس واسطے کہ اس مقبرہ سے حکم قبرستان ہونے کا اٹھ جاتا ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۵۴ جلد خامس بحر الرائق میں ہے۔

و فی الخانیة امرأة جعلت قطعة ارض مقبرة و اخرجتها من يدھا و دفن فیھا ابنھا و  
هذه الارض غیر صالحه للقبر لغلبة الماء علیھا قال الفقیه ابو جعفر رحمہ اللہ ان کانت  
الارض بحال یرغب الناس عن دفن الموتی فیھا لفسادھا لم تصر مقبرة و کان للمرأة ان  
تبیعھا و اذا باعت کان للمشتري ان یرفع المیت عنها او یامر برفع المیت عنها۔

☆ (ترجمہ: فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک عورت نے زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنا لیا۔ اسے اپنے قبضہ سے خارج کر دیا اور اس میں اپنے بیٹے کو دفن کر دیا۔ لیکن یہ زمین پانی کے غلبہ کے باعث قبر کے لیے مناسب نہیں ہے۔ حضرت فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر زمین اس طرح کی ہو کہ لوگ اس کی خرابی کے باعث

مردے دفن کرنے سے اعراض کریں تو وہ قبرستان قرار نہ پائے گی۔ عورت کو حق حاصل ہے کہ اسے فروخت کر دے اور جب وہ فروخت کر دے تو خریدار کو اختیار ہے کہ میت کو وہاں سے اٹھا کر کہیں اور منتقل کر دے یا وہاں سے میت کو اٹھا لینے کا حکم دے دے)

حالاں کہ ایک دو میت کے دفن ہو جانے کے بعد وقف مقبرہ تام ہو جاتا ہے۔ اور ملک واقف سے نکل جاتا ہے سُئِلَ اللَّهُ چنانچہ صفحہ ۲۵۳ بحر الرائق میں ہے

و عند ابی یوسف رحمہ اللہ یزول ملکہ بالقول کما ہو اصلہ و اذا التسلیم عندہ لیس بشرط والوقف لازم و فی فتاویٰ قاضی خان و ناخذ فی ذلک بقول ابی یوسف و عن محمد رحمہ اللہ اذا استقی الناس من السقایة و سکنوا النخان و الرباط و دفنوا فی المقبرة زال الملک لان التسلیم عندہ شرط والشرط تسلیم نوعہ و ذلک بما ذکرنا و یکتفی بالواحد بتعذر فعل الجنس کلہ۔

(ترجمہ: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف زبان سے وقف کہہ دینے سے مالک کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے جس طرح کہ اس کی اصل ہے۔ کیوں کہ سپرداری ان کے نزدیک شرط نہیں اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کرتے ہیں۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے سبیل سے پانی بھرا سرائے اور رباط میں ٹھہرے اور قبرستان میں مردوں کو دفن کر دیا تو مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔ کیوں کہ سپرداری ان کے نزدیک شرط ہے۔ اور شرط اس کی نوع کی سپرداری ہے۔ اور یہ ان امور سے ہوتی ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک شخص کا فعل یعنی پانی بھرنا، ٹھہرنا اور مردہ دفن کرنا کافی ہے کیوں کہ ساری جنس کا فعل مشکل ہے)

اور مقبرہ دائرہ کی نسبت روایت فتاویٰ عالم گیر یہ تو جو بہت مفصل ہے گزر رہی چکی۔ مگر صاحب بحر بھی اس روایت مذکورہ کے اوپر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:-

ولا يجوز لاهل القرية الانتفاع بالمقبرة الدائرة فلو كان فيها حشيش يحش و  
يرسل الى الدواب ولا ترسل الدواب فيها.

☆ (ترجمہ: مٹے ہوئے قبرستان سے گاؤں والوں کو نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اگر وہاں گھاس ہو تو اسے کاٹ لیا  
جائے اور چوپایوں کی طرف بھیج دیا جائے لیکن چوپایوں کو اس میں نہ چھوڑا جائے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....125﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قوم ہنود کچھ روپیہ مسجد میں دے اور یہ کہہ کر دے کہ میں اپنی نوکری میں سے دیتا ہوں اس کا روپیہ مسجد میں لیا جائے یا نہیں اور وہ شخص ملازم ہو۔

سائل: محمد حسین

پیش امام مسجد راجہ بازار

مادھونگ باند کلوئی سکھ اور

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ ہندو کے روپیہ سے جو مسجد بنائی جائے خواہ وہ تجارت یا کسی پیشہ کے ذریعہ سے حاصل کیا ہو یا بذریعہ

نوکری اس کو مسجد کا حکم نہیں ہوتا۔

☆ علاوہ بریں اس کے روپیہ سے جھاڑ، فانوس، سنگھے، مسجد کے کنویں یا قلعے وغیرہ میں خرچ کر دیا جائے کچھ

مضانقہ نہیں جائز ہے۔

حورہ:

العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر..... 126﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مسجد محلہ میں ٹائم پیس یعنی گھڑی خورد عند اللہ دی اور سپرد متولی کر دی۔ اس کا استعمال عرصہ تک رہا۔ مہتمم مسجد نے بوجہ پرانے اور ست ہونے کے اور خوف اس امر کے کبھی سہوا مسجد میں رہ جائے اور چوری چلی جائے اس کو بقیمت مناسب فروخت کر کے اس میں مزید رقم شامل کر کے ۱۵ روپیہ کا کلاک یعنی گھڑی کلاں بنا بر استعمال مسجد متذکرہ خریدی ہے۔ اب وہ شخص جس نے کہ ٹائم پیس مذکور دی تھی واپس چاہتا ہے۔ لہذا اندریں صورت وہ شخص گھڑی خورد متذکرہ کی واپسی کا استحقاق بموجب شرع شریف رکھتا ہے یا کیا؟ بینوا تو جروا

اولاد حسین

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

بعد صحت وقف اور سپرد کر دینے کسی موقوفہ کے متولی کو واقف پھر واپس نہیں لے سکتا۔ اس واسطے کہ وقف بعد التسليم الى المتولى لازم ہو جاتا ہے۔ اور ملک واقف سے خارج ہو جاتا ہے۔  
فی الدر المختار فی صفحة ۳۹۹ من الجزء الثالث

ولا يتم الوقف حتى يقبض و لم يقل للمتولى لا تسليم كل شیء بما يليق به ففي المسجد بالافراز و فی غیره بنصب المتولى وتسليمه ایاہ ابن کمال۔

(ترجمہ: وقف تام اس وقت ہوتا ہے جب واقف قبضہ دے دے۔ صاحب تنویر الابصار نے یہ نہ فرمایا کہ جب متولی کو قبضہ دے دے تو وقف تام تب ہوتا ہے کیونکہ ہر شے کی سپردگی اس طرح ہوتی جو اس کے حال کے لائق

ہو۔ مسجد میں سپردگی اپنی جائداد سے الگ کرنے کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ اور اشیاء کے وقف میں وقف اس وقت تام ہوگا جب وقف کنندہ متولی مقرر کرے اور موقوفہ شے اس کے سپرد کر دے۔ (ابن کمال)

و فی صفحة ۲۰۲

فاذا تم ولزم لا یملک ما

☆ (ترجمہ: جب وقف تام ہو جائے اور لازم ہو جائے تو واقف اس کا مالک نہیں ہے)

قال الشامی :

قوله لا یملک ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک

لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکہ.

(ترجمہ: قولہ: وقف مملوک نہیں ہوتا یعنی نہ تو وہ وقف کنندہ کی ملک میں رہتا ہے اور نہ ہی اسے کسی اور کی ملک

میں دیا جاسکتا ہے مثلاً فروخت کر کے یا کسی اور طریقہ سے۔ کیوں کہ جو چیز کسی کی ملکیت سے خارج ہے اس پر

کسی اور کو مالک بنانا محال ہے)

☆ مگر عند الضرورت اگر متولی باذن واقف یا خود واقف جب وہ شے موقوفہ پرانی ہو جائے اور خراب

یا اس کی حاجت نہ رہے اور اس کو کو بیچ کر اس کی قیمت سے اس سے عمدہ چیز خرید کر بجائے اس شے موقوفہ کے

رکھ دے تو با تفاق جائز ہے۔ چنانچہ صفحہ ۷۷۷ اسعاف میں ہے۔

وان بلیت الحصیر کان له (ای للواقف) ان یبیعها و یشتري بثمانها حصیرا آخر

و هكذا الحکم لو اشتری قندیلا ونحوه للمسجد واستغنی عنه ما

(ترجمہ: اگر چٹائی پرانی ہو جائے تو وقف کنندہ کو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے اور چٹائی خریدنے کا حق

ہے۔ یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کے لیے قندیل یا اس کی مانند کوئی اور چیز خریدی۔)

اور صفحہ ۲۵۲ جلد خامس بحر میں ہے

و فی الخانیة رجل بسط بما له حصیرا للمسجد فخرّب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذلك یكون له ان كان حیا ولورثته ان كان میتا و ان بلی ذلك كان له ان یبیع ویشتري بثمنه حصیرا آخر و کذا لو اشتري حشیشا او قندیلا للمسجد ۱ .

(ترجمہ: کسی شخص نے مسجد کے لیے اپنے مال سے چٹائی خرید کر بچھائی پھر مسجد ویران ہو گئی اور اس چٹائی کی ضرورت نہ رہی تو یہ چٹائی اس بچھانے والے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے اور اگر وہ مر چکا ہو تو اس کے ورثہ کی ہے۔ اور اگر وہ چٹائی بوسیدہ ہو جائے تو اسے فروخت کر کے دوسری چٹائی خریدنے کا حق حاصل ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے مسجد کے لیے گھاس یا قندیل خریدی ہو)

چنانچہ سوال مذکور میں ایسی ہی صورت ہے کہ گھنٹہ کی ضرورت باقی ہے اور اس سے استغناء نہیں ہے مگر پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بیچ کر دوسرے کے خریدنے کی ضرورت واقع ہوئی ہے۔ لہذا عند البیح اگر واقف راضی تھا اور اب طلب کرتا ہے۔ باتفاق اس کو بیچ کر نیا خریدنا جائز تھا اور جائز ہے۔ اور واقف کو اب کسی طرح حق نزاع حاصل نہیں۔ اور اگر واقف اول سے ناراض تھا اور نہ متولی کو عند الوقف بوقت ضرورت صراحتہ نہ عرفا نہ دلالتہ اختیار تصرف واقف کی طرف سے حاصل تھا اور نہ پھر متولی نے بوجہ ضرورت اور خوف تلف وقف بیچ دیا اس کے ساتھ اور قیمت ملا کر اس سے بہتر خرید کر رکھ دیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تو صحیح یہی ہے کہ متولی کو حق بھی حاصل تھا چنانچہ صفحہ ۲۵۱ جلد خامس بحر میں ہے۔

اما الحصر والقنادیل فالصحيح من مذهب ابی یوسف انه لا یعود الی ملک

متخذہ بل یحول الی مسجد آخر او یبیعه قیم المسجد للمسجد ۲ .

(ترجمہ: چٹائیوں اور قندیلوں کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وقف کنندہ کی ملکیت میں واپس نہیں آتے بلکہ کسی اور مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا یا مسجد کا متولی انہیں اسی مسجد کے لیے فروخت کر دے گا)

۱	البحر الرائق شرح كنز الدقائق	جلد ۵	صفحة ۲۷۳	دار المعرفة بیروت
۲	البحر الرائق شرح كنز الدقائق	جلد ۵	صفحة ۲۷۲	دار المعرفة بیروت

اور امام محمد رحمہ اللہ سے اگرچہ ایک روایت یہی ہے کہ پرانہ ہو جانے سے بوریہ وغیرہ آلات مسجد ملک واقف ہو جاتی ہیں۔ لہذا بدول اذن واقف آلات و سامان مسجد کو متولی نہیں بیچ سکتا۔ مگر دوسری روایت امام محمد رحمہ اللہ سے بھی علاوہ اینٹ پتھر سامان بنائے مسجد کے دوسرے سامان بندھنے بوریہ کی نسبت مثل قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۰۳ جلد خامس بحر الرائق میں ہے:

فی الخانیة اذا وقف جنازة او نعشا او مغتسلا وهو التور العظیم فی محلة خربت المحلة و لم یبق اهلها قالوا لا ترد الی و رثة الواقف بل تحول الی محلة اخرى اقرب الی هذه المحلة فرقوا بین هذا و بین المسجد اذا خرب ما حوله علی قول محمد یصیر میراثا لان المسجد مما لا ینقل الی مکان آخر و هذه الاشياء مما تنقل ما

☆ (ترجمہ: جس نے میت کو اٹھانے کا تابوت یا مردہ کو نہلانے کا تخت یا غسل دینے کا مقام جو کہ بڑا برتن ہوتا ہے کسی محلہ میں وقف کیا۔ محلہ ویران ہو گیا اور وہاں کے رہنے والے باقی نہ رہے تو علمائے کرام نے فرمایا یہ وقف کردہ اشیاء واقف کے ورثاء کو واپس نہ لوٹائی جائیں گی بلکہ اس محلہ کے سب سے قریبی محلہ میں منتقل کر دی جائیں گی۔ امام محمد کے نزدیک جب مسجد کے ارد گرد آبادی ویران ہو جائے تو مسجد کی وہ جگہ واقف کے ورثاء کے لیے میراث بن جاتی ہے۔ علمائے کرام نے مسجد کی جگہ اور مذکورہ بالا اشیاء کے حکم میں فرق کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ اشیاء ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کی جاسکتی ہیں)

اور امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدر میں بدھنے بوریہ کو بھی اسی حکم میں رکھا ہے اور اس قیاس ابن ہمام کی جو صاحب بحر نے مخالفت کی ہے علامہ شامی رحمہ اللہ نے بدلیل اس کو رد کر دیا ہے لہذا بموجب قول ثانی امام محمد رحمہ اللہ بھی فعل متولی صحیح ہے۔ لیکن بنظر روایت اولی امام محمد رحمہ اللہ علیہ متولی کو مناسب ہے کہ جس طرح ہو سکے واقف کو اپنے فعل پر راضی کرے تاکہ محل اختلاف مطلقاً باقی نہ رہے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....127﴾

سوال

ایک جگہ درخت پھیل تھا اس میں ہندو پرستش کرتے ہیں۔ اس کے نیچے سے مسجد برآمد ہوئی ہم لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

سائلین: نمازیاں مسجد رحیم بخش کچھری

۲۲ اپریل: ۱۹۱۶ء

الجواب

هو المصوب

ان مسلمانوں کو بڑا ثواب ہے جنہوں نے اس مسجد قدیم کو مسجد قائم کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

الما يعمر مساجد الله من امن بالله واليوم الآخر ما.

(ترجمہ: حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخری دن (روز قیامت پر

(ایمان رکھتے ہیں)

حورہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....128﴾

## سوال

کیا زید زیر مسجد صحن مسجد میں ایسی کوئی کوٹھڑی بنا سکتا ہے کہ جس میں آدمی سکونت کر سکے؟ اگرچہ وہ مسجد کے فائدہ کی غرض سے ہو کہ جس میں یہ احتمال کسی وقت میں ہونا ممکن ہے کہ اوپر نماز ہو رہی ہے اور زیر مسجد شراب خواری، خواہ فعل زنا وغیرہ ہو۔ پس ایسی دورانہ پیشی خیال کر کے شرع شریف زیر مسجد کسی کو کوٹھڑی وغیرہ بنانے کا حکم دے سکتی ہے یا نہیں؟ مع نام کتاب و صفحہ سے آگاہی ہر سہ سوالات کے فرمائیے۔

## الجواب

☆ مسجد یا صحن مسجد کے نیچے یا اوپر وقتِ بناء مسجد اگر خود مسجد بنا کر وقف کرنے والا کوئی حجرہ یا مکان سامان مسجد رکھنے کو یا امام کے رہنے کو بنا دے جائز ہے۔ مگر بعد وقف کر دینے مسجد کے اگر خود واقف بھی مسجد کے یا صحن مسجد کے نیچے یا اوپر امام کے رہنے کو بھی اگر مکان یا حجرہ بنا دے جائز نہیں۔

کما فی البحر فی صفحہ ۲۵۱

انه لو بنى بيتا على سطح المسجد لسكنى الامام فإنه لا يضر فى كونه مسجدا لانه من المصالح فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان يبنى فوقه بيتا للامام او غيره هل له ذلك قلت قال فى التتارخانية اذا بنى مسجدا وبنى غرفة و هو فى يده فله ذلك و ان كان بناه و خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه و فى جامع الفتاوى اذا قال عنيت ذالك فإنه لا يصدق فاذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره ما .

(ترجمہ: بانی مسجد نے اگر مسجد کی چھت پر امام کی رہائش کے لیے گھر بنایا تو اس سے اس کے مسجد ہونے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ مصالح مسجد میں داخل ہے۔ اگر تم پوچھو کہ بانی نے مسجد کو مسجد قرار دے دیا پھر اس نے چاہا کہ امام کے لیے یا کسی اور غرض کے لیے گھر بنائے کیا اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے؟ میں کہتا ہوں کہ

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ جب بانی نے مسجد بنائی ابھی وہ اس کے قبضہ میں تھی کہ اس نے اس کے اوپر کمرہ بنالیا تو اسے اجازت ہے۔ اور جب وہ مسجد بنا چکا اور اپنا قبضہ چھوڑ کر اسے لوگوں کے سپرد کر دیا پھر آیا تا کہ اوپر مکان تعمیر کرے تو اسے اس کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اور جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر بانی کہے کہ میرا پہلے سے یہ ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہ حکم مسجد کو وقف کرنے والے کا ہے اور اوروں کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے)

اور اگر خوف بے ادبی اور اہانت مسجد ہو جیسا کہ صورت سوال سے ظاہر ہے ہرگز جائز نہیں۔ اس واسطے کہ مسجد کی زمین تحت الثریٰ سے آسمان تک باعتبار ادب و تعظیم حکم مسجد ہی کا رکھتی ہے۔ جو امور مسجد میں جائز نہیں ہیں وہ نہ مسجد کے اوپر جائز نہ مسجد کے نیچے جائز۔

کما فی الدر المختار :

و کرہ تحریم الوطوء فوقہ والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء

☆ (ترجمہ: مسجد کی چھت پر جماع کرنا، پیشاب اور پاخانہ پھرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ زمین سے لے کر آسمانوں تک مسجد ہے)

قال الشامی رحمة الله فی صفحة ۲۸۵ من الجزء الاول رد المحتار المصری

قوله الی عنان السماء و کذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیحابی

(ترجمہ: قولہ: یہ زمین سے آسمانوں تک مسجد ہے۔ یونہی یہ جگہ تحت الثریٰ تک مسجد ہے۔ البیری میں اسبیجابی سے اسی طرح منقول ہے۔)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی الرضوی، مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتاویٰ نمبر.....129﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد قدیم از سر نو تعمیر کرائی جائے اور بعض حصہ یا کل از سر نو تعمیر ہو سکے نیچے سراسر دوکانات کرایہ چلانے کو بنوائی جائیں جیسا کہ بالفعل مسجد دولہ شاہ متصل کالامحل آگرہ از سر نو تعمیر کرائی جا رہی ہے جس کا تعلق ممبر صاحبان لوکل انجمنوں سے ہے۔ آیا یہ حق متولی مسجد کو ہے یا نہیں؟ اور اگر نئی مسجد اس طرح بنوائی جائے تو اس کا سارا نیچے کا حصہ کرایہ کے مکان یا دوکانوں کا رہے۔ اس کی آمدنی مسجد ہی کے واسطے متعلق کی جائے تو اس مسجد کو مسجد کا حکم ہوگا یا نہیں؟

۲۷ صفر

حاجی الہ دین دولہ شاہ آگرہ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ ۴۴۹ جلد ثانی میں ہے

قیم المسجد لا يجوز له ان ينبي حوائت في حد المسجد او في فناءه لان  
المسجد اذا جعل حائوتا او مسكنا تسقط حرمة وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد  
فيكون حكمه حكم المسجد كذا في المحيط السرخسي ما  
(ترجمہ: مسجد کے متولی کے لیے مسجد یا اس کے فناء میں دکانیں تعمیر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ مسجد کو جب دکان یا  
سکونت کا مکان بنا لیا جائے تو اس کی عزت و حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور فناء مسجد مسجد  
کے تابع ہوتی ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو مسجد کا ہے۔ محیط سرخسی)

یعنی محیط سرخسی میں ہے کہ منتظم مسجد کو مسجد اور فناء مسجد کی حد میں دوکان یا مکان سکونت بنوانا ہرگز جائز نہیں اس واسطے کہ اس سے حرمت مسجد ساقط ہو جائے گی۔

اور اس سے زیادہ مصرح صفحہ ۴۴۳ میں مطلقاً بلا قید منتظم اور بانی و واقف اس طرح لکھا ہے۔

إذا اراد انسان ان يتخذ تحت المسجد حوائت غلة لمرمة المسجد او فوقه ليس

له ذالك كذا في الذخيرة ما

(ترجمہ: اگر کوئی شخص مسجد کے نیچے یا اوپر دوکانیں بنائے تاکہ مسجد کی مرمت کے لیے آمدنی کا ذریعہ ہو تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ ذخیرہ)

یعنی بغرض انتظام مرمت مسجد آمدنی مسجد کی واسطے اگر کوئی شخص مسجد کے نیچے یا اوپر دوکانیں بنا دے یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے اور بایں ہمہ اگر کوئی بانی مسجد مسجد کے نیچے یا اوپر مکان سکونت بغرض کرایہ یا دوکانیں بنا دے (اور اس کے اوپر یا نیچے کے مکان کو اپنی ملکیت میں رکھے) اور وقف کر کے اس کا راستہ بھی جدا کر دے اور اس (مسجد) کو اپنی ملک سے جدا بھی کر دے تو اس مسجد کو حکم مسجد نہیں یہاں تک کہ وہ اس کو بیچ کر سکتا ہے اور اس کے ورثہ کو بطریق وراثت پہنچ سکتی ہے۔

چنانچہ بحوالہ ہدایہ جلد ثانی فتاویٰ عالمگیریہ کے صفحہ ۴۴۳ میں ہے:

و من جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت و جعل باب المسجد الی الطريق

و عزله فله ان یبعه و ان مات یورث عنہ ما

(ترجمہ: جس شخص نے مسجد بنائی لیکن اس کے نیچے (اپنی ملکیت برقرار رکھ کر) تہہ خانہ یا اس کے اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ (عام) رستہ کی طرف بنا دیا اور اس کو علیحدہ بھی کر دیا تو اس کو حق حاصل ہے کہ اس کو بیچ دے۔ اور اگر مر جائے گا تو مسجد کی وہ جگہ اس کی میراث قرار پائے گی)

ما	الفتاویٰ العالمگیریہ	جلد ثانی صفحہ ۴۵۵	مطبوعہ مصر
ما	الفتاویٰ العالمگیریہ	جلد ثانی صفحہ ۴۶۲	مطبوعہ مصر

ہاں اگر سردابہ بغرض مصالح مسجد یعنی مسجد کے سامان کے واسطے مثل سردابہ بیت المقدس کے بنا کر وقف کیا ہے بلا شک جائز ہے۔

چنانچہ اس صفحہ میں ہے:

ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس كذا

في الهداية ما

(ترجمہ: اگر تہہ خانہ مسجد کی مصلحتوں کے لیے ہو تو جائز ہے جیسا کہ بیت المقدس کی مسجد میں ہے) ما فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



الفتاویٰ العالم گیریہ جلد ثانی صفحہ ۴۵۵ مطبوعہ مصر

ما واضح رہے کہ یہ تہہ خانہ اس جگہ کو مسجد قرار دینے سے پہلے بنایا جاسکتا ہے مسجد قرار دینے کے بعد تہہ خانہ یا اوپر گھر بنانا جائز

نہیں۔ اگرچہ مسجد کے مصالح کے لیے ہو لیکن مسجد کے نیچے تہہ خانہ بطور مسجد بنایا جاسکتا ہے۔

مرتب علی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....130﴾

## سوال

حسب استفسار جناب حکیم حیات خان صاحب ممبر لوکل کمیٹی اکبر آباد بہ نسبت وقفِ امکانہ منہدمہ  
وقف برائے مسجد ہنڈی ہینگ ما

۸ جنوری ۱۹۱۷ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

اگر یہ زمین یا مکان موقوفہ مسجد ہنڈی ہینگ بعینہ وہی زمین یا مکان ہے جس کو وقف نے مسجد پر  
وقف کیا تھا اور یہ وقف امراء و سلاطین سے نہیں ہے، مثل اوقاف جامع مسجد کے بلکہ اپنے مالِ مملوکہ سے کسی نے  
وقف کیا تھا تو بلاشبہ اس کا بیچنا ناجائز ہے۔ ☆ اور اگر آمدنی وقف سے کوئی زمین یا مکان خریدا ہوا ہے  
☆ یا قسماً مکان موقوفہ منہدم ہو گیا ہے اور اس کو آباد کرنا اور بنانا یا اس کی زمین کو کرایہ پر چلانا مستحذر و غیرہ ممکن  
ہے (تو) بلاشبہ متولین مسجد حکم قاضی اس کو بیچ کر اس سے دوسری زمین یا مکان کا آمد مسجد خرید سکتے ہیں۔  
چنانچہ صفحہ ۲۱۸ جلد ثالث شامی میں ہے

قال هشام سمعت محمدا يقول الوقف اذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين

فللقاضى ان يبيعه و يشتري بثمانه غيره و ليس ذلك الا للقاضى ما

(ترجمہ: امام ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ وہ فرما رہے  
تھے کہ جب وقف کی حالت ایسی ہو جائے کہ مسکین اس سے نفع نہ حاصل کر سکیں، تو قاضی کو اختیار ہے کہ

ما فتاویٰ کے رجسٹر میں سوال درج نہیں ہے۔

ما رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اسے فروخت کر دے اور اسی کی قیمت سے اس کے علاوہ اور خرید لے۔ قاضی کے سوا کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے)

و ایضا فیہ فی صفحہ ۴۱۹

واعلم ان عدم جواز بیعہ (ای بیع الوقف) اذا تعذر الانتفاع به الما هو فیما و رد علیہ وقف الواقف اما اذا اشتراه المتولی من مستغلات الوقف فانه يجوز بیعہ بلا هذا الشرط لان فی صیورته و قفا خلافا والمختار انه لا یكون وقفا فللقیم ان بیعہ متی شاء لمصلحة عرضت و ستاتی المسئلة فی الفصل الاتی متناہا۔

(ترجمہ: وقف کی چیز کو فروخت کرنے کا عدم جواز جب کہ اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ رہے، صرف اس صورت میں ہے جب کہ وقف کرنے والے نے اسے وقف کیا ہو۔ لیکن اگر وقف کی آمدنیوں سے اسے خریدنا تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ اس میں قاضی کے ہونے وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔ کیونکہ ایسی خرید کردہ چیز کے وقف ہونے میں اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ یہ وقف نہیں ہے۔ لہذا متولی جب چاہے مصلحت پیش آنے کی صورت میں فروخت کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اگلی فصل میں متن کے اندر آ رہا ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....131﴾

## سوال

ایک طوائف کی طرف سے فرانسیسی نے مسجد بنوادی اور وہ اس کے سامنے مدفون ہے۔ اس مسجد میں نماز نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اور فرانسیسی نے بقبضہ مسلمانان دے دی تھی۔ اب تکیہ کی زمین ہندو نے لی ہے مسجد کو بھی وہ کھودے گا لہذا اب حکم شرع شریف کیا ہے۔

سائل: حافظ تکیہ

ہنگ منڈی فروری ۱۹۱۶ء

## الجواب

نماز اس مسجد میں ہو جائے گی مگر ثواب مسجد نہ ہوگا اور جب کہ مسجد کو قبضہ مسلمانوں میں دے دی ہے۔ تو پھر اس کو کھودنے کی اجازت نہیں ہے۔ خود مسلمان انتظام کریں۔ اور اپنے روپیہ سے بنوادیں اور اس کے اثاثہ کو فروخت کر کے قرض ادا کر دیں تا کہ مسجد کا ثواب بھی ہو جائے۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....132﴾

## سوال

مسجد کی تعمیر کے لیے رنڈی کچھ دینا چاہے تو اس کام کے واسطے لیا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا  
سائل: ریاست لال گڑھ ضلع بلاس پور

۲۵ نومبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

وهو الصواب للحق والصواب

رنڈی کاروپہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔

☆ لأن حلوان الكاهن ومهر البغی لیس بطیب ما

(ترجمہ: کیوں کہ کاهن کی مزدوری اور بدکار زانی عورت کا مہر پاکیزہ نہیں ہے)

والله اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء



ما صحیح البخاری : حدیث رقم : ۲۲۸۲ صفحہ ۴۴۸ مطبوعہ : مکتبہ دار السلام ریاض میں ہے:

☆ ان رسول الله ﷺ نهی عن ثمن الكلب ومهر البغی وحلوان الكاهن

یہی الفاظ حدیث رقم: ۲۲۳۷ کے ہیں اور اس کے قریب الفاظ حدیث رقم ۵۳۳۶ اور ۵۷۶۱ کے ہیں۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....133﴾

## سوال

علمائے دین و فقہیانِ شرع متین درج ذیل صورت حال کے بارہ میں از روئے شرع کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ ریاست لال گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ہندو راجہ بہادر ہیں۔ کامل الاختیار ہیں۔ پھانسی وغیرہ کا اختیار بھی حاصل ہے۔ نہایت خلیق و سخی الصدر ہیں۔ اس بستی میں ہندو زیادہ مسلمان کم ہیں۔ دو مسجدیں یہاں ہیں۔ ایک پختہ دور سری خام۔ سنہ حال میں خام مسجد کو پختہ بنانے کا اہل اسلام ارادہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پورا کرے۔ اس کام کے واسطے مبلغ آٹھ سو روپیہ جمع ہیں۔ قریب بارہ سو کے تخمینہ کیا گیا ہے۔ اس میں چندہ کیا جائے گا اس چندہ میں اگر مہاراجہ صاحب کچھ امداد کریں تو مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا کیا؟ یا کوئی اور ہندو بھی دینا چاہے تو اس کو لینا چاہیے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

سائل: حاجی عبداللہ سوداگر۔

ریاست لال گڑھ ضلع بلاس پور

۲۵ نومبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

وہو الملہم للحق والصواب

چندہ مسجد میں سوائے اہل اسلام اور کسی کا نہ لگائیں گے۔ ہاں اگر کوئی غیر مذہب مسلمانوں کو روپیہ بہہ کے طور پر دے دے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں لگا دیں تو جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عنہ مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....134﴾

## سوال

مسجد کی تعمیر میں جو سامان لگایا جائے اس کو ہندو لوگ نفع یا کفایت سے دنیا چاہیں تو خرید سکتے ہیں  
یا بازار بھاؤ جیسا کہ عام لوگ خرید کرتے ہیں۔ بینوا و توجروا

سائل: حاجی عبداللہ  
سوداگر ریاست لال گڑھ  
ضلع بلاس پور  
۲۵ نومبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

وہو الملہم للحق والصوب

ہنود سے خریدنا جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب  
عاجز محمد رمضان عفی عنہ  
مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ  
مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....135﴾

## سوال

ماقولکم رحمکم اللہ دریں مسئلہ ایک کہنہ مسجد جو بالکل منہدم اور ویران ہے اس کے اینٹ پتھر وغیرہ سے دوسرے شہر یا قصبہ میں دوسری مسجد بنانا یا پتھر وہاں سے اس دوسری مسجد کے لئے اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟۔ یہ امر بھی واضح رہے کہ مسجد شکستہ کے قریب ایک اور ایسی مسجد ہے اور وہ بھی نمازیوں سے خالی ہے۔

سائل: واجد علی ساکن محلہ ٹیکا پور

۸ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

رب زدنی علما

اگر مسجد خراب شدہ اور اس دوسری مسجد غیر آباد کے اینٹ پتھر وغیرہ و دیگر سامان کے تلف ہونے کا اور لوگوں نے اس کو توڑ کر یا اس کے افتادہ سامان اینٹ پتھر وغیرہ کو لے جا کر اپنے مکانوں میں لگانے کا خوف نہ ہو جب تو بقول مفتی بہ اس کی کسی چیز اینٹ پتھر وغیرہ سے دوسری مسجد میں لگانا اور اس سے دوسری مسجد بنانا جائز نہیں۔

كما في الدر المختار:

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى عند الامام والثاني ابداء الى قيام الساعة و به

يفتى حاوی قدسی ما۔

(ترجمہ: اگر مسجد کے ارد گرد آبادی ویران ہو جائے اور اس کی ضرورت نہ رہے تو بھی وہ جگہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیامت کے پھا ہونے تک مسجد ہی رہے گی اور فتویٰ اسی

پر ہے ”حاوی قدسی“)

قال الشامي :

قوله (عند الامام والثاني) فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا. و هو الفتوى حاوی قدسی. و اکثر المشائخ عليه مجتبیٰ و هو الاوجه فتح ما.

(ترجمہ: صاحب در مختار نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک وہ جگہ مسجد ہی رہے گی۔ لہذا وہ جگہ دوبارہ میراث قرار نہیں پائے گی۔ نہ ہی اس مسجد کو وہاں سے منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو دوسرے مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ خواہ لوگ اس میں نماز ادا کرتے ہوں یا نہ۔ یہی فتویٰ ہے ”حاوی قدسی“ اکثر مشائخ کا یہی موقف ہے۔ مجتبیٰ یہی اوجہ ہے فتح القدر)

☆ اور اگر خوف اس امر کا غالب ہو کہ بعض خدانا ترس اس کے تمام یا بعض پتھروں کو لے کر گھروں میں لگا دیں گے اور تمام سامان یوں ہی ضائع ہو رہا ہے اور ہو جائے گا تو اس سے دوسری مسجد بنانا یا دوسری مسجد میں اس کا بعض سامان مایحتاج لگا دینا جائز ہے۔

كما في الفتاوى العالم گیریه.

في فتاوى النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا و تداعى مسجد القرية الى الخراب و بعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد و ينقلونه الى ديارهم هل لواحد من اهل القرية ان يبيع الخشب بامر القاضی و يمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد او الى هذا المسجد قال نعم كذا في المحيط ما.

(ترجمہ: فتاویٰ نسفی میں ہے کہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ایک گاؤں والوں کے بارے میں پوچھا گیا جو تتر بتر ہو گئے اور گاؤں کی مسجد ویران ہو گئی اور کئی زبردستی قبضہ کرنے والے مسجد کی لکڑیوں کے والی بن گئے وہ انہیں اپنے گھروں کی طرف لے جانے لگے۔ کیا گاؤں والوں میں سے کسی کو یہ اجازت ہے کہ قاضی کے حکم

.....  
 سے لکڑیوں کو فروخت کر دے اور ان کی رقم اپنے پاس رکھیں تاکہ اسے کسی مسجد یا اسی مسجد پر خرچ کر دے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا ہاں۔ اسے اجازت ہے۔ محیط میں اسی طرح ہے۔

و فی ردالمحتار :

و عن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی جزم بہ فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد و ماحوله و تفرق الناس عنه لا یعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضہ باذن القاضی و ینصرف ثمنہ الی بعض المساجد۔

(ترجمہ: اور دوسرے امام یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب مسجد کے ارد گرد سے آبادی ویران ہو جائے تو وہ جگہ بانی کی ملک میں دوبارہ واپس نہیں آتی۔ بلکہ قاضی کے حکم سے اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دیا جائے اسعاف میں اسی حکم پر جزم فرمایا ہے۔ کیونکہ صاحب اسعاف نے فرمایا کہ اگر مسجد اور اس کا ارد گرد ویران ہو جائیں اور لوگ وہاں سے بکھر جائیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ جگہ وقف کرنے والے کی ملکیت کی طرف واپس نہیں آتی۔ لہذا اس کا ملکہ قاضی کے حکم سے فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت کسی مسجد میں خرچ کر دی جائے گی)

اور جو مسجد زیادہ تر اس مسجد خراب شدہ کے قریب ہو وہ اس سامان کی حقدار ہے اگر اس کو حاجت ہو۔

کما فی الدر المختار

حشیش المسجد و حصیرہ مع الاستغناء عنہما و کذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بہما فیصرف و وقف المسجد والرباط والبئر والحوض فی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیہما

رد المحتار	جلد ۴	صفحہ ۳۵۹	مطبوعہ مصر
الدر المختار مع المحتار	جلد ۴	صفحہ ۳۵۹	مطبوعہ مصر

☆ (ترجمہ: مسجد کا گھاس اور اس کی چٹائیاں؛ جب ان کی ضرورت نہ رہے ☆ اور اسی طرح سرائے اور کنواں کا حکم ہے کہ جب ان سے نفع نہ اٹھایا جاتا ہو تو مسجد سرائے، کنوئیں اور حوض کی وقف اشیاء اس کے قریب ترین مسجد یا سرائے یا کنوئیں یا حوض پر صرف کر دی جائیں)

حورہ:

المفتی ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....136﴾

## سوال

علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل سوالات کے بارے میں از روئے شرع شریف کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

- 1- خام مسجد کو شہید کر کے پختہ بنا سکتے ہیں؟
  - 2- خام مسجد کی دیواروں کی مٹی لکڑی وغیرہ فروخت کر کے اس کی قیمت کو پختہ مسجد میں لگا سکتے ہیں؟
- فروخت کرنے میں کیا ہندو مسلمان کا خیال کیا جائے؟۔ اور سامان مسجد کا خواہ ہندو خریدیں یا مسلمان تو وہ ہر جگہ استعمال میں لا سکتے ہیں۔ جیسا کہ مکان بنوانا یا احاطہ کی دیواروں میں یا کوئی نجس جگہ اس مٹی سے دیوار اٹھوائیں تو جائز ہے یا کیا؟۔ بینوا توجروا

## الجواب

هو الملهم للحق والصواب

جدید مسجد بنالینا اور مسجد کو منہدم کر کے اس کی اشیاء بعد فروخت جدید مسجد میں لگانا جائز ہے جیسا کہ نفع

المفتی والسائل ما میں ہے۔ پس ضرورت میں بیچ جائز ہے۔ مشتری خواہ ہندو ہو خواہ مسلمان کوئی خاص قوم نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عفی عنہ مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء

ما نفع المفتی والسائل مشمولہ مجموعۃ اللکنوی جلد ۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ: ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی میں ہے:

الاستفسار: مسجد غیر منہدم هل يجوز الناس ان يهدموه لينوہ احکم من الاول۔

الاستبشار: لا يجوز ان يخاف الهدامه فيجوز لأهل المحلة لا لغيرهم أن يهدموه وبينوہ استحکاما من مال أنفسهم لا من مال الوقف کذا فی السراج المنیر عن فتاویٰ ابراہیم شاہی۔

ترجمہ: سوال: مسجد غیر منہدم ہے کیا لوگوں کے لیے جائز ہے کہ اس کو منہدم کر کے پہلی مسجد سے زیادہ مضبوط عمارت بنالیں۔

جواب: عام لوگوں کے لیے اس کا از سر نو بنانا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس کے منہدم ہونے کا خوف ہو۔ مضبوط تر تعمیر کے لیے اہل محلہ کو اجازت ہے کہ اس کو منہدم کریں اور محکم تر عمارت بنالیں۔ اہل محلہ کو بھی نئی عمارت اپنے مال سے بنوانے کی اجازت ہے

وقف کے مال سے اجازت نہیں۔ سراج منیر۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....137﴾

### سوال

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ریاست گوالیار میں ایک بیوہ عورت کے دو مکان ہیں۔ اور اس کی ایک مسجد بھی ہے اور ایک مسجد پنچائتی ہے۔ لیکن وہ دونوں مسجدیں ویران ہیں اور وہ محلہ بھی ویران ہے۔ بسبب روزگار کے وہ بیوہ عورت آگرہ کو چلی آئی ہے اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ ایک شخص گوالیار سے آیا ہے اور اس بیوہ عورت سے کہا کہ تیرے مکان کو سرکار ضبط کرنے لگی ہے یا تو تم چل کر مکان کو آباد کرو یا مکان کو مسجد کے نام کر دو تو تمہارے مکان اس ذریعہ سے بچا دیں گے۔ اس بیوہ عورت نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ مکان میں نے مسجد کے نام کئے۔ اس کو عرصہ چار سال کا ہوا۔ لیکن اب وہ بیوہ عورت بہت مفلس و لاچار ہے۔ لہذا وہ چاہتی ہے کہ مکانوں کو فروخت کر کے کچھ روپیہ مسجد کی مرمت میں لگا دے۔ اور کچھ روپیہ سے اپنی اوقات بسر کرے۔

### الجواب

وهو الموفق للصواب.

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

صورتِ مسئلہ میں فقط اتنا کہہ دینے سے کہ میں نے مکان مسجد کے نام کئے وقف تمام نہیں ہوتا

تا وقتیکہ کسی متولی کے سپرد نہ کر دیا جائے۔

كما في الدر المختار:

ولا يتم الوقف حتى يقبض و لم يقل للمتولى لان تسليم كل شئ بما يليق به ففي

المسجد بالافراز و في غيره بنصب المتولى و تسليم اياه ابن كمال ما.

(ترجمہ: وقف کامل نہیں ہوتا جب کہ واقف قبضہ نہ دے دے۔ یہ نہ فرمایا کہ جب تک متولی کو قبضہ نہ دے، کیوں کہ ہر شے کی سپردگی اس طرح سے ہوتی ہے جو اسکے مناسب ہو۔ مسجد میں جگہ کو علیحدہ کر دینے سے اور اس کے علاوہ باقی چیزوں میں متولی مقرر کرنے اور اس کو سپرد کرنے سے وقف تام ہوتا ہے۔ ابن کمال)

اور جب وقف تمام نہیں ہوا اور واقفہ بہت تنگ دست اور مسجدیں ویران بھی ہیں اور محلہ بھی ویران ہے اس واقفہ بیوہ کو اس کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا جائز ہے اگر فی الواقع سوال مذکور صحیح ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ بعد الوقف کسی کو متولی مقرر کر کے اس کے سپرد نہیں کیا تھا۔ فقط واللہ اعلم

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....138﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ مسجد کس کو کہتے ہیں۔ میرا علم عربی نا کافی ہے اس قدر لیاقت نہیں ہے کہ میں رموز اور نکات زبان عربی کو قابل اطمینان طور پر سمجھ سکوں لیکن بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ (حد مسجد) کی صحیح تعبیر ہو جانے سے مسئلہ متنازعہ فیہ اس مقدمہ کا حل ہو جائے گا۔ مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں کہ جس پر سجدہ کیا جائے اور حد اس سطح ارضی کو کہتے ہیں جو ہمارے مدارکات ظاہری (یعنی بصارت و سماعت وغیرہ) سے محدود ہو سکے۔ میری ناقص رائے میں طبقات تحت سطح ارض حد شرعی میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اگر میری یہ رائے صحیح ہے تو سجدہ گاہ کے نیچے اگر دکانیں واسطے مصالح مسجد کے بنائی جائیں کہ ان سے آمدنی واسطے مصارف ضروری مسجد کے اور واسطے مرمت و قیام آئندہ عمارت مسجد کے پیدا ہو جائے یعنی وہ مسجد کی حد کے باہر متصور ہوں گی کیونکہ بوقت نماز وہ دکانیں ہماری قوت اور حد بصارت کے باہر ہوں گی چونکہ مجھ کو اعتراف اپنی ناقابلیت کا ہے لہذا میری یہ ناچیز رائے واسطے منظوری یا ترمیم و تنسیخ کے خدمت عالی میں جناب مفتی صاحب زاد اللہ افضا لکم بغرض میری ہدایت آئندہ کے پیش ہو۔

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

فی الواقع مسجد کے معنی لغوی سجدہ گاہ کے ہی ہیں جیسے صلوة کے لغوی معنی تحریک الصلوین یعنی کوٹھے ہلانے کے ہیں مگر جیسے اصطلاح شریعت میں صلوة بموجب بیان شارع علیہ السلام ارکان مخصوصہ کو کہتے ہیں علی ہذا مسجد حسب بیان شارع علیہ السلام اس زمین کو کہتے ہیں جس کو مالک زمین اپنے قبضہ سے نکال کر عام مسلمانوں کو ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی کی شرکت کے اللہ واسطے وقف کر دے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام صفحہ ۴۲۵ جلد خامس فتح القدیر مطبوعہ مصر میں

ماتحت عبارتِ ہدایہ :

و من اتخذ ارضه مسجدا لم یکن له ان یرجع ولا یبیعه ولا یورث عنہما  
 ☆ (ترجمہ: جس شخص نے اپنی زمین کو مسجد بنا دیا اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے دوبارہ اپنی ملکیت میں لوٹا  
 لے۔ نہ ہی وہ اسے فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ اس کی میراث بن سکتی ہے)  
 تحریر فرماتے ہیں:

یعنی بعد صحتہ بشرطہ و فی فتاویٰ قاضی خان رجل له ساحة لا بناء فیہا امر قوما  
 ان یصلوا فیہا بجماعة قالوا ان امرهم بالصلوة فیہا ابداء و امرهم بالصلوة بجماعة و لم  
 یدکر الابد إلا أنه أراد الابد ثم مات لا یكون میراثا عنہما

(ترجمہ: یہ احکام زمین کے شرائط کے ساتھ صحیح طور پر مسجد بننے کے بعد ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے ایک  
 شخص کے پاس کھلا میدان ہے جس میں کوئی عمارت نہیں مالک نے لوگوں کو اس میں باجماعت نماز  
 ادا کرنے کا حکم دیا تو علماء نے فرمایا اگر مالک نے ان کو اس جگہ ہمیشہ کے لیے نماز ادا کرنے کا حکم دیا یا ان کو  
 باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نہ کہا لیکن اس کی نیت ہمیشہ کے لیے تھی اس  
 کے بعد وہ مالک مر گیا تو وہ میدان اس کی میراث قرار نہ پائے گا)

اور ماتحت عبارة ہدایہ

و من جعل مسجدا تحتہ سرداب او فوقہ بیت و جعل باب المسجد الی الطريق و

عزله عن ملكه فله ان یبیعه و ان مات یورث عنہما

☆ (ترجمہ: ہدایہ میں ہے کہ جس شخص نے مسجد یوں بنائی کہ اس کے نیچے (اپنی ملکیت برقرار رکھ کر) تہہ خانہ

ما	الهدایہ مع الشروح	جلد ۵	صفحہ ۶۲	المطبعة الكبرى مصر
ما	فتح القدير	جلد ۵	صفحہ ۶۲	المطبعة الكبرى مصر
ما	الهدایہ مع الشروح	جلد ۵	صفحہ ۶۳	المطبعة الكبرى مصر

یا اس کے اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ رستے کی طرف بنا دیا نیز اسے اپنی ملکیت سے جدا کر دیا اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کر دے اور اگر مر جائے گا تو یہ اس کی میراث قرار پائے گی۔  
ہدایہ کی اس عبارت کے تحت صاحب فتح القدر نے ارشاد فرمایا کہ:

لانه لم يختص لله تعالى لبقاء حق العبد فيه ما .

(ترجمہ اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ وہ جگہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص نہیں ہوئی کیونکہ اس کے اوپر یا نیچے بندے کا حق باقی ہے)

علامہ اکمل الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عنایہ مصری صفحہ ۲۴۲ جلد خامس ہدایہ مع الشروح میں تحریر فرماتے ہیں:-

قوله فله ان يبيعه اى لا يكون مسجدا و هو ظاهر الراوية لان المسجد ما يكون خالصا له تعالى قال الله تعالى و ان المساجد لله اضاف المسجد الى ذاته مع ان جميع الا ما كن له فافتضى ذلك خلوص المساجد لله تعالى و مع بقاء حق العباد فى اسفله اوفى علاه لا يتحقق الخلو ص ما

(ترجمہ: صاحب ہدایہ نے فرمایا اس مسجد کے بانی کو اسے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یعنی وہ جگہ مسجد قرار نہ

۱ فتح القدر کی اصل عبارت یوں ہے:

والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق قال الله تعالى و ان المساجد لله مع العلم بان كل شيء له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو بانقطاع حق كل من سواه عنه وهو منتف فيما ذكر (جلد ۵ صفحہ ۶۳ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں کسی کا حق نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ باوجود اس کے کہ یہ معلوم ہے کہ ہر شی اس کی ہے تو اس اضافت کا فائدہ یہ ہوا کہ مساجد اس کے ساتھ مخصوص ہو گئیں۔ اللہ کے ساتھ ان کا اختصاص اس وقت ہوگا جب اس کے سوا ہر کسی کا حق ان سے منقطع ہو جائے اور مذکورہ صورت میں یہ منٹگی ہے۔

۲ العناية على الهداية على هامش فتح القدير جلد ۵ صفحہ ۶۳ مطبوعہ مصر

پائے گی۔ یہی ظاہر روایت ہے کیوں کہ مسجد وہ جگہ ہوتی ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں) اس میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی جب کہ تمام جگہیں اسی کی ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور اگر کسی بندے کا حق مسجد کے اوپر یا نیچے باقی ہو تو وہ جگہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوئی)

اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ روایت عدم جواز مکان یا دوکان کراہیہ اور سکونت ظاہر الروایۃ ہے اور اس کے مقابلہ میں روایات ضعیفہ کا جن کا امام سے مروی ہونا مشکوک ہے اور پچھلے بعض فقہاء کے اقوال مروی ہیں وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں ہو سکتے خصوصاً ایسے اقوال جو مخالف ہوں سیاق کلام مجید کے (سورہ جن) اللہ جل شانہ اپنی مقدس کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔

ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا ما .

(ترجمہ: مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں لہذا اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو)

علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: .

ان المساجد مواضع الصلوة لله فلا تدعوا مع الله احدا بان تشرکوا کما کانت

اليهود والنصارى اذا دخلوا کنائسهم وبيعهم اشركوا ما

(ترجمہ: مسجدیں یعنی نماز ادا کرنے کے لیے مقامات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی

عبادت مت کرو۔ یوں کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ جس طرح کہ یہودی اور عیسائی اپنے گرجا

گھروں اور عبادت خانوں میں جاتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا کرتے تھے)

علامہ ابن نجیم بحر الرائق مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۰۱ جلد خامس میں تحریر فرماتے ہیں

و حاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجد اينقطع حق العبد

.....  
 عنه لقوله تعالى و ان المساجد لله بخلاف ما اذا كان السرداب او العلوم موقوفا لمصالح  
 المسجد فانه يجوز اذ لا ملك فيه لاحد بل هو من تميم مصالح المسجد فهو كسرداب  
 مسجد بيت المقدس هذا هو ظاهر المذهب و هناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية  
 و بما ذكرنا علم ان لو بنى بيتا على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر فى كونه  
 مسجدا لانه من المصالح فان قلت لوجعل مسجد اثم اراد ان يبنى فوقه بيتا للامام او غيره  
 هل له ذلك قلت قال فى التارخانية اذا بنى مسجدا و بنى غرفة و هو فى يده فله ذلك  
 و ان كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه و فى جامع  
 الفتاوى اذا قال عنيت ذلك فانه لا يصدق فاذا كان هذا فى الواقف فكيف لغيره فمن بنى  
 بيتا على جدار المسجد و جب هدمه و لا يجوز اخذا الاجرة و فى البرازية و لا يجوز للقيم  
 ان يجعل شيئا من المسجد مستغلا و لا مسكنا -

(ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ کے مسجد قرار پانے کی شرط یہ ہے کہ اس کے اوپر اور نیچے والا حصہ مسجد ہی ہوتا کہ  
 بندوں کا حق اس سے منقطع ہو جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”مسجد میں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں“ اگر  
 اس کے خلاف مسجد کے نیچے کا تہہ خانہ یا اس کے اوپر کا مقام مسجد کے مصالح کے لیے ہو تو وہ جائز ہے کیوں کہ  
 اس میں کسی بندے کی ملک باقی نہیں ہے۔ بلکہ وہ مسجد کے مصالح کی تکمیل کے لیے ہے وہ بیت المقدس کی مسجد  
 کے تہہ خانہ کی مانند ہو جائے گا۔ یہ ظاہر مذہب ہے۔ اس مقام پر ضعیف روایات بھی ہیں جو ہدایہ میں مذکور  
 ہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی چھت پر امام کی رہائش کے لیے گھر تعمیر کیا جائے تو  
 اس سے اس کے مسجد ہونے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیوں کہ یہ مسجد کے مصالح میں داخل ہے۔ اگر تم کہو اگر کسی  
 نے مسجد بنا دی پھر اس کے اوپر امام یا کسی اور کی رہائش کے لیے مکان بنا دیا تو کیا مسجد کے بانی کو اس کا اختیار  
 ہے؟ میں کہتا ہوں فتاویٰ تاتارخانیہ میں فرمایا کہ جب بانی نے مسجد بنائی اور اس پر کمرہ بنا لیا جب کہ وہ ابھی اس



کے قبضہ میں ہے تو اسے اس کی اجازت ہے۔ اور جب اس نے اسے مسجد قرار دے دیا اور اس جگہ کو لوگوں کے لیے چھوڑ دیا پھر اس کے بعد آیا تا کہ اوپر کمرہ بنائے تو اسے اس کی اجازت نہ دی جائے گی۔ جامع الفتاویٰ میں ہے اگر وہ کہے کہ میرا ایسا کرنے کا پہلے سے ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی جب حکم وقف کرنے والے کے لیے یہ ہے تو دوسرے کا کیا حال ہوگا۔ لہذا جو شخص مسجد کی دیوار پر گھر بنائے اس کو گرا دینا واجب ہے اور اس کی اجرت لینا درست نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ متولی کے لیے مسجد کے کسی حصہ کو نہ آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز ہے اور نہ ہی سکونت کا مکان)

حورہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....139﴾

## سوال

جس امام اور خطیب کی اولاد جاہل اور ناقابلِ امامت ہو اور تحصیلِ علومِ دین اور ضروریاتِ دین میں کوشش نہ کرے وہ مستحقِ وظائفِ معینہ کے باوصفِ عدمِ اداءِ خدماتِ معینہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ فقط

## الجواب

صفحہ ۲۱۰ جلد اول تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ

قال مولانا العلامة صاحب الخزانة ناقلا عن مبسوط فخر الاسلام بنص و اذامات من له وظيفة في بيت المال لحق الشرع واعتزاز الاسلام كاجراء الامامة والتاذين وغير ذلك مما فيه صلاح الاسلام والمسلمين وللميت ابناء يراعون و يقيمون حق الشرع و اعزاز الاسلام كما يراعى او يقيم الاب للامام ان يعطى وظيفة الاب لابناء الميت لا لغيرهم لحصول مقصودا لشرع وانجبار كسر قلوبهم ما

☆ ترجمہ: یعنی علامہ جامع خزانۃ الروایات، مبسوط فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے اس طرح نقل فرماتے ہیں، کہ جس کسی کا وظیفہ بیت المال سے کسی حق شرعی کی وجہ سے مثل اجراء امامت اور اذان وغیرہ کے یعنی اس قسم کے امور کی وجہ سے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بہتری ہو (مقرر ہو) اور وہ شخص مر جائے۔ اور میت ایسی اولاد چھوڑے جو اپنے باپ کی طرح حقوق شرع ادا کرتی ہو اور خدمات دینی بدستور انجام دیتی ہو تو حاکم پر لازم ہے کہ باپ کا وظیفہ اس کی اولاد کو بدستور دیتا رہے۔ اور ان سے چھین کر ان کا وظیفہ کسی غیر کو ہرگز نہ مقرر کرے کہ

ما تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ : جلد اول صفحہ ۲۱۹ المكتبة الحبیبیہ کوئٹہ

نوٹ: تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ”اجراء الامامة“ کے الفاظ ہیں جب کہ ردالمحتار میں ”اجر الامامة“ کے الفاظ ہیں یہ ترجمہ ردالمحتار کی عبارت کے مطابق ہے۔

بہ سبب حاصل ہونے مقصود شرعی یعنی خطابت و امامت کے اس کی اولاد سے بدستور اور ولداری اس امام کی اولاد  
شکستہ دل کی۔

کہ یہ امر بہت ہی کچھ موجب اجر عظیم ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است  
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

☆ ہاں البتہ اگر اولاد اس امام متوفی یعنی اپنے باپ کے طریق پر نہ چلے اور مشغول لہو و لعب یا امور  
دنوی رہ کر جاہل رہ جائے تو وہ ہرگز مستحق وظائف معینہ نہیں رہتی۔ امام دین اور حاکم شرع کو چاہئے کہ  
اس کو موقوف کر کے اس خدمت پر دوسرے شخص کو مقرر کرے اور اس کا وظیفہ خدمت جو حقدار خدمت ہو  
اس کو دے ورنہ دو گنا ہوں کا بار بزمہ حاکم رہے گا۔ ایک غیر حقدار وظیفہ خدمت کو دے کر بے محل مال  
بیت المال کا صرف کرنا دوم حقدار خدمت سے اس کا حق روکنا۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۸۰ جلد ثالث رد المحتار شرح در مختار میں بعد تحریر عبارت مذکورہ تنقیح  
حامد یہ اس طرح فرماتے ہیں۔

قال البیری اقول هذا موید لما هو عرف الحرمین الشریفین و مصر و الروم من غیر نکیر  
من ابقاء ابناء المیت و لو كانوا صغارا علی وظائف آبائهم مطلقا من امامة و خطابة و غیر  
ذلک عرفا مرضیا لان فیہ احياء خلف العلماء و مساعدتهم عن بذل الجهد فی الاشتغال  
بالعلم و قد افتی بجواز ذلک طائفة من اکابر الفضلاء الذین یعول علی افتائهم ۵۱۰.

قلت و مقتضاه تخصیص ذلک بالذکور دون الانات و انت خیر بان الحکم  
یدور مع علتہ فان العلة هی احياء خلف العلماء و مساعدتهم علی تحصیل العلم فاذا اتبع  
الابن طريقة والده فی الاشتغال بالعلم فذلک ظاهر و اما اذا اهمل ذلک و اشتغل باللہو  
واللعب او فی امور الدنیا جاہلا غافلا معطلا للوظائف المذكورة او ینیب غیرہ من اهل

.....  
 العلم بشيء قليل و يصرف باقى ذلك فى شهواته فانه لا يحل لما فيه من اخذ وظائف  
 العلماء و تركهم بلا شيء يستعينون به على العلم كما هو الواقع فى زماننا فان عامة اوقاف  
 المدارس والمساجد والوظائف فى ايدى جهلة اكثرهم لا يعلمون شيئا من فرائض دينهم  
 و ياكلون ذلك بلا مباشرة ولا انابة بسبب تمسكهم بان خبز الاب لابنه فيتوارثون  
 الوظائف ابا عن جد كلهم جهلة كالانعام و يكبرون بذلك فراهم و عمائمهم و  
 يتصدرون فى البلدة حتى ادى الى اندارس المدارس والمساجد و اكثرها صار بيوتا  
 باعورها و بساتين استغلوها فمن اراد ان يطلب العلم لا يجد له ماوى يسكنه ولا شيئا ياكله  
 فيضطر الى ان يترك العلم. و يكتسب و وقع فى زماننا ان رجلا من اكابر دمشق مات عن  
 ولد اجهل منه ولا يقرا ولا يكتب فوجهت من وظائفه تولية مسجد و مدرسة على رجلين  
 من اعلم علماء دمشق فذهب ولده و عزلهما عن ذلك بالرشوة .

و فى اواخر الفن الثالث من الاشباه اذا ولى السلطان مدرسا ليس باهل لم تصح توليته.

و فى البزازية السلطان اذا اعطى غير المستحق فقد ظلم مرتين بمنع المستحق

و اعطاء غيره.

ففى توجيه هذه الوظائف لابناء هولاء الجهلة ضياع العلم والدين و اعانتهم على

اضرار المسلمين فيجب على ولاة الامور توجيهها على اهلها و نزعها من ايدى غير الاهل

و اذا مات احد من اهلها توجه على ولده فان لم يخرج على طريقة والده يعزل عنها و توجه

لالاهل اذ لا شك ان غرض الواقف احياء وقفه من ذلك فكل ما كان فيه تضييعه فهو

مخالف لغرض الشرع والواقف هذا هو الحق الذى لا محيد عنه ولا حول ولا قوة الا بالله

العالى العظيم ما .

(ترجمہ: حضرت علامہ بیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس امر کی تائید حرمین شریفین، مصر اور روم کے عرف (رسم و رواج) سے ہوتی ہے جس کا کسی نے انکار نہیں کیا کہ مرحوم علماء کی اولاد کو مطلقاً ان کے آباء و اجداد کے وظائف پر برقرار رکھا جاتا ہے۔ خواہ ان کی ملازمت خطابت ہو یا امامت ہو یا اس کے علاوہ اور کچھ ہو۔ یہ ایک پسندیدہ رواج ہے۔ کیونکہ اس میں علماء کرام کی اولاد کی پرورش اور حصول علم میں ان کی مشغولیت کی کوشش پر امداد ہوتی ہے۔ اس کے جواز پر اکابر علماء کی ایک ایسی جماعت نے فتویٰ دیا ہے جن کے فتویٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے)

میں کہتا ہوں اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان وظائف کو صرف مردوں کے حق میں برقرار رکھا جائے، مستورات کو یہ وظائف سپرد نہ کیے جائیں۔ اور تمہیں علم ہے کہ حکم اپنی علت کے ساتھ ساتھ دائر ہوتا ہے۔ اس حکم کی علت علمائے کرام کی اولادوں کی پرورش اور حصول علم میں ان کی معاونت ہے۔ لہذا علم کی مشغولیت میں اگر بیٹا باپ کے طریقہ کی اتباع کرے تو اس صورت کا حکم ظاہر ہے۔ لیکن جب وہ اس کو چھوڑ دے، لہو و لعب اور دنیاوی امور میں مشغول رہے۔ خود جاہل، غافل اور بے کار ہو لیکن اہل علم میں کسی اور کو حقیر معاوضہ پر اپنا نائب بنالے اور باقی آمدنی کو اپنی خواہشات پر صرف کر کے تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں علماء کے وظائف پر قبضہ اور انہیں بغیر کسی معقول معاوضہ کو چھوڑ دینا ہے جس سے وہ اپنے علمی اضافہ میں مدد حاصل کر سکیں۔ جس طرح کہ ہمارے زمانہ میں یہ واقع ہے۔ مدارس اور مساجد کے عام اوقاف اور ان کے وظائف جاہلوں کے قبضہ میں ہیں۔ وہ اپنے دین کے فرائض بالکل نہیں جانتے اور بغیر کام کاج کیے اور بغیر کسی اور کو نائب مقرر کیے ان اوقاف کو کھا رہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ مشہور کہاوت ہے ”باپ کی روٹی بیٹے کے لیے ہوتی ہے“ وہ ان وظائف کے یکے بعد دیگرے آباء و اجداد سے وارث چلے آتے ہیں جو سارے کے سارے حیوانوں کی طرح جاہل ہیں۔ اس کے ذریعہ سے وہ بڑی بڑی پوسٹینیں اور دستاریں پہنتے ہیں۔ شہروں میں صدارت کے مقام پر براہماں ہوتے ہیں۔ اور اس کی بدولت مدارس اور مساجد مٹ گئے۔ ان میں اکثر گھربن چکے جن کو انہوں نے فروخت کر لیا ہے یا باغات بنا کر ان کو آمدنی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ جو شخص اب علم حاصل کرنا چاہے اس کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں جہاں وہ سکونت اختیار کر سکے اور کوئی چیز کھانے کو نہیں۔

لہذا مجبور ہو کر وہ علم کو خیر باد کہنے اور کمانے میں لگ جاتا ہے۔

ہمارے زمانہ کا واقعہ ہے کہ دمشق کے اکابر سے ایک شخص مر گیا۔ اس نے ایک لڑکا چھوڑا جو اس سے زیادہ جاہل تھا۔ نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا۔ لہذا مسجد اور مدرسہ کی تولیت کے فرائض دو ایسے آدمیوں کے سپرد کر دیے گئے جو دمشق کے علماء میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کا لڑکا گیا رشوت دے کر ان دونوں کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔

الاشاہ کے فن ثالث کے آخر میں ہے کہ اگر بادشاہ کسی شخص کو تدریس کی تولیت عطا کرے جو اس کا اہل نہیں تو اس کا متولی بنانا درست نہیں۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ بادشاہ جب غیر مستحق کو کوئی چیز دیتا ہے تو وہ دوہرا ظلم کرتا ہے پہلا یہ کہ وہ مستحق کو محروم کرتا ہے دوسرا یہ کہ غیر مستحق کو دیتا ہے۔

ان وظائف کو ان جاہلوں کی اولادوں کے سپرد کرنے میں علم اور دین کا نقصان ہے۔ نیز ان کی اس پر امداد کرتا ہے کہ وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ لہذا معاملات کے نگرانی کرنے والے لوگوں پر واجب ہے کہ ان وظائف کو اہل لوگوں کے سپرد کریں اور نا اہل لوگوں کے ہاتھوں سے ان کو چھین لیں۔ جب ان وظائف کے اہل لوگوں میں کوئی مر جائے تو یہ ذمہ داری اس کے بیٹے کی طرف سپرد کی جائے اگر وہ اپنے والد کے طریقہ پر چلنے والا نہ نکلے تو اسے معزول کر کے کسی اہل شخص کے سپرد کی جائے۔ کیونکہ بلاشبہ واقف کی غرض اس کے وقف کا باقی رہنا ہے۔ اور ہر وہ صورت جس میں وقف کا ضیاع ہو وہ شارع اور واقف کی غرض کے مخالف ہے۔ یہی سچی بات ہے اس سے اعراض نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ طاقت ہے اور نہ ہی قوت وہ برتر اور با عظمت ہے)

حورہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ الغنی  
ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....140﴾

## سوال

زید ایک مسجد کا متولی تھا اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا متولی ہوا جو متشرع متدین اور احکام اسلام کا سچا حامی اور پورا منتظم ہے وہ تو لیت اس کے حصہ میں آئی تو بغیر اس کے کہ اس کی شرعی حالت میں کوئی عینی اختلاف واقع ہو اس سے تو لیت کی واپسی جائز ہے یا نہیں۔

## الجواب

اس واقف کی جانب سے جو متولی ہو یا خود واقف متولی ہو اور امانت دار دیندار ہو اس کو تو لیت سے معزول کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر اس کو باوجود امین و متدین ہونے کے معزول کر کے دوسروں کو متولی بنا دے تو شرعاً دوسرے کی تو لیت صحیح نہ ہوگی۔ کما فی الدر المختار

فلو ما مونا لم تصح تولیة غیرہ اشباہاً.

(ترجمہ: واقف نے خود کسی کو متولی بنایا اس متولی نے کسی دوسرے کو متولی بنایا تو اگر وہ امین ہے تو کسی اور کو متولی بنانا درست نہیں ہے)

## قال الشامی

قوله فلو ما مونا لم تصح تولیة غیرہ قال فی شرح الملتقی معزیا الی الاشباہ لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط له النظر بلا حیانة ولو عزله لا یصیر الثانی متولیا ویصح عزل الناظر بلا خیانة لو منسوب القاضی ای لا الواقف.

ط الدر المختار مع رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۴۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت  
 ط رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۴۱۸۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

نوٹ: محولہ بالانسخہ میں کچھ الفاظ غلط طبع ہوئے ہیں نقل میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے

(ترجمہ: اگر وہ امین ہے تو کسی اور کو متولی بنانا درست نہیں۔ شرح الملتقی میں الاشباہ کی طرف منسوب یہ جزیہ درج ہے۔ قاضی کے لیے خیانت کے بغیر اس متولی کو معزول کرنا جائز نہیں جس کی تولیت کی واقف نے شرط لگائی ہو۔ اگر قاضی اسے معزول بھی کرے گا تو دوسرا قاضی کا مقرر کردہ متولی شرعاً متولی نہ ہوگا اور اگر قاضی نے کسی کو متولی بنایا تو اسے خیانت کے بغیر بھی معزول کرنا درست ہے۔ واقف کے مقرر کردہ متولی کو معزول کرنا درست نہیں ہے) فقط

حرره العبد الراجی رحمة ربه القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....141﴾

### سوال

ایک مسجد مقدمہ کر کے لی گئی ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ اکثر کی یہ رائے ہے کہ تولیت لوکل ایجنسی کو دی جاوے اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ ہم خود انتظام کریں گے۔ غرض کہ باہم جنگ و جدل ہے شرعاً کیا حکم ہے؟۔  
سائلین: نمازیوں مسجد رحیم بخش کچھری کہاں

۲۲ اپریل ۱۹۱۶م

### الجواب

#### هو الصواب

جو لوگ بانی مسجد یا اہل محلہ ہیں ان کا حق ہے کہ مسجد کی خبر گیری کریں۔ غیر محلہ کو دینا اس وقت جائز ہوگا جب اسے لیاقت انتظام کی ہوگی۔ اور بوجہ جہالت آپس میں جنگ و جدل کرتے ہوں تو ان کا حق جاتا رہے گا۔ اور لوکل ایجنسی یا کسی اور محلہ داروں کے سپرد نگرانی کر دی جائے گی اور کثرت رائے پر عمل کیا جائے گا۔ مستملی میں ہے۔

رجل بنی مسجدا وجعلہ لله فہو احق بمرمتہ و عمارتہ و بسط البواری  
والحصیر و القنادیل والأذان والإقامة والإمامة فیہ إن کان اهلا لذلك و ان لم یکن  
فالرأی فی ذلك الیہ و کذا ولد البانی و عشیرتہ من بعدہ اولی من غیرہم و ان تنازع  
البانی فی نصب الإمام والمؤذن مع اهل المحلة فان کان من اختارہ اهل المحلة اولی من  
الذی اختارہ البانی فاختیار اهل المحلة اولی لان ضررہ ونفعہ عائد إلیہم وإن کان سوا  
فاختیار البانی اولی کذا فی البرازیة والخلاصة ما

(ترجمہ: جس شخص نے مسجد بنائی اور اسے اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا، تو وہی شخص اس کی مرمت، عمارت، چٹائیوں اور صفوں کے بچھانے، روشنی کے لیے فانوسوں کے مہیا کرنے، اس میں اذان، اقامت پڑھنے اور امامت کرانے کا زیادہ حق دار ہے، بشرطیکہ اس کا اہل ہو۔ اگر وہ ان امور کا اہل نہ ہو اس بارے میں اس کی رائے اور اسی طرح بانی کے بعد اس کی اولاد اور خاندان والے دوسروں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اگر مسجد کے بانی کا اہل محلہ سے امام اور موذن کے تقرر کے بارے میں جھگڑا ہو تو اگر جو شخص اہل محلہ نے پسند کیا ہو وہ بانی کے پسندیدہ شخص سے بہتر ہو تو اہل محلہ کا پسندیدہ شخص اولیٰ ہے کیونکہ اس کا نفع یا نقصان ان کو پہنچے گا۔ اور اگر دونوں برابر ہوں تو بانی کا پسندیدہ شخص بہتر ہے۔ بزاز یہ اور خلاصہ میں اسی طرح ہے)

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....142﴾

## سوال

دوکان دار مجبوری کو پانی جامع مسجد سے دوکان پر منگائیں۔ استنجا وضو کریں تو جائز ہے؟۔ لے کر فروخت کرنا جائز ہے؟۔

سوداگران نگوہنہ متصل جامع مسجد آگرہ

۵ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

مسجد اور اس کا پانی اور ڈھیلہ اور فرش مخصوص حاضرین جماعت مسجد کے واسطے ہے۔ اس کو دوکان یا مکان پر لے جانا مکروہ ہے۔ کتاب کراہیہ عالم گیری میں ہے۔

ويكروه رفع الجرة من السقاية و حملها الى منزله لان وضع للشرب لا للحمل

كذا في محيط السرخسي. و حمل ماء السقاية الى اهله ان كان ماذونا للحمل يجوز و الا

فلا كذا في الوجيز الكردي في المتفرقات ما

(ترجمہ: پانی کے حوض سے گھڑ اٹھانا اور اسے اپنے گھر لے آنا مکروہ ہے کیوں کہ وہ پانی پینے کے لیے ہے

اٹھانے کے لیے نہیں۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ حوض، ٹینکی کا پانی اٹھانا اگر اسے اٹھالے جانے کی

اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ وجیز کروری کے متفرقات کے باب میں یوں یہی مذکور ہے)

والله اعلم بالصواب.

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....143﴾

## سوال

جناب مولانا صاحب قبلہ مدظلہ۔ السلام علیکم۔ مزاج مبارک۔ اس مسئلہ میں علماء دین و شرع متین کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک درخت پیپل کا مسجد میں گڑا ہے اس سے نقصان مسجد کو فرس کو ہے۔ چونکہ تمام جگہ جڑیں پھیل جاتی ہیں۔ اور دہنی طرف کے احاطہ کی دیوار پھٹ گئی ہے۔ جو عنقریب گرنے کو ہے اور اس کی وجہ سے دہنی طرف کی محراب پھٹ چکی ہے۔ مسجد کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کو کٹوانے کے لیے کیا ارشاد ہے؟۔ فقط

۲۱ ستمبر ۱۹۱۶ء

وزیر خان و اشرف علی۔

## الجواب

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے مگر جائز ہے جب اس کے لگانے سے زمین ناقص مسجد کی مضبوطی ہو جائے۔ اور اس میں جو پیل اور تری رہتی ہے وہ کم ہو جائے۔ کما فی الدر المختار  
ویکرہ غرس الاشجار فی المسجد الا لنفع کتقلیل نزو تکون للمسجد علی ہداما۔  
(ترجمہ: مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے۔ ہاں اگر درخت لگانے کا کوئی فائدہ ہو تو کراہت نہیں ہے جیسے کہ مسجد کی نمی کو کم کرنے کے لیے درخت لگائے جائیں)  
☆ علی ہذا درخت کو مسجد میں رکھنا بھی جائز نہیں اگر اس سے زمین مسجد کو کچھ نفع نہ ہو خصوصاً ایسی صورت میں ہرگز لگا رکھنا جائز ہی نہیں جب اسی مسجد کو نقصان پہنچ رہا ہے۔  
کما فی الشامی عن رسالۃ ابن حاج :

ولا يجوز ابقائه ايضا لقوله عليه الصلوة والسلام ليس لعرق ظالم حق لان الظلم  
 وضع الشئ في غير محله وهذا كذا لك الخ ما اطلال به ورايت في آخر الرسالة بحظ  
 بعض العلماء انه وافقه على ذلك المحقق ابن ابي شريف الشافعي رحمة الله  
 عليه ما فقط

(ترجمہ: مسجد میں بغیر ضرورت لگے ہوئے درخت کا باقی رکھنا بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد  
 ہے جس نے زیادتی کر کے کسی کی زمین میں پودا لگایا تو اسے اس پودے کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ کسی  
 چیز کو اپنے مقام میں نہ رکھنے کا نام ظلم ہے اور مسجد میں درخت لگانا بھی ویسا ہی ہے۔ اس پر انہوں نے طویل کلام  
 فرمایا ہے پھر رسالہ کے آخر میں میں نے بعض علماء کے قلم سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ محقق ابن ابي شريف شافعي رحمة  
 اللہ علیہ نے اس معاملہ میں امیر ابن حاج سے موافقت فرمائی ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی الرضوی، مفتی

شہرا کبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....144﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین در بارہ جواز نماز کے مسجد کی چھت پر آیا جائز ہے یا ناجائز؟ اور جائز ہے تو بضرورت جائز ہے یا بلا ضرورت بھی؟ اور پھر جواز مع الکراہت ہے یا بلا کراہت؟ اور پھر چھت پر بھی ثواب مسجد کے برابر ہوگا یا کم یا مثل دیگر مقامات کے؟ بینواتو جروا جزاکم اللہ.

سائل: شجاع الدین رشتہ دار ریاست کوٹہ

ومولوی رکن الدین شاہ صاحب مجددی الوری

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله و

صحابه اجمعين اللهم رب زدني علما.

مسجد کی چھت جمیع احکام میں حکم مسجد ہی ہے کارکھتی ہے چنانچہ صفحہ 458 در مختار میں ہے۔

وكره تحريما الوطى فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الى عنان السماء ما

☆ (ترجمہ: مسجد کی چھت پر جماع کرنا، پیشاب کرنا اور پاخانہ پھرنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ مسجد آسمان تک مسجد

ہوتی ہے)

قال الشامي رحمة الله :

قوله الوطى فوقه اى الجماع خزائن اما الوطى فوقه بالقدم فغير مكروه الا فى

الكعبة بغير عذر لقولهم بکراهة الصلوة فوقها

(ترجمہ: قولہ وطی اس کا معنی ہے جماع، خزان، لیکن قدموں کے ساتھ مسجد کی چھت پر چلنا مکروہ نہیں ہے۔

☆ ہاں کعبہ کی چھت پر بغیر عذر کے چلنا مکروہ ہے کیوں کہ علماء نے فرمایا کہ اس کے اوپر نماز مکروہ ہے)

یعنی چونکہ فقہا کعبہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ فرماتے ہیں۔ لہذا کعبہ شریف پر چلنا پھرنا منع فرماتے ہیں۔ کہ مکروہ اس واسطے کہ جب بلحاظ ادب کعبۃ اللہ کعبہ شریف کی چھت پر نماز جو عبادت ہے وہ بھی مکروہ ہے تو چلنا پھرنا کب جائز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کبیری میں ہے:

ویکروہ ایضا (ای الصلوٰۃ) علی سطح الکعبۃ للحديث والمعنی فیہ عدم التعظیم

وترک الادب۔

(ترجمہ: کعبہ معظمہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیوں کہ اس بارے میں حدیث وارد ہے۔ اور وجہ اس کی عدم تعظیم اور ترک ادب ہے)

اور حدیث یہ ہے جو ترمذی شریف میں بھی ہے اور علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ بھی باب مکروہات صلوٰۃ کبیری تحریر فرماتے ہیں چنانچہ کبیری میں ہے

وتکرہ الصلوٰۃ فی طریق العامة لما روی الترمذی و ابن ماجہ عن ابی عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ نہی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المزیلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق و فی الحمام و فی معائن الابل و فوق ظهر بیت اللہ۔ ۲۔

☆ (ترجمہ: عام لوگوں کے رستہ پر نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی پاک ﷺ نے سات جگہوں میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ (۱) کوڑا کرکٹ کے ڈھیر (۲) جانوروں کے ذبح کی جگہ (۳) قبرستان (۴) شاہ راہ (۵) حمام (۶) اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ (۷) خانہ کعبہ کے اوپر)

مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

صفحہ ۳۶۳

غنیۃ المستملی

ما

سہیل اکیڈمی لاہور

صفحہ ۳۶۲

غنیۃ المستملی

ما

لہذا اگرچہ کعبہ شریف بھی فرش سے عرش تک حکیم کعبہ ہی رکھتا ہے۔ مگر بنا بر کعبہ کی تعظیم، تقبیل و استلام و طواف وغیرہ کے ساتھ چونکہ مقصود بالذات اور مہتمم بالشان ہے، کعبہ کے اوپر بلا ضرورت چڑھنے بلکہ نماز پڑھنے سے بھی صراحتاً حضور ﷺ نے منع فرمادیا اور داخلی کعبہ کو بھی بصورت ازدحام اور ایذا رسانی مسلمین یا خود تکلیف پانے کے یا رشوت دے کے بھی اندر جانے کو داخل ارکان حج بلکہ مستحبات حج نہ رکھا۔

كما في الدر المختار في صفحة 277

و يندب دخول البيت اذا لم يشتمل على ايداء نفسه او غيره ما

☆ (ترجمہ: خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے جب کہ اپنے اور دوسروں کو اس کے لیے تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔)

قال الشامي:

و مثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله ما

(ترجمہ: اس کی مثال وہ صورت ہے جس میں غالباً خانہ کعبہ میں داخلہ کے لیے رشوت دینی پڑتی ہو)

☆ اور مسجد کی تعظیم چونکہ بغرض نماز و عبادت ہے۔ مسجد میں اور مسجد کے چھت پر بلا ضرورت ان امور سے مطلقاً منع فرمادیا گیا جو مخالف عبادت یا اصلاح مسجد میں ہیں چنانچہ بلا قصد عبادت مسجد کی چھت پر چڑھنے کو بھی بعض فقہانے مکروہ لکھا ہے چنانچہ عبارت مذکورہ عدم کراہت چلنے پھرنے کی مسجد کی چھت پر بغایت وثوق علامہ شامی نقل فرما کر اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

ثم رایت القهستانی نقل عن المفید کراہة الصعود على سطح المسجد ما

☆ (ترجمہ: پھر میں نے علامہ قہستانی کو دیکھا کہ انہوں نے ”المفید“ سے مسجد کی چھت پر چڑھنے کی کراہت نقل کی ہے)

۱	الدر المختار مع رد المحتار جلد ۴	صفحة ۴۵	مطبوعه بيروت
۲	رد المحتار	جلد ۴	صفحة ۴۵
۳	رد المحتار	جلد ۲	صفحة ۳۷۰



☆ حالانکہ بغرضِ اذان جو من وجہ عبادت ہے اور من وجہ اعلام صحابہ کرام کا مسجد پر چڑھ کر آذان کہنا ثابت ہے روایت معتبر سے۔ چنانچہ باب الاذان شامی میں ہے۔

وقال ابن سعد بالسند الى ام زيد بن ثابت رضی اللہ عنہم كان بيتي اطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من اول ما اذن الى ان بنى رسول اللہ ﷺ مسجده فكان يؤذن بعد علي ظهر بيت المسجد وقد رفع له شي فوق ظهره ما

(ترجمہ: امام ابن سعد نے سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سے روایت کی کہ میرا گھر مسجد نبوی کے ارد گرد گھروں میں سب سے اونچا تھا، نبی اکرم ﷺ کے مسجد تعمیر فرمانے سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے اوپر اذان پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ مسجد کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے۔ آپ کے لیے مسجد کی چھت پر کوئی بلند چیز رکھ دی جاتی تھی جس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ قہستانی اور صاحب مفید کے نزدیک مسجد کی چھت پر چڑھنا جب ہی مکروہ ہے جب بغرضِ عبادت نہ ہو بلکہ محض تفریح یا تماشہ کے واسطے ہو۔ اور اگر بغرضِ اصلاح مسجد ہو تو بلاشبہ جائز ہے۔)

كما في صفحة 25 من البرازية

وللقيم ان يشتري من مال المسجد سلما يصعد به على السطح لكنس الثلج وتطيين سطح المسجد ما

(ترجمہ: مسجد کے متولی کو اجازت ہے کہ مسجد کے مال سے ایک سیڑھی خریدے تاکہ برف کو اتارنے اور مسجد کی چھت کو مٹی سے لپینے کے لیے چھت پر چڑھا جاسکے)

علیٰ ہذا بلاشبہ جائز ہے اگر بغرضِ عبادت ہو جیسے اذان یا تلاوت قرآن یا نماز یا درود و وظائف کے واسطے تو مسجد کی چھت پر چلنا پھرنا بھی مکروہ نہیں۔

کما فی من الشامی اندریں صورت مجرد عبارت مذکورہ قہستانی پر شامی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا:

و یلزمہ کراہۃ الصلوٰۃ ایضا فوقہما

(اس سے لازم آتا ہے کہ مسجد کے اوپر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے)

☆ بیشک محل تامل ہے چنانچہ خود شامی علیہ الرحمۃ نے اپنی یہ رائے تحریر فرما کر فرما دیا ہے فلیتامل ما

(ترجمہ: اس پر خوب غور کرو)

یعنی یہ جبری رائے قابل سوچنے کے ہے۔ اس واسطے ہدایہ شرح دقایہ فتاویٰ عالمگیریہ فتاویٰ بزازیہ غنیۃ المستملی وغیرہا کسی معتبر کتاب میں باوصف تھیں تام پتہ نہیں ملتا کہ کسی نے بھی مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہو۔ بلکہ برخلاف اس کی صحت اقتدا کی مسجد کے چھت پر امام مسجد کے ساتھ جب امام سے آگے نہ ہو بوجہ ہونے مسجد کی چھت کے حکم مسجد میں باعتبار تمام احکام کے فقہا سب تصریح فرما رہے ہیں چنانچہ درمختار میں ہے کہ اس عبارت کے تحت میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال الزیلعی و لہذا یصح اقتداء من علی سطح المسجد بمن فیہ اذا لم یقدم علی الامام ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیہ ولا یحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف علیہ و لو حلف لا یدخل ہذہ الدار فوقف علی سطحہا یحنت ما

(ترجمہ: علامہ زیلعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اسی لئے مسجد کی چھت پر موجود مقتدی کی اقتداء مسجد کے اندر امام سے جائز ہے جب کہ وہ امام سے آگے نہ ہو۔ اس پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ جنبی، حیض اور نفاس والی کو چھت پر ٹھہرنا حرام ہے۔ نیز اگر کسی نے قسم اٹھائی اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کی چھت پر جا ٹھہرا تو حائض ہو جائے گا)

۱	رد المحتار	جلد ۲	صفحہ ۳۷۰	مطبوعہ بیروت
۲	ایضا			
۳	رد المحتار	جلد ۲	صفحہ ۳۷۰	مطبوعہ بیروت

اور بعینہ یہی مضمون صفحہ 127 ہدایہ ما میں ہے و ہکذا فی شرح الوقایة و عمدة الرعاية  
البتة بلحاظ علّت ادب و تعظیم کعبہ شریف کے چھت پر کبیری مخطاوی، مراقی الفلاح، عالمگیری، خانہ بزازیہ وغیرہا  
ساری ہی کتابوں میں چڑھنے اور نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

لہذا بلا تکلف مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے اور جو ثواب مسجد کے اندر ملتا ہے تمام  
عبارات فقہا سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہی ثواب چھت پر ملے گا۔

☆ حق یہ ہے کہ مسجد کے تمام احکام کو کعبہ شریف کے احکام پر قیاس کرنا ہی خطا ہے۔ مسجد میں نمازی کے آگے  
سے گزرنا حرام اور کعبہ کے حرم میں جائز ہے۔ علیٰ ہذا اور بہت امور (میں اختلاف موجود ہے) شامی مصری کے صفحہ  
186 میں ہے:

روى المطلب بن ابی وداعة قال رأیت رسول اللہ ﷺ حین فرغ من سعيه جاء  
حتى اذا حاذى الركن فصلى ركعتين فى حاشية المطاف و ليس بينه و بين الطائفين أحد  
رواه احمد و ابن ماجة و ابن حبان و قال فى روايته رأیت رسول اللہ ﷺ يصلى حد  
والرکن الاسود والرجال والنساء يمرون بين يديه و ما بينهم و بينه سترقما

(ترجمہ: حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب  
آپ سعی سے فارغ ہوئے تو چلے اور حجر اسود کے بالمقابل آئے مطاف کے کنارہ پر آپ نے دو رکعت نماز ادا  
فرمائی۔ آپ اور طواف کرنے والے صحابہ کے درمیان کوئی نہ تھا۔ اسے امام احمد بن حنبل، امام ابن ماجہ اور

ما ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے:

ويكره المجامعة فوق المسجد والتخلى لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه  
بمن تحته ولا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه ولا يحل للجنب الوقوف عليه . هدايه جلد اول صفحہ ۱۲۲ مطبوعه  
مکتبه امدادیہ ملتان

ما رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۲۵۷ مطبوعه بيروت

امام ابن حبان نے روایت کیا ہے انہوں نے اپنی روایت میں فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجر اسود کے بالمقابل نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔ مرد اور عورتیں آپ کے سامنے گزر رہے تھے اور ان کے اور آپ کے درمیان سترہ موجود نہ تھا۔

ثم قال بعد اسطر

ثم رایت فی البحر العمیق حکى عز الدين بن جماعة عن مشكلات الآثار

للطحای ان المرور بین یدی المصلی بحضرة الكعبة یجوز ما

(ترجمہ: پھر میں نے البحر العمیق میں دیکھا کہ اس میں علامہ عز الدین بن جماعہ نے مشکلات الآثار للطحای سے

نقل فرمایا کہ کعبہ شریف کے سامنے نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے)

☆ اور ایسا ہی تفسیر بکۃ مبارکۃ ۲ میں صاحب تفسیر کبیر نے حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا

ہے کہ آپ کے سامنے حرم میں ایک شخص نے جو نمازی کے آگے سے گزرنے کو منع کیا تو آپ نے فرمایا:

هذا مكة یتروک الناس ینک بعضها بعضاً ۳

(ترجمہ: یہ مکہ ہے لوگوں کو ایک دوسرے پر بھیڑ کرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے) فقط

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی



رد المحتار	جلد ۳	صفحہ ۲۵۷	مطبوعہ بیروت
القرآن المجید	آل عمران ۹۶		
التفسیر الکبیر، الإمام الرازی، جلد ۸	صفحہ ۱۵		مطبوعہ مصر میں عبارت یوں ہے

فإنها سمیت مكة لأنه ینک بعضهم بعضاً

## ﴿فتویٰ نمبر.....145﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بادشاہ یا کسی امیر نے ایک جائیداد مسجد کو وقف چھوڑی اور کوئی شرائط وقف کے مصارف پر نہیں اور آمدنی خرچ سے بدرجہا زائد جمع ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ ضرورت سرکار میں سے اس کا روپیہ بطور قرض دیا جاتا ہے۔ پس ایسی آمدنی سے علماء کا وظیفہ یا اون کی اولاد کا واسطے پرورش کے مقرر کیا جائے یا مسجد میں غربا امراروزہ دار وغیرہ کے کھانے کو افطاری تیار کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟۔ امید کہ مفصل جواب عنایت ہو۔

بینوا توجروا

سائل: عبداللہ مائی مندی

۱۵ فروری ۱۹۱۶ء، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

## الجواب

هو المصوب

☆ شرعاً ایسے اوقاف میں پابندی شرائط کی نہیں۔ بالفرض اگر شرائط ہوں تو بھی منتظمین کو اس پابندی لازم نہیں۔ ☆ بلکہ وہ حق طلباء اور علماء اور فقرا وغیرہ کا ہے اور امام و مفتی و مدرس وغیرہ کی اولاد کا وظیفہ مقرر کرنا لاریب جائز ہے۔ علماء کی پینشن بھی دے سکتے ہیں۔ افطاری اور کھانا بھی منتظم اس سے کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو دیگر اوقاف پر قیاس کر کے غلطی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مفصل فتاویٰ حامد یہ کتاب الوقف صفحہ ۲۱ میں ہے۔

افتی علامة الوجود المولیٰ ابو السعود مفتی السلطنة السلیمانیة بان اوقاف الملوک والامراء لا یراعی شرطها لأنها من بیت المال او ترجع الیه. من حاشیة الاشباه قبیل قاعدة ☆ اذا اجتمع الحلال و الحرام و ذکر السیوطی فی رسالۃ النقل المستور فی جواز قبض المعلوم من غیر حضور. بانہ افتی جمیع علماء ذلک العصر

كالسبكي وولديه والزملكاني و ابن عدلان و ابن المرجل و ابن جماعة والاوزاعي  
 والزرکشی والبلقيني والاسنوي وغيرهم بان هذه ارسادات لا اوقاف حقيقة فللعلماء  
 المنزليين ان ياكلوا منها و ان لم يباشروا وظائفهم الخ. و في شرح الوهانية ما ياخذه  
 الفقهاء من المدارس لا اجرة لعدم شروط الاجارة و لا صدقة لان الغنى ياخذها بل  
 اعانة لهم على حبس انفسهم للاشتغال حتى لو لم يحضروا الدرس بسبب اشتغال او  
 تعليق جاز اخذهم الجامكية معين المفتي من آخر كتاب الوقف و قد ذكر علماءنا ان  
 من له حق في ديوان الخراج كالمقاتلة والعلماء و طلبتهم والمفتين والفقهاء يفرض  
 لاولادهم تبعا ولا يسقط بموت الاصل ترغيبا و ذكر في مال الفتاوى ان لكل قارى في  
 كل سنة في بيت المال مائتي درهم او الفى درهم لان اخذها في الدنيا والا ياخذ في  
 الآخرة من رسالة السيد الحموي فيما رتب وارصد باوامر الورزاء المصريين قال  
 مولانا العلامة صاحب الخزانة ناقلا عن مبسوط فخر الاسلام بنص و اذا مات من له  
 وظيفة من بيت المال لحق الشرع و اعتزاز الاسلام كما جراء الامامة والتاذين وغير  
 ذلك مما فيه صلاح الاسلام والمسلمين وللميت ابناء يراعون و يقيمون حق الشرع  
 واعزاز الاسلام كما يراعى و يقيم الاب فلامام ان يعطى و وظيفة الاب لا بناء للميت لا  
 لغيرهم لحصول مقصود الشرع و انجبار كسر قلوبهم والامام مربي فخلف الموتى  
 باذن الشرع والشرع امر بابقاء ما كان على ما كان لابناء الميت لا غيرهم قلت هذا  
 مويد لما هو عرف الحرميين الشريفين و مصر والروم المعمورة من غير نكير من ابقاء  
 ابناء الميت و لو كانوا صفارا على وظائف آباءهم مطلقا من امامة و خطابة و غير  
 ذلك و امضاء و لى التقرير للفراغ لهم بذلك و تقريرهم بعد وفاتهم عرفا مرضيا  
 مقبولا لان فيه احياء خلف العلماء و مساعدتهم على بذل الجهد في الاشتغال بالتعلم

وقد ائتي بجواز ذلك طائفة من اكابر الفضلاء الذين يعول على افتائهم والله اعلم .  
بیری زادہ علی الاشباہ من کتاب الفرائض ما

☆ (ترجمہ: علامۃ الوجود مولانا ابوالسعود مفتی سلطنت سلیمانہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ باشاہوں اور امراء کے اوقاف میں ان کی شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔ کیوں کہ وہ اوقاف بیت المال سے ہوتے ہیں یا اس کی طرف لوٹ جانے والے ہوتے ہیں۔ ان کا یہ فتویٰ ☆ اذا اجتمع الحلال والحرام الخ کے قاعدہ سے کچھ پہلے الاشباہ والنظائر کے حاشیہ میں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”النقل المستور فی جواز قبض المعلوم بغیر حضور“ میں فرمایا کہ اس زمانہ کے تمام علماء جیسے کہ امام سبکی، ان کے دونوں بیٹوں، امام زملکانی، امام ابن عدلان، امام ابن المرجل، امام ابن جماعہ، امام اوزاعی، امام زرکشی، امام بلقینی، امام اسنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ یہ عطیات رعایا کی دیکھ بھال کے لیے ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ وقف نہیں ہوتے لہذا جو علماء وہاں رہتے ہیں ان کو وہاں سے کھانا جائز ہے اگرچہ اپنا مقررہ کردہ کام نہ کریں۔

شرح وہبانیہ میں ہے فقہاء جو مال (شاہی) مدارس سے لیتے ہیں وہ اجرت نہیں ہوتی کیوں کہ اجارہ کی شرطیں پائی نہیں جاتیں۔ اور نہ ہی وہ صدقہ ہوتا ہے کیوں کہ غنی بھی اسے وصول کرتے ہیں بلکہ کاموں کے لیے اپنے آپ کو پابند کرنے کے لیے وہ مال ان کے لیے بطور اعانت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی مصروفیت یا بندش کے باعث وہ سبق میں حاضر نہ ہوں تو بھی ان کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے۔ معین المفتی آخر کتب الوقف۔ ہمارے علماء نے ذکر کیا ہے کہ خراج کے مستحقین کے رجسٹر میں جن لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جیسے جنگ کرنے والی فوج، علماء ان کے طالب علم، مفتی، فقہاء ان کی اتباع میں ان کی اولاد کو ان کاموں کی طرف رغبت دلانے کے لیے حصہ مقرر کیا جائے گا۔ اصل آدمی کی موت سے اس کا حصہ ساقط نہ ہوگا۔

مآل الفتاویٰ میں ہے۔ بیت المال سے ہرقاری کے لیے سالانہ دو سو درہم یا دو ہزار درہم مقرر کیے

جائیں گے اگر وہ اپنا حصہ دنیا میں وصول کرنا چاہے۔ ورنہ وہ آخرت میں اسے وصول کرے گا۔ جزئیہ علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ سے اخذ کیا گیا ہے جو مصری وزراء کے احکام سے مرتب اور جاری کیا گیا تھا۔

مولانا علامہ صاحب ”الخزانہ“ نے ”مبسوط فخر الاسلام“ سے نقل کر کے یوں تحریر کیا۔ جب کوئی ایسا شخص مر جائے جس کا حق شرع یا اعزاز اسلام کی خاطر بیت المال میں ہے جیسے کہ وہ شخص امامت اور اذان وغیرہ ایسے کاموں کو جاری رکھتا ہو جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بہتری ہو اور اس مرنے والے کے بیٹے ہوں جو شریعت کا اور اسلام کا اعزاز اسی طرح قائم رکھیں اور اس کا لحاظ رکھیں جس طرح کہ باپ قائم رکھتا اور لحاظ رکھتا تھا تو حکمران پر لازم ہے کہ باپ کا وظیفہ بیٹوں کو دے۔ اور کسی کو نہ دے۔ کیوں کہ اس طرح کرنے سے شریعت مطہرہ کا مقصود بھی حاصل ہوگا اور ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا باعث بھی ہوگا کیوں کہ حکمران مر رہتا ہے۔ اور شریعت کے حکم مطابق مرنے والوں کا جانشین ہوتا ہے۔ اور شریعت مطہرہ حکم دیتی ہے جو چیز جس حالت پر ہے اس کو اس طرح باقی رکھا جائے۔ لہذا یہ حق میت کے بیٹوں کا ہوتا ہے ان کے علاوہ اوروں کا نہیں۔

میں کہتا ہوں اس کی تائید حرمین شریفین، مصر اور روم کے بغیر کسی انکار کے عرف اور رواج سے بھی ہوتی ہے کہ اولاد کو اگرچہ وہ کم عمر ہیں ہوں ان کے آباء و اجداد کے وظائف پر مطلقاً بحال رکھا جاتا ہے خواہ وہ امام ہوں یا خطیب ہوں یا اس کے علاوہ کوئی اور منصب دار ہوں۔ اور مقرر کرنے والے صاحب اختیار کا ان کو برقرار رکھنا ان کو اس کام کے لیے فارغ رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور آباء و اجداد کی وفات کے بعد ان کو مقرر کرنا ایک پسندیدہ اور مقبول عرف ہے۔ کیوں کہ اس میں علمائے کرام کی اولاد کو زندہ رکھنے اور علم میں ان کو کوشش جاری رکھنے پر اعانت کا سامان ہے اور ان کا برفضلاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جن کے فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ (پیری زادہ علی الاشباہ من کتاب الفرائض)

پس عبارت بالا سے واضح ہے کہ جس قدر اوقاف شاہی ہیں ان میں علماء، فقراء، غرباء، تمام



مسلمین کو حق ہے کہ حضرات منتظمین موقع سے اوس کو غور کریں اور کامل اختیار ہے کہ افطاری و کھانا وظیفہ وغیرہ کر سکیں۔

هذا ما سنع لى عند تحقيق المقام والعلم بجميع المعلومات عند الله الملك العلام

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

### تصدیق علمائے دیوبند

اوقاف شاہی میں یہ مصارف درست ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عزیز الرحمن عفی عنہ

مفتی مدرسہ دیوبند۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

۱۹ فروری ۱۹۱۶ء



## ﴿فتویٰ نمبر..... 146﴾

## سوال

مسجد کے مقدمہ میں روپیہ متولی نے اپنے پاس سے لگایا۔ اب وہ آمدنی مسجد سے وہ روپیہ لینا چاہتا ہے شرعاً کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا

سائل: امام بخش حویلی خواجہ

۱۶ فروری ۱۹۱۶

## الجواب

ایسے موقع پر روپیہ قرض لیکر لگا دینا اور آمدنی مسجد سے مجرا لینا جائز ہے۔ حموی لکھتا ہے۔

اذا استقبله امر و لم يجد بدا من الاستدانة ينبغي له ان يستدين بامر الحاكم ثم يرجع من غلة الوقف لان للقاضي ولاية الاستدانة على الوقف.... و تفسير الاستدانة بما ذكر انما هو فيما اذا لم يكن في يده شيء من الغلة و اما اذا كان في يده شيء منها اشترى شيئا للوقف و نقد الثمن من ماله جاز له ان يرجع بذلك في غلته و ان لم يكن بامر القاضي ما .  
(ترجمہ: اور جب متولی کوئی معاملہ درپیش ہو اور قرض حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو تو اسے چاہئے کہ حاکم کے حکم کے ساتھ قرض حاصل کرے۔ پھر وقف کی آمدنی سے وصول کرے۔ کیوں کہ قاضی کو وقف پر قرض حاصل کرنے کی ولایت حاصل ہوتی ہے۔۔۔۔۔ قرض حاصل کرنے کی وضاحت جو پہلے بیان ہو چکی صرف اس صورت میں ہے جب کہ وقف کی آمدنی سے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور اگر اس کے پاس اس سے کچھ رقم موجود ہو تو وقف کے لیے چیز خرید لے اور اپنے مال سے پیسے ادا کر دے۔ پھر اس کی آمدنی سے وصول کر لے اگرچہ یہ کام اس نے قاضی کے حکم سے نہ کیا ہو)

والله اعلم و حكمه احكم.

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....147﴾

### سوال

مسجد کی اشیائے کہنہ کو بیچ کر اسی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: امام بخش، حویلی خواجہ آگرہ  
۷ فروری ۱۹۱۶ء

### الجواب

جائز ہے۔ بزازیہ میں ہے۔

اذا استغنى عنه يباع و يصرف ثمنه في ذلك المسجد ما

(ترجمہ: جب اس سامان کی ضرورت نہ رہے تو اس کو فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت اسی مسجد میں صرف کی جائے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



یہ الفاظ جزئیہ کی روایت بالمعنی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر ہے۔

اشتری قنديلًا أو حشيشًا للمسجد ثم استغنى عنه يعود إلى الملك ان المالک حیا والی ورثته إن مات وعلی قول الثانی رحمہ اللہ یباع و یصرف ثمنہ إلى حوائج المسجد

فتاویٰ بزازیہ علی ہامش العالم کیریہ جلد ۵ صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ مصر

(ترجمہ: مسجد میں روشنی کے لیے قندیل یا بچھانے کے لیے گھاس خریدا پھر ان کی ضرورت نہ رہی اگر مالک زندہ ہے تو یہ چیزیں اس کی ملک میں واپس آ جائیں گی اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثاء کی ملکیت میں آ جائیں گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی رو سے ان کو فروخت کر دیا جائے گا اور ان کی قیمت مسجد کی ضرورتوں میں صرف کی جائے گی)

دوسرا مقام پر مسجد کے بے آباد ہونے کی صورت میں یہ حکم تحریر ہے:

یحول إلى مسجد آخر أو یبیعها القیم لأجل المسجد . جلد ۵ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ مصر

(ترجمہ: ان اشیاء کو کسی دوسری مسجد میں لے جایا جائے گا یا مسجد کا متولی انہیں اسی مسجد کی آبادی کی خاطر فروخت کر دے گا)

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....148﴾

## سوال

وسطِ مسجد میں قبورِ مومنین ہوں۔ ان کو صحن میں برابر کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور مسجد میں یا دائیں بائیں قبور ہوں تو نماز پڑھنا اس جگہ شرعاً کیسا ہے۔

## الجواب

اگر صحنِ مسجد میں قبور آ جائیں اور عظامِ رمیم ہو گئی ہوں تو شرعاً ان کو برابر کر دیا جائے۔ اور مسجد میں داخل کر لیا جاوے جیسا کہ کھیت وغیرہ میں حکم ہے۔ اور جس جگہ قبور ہوں خواہ سامنے، دائیں بائیں وہاں نماز مکروہ ہے۔ سامنے اگر ہوں تو کراہت تحریمی ہے اور جانب میں تنزیہی۔

کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ لابی الحسنات رضی اللہ عنہ۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....149﴾

سوال

شیعہ مذہب کی مسجد کا حکم کیا ہے۔

الجواب

مسجد شیعہ کا اور اہل تسنن کا ایک ہی حکم ہے کیوں کہ شیعہ بمطابق مذہب صحیح فاسق ہیں۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



۱۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان کے عقائد کفریہ نہ ہوں۔ اگر ان کے عقائد کفریہ ہوں جیسا کہ دور حاضر کے تہذیبی رافضی تو پھر یہ حکم نہ ہوگا۔

محمد علیم الدین عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....150﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ وقف جامع مسجد میں جب افطاری شامل مصالح مسجد نہیں ہے تو جو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے شامل ہوگی یا نہیں۔

سائل: ڈپٹی صاحب مینجر لوکل کمیٹی

جامع مسجد اکبر آباد

## الجواب

اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا

صورتِ مسئلہ میں اول تحقیق اس امر کی ضرور ہے کہ وقف کی کیا تعریف ہے؟ اور کے (کتنی) قسم پر منقسم ہے؟ اور ہر قسم کے احکام جداگانہ ہیں یا ایک؟۔

لہذا جاننا چاہئے کہ وقف جو شریعت میں حقیقتاً وقف ہے، وہ مراد ہے کسی شے مملوکہ کی منفعت اور آمدنی سے جو صدقہ کر دی جائے، کسی مدد خاص پر، مسجد پر، خواہ مدرسہ پر، فقراء پر، خواہ اغنیاء پر، بغرض تحصیل ثواب دائمی کے یا اصل شے کو بیع اور رہن وغیرہ تصرفات سے روک دیا جائے، باوصف باقی رہنے اصل شے کے ملک واقف پر بقول امام اعظم رحمہ اللہ یا ملک اللہ پر بقول صاحبین رحمہما اللہ۔ اور فتویٰ اسی قول پر ہے:

كما في الدر المختار في صفحة ۳۹۱

الوقف هو حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة عنده و عندهما هو حبسها على ملك الله تعالى و صرف منفعتها على من احب و لو غنيا فيلزم فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه و عليه الفتوى ابن كمال و ابن الشحنة. و سببه ارادة محبوب النفس في الدنيا ببر الاحباب و في الآخرة بالثواب يعني بالنيته من اهلها. الخ

الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۶: صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۷، ملقطاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(ترجمہ: وقف کسی چیز کو وقف کنندہ کی ملکیت کی شرط پر روک لینا اور اس کی منفعت کو صدقہ کرنا ہے۔ وقف کہ یہ تعریف حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی شرط پر روک لینا اور اسی کی منفعت اس شخص پر خرچ کرنا ہے جس کو وقف کنندہ پسند کرے، اگرچہ وہ غنی ہو۔ جب وہ چیز واقف کی ملک سے نکل جائے گی تو وقف لازم ہو جائے گا۔ لہذا نہ اس کو باطل کرنا جائز ہے اور نہ ہی وہ واقف کی متروکہ میراث قرار پائے گا اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔ ابن کمال ابن شحنہ۔ اس کا سبب دنیا میں دل کو محبوب شے سے دوستوں کے ساتھ نیکی کرنے کی نیت اور ارادہ کرنا اور آخرت میں ثواب کا ارادہ کرنا یعنی آخرت میں حصول ثواب کی نیت اس کے اہل سے ہے)

اس قسم کے وقف کا یہی حکم ہے کہ ایسے وقف کے متعدد واقف ہوں یا ایک اگر اس نے کسی جہت معین پر وقف کیا ہے، مثلاً ایک مسجد بنوائی اور ایک مدرسہ یا فقط مسجد اور فقط اس مسجد پر کچھ دوکانوں یا مکانوں یا زمین وغیرہ کو وقف کر دیا یا فقط مدرسہ پر۔ تو مصارف مسجد سے کچھ آمدنی بچے (اسے محفوظ رکھا جائے) تو آمدنی وقف مسجد سے مدرسہ پر اور وقف مدرسہ سے مسجد پر مخالف شرط واقف صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔

كما في صفحة ۲۱۶ من الجزء الخامس من البحر الرائق

اما اذا اختلف الواقف او اتحد الواقف واختلفت الجهة بان بنى مدرسة و مسجدا  
وعين لكل وقفا و فضل من غلة احدهما لا يبدل شرط الواقف ما

☆ (ترجمہ: جب وقف کنندہ کئی ایک ہوں یا وقف کنندہ تو ایک ہی ہو، لیکن وقف کی جہات مختلف ہوں، اس طرح کہ ایک مدرسہ بنایا اور ایک مسجد بنائی، ہر ایک کے لیے علیحدہ وقف معین کر دیا۔ اگر ایک وقف کی آمدنی سے بچ رہا، تو وقف کنندہ کی شرط کو تبدیل نہ کیا جائے گا)

اور صفحہ ۲۱۸ در مختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف

احدهما جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لألھما كشی واحد و ان  
اختلف احدهما بان بنی رجلاں مسجدین او رجل مسجد او مدرسة وقف علیھما او قافا  
لا یجوز لھما

☆ (ترجمہ: وقف کنندہ ایک ہو اور اس نے کئی وقف کیے۔ لیکن ان تمام کی جہت ایک ہی ہو اور ان اوقاف میں  
سے کسی وقف کے ویران ہو جانے کے باعث کسی موقوف علیہ کے لیے وقف کے محصول میں کمی واقع ہوگئی تو  
حاکم کے لیے جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی سے اس پر خرچ کرے۔ کیوں کہ وہ دونوں وقف ایک  
چیز کی مانند ہیں۔ اور اگر دونوں یعنی وقف کنندہ اور جہت میں کوئی ایک مختلف ہو مثلاً دو آدمیوں نے دو مسجدیں  
بنائیں یا ایک آدمی نے ایک مسجد اور ایک نے مدرسہ بنایا اور دونوں کے لیے مختلف وقف کیے تو حاکم کے لیے ایسا  
کرنا جائز نہیں ہے)

چنانچہ بعینہ اسی عبارت سے استفادہ کر کے مولانا عبدالحی صاحب بھی صفحہ ۱۵۶ جلد دوم جواب اول  
استفتاء ۶۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذک قال الشامی رحمة الله علیه

قوله اتحد الواقف والجهة بان وقف وقفین علی المسجد احدهما علی العمارة  
والاخری الی امامه أو مؤذنه والامام والمؤذن لا یستقر لقلۃ المرسوم للحاکم الدین ان  
یصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الی الامام والمؤذن باستصواب اهل الصلاة من  
اهل المحلة ان كان الوقف متحدا لان غرضه احياء وقفه و ذلك یحصل بما قلنا بحر عن  
الجزازية

(ترجمہ: قولہ: وقف کنندہ اور وقف کی جہت ایک ہو۔ جیسا کہ ایک شخص نے دو وقف ایک مسجد کے لیے کئے ایک

۱. الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۶ صفحہ ۴۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲. فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی: جلد صفحہ مطبوعہ

ii. رد المحتار: جلد ۶ صفحہ ۴۳۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت



مسجد کی آبادی کی خاطر اور دوسرا امام یا مؤذن کے لیے کیا اور امام اور مؤذن وقف کے محصول میں کمی ہونے کے باعث نہیں ٹھہرتے۔ تو دین دار حاکم کے لیے جائز ہے کہ آبادی اور مصالح کے لیے وقف کردہ چیز کی فالتو آمدنی کو محلہ دار نمازیوں کے مشورہ کے ساتھ امام اور مؤذن کے لیے خرچ کرے بشرطیکہ وقف متحد ہو۔ کیونکہ وقف کنندہ کی غرض اسے آباد رکھنا ہے اور یہ مقصود اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ بحر۔ بزازیہ) اور غالباً وقف جامع مسجد ہذا اور اکبری مسجد وغیرہ اوقاف شاہان سلف اور ان کے امراء و وزراء کو اسی قسم کا وقف سمجھ کر ہمارے مولانا مفتی مرحوم نے رجسٹر مشروعہ ۲۲ اکتوبر کے فتویٰ ۴۸ میں بموجب سوال ڈپٹی صاحب و سوداگر میر عبدالجلیل صاحب بلا حوالہ کسی کتاب کے تحریر فرمایا ہے۔

☆ مدارس و مکاتب واقعہ مساجد کے متعلق فقہاء علیہم الرحمۃ میں اختلاف ہے۔ بعض کا یہی مسلک ہے کہ آمدنی مساجد سے مدارس و مکاتب میں صرف کرنا نہ چاہئے۔ اور بعض فقہاء رحمہم اللہ نے مدارس و مکاتب کو تعمیر باطن قرار دے کر جائز قرار رکھا ہے۔ چنانچہ غالباً بموجب اس فتویٰ کے ہمارے ممبروں کو مصارف متعلقہ مدرسہ جامع مسجد وغیرہ میں کچھ شبہات ہو رہے ہیں۔ مگر مجھ کو ایسی روایت باوصف تلاش نہیں ملی اور نہ ملنے کی امید ہے کہ جس میں بہ نسبت صرف کرنے ایسے وقف سے مدارس مستقلہ پر یا مدارس مسجد پر اختلاف فقہا ثابت ہو۔ بلکہ بہ نسبت ایسے وقف معین کے بالاتفاق جمہور فقہاء یہی تحریر فرماتے ہیں

☆ کہ وقف معین مسجد کی فاضل آمدنی سے مدرسہ پر و علی ہذا اوقاف معینہ مدرسہ کی فاضل آمدنی سے مسجد پر صرف کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ اور اس تقدیر پر باوصف علم اس امر کے یہ اوقاف بالتعین فقط متعلق عمارت بدھنے بوری مسجد کے ہیں متولیان اوقاف مذکورہ آمدنی اوقاف مسطور سے مدرسہ پر صرف کرنے سے ضرور گنہگار ہوں گے اور عند اللہ دین دار۔ اور ملازمین مدرسہ خواہ وہ مفتی ہوں یا مدرس ضرور نزدیک جمہور فقہاء کے اور بموجب فتویٰ مذکورہ مفتی صاحب مرحوم نزدیک بعض فقہاء کے نہ سہی مگر نزدیک بعض (دوسرے) فقہاء کے ضرور حرام خور ٹھہریں گے۔

☆ یہ فتویٰ اس رجسٹر سے پہلے کسی اور رجسٹر میں ہوگا۔ نہ معلوم وہ کہاں ہے۔

چنانچہ صفحہ ۴۱۳ ردالمحتار مصری میں ہے:

فان التہت عمارتہ و فضل من الغلۃ شی یبدا بما ہو اقرب للعمارة و ہو عمارتہ المعنویۃ التی ہی قیام شعائره قال فی الحاوی القدسی والذی یبدا من ارتفاع الوقف ای من غلته عمارتہ شرط الواقف اولائم ما ہو اقرب الی العمارة و اعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیہم قدر کفایتہم ثم السراج والبساط کذلک الی آخر المصالح هذا اذا لم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شیء و یصرف الیہ بعد عمارة البناء.

☆ (ترجمہ: اگر اس کی تعمیر مکمل ہو جائے اور آمدنی سے کچھ بچ رہے تو خرچ کا آغاز اس جہت سے کیا جائے گا جو اس کی تعمیر کے سب سے قریب ہو۔ اور یہ معنوی تعمیر (آبادی) ہے اور معنوی تعمیر اس کے علامات کا قیام ہوتا ہے۔ الحاوی القدسی میں فرمایا: وقف کی آمدنی کا خرچ وقف کی تعمیر پر کیا جائے گا۔ وقف کنندہ نے خواہ اس کی شرط لگائی ہو یا نہ۔ پھر اس جہت پر خرچ کیا جائے گا جو تعمیر کے قریب تر ہو اور اس کی مصلحت کے لیے عام تر ہو جیسے مسجد کے لیے امام مدرسہ کے لیے استاذان پر اتنا خرچ کیا جائے گا جو ان کے لیے کافی ہو۔ اس کے بعد چراغ اور درمی فرش پر اسی طرح مصالح کے آخر تک خرچ کیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وقف معین نہ ہو اگر اسی جہت کے لیے معین ہو تو عمارت بن چکنے کے بعد اس جہت پر خرچ کیا جائے گا)

اور صفحہ ۴۵۷ درمختار میں ہے:

لیس للقاضی ان یقرر وظیفۃ فی الوقف بغير شرط الواقف ولا یحل للمقرر له

الاخذ الا النظر علی الوقف باجر مثله.

☆ یعنی قاضی کو ناجائز ہے کہ بغیر شرط واقف کے وقف معین سے کسی کا وظیفہ مقرر کرے۔ اور جس کا وظیفہ

مقرر کیا جائے اس کو اس وظیفہ کا لینا حرام ہے ہرگز حلال نہیں۔ البتہ ناظر یعنی محافظ اور نگہبان وقف بقدر اپنی محنت و محافظت کے اجرت لے سکتا ہے نہ کہ بطریق وظیفہ کے کہ خواہ وہ کام کرے یا نہ کرے اور مستحق وظیفہ رہے۔

علیٰ ہذا اگر محاسب اور جابی یعنی کرایہء وقف وصول کرنے والا کہ ضرورت پڑے تو بقدر ضرورت ہر ایک کی محنت کے اندازہ پر ان کو آمدنی اوقاف مذکورہ سے اجرت اور مختانہ دے سکتا ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۵۷ شامی میں ہے:

اعلم ان عدم جواز الاحداث مقید بعدم الضرورة كما في فتاوى شيخ قاسم اماما ادعت اليه الضرورة واقتضت المصلحة كخدمة الربعة الشريفة وقراءة العشرة العشرية والجباية وشهادة الديوان فيرفع الى القاضي ويثبت عنده الحاجة فيقرر من يصلح لذلك يقدر له اجر مثله او ياذن للناظر في ذلك قال الشيخ قاسم والنص في مثل هذا في الولوالجية. ابو سعود على الاشباه ما.

(ترجمہ: نیا وظیفہ کے مقرر کرنے کا عدم جواز اس صورت سے مقید ہے جب کہ ضرورت نہ ہو جیسا کہ فتاویٰ شیخ قاسم رحمۃ اللہ علیہ میں ہے لیکن اگر ضرورت ہو اور مصلحت کا تقاضا ہو مثلاً قرآن مجید کے اجزاء کی خدمت، کرایہ اور عشر کو جمع کرنا، رجسٹر کا معائنہ تو معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور ضرورت ثابت کی جائے وہ اس شخص کا تقرر کرے جو اس کام کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اس کے لیے مثلی اجرت مقرر کرے تو یا متولی کو اس کی اجازت دے دے حضرت شیخ قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا اس قسم کی جزئیات کی نص فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے۔ ابو سعود علی الاشباه)

☆ دوسری صورت اس وقف کی جو حقیقتاً وقف ہے یہ ہے کہ واقف کی جانب سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ واقف نے کسی مصلحت خاصہ پر مثل صورت اول کے مثلاً فقط تعمیر ٹھکست و ریخت مسجد پر یا مصارف تیل بتی پر یا فقط وظائف امام و موذن پر وقف نہیں کیا تھا ☆ بلکہ واقف نے آمدنی ان اوقاف کو مطلق مصالح مسجد پر

بالتصریح وقف کیا تھا۔ تو اندریں صورت مصلحتوں کا اعتبار بحسب عرف زمانہ و عادت واقف ہوگا۔ اگر عرف و عادت زمانہ واقف معلوم نہ ہو تو عرف و عادت زمانہ حال پر فتویٰ دیا جائے گا۔ اس واسطے کہ بصورت عدم مخالفت نص جو حکم عرف و عادت سے ثابت ہو وہ مثل اسی حکم کے ہوتا ہے جو نص صریح سے ثابت ہو۔

کما فی صفحہ ۴۱۰ من الجزء الثالث للشامی:

☆ و فی شرح البیری عن المبسوط ☆ ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص ما

(ترجمہ: البیری کی شرح میں مبسوط سے ہے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جس طرح کہ

کوئی چیز نص سے ثابت ہے)

☆ بلکہ رسالہ نشر العرف شامی علیہ الرحمۃ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عرف زمانہ قدیم معلوم بھی

ہو تو بہر صورت عرف و عادت زمانہ حال ملحوظ ہوگا۔ خصوصاً ایسے اوقاف میں جن کا حال کچھ بھی معلوم نہیں۔

چنانچہ رسالہ نشر العرف میں علامہ محقق ابن عابدین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد سمعناک ما فیہ الکفاۃ فی اعتبار العرف والزمان واختلاف الأحکام

باختلافہ فللمفتی الآن ان یفتی علی عرف اهل زمانہ و ان خالف زمان المتقدمین و کذا

للحاکم العمل بالقرائن فی أمثال ما ذکرناہ حیث کان امرا ظاهرا

یعنی جب بقدر کفایت کافی طور سے تم کو اعتبار عرف اور زمانہ کی کیفیت اور باعتبار اختلاف زمانہ کے

حکموں کے بدلنے کی حالت معلوم ہو چکی۔ تو اب مفتی کو لازم ہے کہ گو عرف حال متقدمین کے عرف کے

مخالف ہو مگر اپنے زمانہ کے عرف کے موافق فتویٰ دے۔ اور اسی طرح حاکم امور ظاہرہ دیکھ کر عمل قرائن حال

پر کرے۔ بشرطیکہ مخالف نص صریح شارع علیہ الصلاۃ والسلام نہ ہو۔

☆ لہذا چوں کہ اعتبار مصالح مسجد موقوف عرف زمانہ حال پر ہے اور ظاہر ہے جو بھی کوئی وقف مصالح

۱ رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۴۱۰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف (مشمولہ رسائل ابن عابدین) جلد دوم:

صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور

مسجد پر کرے گا وہ اعتبار مصالح مسجد کا امور غیر منصوصہ میں اپنے زمانہ کے عرف کے موافق کرے گا۔ اگر وہ تمام مصلحتیں شرعاً جائز ہوں گی اور ان پر وقف کرنے سے واقف مستحق ثواب ہوگا۔ اور جن امور کو اہل زمانہ مخالف مصلحت مسجد سمجھیں ان کا وہ ہرگز لحاظ نہ کرے گا۔ اور ان کی طرف اس کا خیال بھی نہ ہوگا۔ لہذا جس زمانہ میں پنکھے رکھنے کو بھی موجب غفلت نمازیاں مسجد سمجھتے تھے۔

كما هو ظاهر من مدخل الشريعة حيث قال

ويكره وضع المرواح في المسجد

(مسجد میں پنکھے رکھنے کو بھی داخل مصالح مسجد نہیں رکھا)

بعض نے روشنی قدر ضرورت کو مد نظر رکھ کر انتظام تیل بتی کو بھی مصالح مسجد سے خارج سمجھ لیا۔ کسی نے بلحاظ اس امر کے کہ نماز زمین پر پڑھنا بہ نسبت نماز پڑھنے کے درمی وغیرہ پر افضل ہے۔

حيث قال الحلبي رحمه الله في ۳۲۷ من الكبيرى

لكن الصلوة على الارض بلا حائل و على ما البتة الارض كالحصير والبوريا افضل

لانه اقرب الى التواضع

(ترجمہ: لیکن نماز زمین پر بغیر کسی حائل کے اور ایسی چیز پر جو زمین سے اُگی ہو جیسے چٹائی اور بوریہ ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے)

بہ نسبت غایت تواضع، فرش بوریہ وغیرہ کو بھی مصالح مسجد میں شامل نہ رکھا۔

المدخل لابن الحاج جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ دار الحدیث

نوٹ: مدخل کی اصل عبارت یوں ہے۔

وقد منع علمائنا رحمة الله عليهم المراد ح اذا ان اتخذها في المسجد بدعة

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے روایت بالمعنی کی ہے۔ محمد علیم الدین عفی عنہ

غنية المستلمی صفحہ ۳۲۷ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

کما هو ظاهر من قول ابن نجيم رحمه الله في صفحة ۲۱۲ من البحر الرائق

الجلد الخامس :

في القنية رقم لركن الدين الصباغی قال كتبت الى المشائخ ورمز للقاضي  
عبد الجبار و شهاب الدين الامامی هل للقيم شراء المراوح من مصالح المسجد فقالوا لا  
ثم رمز للعلاء الترمذی فقال الدهن والحصير والمراوح ليس من مصالح المسجد و  
انما مصالحه عمارته ثم رمز لابی حامد و قال الدهن والحصير من مصالحه دون المراوح  
و قال يعنى مولانا بدیع الدين هو اشبه للصواب و اقرب إلى غرض الواقف فقد تحرران  
الراجع كونهما من المصالح ما

(ترجمہ: قنیہ میں امام رکن الدین صباغی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب یہ قول ہے کہ میں نے مشائخ یعنی قاضی  
عبد الجبار رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شہاب الدین امامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سوال لکھا کہ کیا متولی کے لئے جائز  
ہے کہ مصالح مسجد سے پنکھے خریدے۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا نہیں۔ پھر علاء العلاء الترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی  
جانب یہ قول منسوب فرمایا کہ تیل چٹائی اور پنکھے مصالح مسجد سے نہیں ہیں۔ پھر مولانا بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ  
نے فرمایا کہ یہ قول درستی کے زیادہ مشابہ اور واقف کی غرض کے زیادہ قریب ہے۔ لہذا انہوں نے ان دونوں  
یعنی تیل اور چٹائی کو مصالح سے ہونے کے راجح ہونے کو عمدہ قرار دیا)

یعنی قاضی عبد الجبار و شہاب الدین امامی رحمہما اللہ سے جب مال وقف علی مصالح المسجد کی نسبت سوال  
کیا گیا کہ پنکھوں کا خرید کر مسجد میں رکھنا بھی داخل مصالح مسجد ہے تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ اس واسطے کہ  
مصالح مسجد کی درمختار سے یہ تعریف مفہوم ہوتی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے غرض بنائے مسجد جو آبادی مسجد  
ہے ذکر اللہ کے ساتھ اور نماز و تہذیب و کیر مسائل دینی فوت ہو جائے۔

چنانچہ صفحہ ۲۱۶ درمختار میں ہے علامہ علاء الدین ہسکلی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

انما يكون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة كما مر اما مدرس الجامع فلا

لانه لا يتعطل لغيبته بخلاف المدرسة حيث تقفل اصلا

(ترجمہ: مدرس اس وقت شعائر سے ہوگا جب وہ مدرسہ کا مدرس ہوگا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ اگر جامع مسجد کا مدرس ہو تو وہ شعائر سے نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد اس کے موجود نہ ہونے سے معطل نہیں ہوتی بخلاف مدرسہ کے کہ وہ مدرس کے بغیر بالکل مقفل ہو جاتا ہے)

یعنی مدرس کو جو شعائر اور مصالح میں شمار کیا ہے اس سے وہی مدرس مراد ہو سکتے ہیں جو مدرسہ کے مدرس ہوں نہ کہ مدرس مصالح مسجد۔ اس واسطے کہ مدرس مسجد جامع کے غائب ہونے سے مسجد معطل نہیں ہو سکتی بخلاف غیر مدرس مدرسہ کے کہ ان کے بغیر مدرسہ مقفل ہو جائے گا۔

چنانچہ یہی سمجھ کر پنکھوں کے نہ ہونے سے مسجد معطل نہیں ہو سکتی، قاضی عبدالجبار اور شہاب الدین امامی رحمہما اللہ نے پنکھوں کو مصالح مسجد سے خارج سمجھ لیا۔ پھر جب یہ دیکھا گیا کہ جن مسجدوں میں پنکھوں کا، خصوصاً زمانہ گرمی میں، انتظام نہیں ہوتا نمازی کم ہو جاتے ہیں۔ اور آبادی کی کمی ہونے لگتی ہے۔ عام طور سے علماء نے اجازت دی دے۔ اور تمام مساجد میں عرف عام ہو گیا کہ جن میں آمدنی اوقاف ہے اس آمدنی سے 'ورنہ نمازی اپنے پاس سے پنکھوں کے انتظام کو عموماً مصالح مسجد سے سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض نے تو اکثر مساجد میں آمدنی اوقاف مسجد سے بجلی کی روشنی اور بجلی کے سنبھے جاری کیے ہیں اور جو نئی مسجد اب بنی ہیں اور ان کے بانیوں نے ان پر جو وقف کئے ہیں انہیں اوقاف سے بغرض تحصیل ثواب اور کثرت نمازیان مسجد بجلی کے سنبھے اور بجلی کی روشنی بھی ساتھ ہی لگاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ زین الدین بن نجیم رحمہ اللہ نے بھی اپنے زمانہ کے واقفوں کی عادت و عرف کو دیکھ کر پنکھوں کو بالتصریح مصالح مسجد سے شمار کیا ہے۔

چنانچہ کتاب الوقف الاشباہ والنظائر میں تحریر فرماتے ہیں:-

وقف على المصالح فهي للامام والخطيب والقيم و شراء الدهن والحصير





قال الشامي رحمه الله:

قوله في وقف المصالح. أي فيما لو وقف على مصالح المسجد ما

(ترجمہ: یعنی اگر وقف مصالح مسجد پر ہو تو مصالح مسجد میں منتظم اور متولی اور امام اور خطیب اور موذن اور مدرس اور روشنی کنندہ اور فراش اور ناظر وقف بھی داخل ہیں۔ اور مصارف تیل اور قندیل اور چٹائی اور آب وضو اور وضو کی جگہ تک آب وضو لانے کی اجرت بھی داخل مصالح مسجد ہیں)

اور بعینہ یہی مضمون صفحہ ۲۱۳ بحر الرائق میں ہے۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

والذی یتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف اولاً ثم ما هو اقرب الى العمارة و اعم للمصلحة كالامام للمسجد و المدرس للمدرسة يصرف اليهم قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح و ظاهره تقديم الامام والمدرس على جميع المستحقين بلا شرط والتسوية بالعمارة يقتضى تقديمهما عند شرط الواقف انه ذا ضاق ريع الوقف قسم عليهم بالحصة و ان هذا الشرط لا يعتبر و لكن تقديم المدرس انما يكون بشرط ملازمته للمدرسة للتدريس الايام المشروطة في كل جمعة ولذا قال للمدرسة لان مدرستها اذا غاب تعطلت بخلاف مدرس الجامع ما

(ترجمہ: وقف کی آمدنی کے خرچ کا آغاز اس کی تعمیر پر کیا جائے گا۔ واقف نے خواہ اس کی شرط لگائی ہو یا نہ۔ زائل بعد اس مد میں خرچ کیا جائے گا جو عمارت کے سب سے زیادہ قریب ہو۔ اور جس کی مصلحت سب سے زیادہ عام ہو جیسا کہ مسجد کے لیے امام اور مدرسہ کے لیے مدرس۔ ان پر اتنا خرچ کیا جائے گا جو ان کے لیے کفایت کرے۔ اس کے بعد چراغ، دریوں، چٹائیوں سے لے کر مصالح کے آخر تک ترتیب سے خرچ کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مستحقین سے مسجد کے امام اور مدرسہ کے مدرس کو بغیر شرط کے مقدم رکھا

ما رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۴۴۳ دار احیاء التراث العربی بیروت

ما البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱ دار المعرفۃ بیروت

جائے گا۔ اور ان کو عمارت کے برابر مستحق قرار دینے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر واقف نے شرط لگائی ہو کہ ان کو عمارت سے مقدم رکھا جائے تو مقدم رکھا جائے گا۔ اور جب وقف کی پیداوار کم ہو تو ان پر حصوں کے لحاظ سے تقسیم کی جائے گی اور مقرر حصہ کی شرط کا اعتبار نہ رہے گا۔ لیکن مدرس کو اس شرط پر تقدیم حاصل ہوگی جب کہ وہ ہر ہفتہ میں تدریس کے لیے مقرر دنوں میں تدریس کے لیے حاضر رہے۔ اور اسی لیے فرمایا ”مدرسہ کا مدرس“ کیونکہ جب مدرسہ سے اس کا مدرس غیر حاضر ہوگا تو مدرسہ معطل ہو جائے گا۔ جامع مسجد کے مدرس کی یہ کیفیت نہیں ہوتی)

الحاصل خلاصہ تحریر علامہ ابن نجیم رحمہما اللہ یہ ہوا کہ وقف علی المصالح میں آمدنی وقف مسجد سے خواہ واقف سے تصریح پائی جائے یا نہ پائی جائے بعد ضروریات تعمیر ظاہری مسجد اول امام مسجد کو بقدر کفایت دیا جائے گا۔ اور اگر وقف علی المصالح مدرسہ ہے تو بعد تعمیر مدرسہ کو دیا جائے گا۔ پھر مصارف چراغ، بتی، فرش و فروش وغیرہ میں خرچ کیا جائے گا۔ اور مدرس جامع مسجد داخل مصالح مسجد نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ اگر مدرس جامع غائب رہے مسجد کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آ سکتا۔ بخلاف مدرس مدرسہ کہ بغیر حاضری مدرس مدرسہ بند ہی ہو جاتا ہے۔ اور تصریح اس امر کی بہت ہی واضح عبارت منقولہ صفحہ ۴۱۶ در مختار میں گزر چکی مگر منجہ الخالق حاشیہ البحر الرائق مصری کے صفحہ ۲۱۴ میں علامہ شامی رحمہ اللہ تروید اس قول مذکور کی کہ مدرس جامع داخل شعائر مسجد نہیں ہو سکتا۔

شرح قول البحر الرائق بخلاف مدرس الجامع میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

قال المقدسی رحمہ اللہ انت خیر بان ما ذکر لایشہد لما ادعی من الفرق بین المدرسة والجامع و غایة ما فیہ ان الجامع الذی شرط تدریس اذا غاب مدرسہ لم یقطع من حیث کونہ مسجدا و یتعطل من حیث کونہ مدرسۃ فیجب تقدیمہ من ہذہ الحیثیۃ ما۔

(ترجمہ: علامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا یہ ان کے اس دعویٰ پر شہادت نہیں دیتا، جو انہوں نے کیا ہے، کہ مدرسہ اور جامع مسجد کے مدرس میں فرق ہے۔ ان کی آخری بات یہ ہو سکتی ہے کہ وہ جامع مسجد جس میں واقف نے تدریس کی شرط لگائی ہو جب اس کا مدرس غیر حاضر ہوگا تو اس کی مسجد ہونے کی حیثیت تو ختم نہ ہوگی۔ لیکن اس کے مدرسہ ہونے کی حیثیت تو معطل ہو جائے گی۔ لہذا اس حیثیت کے پیش نظر اس مدرس کو مقدم کرنا ضروری ہے)

یعنی جس جامع مسجد میں تصریح واقف یا عرفِ حال سے بحسب کثرت و قلت آمدنی و وقف مدرسہ کا جاری رکھنا بھی ثابت ہو مدرسہ اور مدرس جامع میں فرق کرنے کی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ مدرس جامع کے غائب ہونے سے اگرچہ مسجد جامع کی جامعیت اور آبادی میں فرق نہیں آتا۔ مگر آبادی مدرسہ مسجد میں تو ضرور فرق آجائے گا۔ بلکہ مثل دیگر مدارس کے مدرس کے نہ ہونے سے مدرسہ مسجد جامع بھی معطل اور بند ہو جائے گا۔ لامحالہ مدرس جامع بھی داخلِ مصالح مسجد ہوگا۔

بہرہج اگر تصریح واقف یا دلالتِ عرف سے مدرس جامع کا مصالح اور آبادی مسجد سے ہونا ثابت ہوگا تو بالاتفاق مدرس جامع کو بھی آمدنی و وقف سے بقدر کفاف دینا جائز ہوگا۔ اور اگر ثابت نہ ہو جیسا کہ قولِ روایت در مختار اور بحر سے ظاہر ہے مگر مدرس کو اس صورتِ ثانی میں بھی آمدنی و وقف علیٰ مصالح سے دینا ناجائز ہوگا۔ اور مدرس کو تنخواہ لینا حرام۔ پھر واعظ اور مفتی کو تو دینا اور واعظ اور مفتی کو مشاہرہ لینا بدیں صورت کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ بمبئی، کلکتہ، دہلی، الورلاہور وغیرہ میں جو مساجد جدید و قدیم کم و بیش اوقافِ حقیقی رکھنے والی ہیں، بحسب ان کی آمدنی کے اگرچہ یہ عرف میں شائع و ذائع ہو گیا ہے کہ وظائف یعنی تنخواہ و مشاہراتِ محاسب و فراش و چوکیدار، امام و موذن، خطیب و مدرسین مدرسہ مسجد اور نیز مصارفِ افطاری و شیرینی و ختم اور تیل اور بتی بوریہ بنکی اور نیز پاخانہائے متعلقہ مسجد کو بھی واقفین حال مصالح مسجد سے سمجھتے ہیں اور بموجب ان سے عرفِ زمانہء حال کے بموجب روایت مذکورہ شر العرف اوقافِ مساجد قدیمہ بھی عمل در آمد ہو رہا ہے۔ مگر کسی شہر کی کسی مسجد اوقاف کثیرہ رکھنے والی میں واعظ اور مفتی کو ملازم رکھتے ہوئے دیکھنا نہ

سنا۔ اور مصالح مسجد سے واعظ اور مفتی کو جہاں تک میری نظر ہے کسی فقیہہ کو شمار کرتے ہوئے کسی بھی کتاب میں نہیں دیکھا۔ جو اوقاف متعلقہ مساجد بیت المال سے قرار دیے گئے ہیں ان سے ضروری وظیفہ مفتی اور علما اور طلبہ کے اب تک ضرورت نقل کی گئی ہے جس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔ اور چوں کہ ملازمین اس قسم کے وقف کے جس کا ذکر ہو رہا ہے اجیر قرار دیئے گئے ہیں عند الفقہاء بغیر کام کرنے کے مستحق مشاہرہ واجرت معینہ نہ ہوں گے۔

چنانچہ صفحہ ۲۰۹ فتاویٰ حامد یہ میں ہے:

فی البحر لا يستحق الامن باشر العمل و فی الاشباہ قد اغتر كثير من الفقهاء فی زماننا فاستباحوا معالم الوظائف من غير مباشرة الخ ما  
☆ (ترجمہ: البحر الرائق میں ہے کہ جو شخص کام نہ کرے وہ مزدوری کا مستحق نہیں ہے۔ الاشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانہ کے بہت سے فقہاء کو دھوکا ہوا ہے انہوں نے مقررہ وظائف کو حاصل کرنا بغیر کام کیے مباح قرار دیا ہے)

مر النص قید فی صفحہ ۲۰۵

ما یاخذہ الناظر ہو بطریق الاجرة ولا اجرة بدون العمل بحر عن الخانیة ما  
(ترجمہ: نگران جو وظیفہ پاتا ہے جو مزدوری ہوتی ہے۔ اور عمل کے بغیر مزدوری نہیں۔ محیط۔ خانیہ)  
اگر ناظر و امام وغیرہ ملازمین وقف مذکور سے ایسے بیمار ہو جائیں کہ بالکل خدمت معینہ ادا نہ کر سکیں یا بوجہ سفر حج ادائے خدمت معینہ سے بالکل معذور ہیں، مستحق اجرت و مشاہرہ نہ رہیں گے۔

چنانچہ صفحہ ۲۲۷ جلد ثالث شامی میں ہے

ذکر الخصاف انه لو اصاب القيم خرس أو عمی أو جنون أو فالج أو نحوه من  
الأفات فإن أمکنه الكلام والأمر والنهی والأخذ والإعطاء فله اخذ الاجر والا فلا قال

۱	تنقیح الفتاویٰ الحامدیة:	جلد اول:	صفحہ ۲۱۲	المکتبة الحبیبہ کوئٹہ
۲	تنقیح الفتاویٰ الحامدیة:	جلد اول:	صفحہ ۲۱۳	المکتبة الحبیبہ کوئٹہ

الطرسوسى و مقتضاه ان المدرس و نحوه اذا اصابه عذر من مرض او حج بحيث لا  
 يمكنه المباشرة لا يستحق المعلوم لانه ادار الحكم فى المعلوم على نفس المباشرة فان  
 وجدت استحق المعلوم والا فلا و هذا هو الفقه.

(ترجمہ: امام خشاف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا متولی کو اگر گونگا پن، اندھا پن، پاگل پن، فالج یا ان کی مانند امراض  
 لاحق ہو جائیں، اگر اس کے لیے کلام کرنا، حکم دینا، روکنا، لینا اور دینا ممکن ہو تو اس کو اجرت حاصل کرنا جائز ہے  
 ورنہ نہیں۔ اور علامہ طرسوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس اور اس کی مانند لوگوں کو جب کسی  
 بیماری یا حج پر روانگی کے باعث عذر لاحق ہو جائے، کہ وہ اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں، تو مقررہ وظیفہ کے مستحق  
 نہیں۔ کیونکہ مقررہ وظیفہ کے حصول کا دار و مدار عمل کرنے پر ہے۔ اگر عمل پایا گیا تو مقررہ وظیفہ کے مستحق ہیں  
 ورنہ نہیں۔ اور یہی سمجھداری کی بات ہے)

یعنی منظم وقف اور مدرس وغیرہ ملازمین کام کریں گے تو مستحق اجرت ہوں گے ورنہ کچھ نہ ملے گا۔ اور  
 مدرس اور امام و موذن وغیرہ کے متعلق یہ حکم جب صحیح ہوگا جب بموجب مذہب متاخرین جواز اجرت کا بمعاوضہ  
 قید امامت اور تدریس کے کسی مسجد یا مدرسہ خاص کے ساتھ جو قول مفتی بہ ہے، فتویٰ دیا جائے۔ اور اندریں  
 صورت ان جملہ ملازمین مسجد، امام و مدرس وغیرہ کی چھوڑی ہوئی تنخواہ، اگر یہ مرجائیں، اتنے دنوں کی جن میں  
 انہوں نے کام کیا ہے، ان کے ورثہ کو ضروری جائے گی۔ اور ایام تعطیل کی وضع کر لی جائے گی۔ اور بموجب  
 مذہب متقدمین چونکہ وظائف امام و موذن و مدرس علوم دینیہ بطریق امداد سمجھی جاتی ہیں مثل صلہ کے بیت المال  
 سے لہذا ان کا چھوڑا ہوا وظیفہ بعد موت ان کے ورثا کو نہیں ملتا۔ البتہ ایام کام کرنے کا وظیفہ ان کو ضرور ملے گا  
 بوجہ ہونے اس وظیفہ کے بطریق امداد اور صلہ کے۔

چنانچہ صفحہ ۳۴۵ در مختار میں ہے:

مات المودن و الامام و لم يستوفيا و ظيفتهما من الوقف سقط لانه كالصلة كا

لقاضی و قيل لا يسقط لانه كالأجرة كذا في الدرر قبيل باب المرتد و غيرها قال  
المصنف ثمه و ظاهره ترجيح الاول لحكاية الثاني بقيل قلت قد جزم في البغية تلخيص  
القنية بانه يورث بخلاف رزق القاضی كذا في وقف الاشباه و مغنم النهرما .

(ترجمہ: مؤذن اور امام مر گئے۔ وقف سے انہوں اپنا وظیفہ نہ پایا۔ تو وہ وظیفہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کا  
وظیفہ عطیہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ قاضی کا وظیفہ عطیہ ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مرنے سے وظیفہ ساقط  
نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ مزدوری کی مانند ہوتا ہے۔ الدرر کے باب المرتد سے تھوڑا پہلے اور دیگر کتابوں میں اسی  
طرح ہے۔ حضرت منصف رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں فرمایا کہ ترجیح پہلے قول کو ہے۔ کیونکہ دوسرا قول ”قيل“ کے  
ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ”البغیہ تلخیص قنیہ“ میں ہے کہ ان کا وظیفہ وراثت میں تقسیم ہوگا بخلاف  
قاضی کے وظیفہ کے۔ الاشباہ کے وقف اور النہر کے کتاب المغنم میں اسی طرح ہے۔)

قال الشامی رحمہ اللہ :

قوله في البغية فجزمه به يقتضى ترجيحه قلت و وجهه ما سید کره في مسألة  
الجامكية ان لها شبه الاجرة و شبه الصلة ثم ان المتقدمين منعوا اخذ الاجرة على  
الطاعات و ائتي المتأخرون بجوازه على التعليم و الاذان و الامامة فالظاهر ان من نظر الى  
مذهب المتقدمين رجح شبه الصلة فقال بسقوطها بالموت لان الصلة لا تملك قبل  
القبض و من نظر مذهب المتأخرين و هو المفتى به رجح شبه الاجرة فقال بعدم السقوط  
و حيث كان مذهب المتأخرين هو المفتى به جزم في البغية بالثاني بخلاف رزق القاضی  
فانه ليس له شبه بالاجرة اصلا اذ لا قائل باخذ الأجرة على القضاء و على هذا مشى  
الطرطوسی في انفع الوسائل على ان المدرس و نحوه من اصحاب الوظائف اذا مات في  
ثناء السنة يعطى بقدر ما باشر و يسقط الباقي ۲

۱ الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۶ صفحہ ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ رد المحتار : جلد ۶ : صفحہ ۳۹۱، دار احیاء التراث العربی بیروت

(ترجمہ: قولہ بغیہ میں ہے۔ صاحب در مختار کا اس پر جزم فرمانا 'تقاضا کرتا ہے' کہ یہی حکم رائج ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ وہ ہے جو منصف رحمۃ اللہ علیہ شاہی ملازمین اور لشکر کی تنخواہوں کے مسئلہ میں ذکر کریں گے' کہ ان کی مشابہت مزدوری سے بھی ہے اور عطیہ سے بھی۔ پھر متقدمین نے عبادات پر مزدوری لینے کو منع فرمایا ہے اور متاخرین نے تعلیم، اذان اور امامت پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، تو ظاہر ہے، جس کی نظر متقدمین کے مذہب پر ہے اس نے عطیہ کے ساتھ مشابہت کو رائج قرار دیا۔ اور موت کے ساتھ اس کے سقوط کا قول کیا ہے۔ کیونکہ عطیہ قبضہ سے پہلے ملکیت میں نہیں آتا۔ اور جس نے متاخرین علماء کے مذہب کو دیکھا اور مفتی بہ یہی ہے۔ اس نے اجرت کے ساتھ مشابہت کو رائج کہا اور فرمایا یہ موت سے ساقط نہیں ہوتا۔ اور چونکہ متاخرین کا مذہب مفتی بہ ہے "بغیہ" میں دوسرے قول پر ہی جزم فرمایا۔ قاضی کا وظیفہ اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کی مشابہت اجرت کے ساتھ بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ قضا پر اجرت حاصل کرنے کا قائل کوئی بھی نہیں۔ علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے "النفع الوسائل" میں اس کو اختیار کیا اور فرمایا مدرس اور اس کی مانند جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں، اگر وہ دوران سال مرجائیں، تو جتنا عرصہ کام کیا اس کی مزدوری دی جائے گی۔ اور باقی مقرر کردہ وظیفہ ساقط ہو جائے گا۔

☆ تیسری قسم وقف کی وہ وقف ہے جو بادشاہان سلف نے بیت المال سے اور ان کی اولاد اور ان کے امراء و وزراء نے جاگیروں سے جو بیت المال سے رکھتے تھے ☆ مسجدیں بنا کر مساجد پر وقف کئے ہیں یا خانقاہوں پر کہ وہ بھی مال بیت المال ہی سے وقف کرنے کا حکم رکھتی ہیں۔ ایسے اوقاف اگر مصلحت عامہ مومنین پر وقف کئے گئے ہیں اور ان کا وقف کرنا صحیح ہے اور اس طرح کے وقف کرنے میں ضرور واقف مستحق اجر ہوں گے۔

چنانچہ صفحہ ۲۸۲ ردالمحتار میں ہے:-

فی التحفة المرضیة عن العلامة قاسم من ان وقف السلطان لارض بیت المال صحیح ما

(ترجمہ: التحفہ المرضیہ میں علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول منقول ہے کہ بیت المال کی زمین سے بادشاہ کا وقف کرنا درست ہے)

اور صفحہ ۲۳۰ درمختار میں ہے

و لو وقف السلطان من بیت ما لنا لمصلحة عمت یجوز ما

ترجمہ: اگر بادشاہ اہل اسلام کے بیت المال سے عمومی مصلحت کی خاطر وقف کرے تو وہ جائز ہے)

و فی صفحة ۲۳۰ من الجزء الثالث رد المحتار

لان بیت المال معد لمصالح المسلمین فاذا ابدہ علی مصرفہ الشرعی یشاب ما.

(ترجمہ: بیت المال مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہے۔ جب بادشاہ نے اس کو اس کے شرعی مصرف پر ہمیشہ

کے لیے کر دیا تو وہ ثواب پائے گا)

اسی میں ہے۔

لعل مراده ای مراد العلامة القاسم من صحة الوقف انه لازم لا یغیر اذا کان علی

مصلحة عامة کما نقل الطرطوسی رحمہ اللہ عن قاضی خان من ان السلطان لو وقف

ارضاً من بیت مال المسلمین علی مصلحة عامة جاز قال ابن وہبان لانه ابدہ علی مصرفہ

الشرعی فقد منع من یصرفہ من امراء الجور فی غیر مصرفہ.

(ترجمہ: علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی وقف کے صحیح ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ وقف لازم ہو جائے گا۔ اور جب

وہ عمومی مصلحت کے لیے وقف ہو تو اسے تبدیل نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام قاضی

خان رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ بادشاہ بیت المال کی کوئی زمین عام مصلحت کے لیے وقف کرے تو جائز

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۶ صفحہ ۴۶۷، دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۴۶۷، دار احیاء التراث العربی بیروت

۳ رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۲۸۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



ہے۔ امام ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس زمین کو اس کے شرعی مصرف پر ہمیشہ کے لیے وقف کر دیا اور ظالم امراء کو اس کے مصرف کے علاوہ اور کاموں میں صرف کرنے سے روک دیا۔  
یعنی قاضی خان اور ابن طرطوسی اور علامہ قاسم رحمہم اللہ کی صحتِ وقف بیت المال سے یہی مراد ہے کہ جو وقف بیت المال سے مصلحتِ عامہ اہل اسلام پر کیا جائے وہ لازم ہے۔ اس کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

علامہ ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ واقف کی مراد اس وقف سے یہی ہے کہ مصارفِ شرعیہ متعلقہ مصلحتِ عامہ پر یہ وقف ہمیشہ جاری رہے۔ اور کوئی ظالم امیر امراء ستم گر سے علاوہ مصارفِ معینہ شرعیہ اس کو دوسری جگہ صرف نہ کر سکے۔ ☆ اور ظاہر ہے کہ جب وقف بیت المال میں شرطِ واقف تک ملحوظ نہیں ہوتی، پھر علاوہ مصلحتِ عامہ کوئی دوسرا شخص گو وہ امیر الاسلام ہی کیوں نہ ہو دوسری جگہ اس کو کیوں کر صرف کر سکتا ہے۔ البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شاہانِ سلف یا ان کی اولاد یا ان کے امراء وزراء نے اپنے مالِ مملوکہ سے ان اوقاف کو وقف کیا ہے نہ کہ مالِ بیت المال سے تو ضرور مصارفِ ان اوقاف میں شرطِ واقف کا لحاظ ہوگا۔ اور جو احکامِ اول وقف اور قسمِ دوم میں مذکور ہوئے حسبِ ثبوتِ نیت اور شرطِ واقف بالموجب عرفِ زمانہ حال وہی احکام ان پر بھی جاری ہوں گے۔ اور بصورتِ عدمِ ثبوت اور عدمِ علم اس امر کے یہ اوقاف مالِ مملوکہ و سلاطین اور ان کے وزراء امراء یا ان کی اولاد سے ہیں یا نہیں ان پر وہی احکام جاری ہوں گے جو اس پر جاری ہوئے ہیں جن کا وقف کرنا مالِ بیت المال سے ثابت ہو۔ بلکہ اسی وجہ سے بعض فقہاء نے تو یہی تحریر فرمایا کہ بیت المال سے اگر وقف کیا جائے وہ وقف ہی صحیح نہیں ہوتا۔ مگر حقیقتاً اس قول سے ان کی غرض یہی ہے کہ اس پر احکامِ وقف باعتبار مصارفِ وقف کے جاری نہیں ہوتے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ فی الواقع صحیح اور لازم ہی نہیں ہوگا۔ کما ظاہر من الروایات المذكورة۔

اور میرے فتویٰ مرتبہ بہر علماء ٹونک وغیرہ میں بھی اس قسم کی بہت سی روایات کے ساتھ موثق کر کے میں نے جو یہ لکھا ہے کہ اوقافِ شاہانِ سلف حقیقتاً وقف نہیں ہیں بلکہ وظائفِ مرصودہ مخصوصہ علماء و طلبہ مالِ بیت المال سے ہیں میری یہی غرض ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۲ باب العشر والنخراج

میں تحریر فرماتے ہیں:-

و حیث ملکها بالشراء صح وقفه لها و تراعى شروط وقفه قال فى التحفة  
المرضية سواء كان سلطانا او اميرا او غيرهما و ما ذكره الجلال السيوطى من انه لا  
يراعى شروطه ان كان سلطانا او اميرا و انه يستحق ريعه من يستحق فى بيت المال من  
غير مباشرة للوظائف فمحمول على ما اذا وصلت الى الوقف باقطاع السلطان اياه من  
بيت المال كما لا يخفى. الخ حاصله ان ما ذكره السيوطى لا يخالف ما قلنا لانه محمول  
على ما اذا لم يعرف شراء الوقف لها من بيت المال بل وصلت اليه باقطاع السلطان لها  
اى بان جعل له خراجها مع بقاء عينها لبيت المال فلم يصح وقفه لها و لا تلزم شروطه  
بخلاف ما اذا ملكها ثم وقفها كما قلنا. قلت لكن بقى ما اذا لم يعرف شراءه لها لا عدمه  
فالظاهر انه لا يحكم بصحة وقفها لانه لا تلزم من وقفه لها انه ملكها و لهذا قال السيد  
الحموى رحمة الله عليه فى حاشية الاشباه قبيل قاعدة اذا اجتمع الحلال والحرام مانصه  
وقد افتى علامة الوجود المولى ابو السعود مفتى السلطنة السليمانية بان اوقاف  
الملوك والامراء لا يراعى شرطها لانها من بيت المال او ترجع اليها و اذا كان كذلك  
يجوز الاحداث "اذا كان المقرر فى الوظيفة او المرتب من مصاريف بيت المال الخ" و  
لا يخفى ان المولى ابا السعود رحمة الله عليه ادرى بحال اوقاف الملوك و مثله ما  
سذكر الشارح فى الوقف عن المجية عن المبسوط ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط  
اذا كان غالب جهات الوقف قرى و مزارع لان اصلها لبيت المال الخ. يعنى اذا كانت  
لبيت المال و لم يعلم ملك الواقف لها فيكون ذلك ارسادا لا وقفا حقيقة اى ان ذلك  
السلطان الذى وقفه اخرجه من بيت المال و عينه لمستحقه من العلماء والطلبة و نحوهم

عونالهم على ما وصولهم الى بعض حقهم من بيت المال ما .

(ترجمہ: اور چونکہ وہ خریدنے کی وجہ سے مالک ہو گیا ہے لہذا اس کا اسے وقف کرنا صحیح ہے۔ اور اس وقف میں واقف کی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا التحفة المرضیة میں فرمایا وہ خریدار خواہ بادشاہ یا امیر ہو یا ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ”اگر اسے وقف کرنے والا بادشاہ یا امیر ہو تو اس کی عائد کردہ شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ ☆ اور اس کی آمدنی کا وہی بغیر کام کیے مستحق ہوگا جو بیت المال سے وظائف کا مستحق ہے“ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان فرمودہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ جائداد بادشاہ نے بیت المال سے وقف کنندہ کو بطور جاگیر عطا کی ہو جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا وہ ہمارے قول کے مخالف نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ حکم اس صورت پر ہے جب کہ وقف کنندہ کی خریداری بیت المال سے معلوم نہ ہو۔ بلکہ اس تک وہ جائداد بادشاہ بطور جاگیر عطا کرنے سے پہنچی ہو۔ اس طرح سے کہ اس کی آمدنی بادشاہ اس کو عطا کرے لیکن وہ جائداد بیت المال کی ہی رہے۔ تو اس صورت میں اس کا وقف صحیح نہیں ہے۔ اور نہ ہی وقف کرنے کی صورت میں اس کی مقرر کردہ شرائط لازم ہیں۔ لیکن اس صورت میں حکم مختلف ہوگا جب کہ وقف کنندہ اس کا مالک ہو پھر اس کو وقف کرے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس صورت کا حکم باقی رہ گیا کہ پتہ نہ چلتا ہو کہ وقف کنندہ نے اسے خریدا ہے یا نہیں۔ تو ظاہر ہے اس صورت میں اس کے وقف کی صحت کا حکم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے وقف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کا مالک بھی ہو۔ اسی لیے علامہ سید تموی رحمۃ اللہ علیہ ”إذا اجتمع الحلال والحرام“ قاعدہ سے پہلے یوں فرمایا ہے کہ علامۃ الوجود میں مولانا ابوالسعود مفتی سلطنت سلیمانہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ صادر فرمایا کہ بادشاہوں اور امراء کے اوقاف میں ان کی عاید کردہ شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے کیونکہ وہ اوقاف بیت المال سے ہوتے ہیں یا اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ جب صورت حالات یہ ہے تو وظیفہ یا تنخواہ کی مقررہ

مقدار؟ اگر بیت المال سے ہو تو اس میں نیا وظیفہ یا تنخواہ مقرر کرنا جائز ہے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ بادشاہوں کے اوقاف کے حالات کو سب سے بہتر جانتے تھے اور اس کی مانند عنقریب حضرت شارح (صاحب در مختار) رحمۃ اللہ علیہ کتاب الوقف میں محاسبہ سے اور صاحب محاسبہ مبسوط سے یوں نقل کرتے ہیں کہ جب وقف کی اکثر جہات دیہات اور کھیت ہوں تو بادشاہ کے لیے شرط کی مخالفت درست ہے۔ کیوں کہ اس کی اصل بیت المال سے ہے۔ یعنی جب اوقاف بیت المال کے ہیں اور معلوم نہیں کہ وقف کنندہ ان کا مالک تھا یا نہیں، تو یہ عطیہ ہوگا نہ کہ حقیقی وقف۔ یعنی جس بادشاہ نے اس کو وقف کیا، اس نے اس کا نداد کو بیت المال سے نکالا اور اس کے مستحق افراد یعنی علماء، طلباء اور ان کی مانند افراد کے لیے معین کر دیا تاکہ ان کا حق جو بیت المال میں ہے اس سے ان کے کچھ حصہ پر رسائی کی مدد ہو جائے)

اور چونکہ بالاتفاق وقف بیت المال جو مصلحت عامہ علماء، فضلا، طلبہ، مفتی، واعظ وغیرہ پر ہوتا ہے لازم ہو جاتا ہے۔ اور اگر خاص طور پر بادشاہ یا امام اپنی اولاد پر وقف کرے لازم نہیں ہوتا۔ اور اس کو مجازاً بھی وقف نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اس پر اطلاق لفظ ارصاد کیا جاتا ہے۔ اور جو وقف مصلحت عامہ پر ہو۔ گو حقیقتاً اس پر بھی اطلاق لفظ ارصاد کیا جاتا ہے مگر بوجہ لازم ہو جانے ایسے اوقاف کے مجازاً ان پر اطلاق لفظ وقف صحیح ہے۔ اور اکثر علماء نے ایسے اوقاف علی مصلحت عامہ کو صحیح مانا ہے۔

علامہ شامی صفحہ ۲۸۲ جلد ثالث رد المحتار میں عبارت مذکورہ کے آگے تحریر فرماتے ہیں:

ولذا لما اراد السلطان نظام المملكة برفوق في عام نيف و ثمانين و سبع مائة ان ينقض هذه الاوقاف لكونها اخذت من بيت المال و عقد لذلك مجلسا حافلا حضره الشيخ سراج الدين البلقيني والبرهان ابن جماعة و شيخ الحنفية الشيخ اكمل الدين شارح الهداية فقال البلقيني ما وقف على العلماء والطلبة لا سبيل الى نقضه لان لهم الخمس اكثر من ذلك و ما وقف على فاطمة و خديجة و عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہن ينقض وافقه على ذلك الحاضرون كما ذكره السيوطي في النقل المستور في جواز

قبض معلوم الوظائف بلا حضور ثم رایت نحوه فی شرح الملتقی فی هذا تصریح بان اوقاف السلاطین من بیت المال ارضادات لا اوقاف حقیقة و ان ما کان منها علی مصاریف بیت المال لا ینقض بخلاف ما وقفه السلطان علی اولاده او عتقائه مثلا و انه حیث کانت ارضادا لا یلزم مراعاة شروطها لعدم کونها و قفا صحیحا (أی حقیقة) فان شرط صحته ملک الواقف و السلطان بدون الشراء من بیت المال لا یملکه و قد علمت موافقة العلامة الاکمل علی ذلك و هو موافق لما مر عن المبسوط و عن المولی ابی السعود و لما سید کره الشارح فی الوقف عن النهرما .

(ترجمہ: اور اسی لیے جب سلطان نظام المملکت برقوق نے سن سات سو اسی سے کچھ سال بعد ارادہ کیا کہ ان اوقاف کو توڑ دیا جائے کیونکہ وہ بیت المال سے لیے گئے تھے تو اس کے لیے اس نے ایک بیت بڑی مجلس قائم کی۔ شیخ سراج الدین بلقینی شیخ برہان بن جماعہ اور شیخ الحنفیہ شیخ اکمل الدین شارح ہدایہ بھی اس مجلس میں شریک ہوئے۔ حضرت شیخ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو اوقاف علماء اور طالب علموں کے لیے ہیں ان کے توڑنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا حصہ خمس ہے جو اس سے زائد بنتا ہے۔ اور جو حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن پر وقف ہیں ان کو توڑ دیا جائے۔ حاضرین نے اس پر ان سے موافقت کی۔ جس طرح کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”النقل المستوفی جواز بعض معلوم الوظائف بلا حضور“ میں ذکر کیا۔ پھر میں نے الملتقی کی شرح میں اسی طرح دیکھا۔ اس میں تصریح ہے کہ بادشاہوں کے بیت المال سے وقف عطیات ہوتے ہیں۔ وہ حقیقی اوقاف نہیں ہوتے۔ اور ان میں جو بیت المال کے مصارف کے پر خرچ کے لیے وقف ہوں ان کو ختم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر بادشاہ نے اپنی اولاد یا اپنے آزاد کردہ غلاموں اور ان کی طرح اور لوگوں پر وقف کیا تو چوں کہ وہ عطیات ہوتے ہیں لہذا ان کی شرائط کا لحاظ کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ اوقاف درحقیقت صحیح وقف نہیں ہوتے اس لیے کہ وقف کے

صحیح ہونے کے شرط یہ ہے کہ وقف کرنے والا اس کا مالک ہو۔ اور بادشاہ اس وقت تک مالک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اسے بیت المال سے خرید نہ لے۔ اور تمہیں اس مسئلہ پر علامہ اکمل الدین کی موافقت کا علم ہو چکا اور وہ مبسوط اور مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ جزئیہ کے موافق ہے۔ اور یہ اس کے بھی موافق ہے جو حضرت شارح (صاحب درمختار) رحمۃ اللہ علیہ کتاب الوقف میں النہر سے نقل فرمائیں گے)

خلاصہ: یعنی شیخ سراج بلقینی اور برہان بن جماعہ اور شیخ الحنفیہ اکمل الدین شارح ہدایہ فرماتے ہیں کہ اوقاف سلاطین جو مصارف بیت المال پر وقف کئے گئے ہوں ان کو کوئی موقوف نہیں کر سکتا۔ البتہ جو انہوں نے اپنی اولاد وغیرہ پر وقف کئے ہیں وہ ٹوٹ سکتے ہیں۔

اسی واسطے علامہ شامی رحمہ اللہ صفحہ ۲۰۹ اور صفحہ ۲۱۰ فتاویٰ حامدیہ مطبوعہ مصر میں بحوالہ رسالہ ”نقل المستور“ سیوطی رحمہ اللہ اور شرح وہبانیہ اور معین المفتی وغیرہ تحریر فرماتے ہیں:

افتی علامة الوجود المولى ابو السعود رحمه الله مفتى السلطنة السلیمانیة بان اوقاف الملوک والامراء لا یراعی شروطها لانها من بیت المال و ترجع الیه من حاشیة الاشباه قبیل قاعدة اذا اجتمع الحلال والحلال و ذکر السیوطی رحمه الله فی رسالہ نقل المستور فی جواز قبض المعلوم من غیر حضور بانہ افتی جمیع علماء ذلک العصر کالسبکی و ولدیہ والزملکانی و ابن عدلان و ابن المرجل و ابن جماعہ والاوزاعی والزرکشی والبلقینی و الاسنوی وغیرہم بان ہذہ ارسادات لا اوقاف حقیقة فللعلماء المنزلین ان یاکلوا منها و ان لم یباشرو وظائفہم الخ. و فی شرح الوہبانیہ ما یاخذہ الفقہاء من المدارس لا اجرة لعدم شروط الاجارة ولا صدقة لان الغنی یاخذها بل اعانة لهم علی حبس انفسہم للاشتغال حتی لو لم یحضروا الدرس بسبب اشتغال او تعلیق جاز اخذہم الجامکیة معین المفتی من آخر کتاب الوقف ما

خلاصہ ترجمہ: یعنی علامہ عصر مولانا ابوسعود رحمہ اللہ مفتی سلطنت سلیمانیا اور علامہ تاج الدین سبکی اور ان کے دونوں صاحبزادوں اور علامہ زملکانی اور علامہ ابن عدلان اور علامہ ابن مرطل اور علامہ ابن جماعہ اور امام اوزاعی اور علامہ زرکشی اور علامہ بلقینی اور علامہ اسنوی وغیرہم رحمہم اللہ علماء مشاہیر زمانہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اوقافِ سلاطین گوان کو مجازاً وقف کہا جاتا ہے اور باعتبار لزوم اور صحت کے ان پر حکم وقف کیا جاتا ہے مگر حقیقتاً یہ وظائفِ محفوظہ مرصودہ ان علماء، طلباء و اعظمتین و مفتیان دین متین ہیں جن کو اوقاف سے تعلق ہو۔ اسی واسطے اگر شرطِ واقف معلوم بھی ہو اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور اگر عرصہ تک خدمت و وظیفہ متعلقہ وقف مذکورہ کی جگہ خالی رہے اور ایک زمانہ تک وہ وظیفہ جمع رہا ہو علماء منزلیں یعنی ان علماء کو جو اس وظیفہ پر معین ہوں بغیر کام کئے ہوئے اس وظیفہ سے کھانا درست ہے۔

اور جو کچھ وظیفہ اوقاف مذکورہ سے علماء و فقہا کو ملتا ہے بسبب نہ پائے جانے شرطِ اجارہ کے نہ بطریق اجرت ملتا ہے اور نہ بطریق صدقہ اس واسطے کہ صدقہ حق مساکین کا ہے۔ اور یہ وظیفہ ان علماء و فقہا کو بھی جو غنی اور مال دار ہوں اگر اکثر اوقات خدمتِ دین میں صرف کریں لینا جائز ہے۔ لامحالہ ان کو اس امر کی اعانت اور امداد کی وجہ سے ملتا ہے جو وہ خدمتِ دین میں مشغول رہے ہیں۔ لہذا وہ اگر کبھی بہ سبب مشغولی امر دینی یا تعلق ذاتی کے حاضر مدرسہ اور اپنی خدمت معینہ پر نہ ہوں تو ان کو اپنا وظیفہ معینہ لینا جائز ہے۔ پھر یہ اوقاف مدرسہ پر ہوں یا مسجد پر سب کا حکم وہی ہے جو وظائفِ معینہ کا ہوتا ہے بیت المال سے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ مصنف الاشباہ والنظائر صفحہ ۱۱۸ جلد خامس بحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں کہ مال بیت المال مصالحِ مسلمین میں صرف کیا جاتا ہے۔ بیانِ مصالح میں تحریر فرماتے ہیں۔

إن المصالح بناء المساجد والنفقة علیها فیدخل فیہ الصرف علی اقامة شعائرہا من وظائف الامامة والاذان و نحوہا و فی المحيط ان هذا النوع یصرف الی ازراق الولاية واعوانہم و ازراق القضاة والمفتین والمحتسبین والمسلمین و کل من تقلد شیئا من امور المسلمین و الی ما فیہ صلاح المسلمین و فی التجنیس ذکر من المصارف

المعلمين والمتعلمين فقال في فتح القدير وبهذا يدخل طلبة العلم بخلاف المذكورين هنا لانه قبل ان يتاهل عامل لنفسه لكن يعمل بعده للمسلمين و في فتاوى قاضى خان من الحظر والاباحة سئل الرازى من بيت المال هل للاغنياء فيه نصيب قال لا الا ان يكون عاملا او قاضيا و ليس للفقهاء فيه نصيب الا فقيه فرغ نفسه لتعليم الناس الفقه او القرآن فيحمل ما في التجنيس على ما اذا فرغ نفسه لذلك بان صرف غالب اوقاته في العلم و ليس مراد الرازى الاقتصار على العامل او القاضى بل اشار بهما الى كل من فرغ نفسه لعمل المسلمين فيدخل الجندي والمفتى فيستحقان الكفاية مع الغنى ما

و فيه بعد اسطر

في مال الفتاوى لكل قارى في كل سنة مائتا دينار او الفا درهم ان اخذها في الدنيا والاخذها في الآخرة والمراد بالقارى المفتى لما في الحاوى القدسي ولم يقدر في ظاهر الرواية قدر الأرزاق والأعطية سوى قوله ما يكفيهم وذراريهم وسلاحهم وأهاليهم و ما ذكر في الحديث لحافظ القران وهو المفتى اليوم مائتا دينار ما

وقال الشامى وهو المفتى اليوم لانهم كانوا يحفظون القرآن و يعلمون

الاحكام ما

(ما حصل ترجمه عبارت مذکور) یعنی جب اوقافِ سلاطین و امراء وغیرہ جن کا کچھ حال معلوم نہیں وہ باتفاق فقہاءِ محققین حکم اسی وقف کا رکھتے ہیں جو وقف بیت المال سے مصلحت عامہ پر کیا جائے۔ اور ان اوقاف میں شرطِ واقف بھی اگر مصرفِ خاص پر ہو ملحوظ نہیں ہوتی۔ اور داخل مصلحت عامہ اہل اسلام بنائے مسجد اور شعائر اور مصالحِ مسجد بھی ہیں جن کا ذکر بموجب عرف و روایات کتب معتبرہ قسم دوم وقف علی مصالح المسجد

۱ البحر الرائق شرح كنز الدقائق : جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ دار المعرفة بيروت

۲ البحر الرائق شرح كنز الدقائق : جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ دار المعرفة بيروت

۳ ايضا



بلا قید کے مصلحت خاصہ میں تفصیل ہو چکا۔ اور چونکہ مصالِح ضروریہ عامہ اہل اسلام سے بالاتفاق مفتی اور واعظ اور محتسب اور محاسب وقف بھی ہیں۔ لہذا علامہ زین الدین ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین شامی علیہما الرحمۃ اپنی کتاب البحر الرائق ورد المختار میں اور نیز علامہ قاضی خان اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عالم فقہ جو اکثر اوقات مشغول علم دین میں اور مفتی، واعظ، قاضی، طلباء علم، یعنی وقف کے متعلق بحسب ضرورت جو کام کرنے والے ہیں، خواہ وہ غنی ہوں اگر وہ مشغول خدمات دینی اہل اسلام رہیں، سب کو بلا لحاظ شرط واقف ان کو وظیفہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اکثر اوقات اور بغیر کسی سے کچھ اجرت ٹھہرائے کار دینی پر امور دینی میں مشغول رہیں اور کسی وقت اپنی خدمت متعلقہ وقف پر حاضر بھی نہ ہوں، حقدار اپنے وظیفہ معینہ کے رہیں گے۔ اور من جملہ متعلقین وقف علامہ شامی اور صاحب البحر الرائق تحریر فرماتے ہیں کہ بتصریح حدیث مفتی کو سالانہ دو سو دینار یا دو ہزار درہم دیا جائے گا۔ اور اگر اس قدر وظیفہ معینہ سے اس کو دنیا میں نہ دیا جائے گا۔ آخرت میں مانعین سے لین دار رہے گا۔

اور چونکہ کہ درہم شرعی بہ موجب تحقیق مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی و مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور نواب قطب الدین صاحب صاحب مظاہر حق اور صاحب کشف الغطاء وغیرہ محققین علمائے ہند ۳۰ ماشہ ایک رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہوتا ہے لہذا کلدار روپیہ سے خدمت افتاء کا وظیفہ مفتی کا تقریباً ۲ روپیہ کلدار ماہوار ہوا۔ اور دوسرے کار گزاران خدمت دین متین علماء، فضلاء، مدرس واعظ کے متعلق علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق و مصنف الاشباہ والنظائر ۱۱۸ میں تحریر فرماتے ہیں ☆ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مستحقین بیت المال علماء، فضلاء، مدرسین وغیرہ کو برابری کی کفایت کے اور ضرورت کے موافق دیا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بقدر حاجت اور ان کے علم و فضل کے مطابق دیا کرتے تھے۔ و ہذہ نصہ

وفي القنية من كتاب الوقف كان ابوبكر رضي الله عنه يسوي في العطاء من بيت المال و كان عمر رضي الله عنه يعطيهم على قدر الحاجة والفقہ والفضل ما .

☆ (ترجمہ: قلیہ کی کتاب الوقف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب کو برابر عطیات دیا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ضرورت فقہ اور بزرگی کے اندازے پر دیا کرتے تھے) پھر فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع کرنا اس امر میں بہت بہتر ہے۔

حيث قال رحمه الله:

و الاخذ بما فعله عمر رضی اللہ عنہ فی زماننا احسن ما

(ترجمہ: ہمارے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمل مبارک کو اختیار کرنا احسن ہے)

علاوہ بریں بجز تعیین تنخواہ مفتی کے کسی کی نسبت باوجود تلاش تام، تعیین مشاہرہ معینہ کے کوئی روایت نہیں ملتی۔ البتہ روایات مذکورہ صفحہ ۱۱۸ جلد خامس البحر الرائق سے جو ابھی نقل ہو چکی ہے یہ بات ضرور سمجھی جاتی ہے کہ وہی مفتی اور واعظ اور مدرس وغیرہ باوصف غنی ہونے کے مستحق و طائف کے آمدنی اس قسم کے اوقاف سے ہو سکتے ہیں جو اکثر اوقات مشغول علوم دینی رہیں۔ مع ہذا وہ لوگ جو مشغول خدمات ضروریہ دینی اہل اسلام کے رہتے ہیں نہ وہ لوگ جو اکثر اوقات مشغول تعلیم علوم دنیوی یا دیگر امور دنیوی رہیں۔ چنانچہ وہ علماء طلبہ جو اکثر اوقات مشغول تعلیم و تعلم محض علوم فلسفہ و ریاضی و منطق و ہیأت و ہندسہ و حساب وغیرہ رہیں بیت المال سے مستحق و ذمہ نہیں ہو سکتے۔ البتہ علم صرف و نحو علم ادب جن کا سیکھنا تحصیل علوم دینی کے واسطے ضروری ہے وہ علوم حسب ضرورت بالتبع داخل علوم دینی رکھے گئے ہیں اور اس قدر ان علوم کا سیکھنا سکھانا داخل علوم دینیہ اکثر فقہاء محققین نے سمجھا۔ چنانچہ بحث مصارف بیت المال میں شرح عبارت در مختار و کفاية العلماء الخ میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ صفحہ ۳۹ رد المحتار مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں۔

هم اصحاب التفسير والحديث والظاهر ان المراد بهم من يعلم العلوم الشرعية

فيشمل الصرف والنحو وغيرهما حموى عن البرجندی. ما

(ترجمہ: علماء سے مراد اصحاب تفسیر و حدیث ہیں۔ ظاہر ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو علوم شرعیہ سکھاتے

ما البحر الرائق شرح كنز الدقائق : جلد ۵ صفحہ ۱۲۸ دار المعرفہ بیروت  
ما رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۲۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہیں۔ لہذا یہ صرف 'نحو و غیرہ علوم کو شامل ہے۔ حموی'۔ برجنڈی)

اور جب روایات مذکورہ سے یہ امر ثابت ہو گیا، کہ مستحق و طائف کے آمدنی قسم ثالث وقف سے وہی علماء، طلباء، مفتی، واعظ، مدرسین علوم دینی وغیرہم ہیں، جو اکثر اوقات مشغول خدمت دینی رہیں۔ خواہ وہ غنی ہوں یا فقیر۔ اور ان کو جو دیا جاتا ہے نہ بطریق صدقہ کے دیا جاتا ہے اور نہ بطریق اجرت کے۔ اسی واسطے اگر وہ کبھی اپنی خدمت معینہ دیدیہ پر نہ بھی آئیں مستحق و وظیفہ رہتے ہیں۔ اور جس قدر ان کے و طائف شرعاً مقرر ہیں اور بوجہ اکثر اوقات مشغول رہنے کے امور دیدیہ میں، جس قدر مستحق ہیں، اگر ان کو نہ دیا جائے تو قیامت تک اس کے لینے کے وہ حق دار ہیں۔ اور اسے ان کے حقوق کو زیادہ یا کل کے روکنے والے قیامت تک دین دار۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ جس قسم کے مال بیت المال سے علماء، طلباء، فضلاء مستحق ہیں اس قسم کے مال سے مسجد بھی بنا سکتے ہیں۔ اور مسجد کے مصالح اور شعائر پر بھی اس سے خرچ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جنہوں نے مال بیت المال سے وقف کرنے کو صحیح لکھا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ مصالح مسلمین پر اگر وقف کیا جائے چونکہ وہ مال مصالح مسلمین کے واسطے مخصوص ہے، جائز ہے۔ اور جنہوں نے بیت المال سے وقف کرنے کو ناجائز اور وقف غیر صحیح لکھا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ایسے وقف میں شروط واقف اگر معلوم بھی ہوں ان کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور آمدنی ایسے اوقاف کو اگر وہ مخصوص کسی مسجد یا خانقاہ کے ساتھ بھی ہوں، مصالح مسلمین سے نہیں روکا جاتا۔ تو یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جہاں افطاری صائمین رمضان کو اور تقسیم شربینی کو ختم قرآن کی شب میں علی حد اور جن امور کو موجب مصلحت اہل اسلام اور باعث ترقی نمازیان مسجد یا باعتبار عرف عام کے سمجھتے ہوں اور فی الواقع ان امور میں مصلحت و ترقی اہل اسلام اور رونق اسلام اور اہل اسلام شرعاً ہو تو بلاشبہ آمدنی اس قسم کے اوقاف سے ایسے امور میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔

☆ اب بعد تکمیل جواب بغرض توضیح و افادہ عاملین اوقاف مذکورہ چند روایات ضروریہ اور لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اول یہ کہ وقف بیت المال کی آمدنی اگر کم ہو جائے اور جملہ مستحقوں کو کافی نہ ہو سکے تو اول بقدر تعمیر وقف پر اور درستی و شکست و ریخت امکاناً وقف پر صرف کیا جائے اور اگر وہ وقف وقف علی المسجد

ہو تو بعدہ مصالحو ضروریہ مسجد میں کہ وہ امام اور خطیب اور مدرس اور روشنی کرنے والے فراش اور موذن اور ناظر ہیں اور قیمت قندیل اور تیل اور فرش بوریہ وغیرہ اور وضو کا پانی بھرنے والے ان مصارف میں خرچ کیا جائے چنانچہ صفحہ ۲۱۵ جلد خامس البحر الرائق میں ہے

فتحصل ان الشعائر التي تقدم في الصرف مطلقا بعد العمارة الامام والخطيب  
والمدرس والوقاد والفراش والموذن والناظر و ثمن القناديل والزيت والحصر و يلحق  
بثمن الزيت والحصر ثمن ماء الوضوء واجرة حمله و كلفة نقله من البئر الى الميضاة  
(ترجمہ: ما حاصل یہ ہے کہ تعمیر وقف کے بعد جن شعائر پر وقف کی آمدنی کے خرچ کرنے کو مقدم کیا جائے گا وہ یہ  
ہیں (۱) امام (۲) خطیب (۳) مدرس (۴) چراغ جلانے والا (۵) صفیں بچھانے والا خادم (۶) نگران (۷)  
لالٹینوں کی قیمت (۸) تیل (۹) چٹائیاں (۱۰) تیل اور چٹائیوں کی قیمت کے ساتھ وضو کے پانی کے قیمت  
(۱۱) اس کے اٹھا کر لانے کی مزدوری اور (۱۲) کنویں سے وضو خانہ تک اس کو لانے کی مزدوری شامل ہے)  
اور چونکہ وقف بیت المال سے علماء، فضلا خواہ وہ واعظ ہوں یا مفتی یا مدرس ہوں یا امام اور موذن اور  
سادات کرام بھی حقدار ہیں۔ بعد امام و موذن کے اگر آمدنی سب کو کافی نہ ہو سکے ان سب میں جو زیادہ حاجت  
مند ہوں ان کا وظیفہ دیا جائے اور اگر حاجت مندی میں سب مساوی ہوں تو باعتبار مرتبہ دینی کے جس کا مرتبہ بڑا  
ہو ان کو مقدم کیا جائے۔

كما في صفحة ۱۸۸ من الحموی شرح الاشباه المطبوعة في مطبع نول كشور حيث قال  
و اذا عجز الواقف عن الصرف الى جميع المستحقين فان كان اصله من بيت المال  
روعى فيه صفة الاحقية من بيت المال فان كان في اهل الوظائف من هو بصفة الاستحقاق  
من بيت المال و من ليس كذلك فقدم الاولون على غيرهم من العلماء و طلبة العلم و آل  
رسول الله ﷺ و ان كانوا كلهم بصفة الاستحقاق منه قدم الاحوج فالاحوج

فان استروا في الحاجة قدم الاكبر فالاكبر فيقدم المدرس ثم المؤذن ثم الامام ثم القيم الخ.  
 (ترجمہ: وقف کنندہ جب تمام مستحقین پر خرچ کرنے سے عاجز ہو تو اگر اس وقف کی اصل بیت المال سے ہو تو اس صورت میں بیت المال سے زیادہ استحقاق کی صفت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اگر وظائف پانے والوں میں کچھ زیادہ استحقاق کی صفت سے متصف ہوں اور کچھ ایسے ہوں جو ایسے نہ ہوں تو پہلے اہل وظائف جیسے کہ علماء طلباء علم اور آل رسول اللہ کو دوسروں سے مقدم کیا جائے گا۔ اور اگر سب استحقاق میں برابر ہوں تو زیادہ حاجت مند کو پہلے دیا جائے گا اور اگر وہ ضرورت میں برابر ہوں تو بڑے کو مقدم کیا جائے گا لہذا پہلے مدرس پھر مؤذن پھر امام پھر متولی کو اوروں سے مقدم کیا جائے گا۔)

☆ دوم یہ کہ جن کو بطریق اعانت اور عزت اسلامی کے بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا ہے اگر وہ مرجائیں ان کا وظیفہ بعینہ جو مقرر تھا وہ ان کے بیٹوں کو دیا جائے گا۔ گو وہ صغیر السن ہی ہوں۔ اگر وہ باپ کے طریقہ پر چلیں یا مشغول تحصیل علوم رہیں کما فی صفحہ ۲۱۰ من الجزء الاول لفتاوی الحامدیة

قال مولانا العلامة صاحب الخزانة ناقلا عن مبسوط فخر الاسلام بنص و اذا مات من له وظيفة في بيت المال لحق الشرع و اعتزاز الاسلام كما جراء الامامة و التاذين و غير ذلك مما فيه صلاح الاسلام و المسلمين و للميت ابناء يراعون و يقيمون حق الشرع و اعزاز الاسلام كما يراعى و يقيم الاب فللامام ان يعطى وظيفة الاب لابناء الميت لا لغيرهم لحصول مقصود الشرع و الجبار كسر قلوبهم و الامام مربى فخلف الموتى باذن الشرع و الشرع امر بابقاء ما كان على ما كان لا بناء الميت لا غيرهم. قلت هذا مويد لما هو عرف الحرمين الشريفين و مصر و الروم المعمورة من غير نكير من ابقاء ابناء الميت و لو كانوا صغارا على وظائف ابائهم مطلقا من امامة و خطابة و غير ذلك و امضاء ولى التقرير الفراغ لهم بذلك و تقريرهم بعد وفاته عرفا مرضيا مقبولا لان فيه احياء خلف

العلماء و مساعدتهم على بذل الجهد في الاشتغال بالعلم و قد افتى بجواز ذلك طائفة  
من اكابر الفضلاء الذين يعول على افتائهم و الله اعلم.

(ترجمہ: مولانا علامہ صاحب خزانہ نے مبسوط فخر الاسلام سے نقل کر کے یوں لکھا کہ جب وہ شخص مر جائے جس کا وظیفہ حق شرع اور اعزاز اسلام کی خاطر بیت المال سے متعین ہو مثلاً امامت اور اذان اور اس کے علاوہ دیگر مناصب جن میں اسلام اور عام مسلمانوں کی بھلائی ہو اور مرنے والے کے بیٹے ایسے ہوں جو شریعت مطہرہ کے حق اور اسلام کے اعزاز کو اسی طرح قائم رکھیں اور اس کی رعایت رکھیں جس طرح کہ باپ کیا کرتا تھا تو امام پر لازم ہے کہ باپ کا وظیفہ میت کے بیٹوں کو دے نہ کہ اوروں کو کیوں کہ ایسا کرنے سے شریعت کا مقصود حاصل ہو جائے گا اور ان کے ٹوٹ ہوئے دلوں کو جوڑنے کا سامان پیدا ہوگا۔ امام اور حکمران مر بی ہوتا ہے۔ بیٹا مرنے والوں کا جانشین شریعت کے حکم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور شریعت نے بیٹوں کے لیے جو پہلے تھا اسے اسی طرح باقی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے غیروں کو دینے کا حکم نہیں دیا۔ میں کہتا ہوں اس جزئیہ کی تائید حرمین شریفین، مصر اور روم معمورہ کے عرف سے ہوتی ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں۔ کہ مرنے والوں کے بیٹوں کو ان کے ابا و اجداد کے امامت، خطابت وغیرہ کے وظائف پر برقرار رکھا جائے گا اگرچہ وہ کم عمر ہوں۔ نیز تقرری کا فیصلہ کرنے والا ان کو اس وظیفہ کے لیے فارغ رکھنے کا حکم جاری کرے گا۔ اور والد کے مرنے کے بعد بیٹوں کو اس منصب پر باقی رکھا جائے۔ یہ ایک پسندیدہ اور مقبول عرف ہے۔ کیونکہ اس میں علمائے کرام کی اولاد کے لیے عطیات ہیں۔ اور علم میں مشغول رہنے میں ان کی کوشش کرنے پر امداد و اعانت ہے۔ اکابر فضلاء کی ایک ایسی جماعت نے اس کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے جن کے فتاویٰ کی جانب رجوع کیا جاتا ہے)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی، مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر 151﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ریاست الور متصل ریلوے اسٹیشن موضع نگلی کھورہ کے لپ سڑک ایک مسجد باغبان کی ہے۔ اب مہاراجہ والی الور نے ایک سڑک جدید موتی ڈونگری سے رجٹ کونکالی ہے۔ داغ بیل بھی ہوگئی ہے۔ اس سڑک میں یہ مسجد آگئی ہے اس مسجد کو مہاراجہ صاحب شہید کرانا چاہتے ہیں۔ اور مسجد کے خالی کرنے کو نوٹس بھی لگا دیا ہے کہ یا تو ایک ماہ کے اندر خالی کر دو ورنہ سزاوار ہوں گے۔ اور مسجد کا معرفت انجینئری تخمینہ بھی کرا لیا ہے کہ تم کو روپیہ خزانہ سے مل جائے گا۔ اس روپیہ سے دیگر مسجد تعمیر کر لو۔ اور جو تخمینہ کیا گیا ہے وہ لاگت مسجد سے کم ہے۔ دیگر مسجد تیار نہیں ہو سکتی۔ اگر اس معاملہ میں کوشش کی جائے کہ راج ہی مسجد بنوادے تو یہ بات شریعت میں جائز ہے یا نہیں۔ یا اس کے معاوضہ میں روپیہ راج سے لے کر دیگر مسجد بنوائی جائے تو یہ بات جائز ہے یا نہیں؟ اور چونکہ راج نے مسجد سڑک میں کر لی ہے اس لئے بچانا ممکن ہے۔

عبدالرحمن، امرخان، لعل خان از الور

### الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

قول تحقیق اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقف اپنی جگہ سے نہ بدلا جائے اور اس کا معاوضہ نہ لیا جائے۔ خاص کر مسجد کہ اس کو اپنی جگہ سے کسی طرح نہ ہٹانے دیا جائے گو دوسری جگہ اس سے بہتر اور نافع ہو۔ ☆ ہاں اس صورت میں مضائقہ نہیں کہ وہ محض بے کار رہ جائے۔ اور لوگ ظالم اس کی لکڑی پتھر اپنے کام میں لانے لگیں۔

چنانچہ صفحہ ۴۲۷ شامی میں ہے:

قال العلامة البیری والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال اولاً عن

شرطه فان كان لخروج الوقف عن النفع الموقوف عليهم فينبغي ان لا يختلف فيه و ان

.....  
 كان لا لذلک بل اتفق انه امکن ان یؤخذ بضمنه ما هو خیر منه مع کونه منتفعا به فینبغی  
 ان لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة لانه لا موجب لتجویزه  
 لان الموجب فی الاول الشرط و فی الثانی الضرورة ولا ضرورة فی هذا اذلا تجب  
 الزیادة بل نبقیه کما کان۔

(ترجمہ: علامہ پیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ وقف کو تبدیل کرنا یا تو تبدیل کرنے کی شرط کے ساتھ ہوگا  
 یا وقف کو تبدیل کرنے کی شرط کیے بغیر ہوگا۔ اگر یہ تبدیل کرنا شرط کی بنا پر ہو تو وقف کو ان لوگوں کے نفع اٹھانے سے  
 فارغ کرنے کے لیے ہوگا جن پر وہ وقف ہے تو اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ اس کے عدم جواز میں اختلاف  
 نہ ہو۔ اور اگر یہ تبدیل کرنا اس لیے نہ ہو بلکہ اتفاقی طور پر پیش آ جائے اور یہ ممکن ہو کہ اس کی قیمت سے اس سے بہتر  
 چیز حاصل کی جاسکے اور ساتھ ہی اس فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہو تو مناسب یہی ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو۔ کیوں کہ  
 لازم ہے کہ وقف کو اپنی اصلی حالت پر برقرار رکھا جائے۔ اس میں زیادتی نہ کی جائے۔ کیوں کہ جواز پیدا کرنے کا  
 کوئی سبب موجود نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں باعث شرط ہے دوسری صورت میں ضرورت ہے اور موجودہ  
 صورت میں ضرورت نہیں ہے کیوں کہ زیادتی واجب نہیں ہے بلکہ ہم اسے اصلی حالت پر باقی رکھیں گے)

☆ مگر اگر کوئی غاصب اور ظالم جبراً چھین کر قیمت دینا چاہے اور بعینہ اس زمین منصوبہ کا لینا کسی طرح  
 ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت لے کر متولی کو جائز ہے کہ دوسری جگہ اس کے بدلے خریدے یا اس کے بدلے دوسرا  
 مکان مثل مسجد بنا کر اس کی قیمت اگر وہ ظالم غاصب دے تو متولی کو جائز ہے کہ اس مکان کو بعوض اس وقف  
 منصوب لے کر اس کو وقف علی المسلمین ہمیشہ نماز پنج گانہ کے واسطے کرے تاکہ اس کو حکم مسجد کا ہو جائے اور  
 نمازیوں کو ثواب مسجد ملنے لگے۔

کما هو ظاهر من رواية الشامي المذكورة في صفحة ۲۲۶ حيث قال رحمة الله

في شرح رواية الدر: ولا يجوز استبدال العامر الافي الرابع۔

۱	رد المحتار:	جلد ۳، صفحہ ۴۲۷	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲	الدر المختار مع رد المحتار:	جلد ۳، صفحہ ۴۲۶	مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



(ترجمہ: آبادوقف کو صرف چار صورتوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے)

قوله في اربع بعد ذكر الاثنيين الثالثة ان يجحد الغاصب ولا بينة اي واراها دفع

القيمة فللمتولى اخذها ليشتري بها بدلا ۱

(ترجمہ: صرف چار صورتوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے دو صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب اس کا انکار کر دے اور کوئی گواہ بھی موجود نہ ہو نیز وہ اس کی قیمت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو متولی کے لیے اسے وصول کرنا درست ہے تاکہ اس کے ساتھ اس کا بدل خرید لے)

اور جب مسجد خراب ہو جائے اور لوگ نماز پڑھنے والے وہاں سے اجڑ جائیں تو اندریں صورت اس کا

سامان دوسری مسجد میں لگانے کی اجازت صراحتہ موجود ہے چنانچہ صفحہ ۴۰۷ سطر ۲۶ جلد سوم شامی مصر میں ہے

والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد او

حوض كما افتى به الامام ابو شجاع والامام الحلواني و كفى بهما قدوة ولا سيما في

زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا لم ينقل ياخذ انقاضه للصوص

والمغلبون كما هو مشاهد وكذا لك اوقافه ياكلها النظار او غيرهم و يلزم من عدم النقل

خراب المسجد الآخر المحتاج الى النقل اليه قبله ۲

(ترجمہ: مسجد یا حوض میں فرق کیے بغیر نقل میں مذکورہ بالا مشایخ کی اتباع مناسب ہے۔ جیسا کہ امام ابو شجاع

رحمۃ اللہ علیہ اور امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے ان کی سرداری اوروں سے مستغنی کر دینے والی ہے۔

☆ بالخصوص دورِ حاضر میں کیوں کہ مسجد اور اس کے علاوہ دیگر اوقاف مثلاً سرائے یا حوض کو منتقل نہ کیا جائے تو

اس کا ملبہ چور اور زبردستی کرنے والے لوگ لے جائیں گے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے۔ یہی حال اوقاف کا

ہوتا ہے انہیں متولی اور دیگر افراد کھا جاتے ہیں۔ منتقل نہ کرنے سے دوسری مسجد جس کو اس سامان کے منتقل

۱ رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۴۲۶، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۴۲۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی ویران ہو جاتی ہے)

و نقل فی الذخیرۃ عن شمس الائمة الحلوانی الہ سئل عن مسجد او حوض  
خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ هل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد آخر او  
حوض آخر فقال نعم و مثله فی البحر عن القنیۃ و للشر بنلالی رسالۃ فی هذه المسئلة  
اعترض فیہا ما فی المتن تبعاً للدر بما مر عن الحاوی و غیرہ ثم قال وبذلك تعلم فتوی  
بعض مشائخ عصر نابل و من قبلہم كالشیخ الامام امین الدین بن عبد العال و الشیخ  
الامام احمد بن یونس الشبلی و الشیخ زین ابن نجیم . و الشیخ محمد الوفائی فمنہم من  
افتی بنقل بناء المسجد و منہم من افتی بنقله و نقل ماله الی مسجد آخر

ترجمہ: ذخیرہ میں ہے کہ حضرت شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ویران مسجد یا تالاب کے بارے میں پوچھا  
گیا جس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ لوگ اس کے ارد گرد سے متفرق ہو گئے ہیں۔ کیا قاضی کے لیے جائز ہے  
کہ اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض پر صرف کر دے؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں بحر میں قنیہ سے اسی  
طرح لکھا ہے۔ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں ایک رسالہ ہے۔ جس میں الدر کی اتباع میں متن میں  
مذکور مسئلہ پر اعتراض کیا ہے۔ جیسا کہ حادی وغیرہ سے مروی ہے۔ پھر فرمایا اس سے تم کو دو پر حاضر کے بعض مشائخ  
بلکہ ان سے قبل مشائخ کرام مثلاً شیخ امین الدین بن عبد العال رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ احمد بن یونس شبلی رحمۃ اللہ علیہ  
شیخ زین بن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد ابووفائی کی عمارت کو منتقل کرنے کے فتویٰ کا علم ہو گیا ہے۔ بعض علماء نے مسجد  
کی عمارت کو منتقل کرنے اور بعض نے اسے اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دینے کا حکم دیا ہے)

حورہ: العبد العاصی

ابو محمد محمد دیدار علی



## ﴿فتویٰ نمبر.....152﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں کہ جو مسجد اس صورت میں ہو کہ دونوں جانب ایک دو قبریں ہوں نہ کہ مقبرہ۔ اس کے کشادہ کرنے کے واسطے قبریں اندر مسجد کے لینا برضا و رغبت مالک زمین و قبور جائز ہے یا کہ نہیں؟

۱۲ فروری ۱۹۱۵ء ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

محمد زمان معمار قصبہ فیروز آباد محلہ معماراں ضلع آگرہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

قبرستان کا عند الضرورت مسجد بنالینا جائز ہے۔ کما هو ظاهر من رواية البحر

حيث قال ابن نجيم رحمه الله في صفحه ۲۵۵ من الجزء الخامس للبحر الرائق

في آخر كتاب الوقف

مقبرة للمشركين ارادوا ان يتخذوها مقبرة للمسلمين لا باس به ان كانت قد

الدرست اثارهم فان بقى شيء من عظامهم تنبش و تقبر ثم تجعل مقبرة للمسلمين فان

موضع رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبشه واتخذه مسجداً۔

☆ (ترجمہ: مشرکین کے قبرستان کو اہل اسلام مسلمانوں کا قبرستان بنانا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے

جب کہ ان کے نشانات مٹ چکے ہوں۔ اگر ان کی کچھ ہڈیاں باقی ہوں تو ان کو کھود کر دفن کر دیا جائے گا۔ اس

کے بعد اسے مسلمانوں کا قبرستان بنا لیا جائے گا۔ کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام مبارک مشرکوں کا قبرستان

تھا۔ آپ نے اسے کھود دیا اور اسے مسجد قرار دے دیا)

مگر مسلمانوں کو ایسے قبرستان کی نسبت جس میں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا ہو کوئی صریح روایت نہیں ملتی کہ اس کا مسجد بننا قبور کو کھود کر یا بغیر کھودے جائز ہے۔ بجز اس روایت کے جس کو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ آخر باب الوقف فصل احکام المساجد صفحہ ۲۵۴ جلد خامس بحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

وفى الخانية امرأة جعلت قطعة ارض مقبرة و اخرجتها من يدھا و دفن فیھا ابنھا و هذه الارض غير صالحة للقبر لغلبة الماء علیھا قال الفقیه ابو جعفر ان کالت الارض بحال یرغب الناس عن دفن الموتى فیھا لفساد هالم تصر مقبرة و کان للمرأة ان تبیعھا و اذا باعت کان للمشتري ان یرفع المیت عنها او یامر یرفع المیت عنها!

(ترجمہ: فتاویٰ خانہ میں ہے ایک عورت نے زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنا لیا۔ اسے اپنے قبضہ سے باہر کر دیا۔ نیز اس میں اس نے اپنا بیٹا دفن کر لیا۔ لیکن یہ زمین قبر کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کیوں کہ اس پر پانی غالب ہے۔ حضرت فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر زمین کا یہ حال ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردے دفن کرنے کی رغبت نہیں رکھتے کیوں کہ وہ زمین خراب ہے تو وہ جگہ قبرستان قرار نہ پائے گی۔ عورت کو اسے فروخت کرنے کا اختیار ہے۔ اور جب اس نے فروخت کر دی تو خریدار کو اجازت ہے کہ مردے کو وہاں سے اٹھا دے یا نکال لینے کا حکم دے)

☆ جس سے ظاہر ہے کہ جہاں ایک دو قبر کبھی بہ نیت قبرستان بنانے کی بنا دی جائیں اور لوگ کسی وجہ خاص سے وہاں دفن کرنا چھوڑ دیں تو اس کے مالک کو اس کا فروخت کرنا جائز ہے۔ اور مشتری کو اختیار ہے کہ میت کو وہاں سے نکلوا کر دوسرے جگہ دفن کروادیں۔ لہذا اندریں صورت جب خود مالک زمین معہ قبور زمین کو برضا و رغبت مسجد کے واسطے دیتا ہے اور وہ قبرستان بھی نہیں ہے اور نہ وہاں مردے دفن کیے جاتے ہیں زمین مذکورہ کو مسجد میں داخل کر لینا بلاشبہ جائز معلوم ہوتا ہے۔ مگر میت کی لاش اگر تازہ قابل دفن کرنے کے اس کی جگہ میں ہے وہاں سے

نکال کر دوسری جگہ دفن کر دی جائے اور بعد دفن میت مومن کا قبر سے نکالنا اگر چہ ناجائز ہے ☆ مگر عذر جائز ہے۔  
چنانچہ صفحہ ۱۸۰ اسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے:

و اذا دفن الميت في مكان لا يجوز لاهله اخراجه منه طالبت المدة او قصرت الا  
بعذر وهو ان تكون الارض مفضوبة و نحوها

☆ (ترجمہ: مردہ جب کسی جگہ دفن کر دیا گیا تو اس کے اہل و عیال کو اسے وہاں سے نکالنے کی اجازت نہیں  
ہے۔ مدت خواہ دراز ہو چکی ہو یا کم۔ ہاں عذر کی بناء پر مردہ کو نکال سکتے ہیں کہ زمین غصب شدہ ہو یا اس طرح  
کا کوئی اور عذر ہو)

☆ یعنی میت پرانی خواہ نئی اس کا قبر سے نکالنا جائز نہیں مگر اس عذر سے کہ جبراً اگر میت کسی غیر کی زمین  
میں دفن کر دی جائے اور صاحب زمین اس کو نکلوائے اور اگر نہ نکلوائے تو صاحب زمین کو قبر برابر کر کے اس پر بونا  
جو تا بھی جائز لکھا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۸۰ اسعاف میں ہے

ولو دفن في ارض رجل بغير اذنه للمالك الامر بالاخراج منها وله الترك و  
تسوية الارض و زرعها۔

(ترجمہ: اگر کسی شخص کی ملکیتی زمین میں بغیر اجازت کے مردے کو دفن کر دیا گیا ہو مالک کو حق حاصل ہے کہ  
اسے وہاں سے نکال لینے کا حکم دے یا اسے وہیں دفن رہنے دے اور زمین ہوار کر کے کھیتی باڑی کرے)  
بآئکہ حدیث صحیح میں ہے کہ آگ کی چنگاری جو کپڑے کو جلا کر پار نکل جائے پر بیٹھنا بہتر ہے بہ  
نسبت اس کے کہ قبر پر بیٹھے۔

چنانچہ صفحہ ۳۱۲ جلد اول مسلم شریف میں ہے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لان یجلس احدکم علی جمرة فتحرق

۱ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ

۲ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ

ثيابه فتخلص الي جلد خير له من ان يجلس على قبر ۱

☆ (ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں کوئی شخص اگر آگ کے انکارے پر بیٹھ جائے وہ اس کے کپڑوں کو جلا کر اس کی جلد تک پہنچ جائے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ کسی قبر کے اوپر بیٹھے)

لہذا اس حدیث کو اس روایت مذکورہ اسعاف کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا نشان بصورتِ عدم رعایتِ حق مالک یا ایسی قسم کی دوسری ضرورت شرعی پائی جائے جب اس کا نشان مٹا دیا جائے تو اس پر چلنا پھرنا بونا جوتا تک جائز ہو جاتا ہے۔ اور حدیث مخصوص اسی حالت کے ساتھ ہے کہ جب نشان قبر موجود ہو اور اس کا مٹانا جائز نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں بوجہ تنگی مسجد ایسی سخت ضرورت واقع ہے کہ جس کی وجہ سے جبراً قیمتِ بازاری دے کر نہ کہ وہ قیمت جو بصورتِ جبر مالک زمین طلب کرے جس کو دشمن کہتے ہیں دوسرے کی زمین سے مسجد کا فراخ کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اولاً بلا تراضی طرفین بیع منعقد نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں جبراً کسی کی زمین وغیرہ خریدنا اور وہ بھی ایسی قیمت پر جو اس کی قیمت مطلوبہ سے کم ہو بلاشبہ حرام ہے۔ مگر بموجب کلیہ شریعت کے:

☆ الضرورات تبيح المخطورات ۲

(ترجمہ: ضرورتیں حرام کو مباح کر دیتی ہیں)

منقولہ الاشياء والنظار علامہ ابی رحمہ اللہ باب بناء المساجد اسعاف کے آخر صفحہ ۳۷ میں تحریر فرماتے ہیں:-

ولو ضاق المسجد على الناس و بجنبه ارض ملك لرجل توخذ بالقيمة کرھا

دفعاً للضرر العام و يجبر الضرر الخاص بالقيمة ۳ و هكذا في البحر والشامی

۱ صحیح مسلم: جلد ۱ صفحہ ۳۱۲ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲ الاشياء والنظار: جلد اول صفحہ ۱۱۸ مطبوعہ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۳ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ مطبوعہ

(ترجمہ: مسجد لوگوں پر تنگ ہوگئی۔ اور اس کے ایک طرف زمین ہے۔ جو کسی آدمی کی ملکیت ہے تو وہ زمین عام نقصان کو دور کرنے کے لیے قیمت کے ساتھ جبراً خریدی جائے گی۔ اور خاص مالک کے نقصان کو قیمت سے پورا کیا جائے گا۔ البحر الرائق اور شامی میں اسی طرح ہے)

☆ اور باوجودیکہ مسجد کے نیچے یا اوپر واقف تک کو اپنی سکونت کے واسطے مکان بنانا بالاتفاق قبل بناء مسجد یا بعد بناء مسجد قطعاً جائز ہے اور منع ہے اس مسجد پر حکم مسجد نافذ ہونے سے اگر قبل بناء مسجد واقف بھی بنالے۔

کما فی اسعاف صفحہ ۷۲

و لو اتخذ مسجداً وتحتہ سرداب او فوقہ بیت او جعل وسط دارہ مسجداً و اذن

للناس بالدخول والصلوة من غیر ان یفرز لہ طریق لا یصیر مسجد او یورث عنہما

(ترجمہ: کسی شخص نے مسجد بنوائی اس کے نیچے تہ خانہ ہے۔ یا اس کے اوپر کسی کا ذاتی گھر ہے۔ یا رہنے کے گھر کے درمیان مسجد بنوائی۔ اور لوگوں کو اس میں آنے اور نماز ادا کرنے کی لوگوں کو اجازت دے دی لیکن اس کا رستہ علیحدہ نہیں کیا وہ مسجد نہیں بنی بلکہ اس کی وراثت قرار پائے گی)

☆ مگر امام محمد رحمہ اللہ و امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے جب رے اور بغداد میں تنگی زمین بے حد دیکھی ہو جب اس کلیہ ☆ الضرورات تبیح المحذورات کے جواز مکان سکونت کا مسجد کے نیچے اور اوپر فتویٰ نافذ فرمایا نہ کہ بلا ضرورت شاقہ مطلقاً کما فی صفحہ ۷۳ من الاسعاف

و عن محمد لما دخل الری اجاز ذالک بكل حال و عن ابی یوسف مثله لما دخل

بغداد

☆ (ترجمہ: جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ رے میں آئے تو اس کی ہر حال میں اجازت دے دی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد آئے تو انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا)

۱ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ مطبوعہ

۲ اسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ مطبوعہ

☆ پھر یہاں تو سخت ضرورت واقع ہے اور مالکِ زمین خود زمین کو بخوشی خاطر مسجد میں دے رہا ہے۔ لامحالہ بضرورتِ مذکورہ سوال یہاں بھی نشانِ قبر مٹا کر بغیر لاش نکالنے کے زمینِ قبر مسجد میں لے لینا بہ نسبت لاش نکال کر مسجد میں لینے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ☆ اور عمدہ طریقہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ذرا کرسی مسجد کی اتنی اونچی کر دی جائے کہ قبریں بدستور کرسی کے نیچے دو کوٹھرے بہت نیچی چھت کے بنا کر چھوڑ دی جائیں تاکہ بوجہ اختلافِ مکان قبروں کے کھودنے اور قبروں پر بیٹھنے کی خرابی سے بھی بچ جائیں اور قبروں کے مٹانے سے بھی بچ جائیں۔ اور قبروں کی زمین مسجد رہے پھر وقفہ کر کے دروازہ ان کوٹھریوں کا قطعاً نہ رکھا جائے یا رکھا جائے تو تینہ کر دیا جائے اور کسی دوسرے کام میں وہ کوٹھری نہ لائی جائے تاکہ کسی قسم کا بھی محذور نہ لازم آئے۔ اور اس صورت میں یہ اعتراض بھی نہ رہے گا کہ قبر کو مسجد بنانے کی ممانعت حدیث میں وارد ہے۔

چنانچہ جلد دوم بخاری شریف میں ہے:

قال رسول الله ﷺ :

☆ لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد يحذر ما صنعوا  
ترجمہ: حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے آپ ﷺ ان کے برے اعمال سے امت کو ڈرا رہے تھے۔

☆ اس واسطے کہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ نے بیضاوی سے قسطلانی میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ لمعات میں تو رپشتی سے نقل فرماتے ہیں ☆ کہ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ قبر کو قبلہ بنایا جائے۔ اور قبر کی تعظیم مقصود ہو۔ اور قبر کی طرف بلا حجاب دیوار وغیرہ سجدہ کیا جائے۔ اور صورتِ مذکورہ میں ظاہر ہے کہ کوئی بھی امر امورِ مذکورہ سے نہیں پایا جاتا ہے۔

چنانچہ استاذی و مولائی مولانا احمد علی صاحب مرحوم و مغفور سہارنپوری شرح حدیثِ مذکورہ میں حاشیہ



بخاری شریف پر قسطلانی اور لمعات سے تحریر فرماتے ہیں۔

قوله خدرنا ما صنعوا من اتخاذ المساجد على القبور قال البيضاوي لما كانت اليهود والنصارى يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لشانهم و يجعلونها قبلة يتوجهون في الصلوة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم و منعهم عن مثل ذلك فاما من اتخذ مسجدا في جوار صالح و قصد التبرك بالقرب منه لا التعظيم ولا التوجه نحوه فلا يدخل في ذلك الوعيد و في اللمعات قال التورپشتي فاما اذا وجد بقربها موضع بنى للصلوة او مكان يسلم فيه المصلي عن التوجه الى القبور فانه في فسحة من الامور

(ترجمہ: قولہ: ہم کو ان کے برے اعمال سے ڈرارہے تھے کہ انہوں نے قبروں کے اوپر مسجدیں بنا لیں تھیں۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہودی اور عیسائی انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو ان کی شان کی تعظیم کے لیے سجدہ کیا کرتے تھے۔ انہیں اپنا قبلہ قرار دیتے کہ نماز غیرہ میں ان کی جانب رخ کرتے تھے۔ انہوں نے ان قبور کو قبلہ بنا رکھا تھا۔ آپ نے ان پر لعنت فرمائی۔ اور اہل ایمان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ☆ لیکن اگر کوئی شخص کسی نیک آدمی کی قبر کے قریب مسجد بنائے اور اس کے قرب سے برکت کے حصول کا ارادہ کرے نہ الوہی تعظیم اور نہ ہی اس طرف رخ کرنے کی نیت ہو تو وہ اس وعید نبوی میں داخل نہیں ہے۔ لمعات<sup>لتنقیح</sup> میں ہے کہ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر قبروں کے قریب مسجد کے لیے جگہ بنا دی جائے یا ایسی جگہ ہو جہاں نماز کی کارخ قبور کی جانب ہونے بچت ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے) فقط

حورہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی



## ﴿فتویٰ نمبر.....153﴾

## سوال

اگر چبوترہ موقوفہ علی المسجد مسجد سے اتنی دور ہو کہ بیچ میں رستہ آ جائے اور بانی مسجد نے اس کو مسجد اس غرض سے بنوایا ہو کہ گرمیوں میں اس پر نماز پڑھ لیا کریں۔ اس پر ثواب نماز کا اتنا ہی ہوگا جتنا مسجد میں ہوتا ہے یا کم؟

۲۶ رجب ۱۳۶۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

مسجد ہی کے برابر ثواب ہوگا اس واسطے کہ بوجہ بیت مذکورہ کے بانی مسجد سے وہ بھی مسجد ہے۔ چنانچہ صفحہ ۳۵۵ جلد خامس عالم گیر یہ میں ہے

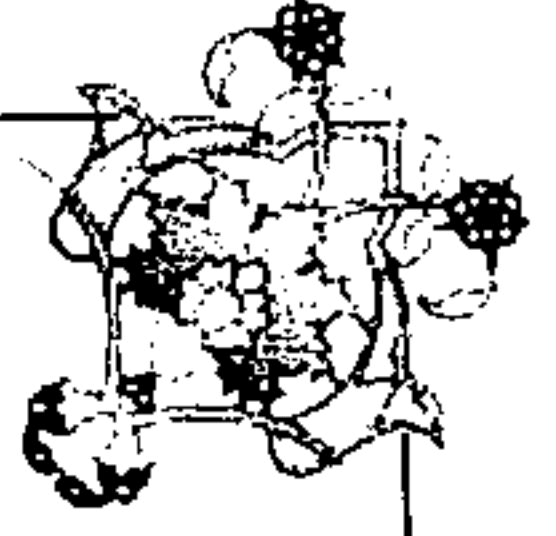
وفي صلوة الاثر قال سالت محمدا رحمه الله تعالى عن دكان اتخذ للمسجد وبينه بين المسجد طريق وهواء عن المسجد ليصلي عليه في الحر ايضا غف فيه الاجر كما يضاعف في المسجد قال نعم كذا في الذخيرة

(ترجمہ: صلوة الاثر میں ہے کہ میں نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک چبوترے کے بارے میں پوچھا جسے مسجد کے لیے بنایا تھا مسجد اور اس کے درمیان ایک راستہ ہے اور یہ چبوترہ مسجد سے دور سے اور اس لیے بنایا تھا کہ وہ وہاں گرمی میں نماز ادا کی جائے کیا اس جگہ نماز پڑھنے سے اتنے گنا زیادہ ثواب ملے گا جتنا کہ ثواب مسجد میں ملتا ہے تو آپ نے فرمایا ہاں یہ ذخیرہ میں ہے)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی مسجد جامع اکبر آباد





فصیح



## ﴿فتویٰ نمبر.....154﴾

### سوال

جو اشخاص کسی مسلمان کی موروثی ملکیت کو وقف کرانے پر آمادہ ہوں اور جھوٹے سچے واقعات گھڑ گھڑ کر عامۃ الخلاق کے ساتھ عدالت کو بھی مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہوں ان کے لیے کیا حکم ہے؟۔

### الجواب

جو کسی کا مال تلف یا حق تلفی کرائے اس کے واسطے وعید نثار ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت مسلم شریف

ہے:

☆ قال رسول الله ﷺ من اقتطع حق امرا مسلم فقد أوجب الله له النار و حرم عليه الجنة فقال له رجل و ان كان شيئا يسيرا يا رسول الله ﷺ قال ان كان قضيبا من اراك ط (ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا حق غصب کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دوزخ کو واجب فرمادیا جنت اس پر حرام فرمادی۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اگرچہ وہ تھوڑی سی چیز ہو۔ فرمایا: اگرچہ اراک (پیلو) درخت ایک لکڑی ہی ہو) فقط

حررہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

جامع مسجد اکبر آباد





عائیه



﴿فتویٰ نمبر.....155﴾

سوال

- (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زیور چڑھاوا شوہر کے باپ نے پہنا دیا تھا۔ اس کو وہ بجنسہ واپس لے سکتا ہے یا اس میں ترکہ جاری ہوگا۔ کیوں وہ مستعار تھا۔
- (۲) مسماة نے وقتِ وفات شوہر باپ ماں تین بھائی اور ایک بہن چھوڑے ہیں
- (۳) دختر کے باپ نے وقتِ نکاح دوسروں کو پہنایا اور اعلان کیا تھا کہ اس کو دیتا ہوں لہذا اس زیور کے تعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟۔ بینوا و توجروا
- سائل وزیر خان صابن کڑہ آگرہ

الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

جو زیور چڑھاوا شوہر کے باپ نے پہنا دیا تھا اس عبارت سے امر ظاہر ہے کہ وہ زیور اس قسم کے مہر سے تھا جو عادت و عرفا شادی کے دن بوقتِ نکاح شوہر کا باپ یا شوہر کے بزرگ عرفا دوہن کو شادی کے کپڑوں کے ساتھ دولہا کی طرف سے بھیجا کرتے ہیں۔ جس کو ہمارے عرف میں بڑی کہتے ہیں۔

☆ علامہ صفحہ صفحہ ۳۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ زوج نے زوجہ کو بھیجا تھا اگر زوجہ کہے کہ وہ بطریق مہر کے بھیجا تھا اور زوج کہے بطریق امانت و عاریت بھیجا تھا اور دونوں اپنے دعویٰ پر گواہ پیش نہ کر سکیں تو وہ سامان زیور وغیرہ اگر عرفا اس جنس سے ہے کہ وہ بطریق مہر دیا جاتا ہے تو قول عورت کا حسب

شہادتِ ظاہر عرف معتبر ہوگا اور اگر وہ عرفاً جنسِ امانت و عاریت سے ہے تو اس کو عاریتہ قرار دیا جائے گا۔ اور زوجِ علیٰ ہذا اور شہِ زوج اس کی واپسی کے شرط موجود ہونے پر اس شے کے مستحق ہوں گے۔ و ہذہ عبارتہ

و لو ادعت انه اى المبعوث من المهر و قال هو و دية فان كان من جنس المهر

فالقول لها و ان كان من خلافه فالقول له بشهادة الظاهر

(ترجمہ: عورت نے دعویٰ کیا کہ جو چیز اس کے پاس بھیجی گئی وہ مہر تھی۔ خاوند کہے کہ وہ امانت تھی۔ اگر وہ چیز مہر کی جنس سے ہو تو عورت کے قول کو تسلیم کیا جائے گا اور اگر اس کے خلاف کی جنس سے ہو تو ظاہر کی شہادت کی بناء پر مرد کا قول تسلیم کیا جائے گا)

بہرِ نسیج اس امر کا فیصلہ کہ چڑھا و اعرف میں مہر معجل کو جس کا نام بری ہے کہتے ہیں یا اس زیور کو بھی جس کو عاریتہ دلہن کو پہنائیں اور دلہن کو ابھی سال دو سال بعد نکاح دولہ اپنے گھر بھی نہ لائے اور دلہن باپ کے گھر سے بتراضی ہر دو فریق رخصت بھی نہ کی جائے علیٰ ہذا باپ کی جانب سے بعد نکاح یا قبل نکاح جو دلہن کو پہنایا جائے مگر سوالیہ سائل میں تعارض ہے اس واسطے کہ سوال میں کہتا ہے کہ دلہن کے باپ نے جو زیور عاریتہ پہنایا تھا اور سوال دوم و سوم میں کہتا ہے کہ دلہن کے باپ نے اعلان کر دیا تھا کہ دوسروں کو یہ زیور جو لڑکی کو میں پہنایا ہے لڑکی کو دیتا ہوں لہذا بشہادت شہود اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فی الواقع باپ نے بطریق جہیز لڑکی کو بخش دیا تھا اور دولہ کی جانب سے بھی فی الواقع چڑھا و اعرف تھا تو کل مال لڑکی کا معہ زیر مہر تقسیم ہوگا ورنہ فقط مہر اور علاوہ مہر کے جو چیز بھی مملوکہ متوفیہ ہے اس طرح تقسیم ہوگی کہ کل مال ہندہ کے چھ حصہ کر کے تین حصہ زوج کو دیئے جائیں گے اور ایک حصہ ام (ماں) اور دو حصہ باپ کو اور بہو جو دگی عصبہ قریب یعنی باپ میں بہن بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

صورتہ هكذا

ہندہ مسئلہ ۶

				میت		
زوج	ام	اب	اخ	اخ	اخ	اخت
۳	۱	۲	۲	۲	۲	۲

حورہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ الغنی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد







مفقور



## ﴿فتویٰ نمبر.....156﴾

## سوال

دس برس سے خاوند مفقود ہے اور عورت جوان عمر ہے۔ کوئی صورت گزارہ نہیں۔ احتمال زنا بھی ہے۔  
لہذا شرعاً وہ نکاح کر سکتی ہے؟۔

سائل: پابند شریعت مسماة عرب بیگم بنت میر علی  
پانی جو کی آگرہ ۱۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

ایسی صورت میں جب کہ مجبوری انتہا درجہ کی ہو تو حنفیہ کو بتقلید شافعی و مالکی بعد اس قدر مدت مدید کے  
نکاح جائز ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدہ کما فی النظم فلو افتی  
به فی موضع الضرورة ینبغی ان لا بأس به علی ما نحن علیہ۔

(ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار سال تک خاوند کو تلاش کیا جائے  
اس کے بعد اس کی بیوی نکاح کرے جیسا کہ النظم میں ہے اگر کوئی مفتی ضرورت کے مقام پر امام مالک رحمۃ اللہ  
علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو ہمارے موقف کے مطابق اس میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے)  
ردالمحتار میں ہے:-

لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما أظن

(ترجمہ: اگر ضرورت کے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کوئی  
حرج نہیں ہے)

مگر بدرجہ احتیاط حاکم کو بھی اطلاع کر دی جائے۔ فقط

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

ط	جامع الرموز	جلد	صفحة
ط	رد المحتار	جلد ۳	صفحة ۳۶۲

مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....157﴾

## سوال

ایک عورت تیس سالہ عمر ہے۔ عرصہ بارہ پندرہ سال سے اس کا خاوند مفقود الخیر ہو گیا۔ وہ اب تک انتظار میں ہے۔ مگر نہ تو خرچ خبر نہ خط اس عرصہ میں آیا۔ لہذا بوجہ نہ ہونے کی سرپرست اور نوجوان ہونے کے احتمال فساد ہے۔ اس صورت میں شرعاً وہ نکاح اپنا کر سکتی یا نہیں۔

سائل: شیخ حسین بخش ہتاس آگرہ ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

مسئلہ مفقود میں حنفیہ کے نزدیک عند الضرورة بتقلید مالکیہ و شافعیہ بعد اس قدر عرصہ کے نکاح ثانی درست ہے۔  
جامع الرموز (میں ہے):

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فتکح عرسه بعد ما کذا فی النظم فلوافتی

به فی موضع الضرورة ینبغی ان لا یاس به علی ما اظن ۱

(ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیوی چار سال تک انتظار کرے۔ پھر وہ نکاح کرے۔ ایسا ہی نظم میں ہے۔ اگر ضرورت کے مقام پر اس قول کے مطابق فتویٰ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ میں گمان کرتا ہوں)

وفی رد المحتار: ذکر ابن وہبان فی منظومہ لوافتی فی موضع الضرورة لا یاس علی ما اظن ۲

(امام ابن وہبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظومہ میں فرمایا اگر ضرورت کے مقام پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو میرے گمان کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

۱	جامع الرموز	جلد	صفحہ	مطبوعہ
۲	رد المحتار	جلد ۳	صفحہ ۳۶۲	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....158﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ اگر کوئی شخص باہر چلا گیا ہو اور لا پتہ ہو اس کی زوجہ کتنے دن تک نکاح نہ کرے؟ بینوا توجروا۔

اصالت بخش پپیل منڈی رسالہ دانہ آگرہ۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

صورتِ مسئلہ میں بروایت متون نوے برس تک وہ عورت نکاح نہ کرے اور ظاہر الروایت اور قول مختار یہ ہے کہ اس کے شوہر کے ہم عمر جب تک نہ مرے اس کو کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ کما فی شرح الوقایہ المفقود غائب لم یدر اثره حی فی حق نفسه فلا ینکح عرسه الی تسعین سنة و ظاہر الروایة ان تقدر بموت الاقران التھی مختصراً بقدر الحاجة ما۔

(ترجمہ: مفقود وہ غائب ہوتا ہے جس کا کوئی پتہ نہ چلے۔ وہ اپنے حق میں زندہ ہوتا ہے۔ لہذا اس کی بیوی نوے سال تک نکاح نہ کرے۔ اور ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کا اندازہ اس کے ہم عمر لوگوں کے مرجانے سے کیا جائے گا)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....159﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر عرصہ آٹھ سال سے مفقود الخمر ہے۔ اور یوم نکاح سے اس وقت تک وہ میرے پاس نہیں آیا ہے۔ اور مجھ کو نان و نفقہ کی سخت ضرورت ہے کیوں کہ عاقلہ بالغہ ہوں۔ ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

۲۲ جولائی ۱۹۱۸ء

بشیراں بنت کالی خان قوم پٹھان ساکن گبرہ صفدر خاں علاقہ لوہامنڈی

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆ صورتِ مسئلہ میں قاضی یعنی حاکم شریعت کو یہ اختیار نہیں کہ میاں بی بی بی میں حکم تفریق نافذ کر کے عورت کو بعد انقطاع عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دے۔ البتہ اگر شوہر کی جائیداد وغیرہ کچھ ہو تو حاکم کو لازم ہے کہ اس جائیداد سے اس کے نان و نفقہ کا انتظام کر دے ☆ اور جب تک اس کے ہم عمر نہ مر لیں اس وقت تک اس کی زوجہ کو بعد انقطاع ایام عدت موت اجازت نکاح کی دوسری جگہ قاضی نہیں دے سکتا۔ چنانچہ کنز الدقائق میں ہے:

المفقود هو غائب لم يدر موضعه فينصب القاضي من يأخذ حقه ويحفظ ماله و يقوم عليه و ينفق على قریبه و لاداء و زوجته و لا یفرق بینہ و بینہا و حکم بموتہ بعد تسعین سنة و تعد امراته و ورثه منه حينئذ. ما

(ترجمہ: مفقود وہ غائب آدمی ہوتا ہے جس کے رہنے کی جگہ کا علم نہ ہو سکے۔ لہذا قاضی ایک شخص کو مقرر کرے گا جو اس کا حق وصول کرے گا اس کے مال کی حفاظت کرے گا اور اس کی نگرانی کرے گا ولادت کے اعتبار سے

اس کے قریب رشتہ دار پر اور اس کی بیوی پر صرف کرے گا۔ مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کی جائے گی۔ ☆ نوے سال کے بعد اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا۔ اس کی بیوی عدت گزارے گی اور اس وقت کی وراثت تقسیم ہوگی۔)

قال العلامة زين الدين في صفحه ۱۶۴ من الجزء الخامس من بحر الرائق

أى و من زوجته لقوله عليه السلام فى امرأة المفقود أنها امراته حتى ياتيها البيان و قول على رضى الله عنه فيها هى امرأة ابتليت فلتصبر حتى يتبين موت او طلاق خرج بيانا للبيان المذكور فى المرفوع ولان النكاح عرف ثبوته والغيبة لا توجب الفرقة والموت فى حيز الاحتمال فلا يزال النكاح بالشك و عمر رضى الله عنه رجع الى قول على رضى الله عنه.

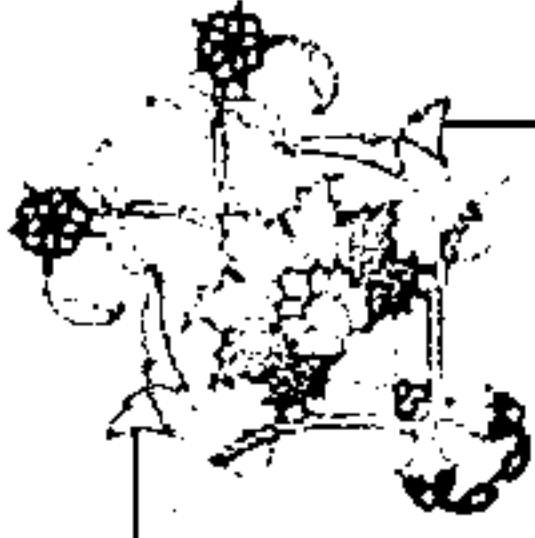
☆ (ترجمہ: یعنی مفقود اور اس کی بیوی کے مابین تفریق نہ کی جائے گی ☆ کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے مفقود کی بیوی کے بارے میں فرمایا وہ اس کی بیوی ہے جب تک کہ اس کے پاس اس کی (موت یا طلاق کی) وضاحت نہ آجائے۔ ☆ نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ عورت آزمائش میں مبتلا ہے لہذا اسے صبر کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی موت یا طلاق کی وضاحت نہ ہو جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد حدیث مرفوع کی وضاحت کر رہا ہے نیز نکاح کا ثبوت معروف ہے اور خاوند کا غائب ہونا فرقت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اور موت کا صرف احتمال ہے۔ لہذا نکاح صرف شک کے باعث زائل نہیں ہوگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی جانب رجوع فرمایا تھا)

والله اعلم علمه احکم

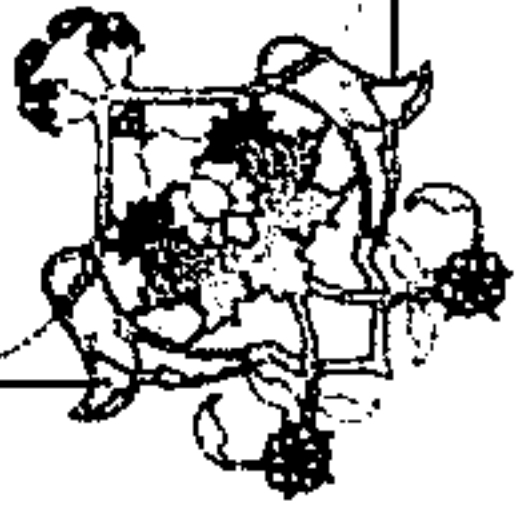
حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد





# احیاء الموات



## ﴿فتویٰ نمبر.....160﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حسب رواج راج و پابندی قانون پیداوار گھاس و پالہ و لکڑی و پتھر پہاڑ ملکیت معافی دار متصور ہوتا ہے۔ بدین وجہ معافی دار دیگر دیہات ملحقہ کے باشندگان کو کہ وہ اپنے مویشی پہاڑ معافی دار میں چرا تے ہیں مانع ہے اور نیاز مند ملازم معافی دار ہے۔ پس شرع شریف میں پیداوار پہاڑ ملکیت معافی دار ہو سکتی ہے یا نہیں اور معافی دار کا مانع ہونا بموجب شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ آیا پیداوار خود (رو) پہاڑ کی ملکیت عام ہے یا خاص واحد معافی دار؟ امید کہ براہ کرم جواب سے مشرف فرمایا جائے۔

سعید معین الدین امام مسجد سرائے قصبہ کشنگڑھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

گھاس خورد و اور خورد و درخت جو فقط جانوروں کے چرانے کے کام آتے ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں یا تو ایسی زمین یا پہاڑ میں ہوں گے جو کسی کا مملوک نہیں۔ اندریں صورت اس چراگاہ کی گھاس پانی وغیرہ سارے مسلمانوں کا برابر کا حق ہے جو چاہے اپنے جانوروں کو چروائے۔ خواہ چرانے کو کاٹ لے جائے۔ ☆ یا یہ گھاس وغیرہ خورد و نباتات کسی کی زمین مملوکہ میں ہوں گی۔ اندریں صورت بھی اس گھاس وغیرہ میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ مگر صاحب زمین کو حق ہے۔ کہ اپنی زمین میں کسی کو نہ آنے دے۔ لہذا اگر کسی مسلمان کو دوسری جگہ گھاس نہ ملے اور (جانور) اس کے بھوکے مرے۔ زمین والے پر لازم ہے کہ اگر اپنی زمین میں نہ آنے دے اس کو کاٹ کر گھاس دے دے۔ یا اس کو آنے کی اجازت دے دے اور کہہ دے کہ گھاس لے جا مگر کھیت کی دیوار وغیرہ نہ خراب ہو۔



☆ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کسی نے گھاس پالہ وغیرہ کاٹ کر رکھا ہے۔ متفرق خواہ ایک جگہ جمع کر کے  
☆ یا گھاس اس کے بونے اور لگانے سے آگ آئے وہ فقط اس کاٹنے والے اور بونے والے کی ملک ہے۔ اس  
میں کسی کا حق نہیں۔ ☆ بہر سچ پانی اور خورد و گھاس وغیرہ اور آگ تینوں کا ایک حکم ہے۔ چنانچہ کتاب احیاء  
الموت در مختار اور شامی کے صفحہ ۳۱۲ جلد خامس میں ہے۔

المسلمون شركاء في ثلاث في الماء والكلاء والنار ۱

(ترجمہ: مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں (۱) پانی (۲) گھاس (۳) آگ)

قال الشامی رحمہ اللہ:

قوله المسلمون الخ ای شركة اباحة لا شركة ملك فمن سبق الى شيء من  
ذلك في وعاء او غيره واحرزه فهو احق به و هو ملك له دون من سواه يجوز له تملكه  
بجميع وجوه التمليك و هو موروث عنه و تجوز فيه و صاياه و ان اخذه احد منه بغير  
اذنه ضمنه و مالم يسبق اليه احد فهو لجماعة المسلمين مباح ليس لاحد منع من اراد  
اخذہ لنفسه ۲ اتفانی عن الكرخي ۳

(ترجمہ: قولہ: مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں یعنی ان کی شرکت اباحت کے اعتبار سے ہے نہ کہ ملک کے  
لحاظ سے لہذا جو شخص ان میں کسی چیز کو پہلے کسی برتن وغیرہ میں ڈال لے یا اکٹھا کر لے وہی اس چیز کا زیادہ حق  
دار ہے۔ اور وہ چیز اس شخص کی ملک ہوگی۔ کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ رہے گی۔ اس کے لیے دوسرے کو ملک  
بنانے کے تمام طریقوں سے اس کا مالک بنانا جائز ہے۔ مرنے کے بعد وہ چیز اس کی وراثت قرار پائے  
گی۔ اس میں اس شخص کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر اس چیز کو لے گا

۱ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۱۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ نوٹ: رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۱۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ میں "لنفسه" کی بجائے "الشفة" تحریر ہے

جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۳ رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۳۱۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

تو وہ ضامن ہوگا۔ اور جب تک کسی آدمی نے حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف سبقت نہ کہ ہو وہ مسلمانوں کی جماعت کے لیے مباح ہے۔ جو شخص اسے اپنی ذات کے لیے لینا چاہے لے سکتا ہے۔ کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے)

اور صفحہ ۳۱۲ شامی جلد خامس میں ہے

ثم الكلام في الكلاء على اوجه اعمها ما نبت في موضع غير مملوك لاحد فالناس مملوكة بلا انبات صاحبها و هو كذلك الا ان لرب الارض المنع من الدخول في ارضه و اخص من ذلك كله و هو ان يحتش الكلاء او البتة في ارضه فهو ملك له و ليس لاحد اخذه بوجه لحصوله بكسبه ذخيرة و غيره. املحضا۔

(ترجمہ: پھر گھاس کے بارے میں گفتگو چند طرح سے ہے۔

(۱) گھاس کی سب سے عام صورت یہ ہے کہ یہ ایسی جگہ پیدا ہوئی ہو جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔ تو اس صورت میں سارے لوگ وہاں مویشی چرانے اور اسے کاٹنے میں شراکت کا حق رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ سمندروں کے پانیوں میں سب کا حق مشترک طور پر ہے۔

(۲) اس سے خاص تر یہ صورت یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی مملوکہ زمین میں مالک کے اگانے کے بغیر خود بخود اگی ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے ہاں مالک زمین کو حق حاصل ہے وہ اوروں کو اپنی زمین میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے۔

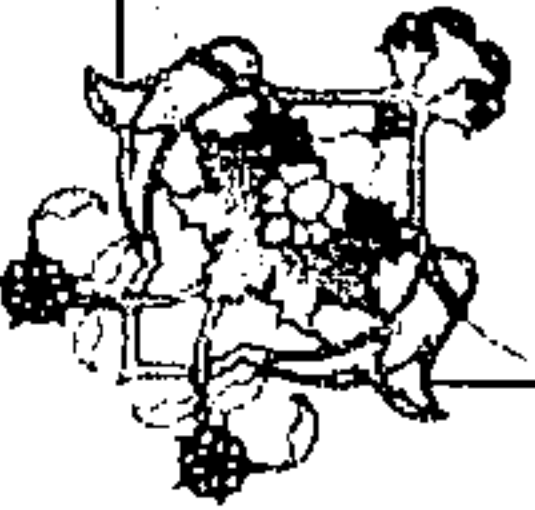
(۳) اور درج بالا دونوں صورتوں سے خاص تر یہ صورت ہے کہ گھاس اس نے اکٹھا کیا ہو یا اس نے اپنی زمین میں اگایا ہو تو یہ گھاس اس کی ملک ہے۔ کسی شخص کو کسی طرح سے اسے حاصل کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے عمل سے حاصل ہوا ہے۔ ذخیرہ وغیرہ۔)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد ویدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد



نکاح



## ﴿فتویٰ نمبر.....161﴾

## سوال

سوال یہ ہے کہ قاضی شہر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص شرع شریف کے مطابق پابند شریعت نکاح پڑھا دے یا دیگر مسلمان پڑھا دے اور اس کا اندارج رجسٹر قاضی شہر میں نہ ہو تو کیا وہ ناجائز ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتاب تحریر کریں۔ پتہ یہ ہے کوٹہ راجپوتانہ نئی پورہ میں پہنچ کر جمعدار عبدالعزیز محکمہ انجیری کو ملے۔

## الجواب

رکن نکاح ایجاب و قبول اور شرط صحت نکاح دو گواہوں کا بوقت ایجاب و قبول ایک جلسہ میں موجود ہونا ہے۔ ☆ لہذا علاوہ قاضی شہر جو بھی کوئی نکاح پڑھا دے ☆ یا دو گواہوں کے سامنے خود دو لہا دو لہن بیٹھے بھی اگر ایجاب و قبول کر لیں، نکاح منعقد ہو جائے گا۔ درج رجسٹر ہونا اور قاضی کا نکاح پڑھانا انتظامی امر ہیں۔ صحت نکاح میں اس کو کچھ دخل نہیں ہے۔

حردہ:

محمد دیدار علی حنفی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....162﴾

## سوال

اگر وکیل مسماۃ ایجاب نہ کرے تو قاضی عقد کو ایجاب کر دینے کا حق کس طرح حاصل ہوگا۔

سائل: قاضی جلال الدین ساکن ریاست دھول پور محلہ قاضی پاڑہ

۲۱ھ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اگر عورت وقت نکاح مجلس میں موجود نہ ہوئے کوئی اس کا وکیل اجنبی ہوئے ولی تو قاضی خود اس سے اجازت لے کر دولہا کو قبول کرادے۔ ☆ اور قبول کرانے کے وقت اس عورت کا نام مع نام اس کے باپ کے ضرور لے تاکہ سب پہچان لیں۔ بہر نہج اس طرح اس کا نام لینا یا اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ گواہ وغیرہ سب پہچان لیں کہ فلاں عورت کا نکاح ہوا ہے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....163﴾

## سوال

بروقت عقد جو کہ حسب رواج ہندوستان من جانب عروسہ وکیل مقرر ہو کر آتا ہے تو تصدیق وکالت گواہان سے کس طرح کی جائے؟ اور اس طرح پر کہنا جائز ہے یا نہیں کہ جو مسماۃ فلاں کی لڑکی اس مکان کے اندر ہے یا جس کی تقریب شادی درپیش ہے۔

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۶ھ

قاضی جلال الدین ساکن ریاست دھول پور محلہ قاضی پاڑہ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

بے شک اسی طرح کہنا چاہئے۔ اس واسطے کہ اصل نکاح میں یہ ہے کہ کم از کم دو گواہ یا اہل مجلس جس وقت دولہا کو ایجاب و قبول کرایا جائے اور دولہا اپنے عقد میں اس عورت کو قبول کرے پہچان لیں کہ فلاں عورت کو دولہا قبول کر رہا ہے۔ خواہ اس طرح ہو کہ دوہن مجلس میں بیٹھی ہو۔ اور عاقد نکاح اس عورت کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ اس عورت کو تمہارے عقد نکاح میں دیتا ہوں۔ اور دولہا کہے میں اس کو اپنے عقد میں قبول کرتا ہوں۔ خواہ اس طرح کہ عورت پردہ میں کسی ایسے مکان میں ہو کہ اس کے ساتھ مکان میں اور عورتیں بھی ہوں تو عاقد نکاح کو لازم ہے کہ وہ دلہن کا نام اس کے باپ کے نام کے ساتھ اس طرح لے کہ دولہا کو اور گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں عورت کے ساتھ عقد ہوا ہے۔ علی ہذا یہ ضرور ہے کہ وکیل اور گواہ عورت کو دیکھ کر پہچان لیں کہ فلاں عورت ہے جو اپنے نکاح کی فلاں شخص کے ساتھ اجازت دی رہی ہے۔ اور اگر وکیل اور گواہوں کو مجرد اتنا معلوم ہو کہ ایک عورت اندر سے اجازت دے رہی ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ یہ عورت ان عورتوں میں سے کون سی عورت ہے تو وہ نکاح جب صحیح ہوگا جب وہ عورت دولہا کے ساتھ

اس کے یہاں چلی جائے۔ اور بعد نکاح آثارِ رضا مندی ظاہر رہیں۔ اور اگر وہ انکار کر دے کہ میں اجازت نہیں دیتی تھی اور گواہ اور وکیل اس کو نہ پہچان سکیں وہ نکاح ہرگز صحیح نہ رہے گا۔

ہاں اگر اس نکاح میں بجز اس عورت کے کوئی اور عورت نہ ہو تو بلاشبہ وہ نکاح صحیح ہوگا۔ اور صحیح رہے گا۔ اور وکیل اور گواہ اس پر گواہی دے سکتے ہیں کہ جو اس مکان میں عورت تھی اور ہمارے علم میں یہی عورت تھی۔ اس نے ہم کو وکیل نکاح بنایا تھا۔ اور ہم اس کے گواہ ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۹۵ شامی مطبوعہ مصر میں ہے۔

ولا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفى الجهالة فان كانت حاضرة منتقبة كفى الاشارة اليها والاحتياط كشف وجهها فان لم يروا شخصها وسمعوا كلامها من البيت ان كانت وحدها فيه جاز ولو معها اخرى فلا لعدم زوال الجهالة وكذا اذا وكلت بالتزويج فهو على هذا اي ان راوها او كانت وحدها في البيت يجوز ان يشهدوا عليها بالتوكيل اذا جحدته والافلا لاحتمال ان الموكل المرأة الاخرى. وليس معناه انه لا يصح التوكيل بدون ذلك وانه يصير العقد عقد فضولي ما فيصح بالاجازة بعده قولاً او فعلاً لما علمته آنفاً.

(ترجمہ: گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کے مجہول ہونے کا خاتمہ ہو سکے۔ لہذا اگر وہ اکیلی ہو اور نقاب اوڑھے ہوئے ہو تو اس کی طرف بوقت نکاح اشارہ کافی ہے۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اس کے چہرے پر سے پردہ ہٹا دیا جائے (اور گواہ اسے دیکھ لیں۔) اگر گواہ اس کی ذات کو نہ دیکھیں لیکن اس کی گفتگو گھر کے اندر سے سن رہے ہوں، اگر وہ گھر میں اکیلی ہے تو نکاح جائز ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ اور کوئی عورت بھی موجود ہے (اور گواہ اسے دیکھ نہیں رہے) تو نکاح جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ جہالت کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت نے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنایا ہو یعنی اگر وکالت کے گواہوں

۱۔ قولہ "عقد فضولی" مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے۔ لیکن درست "عقد فضولیا" ہے

۲۔ ردالمحتار: جلد ۳ صفحہ ۷۳، ۷۴، دار التراث العربی بیروت

نے اسے دیکھ لیا ہو یا وہ گھر میں اکیلی ہو تو اس کی طرف سے وکیل بنانے کی گواہی دے سکتے ہیں۔ جب کہ وکیل بنانے کا انکار کرے۔ ورنہ گواہی نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وکیل بنانے والی عورت کوئی اور ہو۔ اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ اس کے بغیر وکیل بنانا صحیح نہیں۔ اور عقد نکاح، فضولی عقد قرار پا جائے گا۔ لہذا اگر وہ بعد میں قول یا فعل کے ساتھ اجازت دے دے تو نکاح درست ہو جائے گا جیسا کہ تم کو ابھی معلوم ہو چکا ہے)

لہذا تصدیق وکیل وکالت اس طرح ہونی چاہئے کہ تم اس عورت کو جس نے تم کو وکیل کیا ہے پہچانتے ہو؟ اور وہ کہیں کہ بے شک ہم اس کو پہچانتے ہیں۔ اور گواہ بھی کہیں جس نے ان کو وکیل کیا ہے ہم اس کو پہچانتے ہیں۔

اور عمدہ طریق یہ ہے کہ عورت بالغہ کا جو ولی اقرب ہو وہ وکیل نکاح بنایا جائے اور اس کی اجازت پر کفایت کی جائے اور اگر خوف اس امر کا ہو کہ عورت شاید وکالت ولی سے انکار کر جائے تو وقت اجازت ایسے دو گواہ اجازت بنائے جائیں جن کے سامنے عورت بلا حجاب آسکے اور وہ اس کو پہچان سکیں۔

حورہ:

العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....164﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا یعنی رجمن کا عقد بتاریخ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۵ ہجری کو کسی حبیب کے ساتھ ہوا۔ لیکن مسماة مذکور کو چار پانچ ماہ کا حمل ہے اور مسماة رجمن کے شوہر کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا۔ آیا حالتِ حمل میں نکاح جائز ہے یا کہ نہیں۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۱۷ء

بندو خان ولد عمر خان قوم پٹھان ساکن نوری دروازہ شہر آگرہ

## الجواب

صورتِ مسئلہ میں مسماة رجمن کا نکاح، اگر اس کا حمل علاوہ حبیب کے فی الواقع اس کے شوہر متوفی کا ہے، کسی غیر کا نہ تھا، حبیب کے ساتھ صحیح نہیں ہوا۔ لہذا بعد وضع حمل اس کے اختیار ہے جس کے ساتھ چاہے نکاح کر لے۔

چنانچہ شرح وقایہ میں ہے:

بطل نکاح حامل ثبت نسب حملہا۔ فقط

(ترجمہ: جس حاملہ عورت کے حمل کا نسب ثابت ہے اس کا نکاح باطل ہے)

حورہ

العبد الراجی رحمة ربہ القوی

محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....165﴾

سوال

ایک عورت کا نکاح ہوا۔ چند ماہ رہ کر باپ کے گھر چلی گئی۔ پھر پندرہ ماہ بعد خاوند کے گھر گئی تو حمل تھا۔ تین ماہ بعد دختر پیدا ہوئی۔ پھر وہ عورت بھاگ گئی اب اس کو (باپ) نے رخصت کیا ہے۔ شرعاً اس کا نکاح رہایا نہیں۔

عورت نے بھتیجے کا حمل بیان کیا ہے۔

۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء  
شیخ آگرہ نالی منڈی

## الجواب

نکاح جائز رہا۔ اب وہ عورت جس نے زنا کا اقرار کیا ہے گناہ سے توبہ کرے۔ خاوند کی اطاعت کرے۔ نکاح میں خلل نہیں۔

محمد وحی علیٰ علیہ آبادی  
مدرس جامع کانپور  
جواب صحیح ہے غلام حسین

الجواب

هو المصوب

بے شک نکاح میں کچھ نقصان نہیں۔ عورت کو توبہ چاہئے اور اس کے شوہر کو اختیار ہے اُس کو اپنی

زوجیت میں رکھے۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....166﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماة مریم کے والدین کا انتقال ہو گیا اور وہ بغرض پرورش اپنے بہنوئی مسمی رحمت کی سپردگی میں رہی۔ رحمت نے اس کا نکاح جبکہ وہ نابالغ تھی مسمی گلاب کے ساتھ کر دیا۔ بعد وہ صرف اول شب ایک روز اپنے خاوند کے یہاں رہی۔ اس درمیان میں یعنی دو سال تک پھر کہیں نہیں گئی۔ وہ اپنے بہنوئی کے جہاں اس نے پرورش پائی تھی رہ گئی اور بالغ ہوئی۔ جب وہ بالغ ہو گئی تو اس کے خاوند نے طلاق دیدی اب استفتاء طلب امور ذیل ہیں۔

1- یہ کہ وہ اپنا نکاح بلا عدت گزارنے کے کسی دوسرے سے کر سکتی ہے یا نہیں؟ مہر واجب الادا ہے یا نہیں اور ہے تو کس قدر؟

2- یہ کہ مسماة مطلقہ اب بالغ ہو گئی ہے ہمراہ بہنوئی کے رہے یا اپنے حقیقی بھائی کے؟

3- یہ کہ مسماة اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

بینواتوجروا۔ حافظ تاج محمد ۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

هو الملمہم للحق والصواب

☆ نابالغہ یعنی جس کو حیض نہ آتا ہو بعد خلوت تین مہینے تک عدت پوری کرے گی۔ اس سے پہلے نکاح نہیں ہوگا۔

قال الله تعالى:

واللاتی ینسن من المحیض من نساء کم النخما .

☆ (ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں جنہیں (بڑھاپے کی وجہ سے) حیض کی امید نہیں رہی ہے، اگر تم کو (اس امر میں) شبہ ہو کہ ان کا کیا حال ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی عدت ان عورتوں کی بھی ہے جن کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا)

☆ 1۔ جن عورتوں کو بوجہ صغریٰ کے یا کبر سنی کے حیض نہیں آتا ان کو تین مہینے عدت بیٹھنا چاہئے اور اگر اس درمیان میں حیض ہو گیا تو یہ میعاد ساقط اور تین حیض شمار کیے جائیں گے۔ قدوری میں ہے

كذلك الصغيرة اذا عدت بالا شهر ثم بلغت فعدتها بالحیض ما .

(ترجمہ: اور نابالغہ کا بھی یہی حکم ہے جب وہ مہینوں کے ساتھ عدت گزار رہی ہو پھر اسی دوران بالغ ہو گئی ہو تو اس کی عدت حیض سے شمار ہوگی)

اور اس مدت کے قبل نکاح جائز نہیں۔

☆ 2۔ نکاح صغیرہ میں مہر مثل سے کم مقرر جائز نہیں۔ اشباہ میں ہے

(بجوز) النکاح باقل من مہر المثل الافی صغيرة یزو جہا غیر الاب والجد

(ترجمہ: مہر مثل سے کم مہر کے عوض نکاح جائز ہے لیکن نابالغہ عورت کی صورت میں جائز نہیں جب کہ باپ اور دادا کے علاوہ کوئی اور شخص نابالغہ کا نکاح کرے)

☆ اور اگر کم مہر مثل سے نکاح ہوگا تو مہر مثل شوہر سے دلایا جائے گا۔

ما قدوری میں یہ عبارت نقل کی البتہ جوہرہ نیرہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان کی عبارت یوں ہے:

وان حاضت الصغيرة قبل تمام عدتها استأنفت العدة بالحیض سواء كان الطلاق بائنا أو رجعیا

(ترجمہ: اگر عورت کے ختم ہونے سے پہلے نابالغ عورت کو حیض شروع ہو گیا وہ از سر نو حیض کے ساتھ عدت گزارے گی

طلاق خواہ بائن ہو خواہ رجعی)

ما الاشباہ والنظائر: جلد اول صفحہ ۲۵۲ مطبوعہ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

فإن الظاهر فيه النفوذ مع لزوم مهر المثل اشباه ما

3۔ اب لڑکی بالغہ ہے وہ بھائی کے پاس رہے خواہ خواہر کے پاس اس کو اختیار ہے۔ بہنوئی غیر شخص ہے۔ اس کے پاس رہنا درست نہیں بلکہ بہنوئی سے پردہ کرے گی۔ اور شوہر کے بھائی سے نکاح درست ہے۔ بعد عدت کر سکتی ہے۔ هكذا حکم الفقہ۔ واللہ اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عثمی عنہ

واعظ جامع مسجد آگرہ

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۵ء



ما غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر: جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ ادراة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

نوٹ: حضرت مولانا مفتی محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی نسبت الاشباہ والنظائر کی جانب فرمائی جب کہ یہ جزئیہ اس کی شرح میں ہے۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....167﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور صرف تین چار روز طلاق دیئے ہوئے گزرے تھے کہ چند لوگوں نے اس عورت کا دوسرا نکاح کسی اور شخص کے ساتھ پڑھا دیا۔ پس ایسا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں ہے تو لوگوں پر جنہوں نے پیروی کر کے اور کوشش کر کے نکاح پڑھا دیا ہے کیا سزا ہے؟

شیرخان ولد احمد خان

۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

عورت مطلقہ کا عدت گزرنے سے پیشتر نکاح ناجائز ہے۔ ☆ اور جن لوگوں نے اس کام میں اعانت کی خواہ گواہ ہو کر یا وکیل ہو کر اگر عدت نہ گزرنے کا ان کو علم تھا تو سب گنہگار ہیں۔ توبہ لازم ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

واعظ جامع مسجد آگرہ

۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....168﴾

## سوال

زوجہ عم نے اپنے شوہر کے لڑکے کو دودھ پلایا اب دختر زوجہ مذکور کی پیدا ہوئی۔ اس کا نکاح اپنے اس  
ابن الاخ سے جائز ہے یا نہیں؟

سائل: مولانا غلام محی الدین

امام مسجد شاہ جہاں پور

۱۵ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

جس لڑکے کو دودھ پلایا اس کا نکاح دودھ پلانے والی کی کسی دختر سے جائز نہیں۔ اور نہ اس لڑکی کی

اولاد سے۔ ☆ ہاں رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ ہکذا فی الفقہ

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....169﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماموں کے انتقال کے بعد ممانی اور بھانجے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

سائل: واجد علی ٹرکا پور۔ کان پور

۹ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماء.

درست ہے۔

حررہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ

المفتی ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر 170﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک ملا صاحب نے بلا موجودگی و بلا اجازت ولی طفل نابالغ کا نکاح ایک لڑکی سے کر دیا۔ اور چونکہ اس نابالغ کا ولی کوئی بھی نہ تھا بعد بلوغ دختر ان ہی ملا صاحب نے اس دختر کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا۔ لہذا بڑے ملا صاحب نے ان ملا صاحب اور ان کے پیرو کی نسبت حکم عام کر دیا کہ ان کے سب کے نکاح ٹوٹ گئے اور ان ملا صاحب کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھے۔

لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا پہلا نکاح طفل نابالغ کے ساتھ صحیح ہو یا نہیں؟ اور صحیح نہیں ہوا تو دوسرے شخص سے اس دختر کے نکاح میں کیا ہرج رہا؟ اور نہیں رہا تو بڑے ملا صاحب کا ان ملا صاحب کی نسبت یہ تشدد کہ ان کے پیچھے نماز نہ ہوگی محض تعصب ہے؟

سائل: بلندخان، سکنہ مٹھیال، ضلع اٹک

حال ملازم پلٹن ۲۹ کمپنی ۴ ڈپو آگرہ

۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں چونکہ طفل کا ولی وقتِ نکاح موجود ہی نہ تھا لہذا وہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ اس واسطے شرط صحتِ نکاح نابالغہ اور نابالغ کی ولی کا عاقد و متکفل عقد نکاح ہونا ہے۔ کافی الدار المختار المطبوعہ مصر فی صفحہ 321

الولی شرط صحتہ نکاح صغیر ما

(ترجمہ: ولی نابالغ کے نکاح کے درست ہونے کے لیے شرط ہے)

قال الشامی رحمہ اللہ :

قوله صغير الموصوف محذوف ای شخص صغير الخ فيشمل الذكر والانثى ما

(ترجمہ: لفظ صغير صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اصل عبارت ”شخص صغير“ ہے لہذا یہ عبارت لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہے)

چنانچہ در مختار ہی میں بعد عبارت مذکورہ یہ کلیہ مسطور ہے

☆ والا صل ان كل من تصرف في ماله له تصرف في نفسه و مالا فلاما

☆ (ترجمہ: قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کو نابالغ کے مال میں تصرف کی اجازت ہے اسے اس کی ذات میں بھی تصرف کی اجازت ہے۔ اور جسے مال میں تصرف کی اجازت نہیں اسے اس کی ذات میں تصرف کی اجازت بھی نہیں ہے)

اور جب نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تو ان ملاں صاحب نے اگر اس دختر کا دوسری جگہ نکاح کر دیا کوئی حرج نہیں۔ البتہ بغیر موجودگی ولی طفل نابالغ انہوں نے نکاح اول میں غلطی کی۔ لہذا اگر جان بوجھ کر کی تو لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کے گنہگار رہے۔ اللہ معاف کرے اور اگر نکاح اول بوجہ ناواقفیت پڑھا دیا اور پھر بعد معلوم کرنے اس بات کے کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا دوسرا نکاح پڑھا دیا، گنہگار بھی نہیں ہوئے۔ لہذا بڑے ملاں صاحب کا بلاوجہ ان پر اتنا تشدد کرنا ظلم صریح ہے۔ واللہ اعلم

محمد دیدار علی

مفتی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....171﴾

## سوال

میری والدہ نے جب میں نابالغ تھی نکاح کر دیا۔ اور پانچ برس سے شوہر لاپتہ ہے۔ اب میں بالغ ہوں اور اس نکاح سے خوش نہیں ہوں۔ دوسرا نکاح کرتی ہوں شرعاً مجھ کو اختیار ہے یا نہیں۔

۱۲ اپریل ۱۹۶۱ء حمیدن ساکن چٹری مارٹولہ

## الجواب

## هو المصوب

جس نابالغہ کا نکاح ماں نے اپنی ولایت سے کیا ہے اس کو وقت بالغ ہونے کے اختیار ہے کہ اس نکاح کو فسخ کر دے اور علاوہ اب شوہر کا حال بھی عرصہ پانچ سال سے نہیں معلوم ہے۔ لہذا سخت ضرورت کے وقت حاکم سے اجازت لے کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بزاز یہ میں ہے۔

القاضی إذا زوجهما ثم بلغا لهما الخيار في الصحيح وبه يفتى لقصور الشفقة

وكذا في الأخ والام ط

(ترجمہ: قاضی نے نابالغ لڑکے لڑکی کا نکاح کیا پھر وہ بالغ ہوئے تو ان دونوں کو صحیح قول کی رو سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے اور فتویٰ اسی قول پر ہے کیوں کہ اس میں شفقت کم ہوتی ہے اور اسی طرح بھائی اور ماں کے نکاح کرنے کی صورت میں بھی بلوغ کے بعد ان کو فسخ کا اختیار ہوتا ہے)

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدہ کما فی النظم فلو افتی

به فی موضع الضرورة ینبغی ان لا یاس به علی ما نحن ما

☆ (ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عورت چار سال تک انتظار کرے۔

اس کے بعد نکاح کرے۔ جیسا کہ النظم میں ہے۔ لہذا اگر ضرورت کے مقام پر اس قول کے مطابق فتویٰ دے تو

کوئی تو حرج نہیں ہونا چاہئے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ

ط الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ جلد ۴ ص ۱۵ مطبوع مصر

ط جامع الرموز: جلد صفحہ مطبوعہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....172﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی سن بلوغیت کو پہنچ چکی ہے اور اس کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کا باپ پردیس میں ہے اور وہ اپنے بھائی کے پاس رہتی ہے اور بھائی بھی اس کا بالغ ہے اور بھائی اس کا چاہتا ہے کہ کسی نیک مسلمان لڑکے کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا عقد نکاح کر دوں۔ لہذا دریافت کیا جاتا ہے کہ عدم موجودگی اس کے باپ کی بہ ولایت اس کے بھائی کے عقد نکاح شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

## الجواب

لڑکی چونکہ بالغ ہے اس واسطے باپ کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔

مولوی منور شاہ

## الجواب

شیخین کے نزدیک بلاشبہ عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضا مندی سے اگر وہ چاہے بغیر ولی ہو سکتا ہے۔

کما فی شرح الوقایہ :

اعلم ان الحرة العاقلة البالغة اذا زوجت نفسها فعند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ ینعقدما۔

(ترجمہ: آزاد عاقل اور بالغ عورت جب اپنا نکاح کر لے تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....173﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید کی لڑکی بالغ کا بعد انتقال زید کے اس کے حقیقی بھائی نے اپنے خالہ زاد برادر سے اپنی بھتیجی کی شادی کر دی جو کہ لڑکی منکوحہ مذکورہ کا چچا ہے۔ اور لڑکی نکاح سے پہلے اس سے رضا مند نہ تھی۔ اس کے تایا اور اس کی ماں نے جبراً نکاح کر دیا۔ بعد نکاح کے دو مرتبہ اپنے خاوند کے گھر بھی اپنی خوشی سے گئی۔ لیکن اب اس کو اس کے گھر جانے سے قطعی انکار ہے کیوں کہ منکوحہ کی ہم عمر لڑکیاں طعنہ و تشنیع کرتی ہیں اور ہم لوگوں کو بھی اس کی جان کا خوف و اندیشہ ہے۔ اس صورت میں کس طرح فیصلہ ہونا چاہئے؟

## الجواب

هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً

☆ صورتِ مسئلہ میں اگر دختر بالغہ کے ☆ چچا نے اور تایا اور ماں نے بغیر اذن و اجازت لڑکی باوصف انکارِ صریح دختر مذکور یا با و از روتی ہوئی دختر مذکور کے نکاح کر دیا، وہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ اس واسطے کہ بعد البلوغ ولی کی ولایت نکاح کی بالجبر باقی نہیں رہتی۔

كما في الدر المختار

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ ما.

(ترجمہ: بالغ اور باکرہ عورت کو نکاح پر مجبور نہ کیا جائے کیوں کہ بالغ ہونے پر نکاح پر جبر کی ولایت ختم ہو جاتی ہے)

☆ ہاں البتہ اگر اولیاء موجودہ سے ولی اقرب نے اس سے جب اس شخص کا ذکر کر کے جس کے ساتھ

ما الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۴ صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹ مطبوعہ دار الاحیاء التراث العربی بیروت

نکاح کرنا چاہتے تھے اذن نکاح طلب کیا ☆ دختر مذکورہ ہنس پڑی یا چپ ہو گئی ہے تو بے شک اس کا ہنسنا اور سکوت چونکہ قائم مقام اذن رکھا گیا ہے۔ نکاح صحیح ہو گیا۔

کما فی الہدایۃ :

فاذا استاذنہا الولی فسکت او ضحکت فهو اذن ما

(ترجمہ: ولی نے لڑکی سے اجازت طلب کی وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی تو یہ اذن شمار ہوگا)

اس واسطے کہ سکوت اور ضحک رضامندی پر دال ہے اور شرطِ صحتِ نکاح بالغہ اس کی رضامندی ہی ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وینقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها ما

(ترجمہ: آزاد اور بالغ عورت کا نکاح اس کی اپنی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے)

اور صورتِ مذکورہ میں تو شوہر کے گھر پر برضا و رغبت چلا جانا صراحتاً اس کی رضا پر دال ہے اور اب اس کے انکار کی وجہ بجز طعن و تشنیع بے سمجھ عورتوں کی، جو یہ سمجھ کر مطعون کرتی ہیں کہ خالہ زاد بھائی کے ساتھ نکاح ہو گیا اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ ☆ لہذا اس کا نکاح بلا تکلف صحیح اور اس کو خوفِ خدا کر کے اپنے شوہر کے گھر جانا ضروری ہے۔ اور عورتوں کو لازم ہے کہ وہ ایسے خیالِ باطل سے، یعنی خالہ زاد بھائی کے ساتھ نکاح کے برا سمجھنے سے توبہ کریں۔ اگر وہ اس نکاح کو جو شرعاً قطعاً جائز اور حلالِ قطعی سے حرام سمجھیں گی اور اس کو مطعون کریں گی خوف ہے کہ ان کے نکاح ٹوٹ جاویں گے اور بوجہ حرام سمجھنے حلالِ قطعی کے کافر ہو جاویں۔

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



الہدایہ: جلد ۳ صفحہ ۳۴ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

الہدایہ: جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان

## ﴿فتویٰ نمبر.....174﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا عقد زید سے ہوا اور دو گواہان نے ہندہ سے اجازت نکاح کی لی اور اس کے باپ قدرتی سے کوئی اجازت نہیں لی اور ہندہ کا باپ جلسہ عقد میں موجود تھا ایسی صورت میں نکاح ہوا یا نہیں۔ بینوا و توجروا

سائل حافظ علی آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً۔

جب تک باپ کی اجازت صراحتاً یا دلالتاً نہ پائی جائے ہندہ کا نکاح صورتِ مسئلہ میں صحیح نہیں ہوگا اگر باپ جائز کہے جائز رہے گا اور اگر باپ جائز نہ رکھے غیر معتبر رہے گا۔ کما فی الدر المختار :

فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔

☆ (ترجمہ: اگر بعد ولی نے ولی اقرب کی موجودگی میں نابالغ کا نکاح کر دیا تو وہ ولی اقرب کی اجازت پر

موقوف رہے گا)

قال الشامی :

قوله توقف علی اجازتہ تقدم ان البالغة لوزجت نفسها غیر کفو فللولی

الاعتراض ما لم یرض صریحاً او دلالتاً کقبض المهر و نحوه فلم يجعلوا سکوتہ اجازة

والظاهر ان سکوتہ ههنا كذلك فلا یكون سکوتہ اجازة لنکاح الا بعد و ان کان حاضراً

فی مجلس العقد ما لم یرض صریحا او دلالة تامل ما فقط

(ترجمہ: قولہ: اس کی اجازت پر موقوف رہے گا پہلے گزر چکا ہے کہ ☆ اگر بالغ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا تو ولی کو اس وقت تک اعتراض کا حق حاصل ہے جب تک کہ وہ صراحت کے ساتھ یا دلالت کے ساتھ اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دے مثلاً مہر موصول کر لے وغیرہ۔ فقہاء نے ولی کے سکوت کو اجازت قرار نہیں دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے سکوت کا حکم اس مقام پر ویسے ہی ہے۔ ☆ لہذا ولی اقرب کا سکوت ولی اقرب کے نکاح کی اجازت شمار نہ ہوگا اگرچہ وہ نکاح کی مجلس میں موجود ہو۔ جب تک صراحت یا دلالت کے ساتھ اس نکاح پر رضامندی کا اظہار نہ کر دے)

حردہ:

العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی وواعظ

جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....175﴾

## سوال

بغیر صریح رضامندی وکیل نے نکاح بالغہ کو غیر کفو سے کر دیا۔ اس کی ماں اور ماموں اور ماں کا چچا زاد بھائی ہے۔ ان میں سے کس کو حق فسخ حاصل ہے؟ اور سکوت عورت کا ایسے موقع پر رضامندی سمجھا جائے گا؟

۱۹ اپریل ۱۶ء

نئی بستی

## خلاصة الجواب

وکالت صحیح نہیں۔ باکرہ بالغہ کا سکوت بغیر نطق صریح اجازت نہیں ہے۔

ولا بد من النطق جامع الفصولین ۱۔

☆ چچا زاد بھائی ماں (کی نسبت) ولی اقرب ہے۔

☆ غیر کفو سے نکاح میں سکوت رضامندی نہیں۔

فسکت مقالا لا یكون رضا وقيل في قول ابى حنيفة يكون رضا ان كان الاب او

الجد والا لاف ۲۔

۱۔ جامع الفصولین: جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ دار الاشاعة العربية کوئٹہ

نوٹ: اصل عبارت یوں ہے۔

السكوت وهو رضا في مسائل منها سكوت البكر عن استئثار الولي قبل التزويج وبعدها لو زوجها

الولي حتى لو زوجها الجد مع قيام الأب لا يكون سكوتها رضا

(ترجمہ: خاموش رہنا کئی ایک مسائل میں رضا شمار ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ ولی اقرب نکاح کرنے سے پہلے یا نکاح کر دینے کے

بعد نکاح کے بارے میں مشورہ طلب کرے وہ خاموش رہے تو یہ رضا شمار ہوگی۔ اور اگر ولی ابعداً مثلاً داد نے باپ کی موجودگی میں باکرہ کا

نکاح کیا تو اب خاموش رہنا رضا شمار نہ ہوگا) (اس صورت صراحاً نطق کے ساتھ اجازت درکار ہے)

ع

(ترجمہ: اجنبی نے باکرہ بالغہ کا نکاح کیا وہ خاموش رہی تو یہ خاموشی رضائے ہوگی۔ ایک قول کی رو سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو تو پھر اس کی خاموشی رضائے ہوتی ہے اور اگر یہ یعنی باپ یا دادا نہ ہوں تو خاموشی رضائے نہیں ہوگی)

ولی اقرب کو نکاح فسخ کر دینے کا حق حاصل ہے۔ حامد یہ میں ہے

فإذا نكحتہ بلا رضا وليها فرق القاضي بينهما بطلب الولي ط

☆ (ترجمہ: عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا تو ولی کے مطالبہ پر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا)

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....176﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ زید نے ہندہ کو جو ایک سال سے بیوہ ہے دھوکہ دے کر اپنے مکان پر بلا لیا۔ ہندہ کی عدم علمیت میں زید نے قاضی سے اپنا نکاح پڑھوا لیا۔ ہندہ کہتی کہ مجھ کو یہ نکاح منظور نہیں۔ اور نہ وقت نکاح کے مجھ کو اس کا علم ہوا۔ ایسی صورت میں ہندہ کا نکاح صحیح ہوایا نہیں؟

۶ مئی ۱۸ء محمد عبدالہادی مدرس مدرسہ جنگلی آگرہ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہم رب زدنی علما

☆ بلا اطلاع اور اجازت عورت کے جو نکاح کر لیا جائے اس نکاح کو نکاح فضولی کہتے ہیں۔ ☆ اگر بعد اطلاع کے عورت اس کو جائز رکھے اور اس پر راضی ہو صحیح ہو جائے گا۔ ورنہ کالعدم اور باطل سمجھا جائے گا۔

چنانچہ صفحہ ۵۶ شرح وقایہ مطبوعہ نول کشور میں ہے

ووقف نکاح فضولی او فضولین علی الاجازة اے يجوز ان يكون من جانب الزوج

فضولی او من جانب المرأة فضولی فیتوقف علی اجازتھما۔

(ترجمہ: فضولی یعنی وہ شخص جس کو نکاح کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو اگر وہ ایک طرف سے ہو یا دونوں جانب سے

فضولی ہوں تو وہ نکاح اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ خاوند کی جانب کی طرف سے فضولی نکاح

کرے یا عورت کی طرف فضولی اس کا نکاح کسی سے کر دے تو وہ دونوں کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے)

اور چونکہ صورت مسئلہ میں رضامندی اور اجازت عورت قطعاً مفقود ہے بلکہ دھوکہ بازی عاقد کی

ظاہر ہے لہذا یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہوا۔ فقط

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی مسجد جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر..... 177﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ ایک نابالغہ کا نکاح اس کی ماں کی اجازت سے ہوا۔ باپ اس کا زندہ موجود ہے۔ باپ کی اجازت سے نہیں ہوا۔ لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے۔ اس نے بوجہ اس کے کہ شوہر و مادر شوہر زمانہ نابالغی میں بدسلوکی بے رحمی سے ظالمانہ طور سے برتاؤ کرتے رہے اور مار پیٹ کرتے تھے وقت بلوغ اس نے فوراً نکاح اپنا فسخ کر دیا۔ یہ فعل اس کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کا اختیار شرعاً نکاح توڑنے کا ہے یا نہیں؟

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

موجودگی باپ میں جو نکاح ماں کی اجازت سے صغیرہ کا ہو جائے وہ باپ کی رضا مندی پر موقوف رہتا ہے۔ اگر باپ بعد نکاح یا وقت نکاح راضی ہو جائے وہ نکاح معتبر ہوگا۔ ورنہ کالعدم سمجھا جائے گا۔ اس واسطے کہ باپ ولی اقرب ہے۔ اور صفحہ ۳۲۱ جلد ثانی درمختار مطبوعہ علی ہاشم ردا المختار مصری میں ہے۔

و للولی الابد التزویج بغیبة الاقرب فلو زوج الابد حال قیام الاقرب توقف علی

اجازتہ ۱

(ترجمہ: ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولی ابد کو نابالغ کا نکاح کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر ولی ابد نے اقرب کے موجود ہونے کے باوجود نکاح کر دیا تو وہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا)

☆ اور باوجود موجود ہونے کے مجلس عقد میں اگر رضامندی ولی اقرب یعنی باپ کی صورت مذکورہ میں صراحت یا دلالت نہیں پائی گئی تھی اور نہ اب تک باپ اس نکاح سے راضی ہے۔ مگر کسی وجہ سے ساکت ہے تو مجرد سکوت دلیل رضامندی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ نکاح ناجائز ہی رہے گا۔ چنانچہ اسی صفحہ مذکورہ در مختار کی شرح ردالمحتار میں ہے:

قوله توقف على اجازته تقدم ان البالغة لو زوجت نفسها غير كفو فللولي الاعتراض  
 مالم يرض صريحا او دلالة كقبض المهر و نحوه فلم يجعلوا سكوتها اجازة والظاهر ان سكوتها  
 ههنا كذلك فلا يكون سكوتها اجازة لنكاح الابد و ان كان حاضرا في مجلس العقد مالم  
 يرض صريحا او دلالة .

(ترجمہ: قولہ: ولی ابعدا کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر بالغ عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو وہاں تو اعتراض کا اختیار اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ وہ صراحتاً یا دلالتاً راضی نہ ہو جائے۔ دلالتاً رضامندی کی مثال مہر وصول کرنا وغیرہ ہے۔ فقہائے اسلام نے اس کے سکوت کو رضامندی قرار نہیں دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس مقام پر اس کی رضامندی کا حکم بھی یہی ہے۔ لہذا اس کا سکوت ولی ابعدا کے نکاح کی اجازت نہ ہوگا اگرچہ وہ نکاح کی مجلس میں حاضر ہو۔ جب تک وہ صراحت یا دلالت کے اعتبار سے راضی نہ ہوگا نکاح جائز نہ ہوگا)

☆ اور اگر بالفرض نکاح صحیح مان بھی لیا جائے تو علاوہ باپ اور دادا کے دوسرے اولیاء نکاح کا کیا ہوا نکاح اگر غیر کفو میں کیا جائے یا بہت کم مہر کے ساتھ اس مہر سے جوان کے قبیلہ میں مروج ہے کر دیا جائے تو وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مہر مثل کے ساتھ کفو میں کر دیا جائے تو صحیح ضرور ہو جائے گا مگر اس صغیرہ کو بالغ ہوتے ہی اگر اس نکاح سے ناراض ہو اختیارِ فسخ نکاح ہے۔ اور بالغ ہوتے ہی دو مسلمان مرد یا ایک مرد و دو مسلمان عورتوں کو گواہ کر کے کہہ دے کہ میں اس نکاح کو توڑتی ہوں اور فسخ کرتی ہوں۔ اور پھر قاضی یعنی حاکم

شریعت سے حکم فسخ حاصل کر لے۔ بلا حکم قاضی حکم فسخ تمام نہیں ہوتا۔

چنانچہ صفحہ ۳۳۱ در مختار میں ہے:

وان كان المزوج غير ههما لا يصح النكاح من غير كفو او بغبن فاحش اصلا

وان كان من كفوء و بمهر المثل صح و لكن لهما خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح  
بعده بشرط القضاء للفسخ. انتهى مختصرا.

(ترجمہ: اگر نابالغ کا غیر کفو میں نکاح کرنے والا یا غبنِ فاحش سے نکاح کرنے والا باپ اور دادا کے سوا کوئی اور  
رشتہ دار ہو تو نکاح بالکل درست نہیں۔ اور اگر نکاح کفو میں ہو اور مہر مثل کے ساتھ ہو تو نکاح درست ہوتا ہے  
لیکن بلوغ کے ساتھ یا بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہونے کے ساتھ ہی ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔  
لیکن اس کے ساتھ شرط ہے کہ قاضی ان کے نکاح کو فسخ قرار دے)

حورہ:

العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتاویٰ نمبر.....178﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک دختر نابالغہ کا نکاح اس کے نانا نے باوجود ہونے باپ کے بغیر اجازت و بغیر رضامندی باپ کے ایک لڑکے سے کر دیا۔ اور باپ نے جس وقت معلوم کیا نارضا مندی ظاہر کر دی۔ اور لڑکی نے وقت بلوغ اس نکاح کو خود بھی نامنظور کیا۔ دختر تا ہنوز باکرہ ہے۔ بس اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

طالب علی قصبہ آذربایجان

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

چونکہ جد فاسد یعنی نانا بعدترین اولیا ہے باوجود موجود ہونے باپ کے بولایت نانا جو نکاح ہو اوہ ہرگز صحیح نہ ہوگا تا وقتیکہ باپ نابالغہ کا اس نکاح کو جائز نہ رکھے اور اس نکاح سے رضامند نہ ہو۔ ☆ اس واسطے کہ باوجود موجود ہونے ولی اقرب کے اگر ولی بعد نکاح کر دے تو اس نکاح کی صحت ولی اقرب کی رضامندی پر موقوف رہتی ہے۔

چنانچہ صفحہ ۳۰۳ جلد اول فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وان زوج الصغير أو الصغيرة ابعدا الاولياء فان كان الاقرب حاضرا و هو من اهل

الولاية توقف نکاح الا بعد علی اجازتہ۔

(ترجمہ: اگر چھوٹے یعنی نابالغ لڑکے یا چھوٹی یعنی نابالغ لڑکی کا نکاح بعد ولی یعنی حقدار ہونے کی ترتیب کی رو سے دور کے ولی نے کر دیا تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر ولی اقرب یعنی حقدار ہونے کی ترتیب کی رو سے

قرب کا ولی حاضر تھا اور وہ ولی ہونے کا اہل تھا تو ابعد ولی کا نکاح کر دینا ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا)۔

☆ ہاں البتہ اگر ولی اقرب اہل ولایت بوجہ صغیر السن یا مجنون ہونے کے نہ ہو یا اتنی دور پردیس میں چلا گیا کہ اس کے بلانے اور آنے تک کفو کے آدمی جو پیام نکاح لایا ہے یا مجرد رائے ولی اقرب دریافت کرنے تک فوت ہو جائے اور ہاتھ سے نکل جائے تو بے شک ولی ابعد کا کیا ہو صحیح ہو سکتا ہے۔

كما في الصفحة المذكورة للعالم گیریہ

وان لم یکن من اهل الولاية بان كان صغيرا او كبيرا مجنونا جاز وان كان

الاقرب غائبا غيبة منقطعة جاز نکاح الابعد كذا في المحيط ۱

(ترجمہ: اور اگر اقرب ولی ولی قرار پانے کا اہل نہ تھا مثلاً یہ کہ وہ خود نابالغ تھا یا وہ بالغ اور مجنون تھا تو ابعد ولی کا نکاح کر دینا جائز ہے اور اگر اقرب ولی غائب تھا اور اس کی غیبت منقطعہ تھی تو ابعد ولی کا نکاح کر دینا جائز ہے)

اقول و هكذا في جميع كتب الفقه

(ترجمہ: میں کہتا ہوں فقہ کی تمام کتابوں میں اسی طرح ہے)

و ایضا فیہ

(ترجمہ: اسی فتاویٰ عالم گیریہ میں ہے)

قال شمس الائمہ السرخسی و محمد بن الفضل الاصح انه مقدر بفوات

الكفو والحاضر الخاطب الی استطلاع رایہ و هذا حسن كذا في التبيين و عليه الفتوى كذا

في جواهر الاخلاطی ۲

۱ ترجمہ الفتاویٰ العالم گیریہ جلد ۶ صفحہ ۱۱۱ ایضا

۲ الفتاویٰ العالم گیریہ مع اردو ترجمہ جلد ۶ صفحہ ۱۱۰ المکہ پریس شاع فاطمہ لاہور

۳ الفتاویٰ العالم گیریہ مع ترجمہ اردو جلد ۶ صفحہ ۱۱۰ المکہ پریس شاع فاطمہ لاہور



(ترجمہ: شمس الائمہ السنحسی اور محمد بن الفضل کا قول یہ ہے کہ اصح حکم کے بموجب غیبت منقطعہ کی مقدار یہ ہے کہ اس غائب شخص کی رائے حاصل کرنے تک موجود کفو ہے یعنی نکاح کا پیغام دینے والا موجودہ شخص جو کفو قرار پاتا ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور یہ قول زیادہ اچھا ہے تبیین۔ اور اسی مذکورہ حکم پر فتویٰ ہے جو اہر اخلاطی ۱)

مگر صورت سوال سے ظاہر ہے کہ باپ جو ولی اقرب ہے اہل ولایت ہے اور نیز غائب بغیبت منقطعہ بھی نہ تھا۔ بوجہ نا جائز رکھنے باپ کے نکاح مذکور قطعاً صحیح نہ ہوا۔ اور اگر بالفرض و التقدیر باپ کا عند العقد غائب بغیبت منقطعہ ثابت بھی ہو جائے تو بدیں وجہ نکاح البعد صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو نابالغہ کو بالغہ ہوتے ہی اختیار فسخ نکاح ہے کہ وہ بالغ ہوئی ہے جب خون حیض دیکھے اسی وقت دو عاقل بالغ مسلمانوں کو گواہ کر کے کہہ دے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور ولی البعد کے نکاح کئے ہوئے کو فسخ کرتی ہوں۔ میں اس نکاح سے راضی نہیں۔ بعدہ قاضی یعنی حاکم شریعت سے بغرض احتیاط ظاہری حاکم عدالت سے حکم فسخ نکاح حاصل کر کے پھر دوسری جگہ جہاں چاہے نکاح کر لے۔ لہذا بغیر حکم قاضی نکاح ہرگز فسخ نہ ہوگا کمافی صفحہ ۳۰۲ من العالم گیریہ

وان زوجہما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخيار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ و هذا عند ابی حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ و یشرط فیہ القضاء ۲۔

☆ (ترجمہ: اور اگر ان دونوں کا نکاح باپ یا دادا کے علاوہ کسی ولی نے کیا تو ان میں سے ہر ایک کو بالغ ہونے پر اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں ہے اور اس میں یعنی خیار بلوغ سے نکاح فسخ کرنے میں قضاء قاضی یعنی حاکم مجاز کا فیصلہ شرط ہے ۳) ☆ اگر بعد آنے حیض کے فوراً فسخ نکاح پر دو گواہ نہ کر لے گی اختیار فسخ پھر باقی نہیں رہے گا۔ اگر فسخ قبل

۱۔	ترجمہ الفتاوی العالم گیریہ	جلد ۶ صفحہ ۱۱۱	المکہ پریس شارع فاطمہ لاہور
۲۔	الفتاوی العالم گیریہ مع ترجمہ اردو	جلد ۶ صفحہ ۱۱۲	المکہ پریس شارع فاطمہ لاہور
۳۔	اردو ترجمہ الفتاوی العالم گیریہ	جلد ۶ صفحہ ۱۱۵	المکہ پریس شارع فاطمہ لاہور

خلوت صحیحہ و دخول ہوا ہے تو مہر بزمہء زوج واجب نہ رہے گا اور یہ نکاح مثل عدم نکاح سمجھا جائے گا۔

کما فی صفحہ ۳۰۵ من العالم گیریہ

و اذا وقعت الفرقة بخيار البلوغ إن لم يكن الزوج دخل بها فلا مهر لها و وقعت

الفرقة باختيار الزوج او باختيار المرأة كذا فی المحيط

☆ (ترجمہ: جب خیارِ بلوغ سے علیحدگی ہو تو اگر اس کے خاوند نے اس عورت سے دخول نہ کیا تھا تو اس عورت کے لیے کوئی مہر نہیں خواہ وہ علیحدگی خاوند کے خیارِ بلوغ سے واقع ہوئی ہو یا عورت کے خیارِ بلوغ سے واقع ہوئی

ہو محیط ۲)

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی

فی جامع اکبر آباد



۱ الفتاوی العالم گیریہ مع ترجمہ اردو جلد ۶ صفحہ ۱۲۰ المکہ پریس شارع فاطمہ لاہور

۲ اردو ترجمہ الفتاوی العالم گیریہ جلد ۶ صفحہ ۱۲۱ المکہ پریس شارع فاطمہ لاہور

## ﴿فتویٰ نمبر.....179﴾

سوال

مردِ فاسق صالحہ کا کفو ہے؟

۱۱۹ اپریل ۱۹۱۶ء نئی بستی

الجواب

مردِ فاسق کفو صالحہ کا نہیں۔

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....180﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر کتنے قسم کے ہوتے ہیں؟ اور وہ کن کن صورتوں میں ادا ہونے چاہیں اور کس طرح سے؟

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً. اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا.

مہر کی تین قسمیں ہیں؛ ایک مہر مؤجل، دوسرا مہر متجل جس کو عرف میں حق مہر عند الطلب کہتے ہیں۔  
☆ مہر مؤجل اس کو کہتے ہیں جس کے پورا دینے پر زوجہ قبل طلاق شوہر کو مجبور نہیں کر سکتی۔ لہذا بعد طلاق اگر طلاق بعد دخول یا خلوت صحیحہ دی ہے، جبراً پورا مہر لے سکتی ہے۔ اور بعد موت شوہر کے خواہ وفات شوہر قبل دخول یا خلوت صحیحہ ہو یا بعد دخول یا خلوت صحیحہ مال شوہر سے پورا وصول کر سکتی ہے اور اگر طلاق قبل دخول واقع ہو تو نصف مہر لے سکتی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۰۸ جلد ثالث ہدایہ میں ہے:

و من سمی مہرا عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها لانه بالدخول يتحقق تسليم المبدل و به يتأكد البدل و بالموت ينتهي النكاح نهائيه والشيء بانتهائه يتقرر ويتأكد فيتقرر بجميع مواجبه و ان طلقها قبل الدخول بها والخلوة فلها نصف المسمى.

(ترجمہ: جس نے دس درہم یا اس سے زائد جو مہر مقرر کیا اس پر مقرر حق مہر لازم ہے۔ بشرطیکہ اس نے اس عورت

کے ساتھ جماع کیا ہو یا خاوند کی وفات ہو گئی ہو۔ کیوں کہ جماع کے ساتھ مبدل کو سپرد کردینا ثابت ہو جاتا ہے اور خاوند کی موت سے نکاح اپنی انتہا تک پہنچ جاتا ہے اور جب کوئی چیز انتہا کو پہنچ جائے تو وہ پختہ اور تاقیدی ہو جاتی ہے لہذا وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر جماع اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دے تو مقررہ کردہ مہر کا نصف عورت کو دیا جائے گا)

☆ اور مہر معجل یعنی مہر عند الطلب اس کو کہتے ہیں جس کے دینے پر خواہ کل معجل ہو یا بعض عورت شوہر کو مجبور کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر شوہر عند الطلب ادا نہ کرے عورت کو حق حاصل ہے کہ شوہر کو اپنے پاس نہ آنے دے اور جب تک شوہر ادا نہ کرے اس کے گھر رہنے سے اور جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ اور قبل وصول جہاں کہیں بھی رہے شوہر سے نان و نفقہ وصول کر سکتی ہے۔ بہ خلاف مہر مؤجل کے کہ اس کو اگر شوہر ادا نہ کرے تو شوہر کے ساتھ جانے سے انکار نہیں کر سکتی اور اپنے پاس آنے سے منع نہیں کر سکتی۔ اور اگر شوہر کے گھر جانے سے انکار کرے گی تو جب تک شوہر کے گھر نہ آئے نان و نفقہ نہیں لے سکتی۔

چنانچہ صفحہ ۲۲۸ ہدایہ مطبوعہ مع الشروح الاربعہ میں ہے:

و للمرأة ان تمنع نفسها حتى تاخذ المهر و تمنعه ان يخرجها ای يسافر بها ليتعين حقها في البدل كما تعين حق الزوج في المبدل فصار كالبيع و ليس للزوج ان يمنعها من السفر والخروج من منزله و زيارة اهلها حتى يوفيه المهر كلها ای المعجل لان حق الحبس لا استيفاء المستحق و ليس له حق الاستيفاء قبل الايفاء و لو كان المهر موجلا ليس لها ان تمنع نفسها لا ستقاطها حقها ما.

(ترجمہ: مہر کے وصول ہو جانے تک عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند سے روک لے۔ نیز خاوند کو باہر سفر پر لے جانے سے روک سکتی ہے تاکہ بدل یعنی مہر میں کا حق متعین ہو جائے۔ جس طرح کہ مبدل میں خاوند کا حق متعین ہے۔ تو یہ عقد بیع کی مانند ہو گیا۔ مرد کو پورا مہر ادا کر دینے سے پہلے اختیار نہیں ہے کہ عورت کو

سفر سے، اپنے گھر سے باہر نکلنے سے اور اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کو روک دے۔ اس مہر سے مراد مہر متجل ہے کیوں کہ مرد کو اپنا حق پورا حاصل کرنے کے لیے روکنے کا حق ہے۔ لیکن عورت کا حق ادا کیے بغیر اسے اپنا حق حاصل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور اگر مہر متوجل ہو تو وہ اپنے آپ کو مرد سے روک نہیں سکتی کیوں کہ اس صورت میں خود عورت نے اپنا حق ساقط کر رکھا ہے)

☆ اور تیسری قسم مہر کی مہر مثل ہے مہر مثل اس کو کہتے ہیں کہ عند العقد مہر کا ذکر نہ کیا جائے یا ذکر کیا جائے مگر مقدار معین نہ کی جائے یا اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر نہ دیا جائے گا یا ایسی چیز مہر میں معین کی جائے جو شرعاً مال نہ ہو جیسے شراب یا سور۔ تو اندریں صورت اگر طلاق بعد دخول دی جائے مہر مثل لازم ہوگا۔

چنانچہ صفحہ ۳۶۵ شامی مطبوعہ مصر میں ہے:

قال فی البدائع لو تزوجها علی ان لامهر لها وجب مهر المثل بنفس العقد

(ترجمہ: بدائع میں ہے اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو مہر نہ ملے گا تو صرف عقد نکاح سے مہر مثل واجب ہو جاتا ہے)

وفی صفحہ ۲۲۰ من الہدایہ المبטوع مع الشروخ الاربعہ:

و اذا زوج الرجل بنته علی ان یزوجہ الآخر بنتہ او اختہ لیكون احد العقدین

عوضا عن الآخر فالعقد ان جائزان و لكل واحدة منهما مهر مثلها

(ترجمہ: اگر کسی آدمی نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر کے دیا کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا۔ اس طرح کہ دونوں عقد ایک دوسرے کے بدلے میں ہوں گے۔ تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان بی بیوں میں سے ہر ایک کے لیے مہر مثل ہوگا)

قال صاحب العنایة :

۱ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ الہدایہ مع فتح القدیر وغیرہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۹ مطبوعہ مصر

(ترجمہ: صاحب عنایہ نے فرمایا)

لانه سمي ما لا يصلح صداقا و كل كان كذلك صح العقد فيه و وجب مهر

المثل كما اذا سمي الخمر و الخنزير

(ترجمہ: کیوں کہ ان دونوں نے ایسی چیز کو مہر قرار دیا جو مہر بننے کی کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور ہر وہ صورت جو

ایسی ہو اس میں عقد درست ہوتا ہے اور مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اگر شراب اور خنزیر کو مہر مقرر کرے)

اور مہر مثل کے یہ معنی ہیں کہ عورت کے باپ کے قبیلہ سے جو مہر اس کی بہنوں کا اور پھوپھیوں کا اور

چچا کی بیٹیوں کا ہوگا وہی مہر اس کا مقرر کیا جائے گا۔

كما في صفحة ۲۲۶ من العناية المطبوعه على هامش الهداية

اعلم ان مهر المثل يعتبر بعشيرتها التي من قبل ابها كالاخوات والعمات و بنات

الاعمام

(ترجمہ: مہر مثل میں عورت کے اس خاندان کا اعتبار ہوگا جو اس کے باپ کی جانب سے ہوگا جیسا کہ بہنیں،

پھوپھیاں اور چچا زاد بہنیں)

اور اس صورت میں اگر شوہر طلاق بعد الدخول دے یا دونوں میں سے کوئی مر جائے تو شوہر پر ادائیگی

پورے مہر مثل کی لازم ہوگی اور بعد الموت شوہر کے مال سے پورا مہر مثل ادا کیا جائے گا۔

چنانچہ صفحہ ۳۶۳ شامی مطبوعہ مصر میں ہے۔

استفتى الشيخ صالح بن المصنف من الخير الرملى رحمهما الله عما لو طلبت

المرأة مهر مثلها قبل الوطى او الموت هل لها ذلك ام لا فاجابه بما فى الزيلعى من ان

مهر المثل يجب بالعقد ولهذا كان لها ان تطالبه به قبل الدخول فيتأكد ويتقرر بموت

۱ العنايه على هامش فتح القدير جلد ۲ صفحه ۲۵۰ مطبوعه مصر

۲ العنايه على هامش فتح القدير جلد ۲ صفحه ۲۷۰ مطبوعه مصر

احدهما او بالدخول على ما مرفى المهر المسمى فى العقد الخ و به جزم الكمال و ابن ملك و غيرهما و قد بسط ذلك فى الخيرية<sup>۱</sup>

(ترجمہ: مصنف علیہ الرحمہ کے بیٹے شیخ صالح رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خیر الدین رطلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ اگر عورت اپنا مہر مثل وطی یا خاوند کی موت سے پہلے طلب کرے تو کیا اس کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ان کو جواب دیا کہ زیلعی میں ہے کہ مہر مثل صرف عقد نکاح سے واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا اس عورت کو دخول سے قبل اس کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ پھر وہ مہر مثل زوجین میں سے کسی ایک کی موت یا دخول کے ساتھ موکد اور پختہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ عقد نکاح میں مقرر شدہ مہر کے بارے میں گذر چکا ہے۔ علامہ کمال اور علامہ ابن ملک وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اسی پر جزم فرمایا ہے۔ فتاویٰ خیر یہ میں اس پر مبسوط کلام فرمائی ہے۔

اور ایسی صورت میں اگر طلاق قبل الدخول یا قبل خلوت صحیحہ دے دی جائے تو مہر بالکل ساقط ہو جاتا ہے اور بجائے نصف مہر مثل کے متعہ دینا لازم ہو جاتا ہے۔ کمانی الدر المختار فی صفحہ ۳۶۴

و تجب متعة لمفوضة و هی من زوجت بلا مهر طلقت قبل الوطی و ہی درع و

خمار و ملحفة لا تزيد على نصفه ای نصف مهر المثل<sup>۲</sup>

☆ (ترجمہ: مفوضہ یعنی جس عورت کا نکاح مہر کے بغیر کیا گیا ہو اگر اسے وطی سے قبل طلاق ہو جائے تو اس کے لیے متعہ طلاق واجب ہو جاتا ہے اور متعہ طلاق ایک قمیص، ایک اوڑھنی اور ایک بڑی چادر ہوتی ہے۔ لیکن ان کی قیمت مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہو)

مگر ہمارے یہاں ہمارے عرف کے موافق متعہ میں ایک جوڑا دیں گے اور صاحب در مختار نے جو متعہ کی تفسیر درع اور خمار اور ملحفہ کے ساتھ کی ہے وہ رواج کے موافق ہے۔

كما هو ظاهر من الشامی حیث قال رحمه الله فى شرحه فى صفحہ ۳۶۴ من الشامی

۱ رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۶۳ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ الدر المختار علی هامش رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۶۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ



.....  
 قال فخر الاسلام رحمه الله هذه في ديارهم اما في ديارنا فيزا د علي هذا ازار و

مكعب كذا في الدراية و.

ترجمہ: امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ان کے علاقہ کا متعہ طلاق ہے ہمارے علاقہ میں اس پر ایک  
 تہبند اور ایک نقش و نگار والی چادر کا اضافہ کیا جائے گا)

حررہ:

العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی لکھنوی الرضوی المجدوی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....181﴾

### سوال

لفظ مؤجل کس طرح پر صحیح ہے؟ اور املا و معنی کیا ہوا؟ عام طور پر مؤجل کو جو باظہار و ادب بولتے ہیں یہ کیا ہے؟

سائل: قاضی جلال الدین ساکن ریاست دھول پور محلہ قاضی پاڑہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

مہر مؤجل ہمزہ کے ساتھ اس مہر کو کہتے ہیں کہ عورت قبل از طلاق یا قبل از موت شوہر اس کی ادائیگی

پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اور معجل اس کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی پر جب چاہے شوہر کو مجبور کر سکتی ہے۔ مؤجل کا مصدر تا جیل اور معجل کا تعجیل ہے۔

حورہ العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی،

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....182﴾

### سوال

جب کہ برضا مندی جانہن تعدادِ مہر معین ہو چکی ہے تو اب قبل از ایجابِ دولہا سے یوں کہنا ضرور ہے یا نہیں کہ اس قدر مہر کی رقم تم کو منظور ہے؟

سائل: قاضی جلال الدین

ساکن ریاست دھول پور محلہ قاضی پاڑہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

ذکر مہر شرطِ جوازِ نکاح نہیں ہے۔ ☆ اگر بوقتِ عقد ذکرِ مہر معین کر دیا جائے اور دولہا سے اس کی قبولیت کا اقرار لے لیا جائے تو وہی مہر لازم ہو جائے گا۔ ☆ اور اگر بلا ذکرِ مہر نکاح کر دیا جائے جب بھی نکاح ہو جائے گا مگر اندریں صورت مہر مثل لازم ہوگا۔ ☆ بہرینچ نکاح تو اگر اس طرح بھی کیا جائے کہ عورت کہے کہ میں بلا مہر اپنے نفس کو تمہاری زوجیت میں دیتی ہوں۔ علی ہذا کم از کم دو گواہوں کے سامنے مرد کہے کہ بلا مہر میں تم کو اپنے نکاح میں قبول کرتا ہوں۔ مہر مثل تو جب بھی بذمہ شوہر لازم ہو جائے گا اور نکاح بہر صورت منعقد ہو جائے گا۔ چنانچہ صفحہ ۲۰۴ ہدایہ مع الشروح الاربعہ مصری کے جلد سوم میں ہے۔

و یصح النکاح و ان لم یسم فیہ مہرا لان النکاح عقد الضمان و ازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المہر واجب شرعا ابانہ لشرف المحل فلا یحتاج الی ذکرہ لصحة النکاح و کذا اذا تزوجها بشرط ان لا مہر لها لما بینا۔

(ترجمہ: نکاح صحیح ہوتا ہے اگرچہ اس میں مہر کا نام تک نہ لیا جائے۔ کیوں کہ لغت کی رو سے نکاح ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دینے اور جوڑا بنانے کو کہتے ہیں۔ لہذا یہ میاں بیوی کے ساتھ کامل ہو جاتا ہے۔ پھر مہر شرعی واجب ہے تاکہ محل عقد کی شرافت کو ظاہر کیا جائے۔ لہذا نکاح کی درستی کے لیے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اسی طرح نکاح درست ہوگا جب خاوند نے بیوی سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اسے کچھ مہر نہ ملے گا جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا ہے)

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی لکھنوی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....183﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ ایک لڑکی کا نکاح ہوئے عرصہ سال کا گزرا۔ وقت نکاح میاں بیوی دونوں نابالغ تھے۔ حسب رضا مندی والدین مہر موجل مبلغ پانچ سو روپیہ قرار پایا تھا۔ وہ لڑکی اس وقت یا جب اس کی خواہش ہو اپنا مہر مطلوبہ اپنے خاوند سے لے سکتی ہے؟ یا جب لڑکے میں وسعت نہ ہو تو لڑکے کے باپ سے بھی دعویٰ کر کے مہر مذکور وصول کر سکتی ہے؟

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں شوہرِ صغیرہ پر جو خود بھی صغیر تھا اور دونوں کا نکاح اور تعین مہر بولایت دونوں کے باپوں کے ہوا بعد البلوغ اور قبل البلوغ تمام احکام نکاح کے اس زوج اور اسی زوجہ کی طرف عائد ہوں گے نہ کہ ان کے باپوں کی طرف۔ لہذا مہر مذکور شوہرِ صغیرہ یعنی صغیر کے باپ پر لازم نہ ہوگا۔ ☆ البتہ باپ یا کوئی اور اگر ضامن ادا ہو جائے گا بوجہ ضمانت ضرور ادا ہوگی اس کے ذمہ لازم ہوگی نہ کہ بوجہ ولایت اور عاقد نکاح و متولی تعین مہر ہونے۔

چنانچہ صفحہ ۲۴ جلد اول العقود الدریتہ میں ہے۔

و فی فتاویٰ شیخ الاسلام یحییٰ آفندی جمع شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی

تحت سوال۔

ولو زوج الاب طفله الصغیر امرأة بمهر معلوم لا یلزم المهر اباه الا اذا ضمنه و

قال مالک رحمہ اللہ و الشافعی رحمہ اللہ فی القدیم المہر علی الاب لانہ ضمن دلالة

باقدامہ علی النکاح مع علمہ انہ لا مال لہ۔ ولا نکاح بدون المہر و قلنا الصداق علی من

اخذ الساق بالاثر قاله على رضى الله عنه والنكاح لم يدل على ايفاء المهر فى الحال فلم يكن من ضرورته ضمان المهر. و لان تسليم المعقود عليه الى الزوج يوجب تسليم البدل ايضا والعاقده سفير كذا فى معراج الدراية عن المبسوط ولا يخذش بالك ما فى شرح الطحاوى من ان الاب اذا زوج الصغير امرأة فللمراة ان تطلب المهر من ابى الزوج فيودى الاب من مال ابنه الصغير و ان لم يضمن الاب صريحا لانه محمول لا على الطلب بالاداء من مال الصغير لكونه فى يده كما ينبى عنه كلامه لانه محمول على ان اقدمه على النكاح ضمان دلالة كما ذهب اليه الشافعى و مالك الخ اقول المسئلة فى الدر المختار من المهر ما

(ترجمہ: اگر باپ نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح مقرر مہر کے عوض کسی عورت سے کر دیا تو مہر کی ادائیگی باپ پر لازم نہ ہوگی۔ مگر اس صورت میں باپ پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی جب کہ وہ مہر کا ضامن بن جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قدیم قول میں فرمایا کہ مہر باپ کے ذمہ لازم ہوگا کیوں کہ اس نے باوجود اس علم کے کہ لڑکے کے پاس مال نہیں ہے اس کا نکاح کر دیا ہے۔ لہذا وہ دلائل اس کا ضامن ہوگا۔ اور مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق کہتے ہیں کہ مہر اس کے ذمہ ہے جس نے عورت کی پنڈلی پکڑی۔ اور نکاح مہر کی فی الفور ادائیگی پر دلالت نہیں کرتا۔ لہذا نکاح کے لوازم سے مہر کی ضمانت ثابت نہ ہوئی۔ کیوں کہ خاوند کو معقود علیہ سپرد کرنے پر اس کے بدل کو سپرد کرنا لازم آجاتا ہے اور عقد کرنے والا یعنی باپ تو سفير ہے۔ معراج الدراية میں مبسوط سے اسی طرح ہے۔ شرح طحاوی میں مذکور یہ جزئیہ تیرے دل میں نہ کھٹکے کہ جب باپ اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح کسی عورت سے کر دے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاوند کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرے اور باپ اپنے نابالغ لڑکے کے مال سے (اگر اس کا مال ہو) مہر کو ادا کرے۔ اگرچہ باپ نے صراحت کے ساتھ مہر کی ضمانت نہ اٹھائی ہو۔ کیوں کہ نکاح کی یہ صورت

اس پر محمول ہے کہ عورت کے مطالبہ پر وہ نابالغ کے مال سے ادا کرے گا کیوں کہ مال اس کے قبضہ میں ہے جس طرح کہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس صورت پر محمول نہیں کہ باپ کا نابالغ کا نکاح کرنا دلالت کے اعتبار سے ضامن بنتا ہے۔ جس طرح کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ درمختار کے باب مہر میں موجود ہے)

و فی صفحہ ۳۸۷ من الدر المختار المطبوعہ فی المصر مع الشامی

و لا یطالب الاب مہر ابنہ الصغیر الفقیر اما الغنی فیطالب ابوہ بالدفع من مال ابنہ

لا من مال نفسہ اذا زوجہ امرأۃ إلا اذا ضمنہ علی العقد

(ترجمہ: باپ سے اس کے نابالغ فقیر بیٹے کے ذمہ واجب مہر کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر لڑکا مالدار ہے تو باپ سے بیٹے کے مال سے ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا نہ کہ باپ کے اپنے مال سے جب کہ وہ اس کا نکاح کسی عورت سے کر دے۔ ہاں جب بوقت عقد باپ ضمن بن جائے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔)

قال الشامی رحمۃ اللہ علیہ

قولہ اذا زوجہ امرأۃ مرتبطة بقولہ و لا یطالب الاب الخ لان المہر مال یلزم ذمۃ

الزوج و لا یلزم الاب بالعقد اذ لو لزمہ لما افاد الضمان شیئاً فقط

(ترجمہ: قولہ: جب باپ نابالغ لڑکا کا نکاح کسی عورت سے کر دیں اس کا متعلق اس عبارت سے ہے باپ سے مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ مہر وہ مال ہے جو عقد کے ساتھ زوج کے ذمہ واجب ہوتا ہے نہ کہ باپ پر لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ باپ پر لازم ہوتا تو ضامن بننے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا)

حررہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد ویدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....184﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ جس وقت لڑکی کا عقد ہوا تھا اس وقت لڑکی کی عمر ۷ برس تھی۔ اب اس کے عقد کو چھ برس کا عرصہ ہو گیا ہے۔ لڑکی عقد کے بعد سے چھ برس برابر اپنے شوہر کے یہاں آتی جاتی رہی۔

اب قریب دو برس سے لڑکی کے والدین نے لڑکی کو روک لیا ہے۔ اور لڑکی کے والدین لڑکی کو انگریزی اردو کی تعلیم کے لئے اسکول بھیجتے ہیں۔ لڑکی کا شوہر چاہتا ہے کہ میری زوجہ کو انگریزی اردو کی تعلیم نہ دی جائے۔ سوائے قرآن شریف کے اور ضروری مسائل دینیات کے انگریزی وغیرہ کی تعلیم نہ دلائی جائے۔ میں انگریزی کے سخت خلاف ہوں۔ لڑکا دو برس کے درمیان میں اپنے سسرال برابر آتا جاتا رہا۔ اب جبکہ لڑکے نے اپنی زوجہ و اپنے سسرال والوں کو انگریزی اردو تعلیم دینے سے منع کیا تو لڑکی کے والدین نے اس کے شوہر کو اپنے مکان پر آنے سے روک دیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کی تعلیم وغیرہ کا اختیار اس کے شوہر کو ہے یا لڑکی کے والدین کو؟

۲۷ جون ۱۹۱۵ء

رحیم بخش ساکن وزیر پورہ آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

بعد ادا کر دینے مہر معجل کے جس کو فی زمانہ مہر عند الطلب کہتے ہیں شوہر کو اختیار ہے جہاں خود رہے وہاں اپنی بیوی کو رکھے۔ علیٰ ہذا اگر معجل نہ ہو بلکہ مہر موعجل ہو جب بھی شوہر کو اختیار ہے کہ جہاں خود رہے وہاں اپنی منکوحہ کو رکھے۔ البتہ قبل اداء مہر معجل یعنی مہر عند الطلب عورت کو اختیار ہے کہ شوہر کے ساتھ نہ جائے۔ اس کو اپنے پاس آنے سے منع کر دے۔ چنانچہ صفحہ ۲۳۸-۲۳۹ ص ۲۵۰ ہدایہ مطبوعہ مصر مع الشروح الاربعہ میں ہے:



و ليس للزوج ان يمنعها من السفر والخروج من منزله و زيارة اهلها حتى يوفيهما  
المهر كله ۱

☆ (ترجمہ: خاوند نے جب تک پورا مہر نہ دیا ہو تو اپنی بیوی کو سفر کرنے، گھر سے نکلنے اور اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا)

و اذا اوفاهما مهرها نقلها الى حيث شاء لقوله تعالى اسكنوهن من حيث سکنتم من  
وجدکم ۲

(ترجمہ: اور جب اپنی بیوی کو پورا مہر ادا کر دے تو وہ اسے جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو وہاں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرے اپنی استطاعت کے مطابق)

لہذا بعد اداء مہر متجمل اور بصورت مہر کے موجب ہونے کے بجز اپنا حق قرض وغیرہ وصول کرنے کے یا دوسرے کا حق قرض وغیرہ ادا کرنے یا ہر جمعہ کو اپنے والدین سے ملنے کے یا سالانہ اپنے محرم بھائی، چچا، ماموں وغیرہم کے ملنے بقدر ضرورت بلا اجازت شوہر کے کہیں نہیں جاسکتی۔ اور علاوہ امور مذکورہ اگر نامحرم اجنبیوں کے گھر عیادت یا شادی میں جانے کی شوہر اجازت دے بھی دے اور وہ چلی جائے تو میاں بیوی دونوں گنہگار ہوں گے۔ چنانچہ صفحہ ۳۹۰ در مختار مطبوعہ مصر علی ہامش رد المحتار میں ہے

فلا تخرج الالحق لها او عليها او لزيارة ابويها كل جمعة مرة او المحارم كل سنة

او لكونها قابلة او غاسلة لا فيما عدا ذلك و ان اذن كالاعاصيب ۳

(ترجمہ: عورت مہر کامل طور پر وصول کر لینے کے بعد گھر سے اپنا حق وصول کرنے یا کسی کا حق ادا کرنے یا ماں باپ کی ہر جمعہ کو ملاقات کرنے یا ہر سال اپنے محرم رشتہ داروں کی ملاقات کے بغیر نہیں نکل سکتی ہے۔ اسی طرح

۱	الهدایہ مع فتح القدیر وغیرہ: جلد ۲، صفحہ ۴۷۳ مطبوعہ مصر
۲	الهدایہ مع فتح القدیر وغیرہ: جلد ۲، صفحہ ۴۷۴ مطبوعہ مصر
۳	الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۳۹۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اگر وہ دایہ ہو یا غسل دلانے والی ہو تو بھی اس کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ باقی امور کے لیے باہر نہیں نکل سکتی اور اگر مرد اسے اور کاموں کے لیے نکلنے کی اجازت دے گا تو دونوں گناہ گار ہوں گے (

### قال الشامی

(قوله فيما عدا ذلك) عبارة فتح و ما عدا ذلك من زيارة الاجانب و عبادتهم

والوليمة لا يا ذن لها ولا تخرج ما

(ترجمہ: قولہ: عورت دیگر امور کے لیے نہیں نکل سکتی جیسا کہ اجنبی غیر محرموں کی ملاقات ان کی بیمار پرسی اور ولیمہ کے لیے نہیں جاسکتی۔ خاوند اسے ان کی اجازت نہ دے اور نہ ہی وہ ان امور کے لیے گھر سے باہر جائے)

اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ علاوہ امور مذکورہ ج فرض کے واسطے اگر اپنے کسی محرم باپ بھائی وغیرہ کے ساتھ ہو اور ماں باپ اگر سخت بیمار یا کوئی ان کا خدمت گزار بجز اس بیٹی کے نہ ہو تو ان کی خدمت کے واسطے یا کوئی ایسا ہی سخت حادثہ گھر میں ہی پیدا ہو مثلاً آگ لگ جائے یا چور گھس آئیں اور بے حرمتی یا جان کا خوف ہو جب بھی بلا اجازت شوہر کے گھر سے باہر نکلنے کو شرح قول در مختار فلا تخرج میں جائز تحریر فرماتے ہیں۔

☆ اور صورتِ مسئلہ میں اول تو ظاہر ہے کہ بعد بالغ ہونے لڑکی کے بھی شوہر کو زوجہ کے پاس آمد و رفت سے زوجہ کی جانب سے ممانعت ہے اور اب تک ہے۔ بلکہ لڑکی کے والدین کی جانب سے یہ ظلم بے جا ہے۔ لہذا اگر نکاح نابالغہ بولایتِ دیگر اولیاء علاوہ باپ کے ہوتا جب بھی حق فسخ ساقط ہو چکا۔ مگر یہاں تو بمقتضائے سوال بولایتِ باپ نکاح نابالغہ ہوا ہے جو کسی طرح فسخ نہیں ہو سکتا۔ لہذا اسکول وغیرہ میں لڑکی نہ اپنی خوشی سے جاسکتی ہے نہ لڑکی کے والدین کو بلا اجازت شوہر اسکول وغیرہ میں بھیجنے کا اختیار۔ اور اگر شوہر بھی تحصیل انگریزی وغیرہ کے واسطے کہ جہاں جانے سے فی زمانہ حال مکرر رہ کر دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں خود سر بے حیا بے دین ہو

جاتی ہیں۔ اسکول وغیرہ میں جانے کی اجازت دے دے گا اور عورت اسکول میں جائے گی تو میاں بیوی دونوں بموجب رولیت مذکور در مختار گنہگار ہوں گے۔ لڑکی کے ماں باپ کو تو لڑکی پر ایسی تکلیف پہنچا دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....185﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دختر جس کو عارضہ سل ووق کا تھا بغیر اطلاع ایک شخص سے نکاح کر دیا اور چڑھا واز یورو وغیرہ جو مستعار دیا جاتا ہے وہ لے لیا۔ اب دختر اس کی اسی مرض میں قبل از رخصت مر گئی۔ ایسی صورت میں شرعاً مطالبہ مہر کا رشتہ داران دختر کو پہنچتا ہے یا کیا؟ اور بوجہ اس دھوکہ کے کہ مریضہ سل کو تندرست کہہ کر نکاح کر دیا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

وزیر خان صابن کڑہ آگرہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

سل، وق، جذام، برص، جنوں وغیرہ کوئی مرض بموجب قول مختار شیخین خصوصاً اس حالت میں تو با تفاق بموجب فسخ نکاح قرار نہیں دیا جاسکتا تا کہ بموجب سقوط مہر ہو سکے۔ چنانچہ صفحہ ۱۳۲ ہدایہ میں ہے۔

و اذا كان بالزوجة عيب فلا خيار للزوج و قال الشافعي ترد بالعيوب الخمسة و هي الجذام و البرص و الجنون و الرق و القرن لانها تمنع الاستيفاء حسا او طبعا... و لنا ان فوت الاستيفاء اصلا بالموت لا يوجب الفسخ فاختلاله بهذه العيوب اولی و هذا لأن الاستيفاء من الثمرات و المستحق و التمكن هو حاصل ما

(ترجمہ: اگر بیوی میں عیب ہو تو خاوند کو اختیار عیب حاصل نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پانچ عیوب ایسے ہیں جن کی بدولت بیوی کو واپس کر دیا جائے گا اور وہ عیوب یہ ہیں۔ (۱) جذام (۲) برص (۳) پاگل

پن۔ (۴) عورت کی شرمگاہ میں رتق ہو یعنی جماع کا مقام موجود نہ ہو صرف پیشاب کرنے کی جگہ موجود ہو۔  
 (۵) عورت کی شرمگاہ میں قرن ہو یعنی بڑھا ہوا گوشت یا ہڈی وغیرہ ہو جس کے باعث جماع نہ ہو سکے۔ کیوں  
 کہ یہ عیوب عورت سے حق وصول کرنے میں حسی یا طبعی طور پر مانع ہوتے ہیں۔ ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں  
 کہ کامل طور پر عورت سے حق کی وصولی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتی ہے اور موت سے نکاح فسخ نہیں ہوتا تو  
 ان عیوب کی موجودگی بدرجہ اولیٰ فسخ نہ ہوگا۔ اور حق کا وصول کرنا نکاح کے ثمرات سے ہے اور جس چیز کا اسے  
 استحقاق ہے اور قدرت حاصل ہے۔

قال فی شرحه الکفایۃ

(ترجمہ: اس کی شرح کفایہ میں فرمایا:)

قوله: ولنا ان فوات الاستیفاء اصلا بالکلیۃ بالموت لا یوجب الفسخ حتی لا  
 یسقط شی من مہرہا۔

(ترجمہ: قولہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ کامل طور پر عورت سے حق کی وصولی موت کے ساتھ منقطع ہوتی ہے اور اس

سے نکاح فسخ نہیں ہوتا حتیٰ کہ مہر کا کوئی حصہ اس سے ساقط نہیں ہوتا)

حالاں کہ جن کے نزدیک اختیار فسخ بعیوب مذکور ہے ان کے نزدیک بھی سقوط مہر بعد ثبوت فسخ ہوتا ہے

نہ کہ قبل فسخ ☆ اور جب قبل فسخ زوجہ مذکورہ مرگئی مہر کامل لازم ہو گیا۔

کما فی صفحہ ۲۰۸ من الہدایہ المذکورۃ:

و من سمی مہرا عشرۃ فما زاد فعلیہ المسمی ان دخل بها او مات عنها لانه

بالدخول یتحقق تسلیم المبدل وبہ یتاکدا البدل و بالموت ینتہی النکاح نہایتہ والشی

بالنہایۃ یتقرر و یتاکد فیتقرر بجمیع مواجبہ۔

۱ الکفایہ شرح الہدایہ علی ہامش فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ المطبوعۃ الکبریٰ الامیریۃ مصر

۲ الہدایہ: جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

☆ (ترجمہ: جس شخص نے مہر دس درہم یا اس سے زائد مقرر کیا اس کے ذمہ مقرر کردہ مہر واجب ہے بشرطیکہ اس مرد نے عورت سے جماع کیا ہو یا عورت کو چھوڑ کر مر گیا ہو کیوں کہ جماع کے ساتھ مبدل کی سپردگی ثابت ہو جاتی ہے۔ نیز موت سے نکاح اپنی انتہا تک پہنچ جاتا ہے اور شے اپنی انتہا کو پہنچ جانے سے ثابت اور پختہ ہو جاتی ہے لہذا وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ پختہ ہو جاتی ہے)

قال ابن ہمام رحمہ اللہ فی شرحہ المسمی بفتح القدير  
(ترجمہ: امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدير میں فرمایا جو کہ اس کی شرح ہے)

قوله (و الشئ بانتہائہ يتقرر) لان انتہاء ہ عبارة عن وجودہ بتمامہ فيستعقب مواجبه  
الممكن الزامها من المهر والارث والنسب بخلاف النفقة ويعلم من هذا الدليل ان موتها ايضا  
كذلك فالإقتصار على موته اتفاق ولا خلاف للاربعة في هذه سواء كانت حرة او امة  
(ترجمہ: قولہ: اور شے اپنی انتہا کو پہنچ کر پختہ ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ شے کی انتہا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے کامل وجود کے  
ساتھ موجود ہے۔ لہذا اس کے بعد تمام لوازمات ثابت ہو جائیں گے جن کا لازم کرنا ممکن ہو۔ مثلاً مہر وراثت اور نسب  
بخلاف نفقہ کے۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ بیوی کے مرجانے کی صورت میں یہی حکم نافذ ہے لہذا مرد کی موت کی قید  
اتفاقی ہے۔ اس بارے میں ائمہ اربعہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عورت خواہ آزاد ہو خواہ غلام)

و فی صفحة ۳۵۶ من الدر المختار المطبوعة مع الشامی فی المصر

و تجب العشرة ان سماها او دونها و يجب الاكثر منها ان سمی الاكثر ویتا کد

عند وطی او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما فقط

(ترجمہ: مہر دس درہم واجب ہوگا اگر دس درہم یا ان سے کم مقرر کیا اور اگر زیادہ مقرر کیا تو زیادہ مقرر کردہ  
واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ جماع یا خاوند کی جانب سے خلوت صحیحہ یا میاں بیوی دونوں میں سے کسی ایک کی  
موت سے پختہ ہو جاتا ہے)

اور صحت نکاح میں کسی شرط عند العقد کا بعد النکاح نہ پایا جانا مغل نکاح نہیں ہوتا خصوصاً نہ پایا جانا شرط صحت و تندرستی کا عورت میں علیٰ ہذا مرد میں بجز مرض مقطوع الذکر ہونے یا نامرد ہونے یا خصی ہونے کی۔

چنانچہ صفحہ ۲۹۰ سطر ۲۲ جلد دوم فتاویٰ عالمگیری یہ مطبوع مصر میں ہے:

ولا يثبت في النكاح خيار الروية والعيب والشرط سواء جعل الخيار للزوج او المرأة اولهما ثلاثة ايام او اقل او اكثر حتى انه اذا فعل ذلك فالنكاح جائز اذا كان العيب هو الجب والخصاء والعنة فان المرأة بالخيار وهذا عند ابي حنيفة و ابي يوسف رحمهما الله تعالى هكذا في شرح الطحاوی فاذا شرط احدهما لصاحبه السلامة عن العمى والشلل والزمانة او شرط صفة الجمال او شرط الزوج عليها صفة البكارة فوجد بخلاف ذلك لا يثبت له الخياراً

(ترجمہ: نکاح میں خيار رویت، خيار عیب اور خيار شرط ثابت نہیں ہوتا۔ خواہ خيار مرد کے لیے ہو یا عورت کے لیے یا دونوں کے لیے رکھا گیا ہو خواہ یہ خيار تین یا ان سے کم یا ان سے زائد دنوں کے لیے سب صورتوں میں یہی حکم ہے۔ اگر کسی نے یہ خيار بوقت نکاح لگایا تو نکاح درست ہے (اور خيار باطل) ☆ اور جب عیب آلہ تناسل کا کٹا ہوا ہونا، خصی ہونا، نامردی ہونا تو عورت کو اختیار ہے۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ شرح طحاوی میں اسی طرح ہے۔ جب زوجین میں سے کسی نے دوسرے کے لیے اندھے پن، مفلوج ہونے، اپاہج ہونے سے سلامت کی یا حسین ہونے کی شرط لگائی یا خاوند نے عورت پر باکرہ ہونے کی شرط لگائی پھر ان شرطوں کے خلاف پایا تو دوسرے کے لیے خيار ثابت نہ ہوگا)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....186﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کیساتھ بعوض مبلغ تین سو روپیہ مہر کے ہوا تھا اب ہندہ کا قبل رخصت بلا حصول خلوت صحیحہ زید کے ساتھ انتقال ہوا۔ اندریں صورت بذمہ زید کل مہر واجب ہوگا یا نصف؟ اور جو زیور ہندہ کو شوہر کے باپ نے اور ہندہ کے باپ نے وقت نکاح حسب دستور پہنا دیا تھا وہ کس کا قرار دیا جائے گا؟ اور بعد موت ہندہ ورثہ میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ ہندہ نے یہ وارث چھوڑے ہیں۔ زوج، ام اب، تین بھائی، ایک بہن۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بوجہ مرجانے ہندہ کے بذمہ زید شوہر ہندہ کے کل مہر واجب ہوگا۔ اس واسطے کہ جیسے بعد خلوت صحیحہ کل مہر واجب الادا ہو جاتا ہے۔ زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے سے بھی کل مہر بذمہ شوہر لازم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۳ جلد ثانی الجوهرة النيرة میں ہے

وان سمی عشرة فما زاد فلها المسمى ان دخل بها او مات عنها وهكذا اذا ماتت

هي فلها المسمى۔

(ترجمہ: مہر اگر دس درہم اور جو اس سے زائد مقرر کیا تو عورت کو مقرر کردہ مہر ملے گا اگر اس نے اس کے ساتھ خلوت اختیار کی یا اس کو چھوڑ کر مر گیا۔ اور اسی طرح اگر عورت مرجانے تو بھی وہ مقرر کردہ مہر کی حق دار ہے۔)



وہکذا فی صفحہ ۲۰۹ من الجزء الثالث لفتح القدیر

☆ لہذا کل مہربلغ تین سوا اور جوز یور ہندہ کے باپ کا پہنایا ہو یا شوہر کا یا شوہر کے باپ کا اگر وہ عرف میں ہندہ کی ملک مانا جاتا ہو تو سب ملک ہندہ قرار پا کر اس طرح ورثہ میں تقسیم ہوگا کہ کل مال ہندہ کے چھ (۶) حصہ کر کے تین (۳) حصہ زوج کو ملیں گے اور ایک حصہ ام کو اور باقی دو حصہ باپ کو اور موجودگی باپ میں بہن بھائی کو کچھ نہیں ملتا۔

صورتہ ہکذا

ہندہ مسئلہ ۶

میت

زوج ام اب اخ اخ اخت

۳ ۱ ۲ ۴ ۴ ۴

☆ اور جوز یور عرف میں ہندہ کا نہ ہوگا بلکہ عرف میں وقت نکاح عاریتہ پہنایا جاتا ہوگا تو وہ جس نے عاریتہ پہنایا تھا اس کو مل جائے گا۔ اور باقی بطریق مذکور تقسیم ہو جائے گا۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المہفتی فی

جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....187﴾

### سوال

ایک عورت کی آشنائی کسی مرد سے ہے۔ اور اس کے شوہر کو بھی معلوم ہے پس اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: از آگرہ

۲۵ مارچ ۱۹۱۶ء

### الجواب

ایسی صورت میں شوہر زوجہ کو ہدایت کرے۔ اگر نہ مانے تو طلاق دے دے۔ اور اگر محبت رکھتا ہو اور طلاق نہ دے تو اپنے پاس رکھے۔ اس طرح حدیث شریف میں ہے ما۔ واللہ اعلم و علم احکم  
کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



حضرت مفتی علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ شاید درج ذیل حدیث شریف کی طرف ہے:-

عن لقیط بن صبرۃ قال قلت یا رسول اللہ ان لی امرأۃ فی لسانہا شیء یعنی البذاء قال طلقها قلت ان لی منها ولدا ولہا صحبۃ قال لمرہا یقول غطھا فان یک فیہا خیر فستقبل ولا تضربن ظعنیک ضربک امیتک (رواہ ابو داؤد)

مشکوۃ المصابیح: صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

(ترجمہ: حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے اس کی زبان میں فحش گوئی پائی جاتی ہے آپ نے فرمایا اسے طلاق دے دو۔ میں نے عرض اس کے لطن سے میرا ایک بچہ ہے اور وہ کچھ عرصہ میرے ساتھ رہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا اسے حکم دو آپ کا مقصود یہ تھا کہ اسے نصیحت کرو۔ اگر اس میں کچھ بہتر ہی ہوگی تو قبول کر لے گی اپنی بیوی کو اس طرح ہرگز نہ مارو جس طرح تم اپنی لکھی لوٹھی کو مارتے ہو)

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ



# طلاق



## ﴿فتویٰ نمبر.....188﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو چار مردوں کے سامنے طلاق دی۔ اب زید انکار کرتا ہے۔ تو اب عندالشرع زید کی زوجہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب جلد عنایت فرمایا جائے اور بحوالہ کتب اہلسنت والجماعت دیا جائے۔

۳ ذی قعدہ ۱۳۶ھ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

اگر زید کا اپنی بیوی کو مخاطب کر کے اس طرح کہنا ثابت ہو جائے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ جب تک ایام عدت (یعنی) تین حیض نہ گزر جائیں مرد کو اختیار ہے خواہ عورت راضی ہو یا نہ راضی ہو کہ دو آدمیوں کو گواہ کر کے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی طلاق کے قول سے رجوع کیا یا بہ نیت رجعت اس سے بوس و کنار یا ہم بستر ہوئے۔ تو وہ عورت بلا نکاح جدید اس کے نکاح میں رہے گی۔

اور اگر بعد طلاق تین حیض گزر جائیں تو پھر طلاق بائن ہو جائے گی۔ اندریں صورت برضا مندی عورت اس سے نکاح جدید کر سکتا ہے چنانچہ صفحہ ۱۷۳ جلد اول فتاویٰ ہندیہ میں ہے

الطلاق الصریح و هو کانت طالق و مطلقہ و طلقک و تقع واحدة رجعية و ان

لوی الاکثر اوالابانة او لم ینو شیا کذا فی الكنز

(ترجمہ: طلاق صریح وہ یوں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو کہے تجھے طلاق ہے۔ یا کہے تجھے طلاق دی گئی ہے یا کہے میں

نے تجھے طلاق دی۔ ان الفاظ سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اگرچہ وہ ایک سے زائد کی نیت کرے یا بائن طلاق کی نیت کرے یا کچھ بھی نیت نہ کرے۔ (کنز)

☆ اگر تین دفعہ اس سے یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ اور اس کے ساتھ تنہا کسی مکان میں بلا مانع رہ چکا تھا یا وطی کر چکا تھا تو اس پر تین طلاق واقع ہو جائے گی۔ اب بعد انقضائے ایام عدت تا وقتیکہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے ہمبستر نہ ہو لے اور پھر وہ شوہر اگر طلاق دیدے جب تک اس کے ایام عدت نہ گزریں شوہر اول سے وہ ہرگز نکاح جدید نہیں کر سکتی۔ اور شوہر اول بدون اس طریق کے بلا

اس کی رضامندی کے اس کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا چنانچہ آیہ کریمہ:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره ۱

(ترجمہ: اگر اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے)

☆ اس امر پر شاہد عدل ہے اور اگر بعد طلاق وہ طلاق دینے سے قطعاً انکاری ہے اس کے ثبوت کے لیے ایسے دو گواہ عادل مسلمانوں کے یا ایک عادل مسلمان اور دو عورت عادلہ مسلمہ کی ضرورت ہے کہ وہ مرد عورت دونوں کو پہنچانتے ہوں اور پہچان کر اس طرح گواہی دیں کہ ہم اس مرد کو پہنچانتے ہیں اور اس عورت کو پہنچانتے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسی نے اس عورت کو طلاق دی تھی۔ اگر ایسے گواہ گزر جائیں بلاشبہ طلاق ثابت ہو جائے گی۔ اور بغیر گزرنے ایسے دو گواہوں کے دعویٰ طلاق ثابت نہیں ہو سکتا۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....189﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص نے ناراض ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دی۔ نیز اس خیال سے کہ دوسری عورت سے نکاح کرے۔ جس عورت کو اس نے طلاق دی ہے اس کے شکم سے دو لڑکیاں عورت مذکور کے پاس موجود ہیں ایک نابالغ ایک شیرخوار۔ ایسی حالت میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ شخص مذکور اب بھی طلاق دینے کا اقراری ہے اور اعلان بھی کر چکا ہے کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی۔ نیز صرف مہر ہی دینا ہوگا یا نان و نفقہ بھی؟

۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۶ھ

سید محمود از بجا اور بندیل کھنڈ

متصل ایجنسی چھاؤنی لوگاؤں بر مکان میر صاحب سید احمد

### الجواب

وهو الموفق للصواب.

اللهم رب زدنی علما

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کسی بھی حالت میں خواہ اس سے اولاد ہو یا نہ ہو ایک بچہ بھی نہ ہو خواہ انیس بیس بچے ہوں خواہ زائد ہوں ایک باریہ کہہ دے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی یا تو مطلقہ ہے تو قصدا کہے یا خواہ ہنسی سے کہے خواہ غصہ سے کہے اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

كما في صفحة ۶۰ من الهداية المطبوعة في مطبع نول كشور:

الطلاق على ضربين صريح و كناية فالصريح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتك

فهذا يقع به الطلاق الرجعي.... و لا يفتقر الى النية.... و كذا اذ انوى الابانة.... و لو

نوى الطلاق عن وثاق لم يدين في القضاء.... و لا يقع به الا واحدة و ان نوى اكثر من

ذلك التهي مختصرا بقدر الحاجة ۱.

☆ (ترجمہ: طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صریح (۲) کنایہ۔ صریح جیسے کہ یوں کہے تو طلاق والی ہے۔ طلاق یافتہ ہے۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں۔ اور اسی طرح اگر ان الفاظ سے عورت کو بائن کرنے کی نیت کرے تو بھی رجعی واقع ہوگی اور اگر قید سے رہائی دینے کی نیت کرے تو قضاء میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اگرچہ وہ اس سے زیادہ کی نیت کرے)

حکم اس طلاق کا یہ ہے کہ وہ اگر تین حیض آنے سے پہلے جو ایامِ عدت ہیں جن میں کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی خود اپنا نکاح رکھنا چاہے دو گواہ کر کے کہہ دے کہ میں نے اپنے قول سے رجوع کیا یا اس سے ہم بستر ہو یا بوس و کنار ہو لے تو پھر وہ اس کی بیوی رہتی ہے۔ دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں۔ البتہ اگر تین حیض گزر جائیں بلاشبہ وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر پہلے شوہر سے چاہے اس سے بھی نکاح کر سکتی ہے۔

☆ دو طلاق تک اگر بائن بھی دے دی اس کی خوشی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ مگر تین طلاق کے بعد پھر جب تک وہ عورت بعد انقضائے عدت دوسرے شخص سے نہ نکاح کر کے اور اس کے ساتھ ہم بستر نہ ہو لے اور پھر وہ اگر طلاق دے دے تو اس کی عدت کے بعد اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فان طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره ۲

(ترجمہ: دو طلاق دے چکنے کے بعد اگر خاوند مزید ایک اور طلاق اسے دے دے تو وہ بیوی اس خاوند کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے)

۱۔ الہدایہ مع فتح القدیر وغیرہا : جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۸ مطبوعہ مصر

۲۔ القرآن الحکیم : سورة البقر : آیت : ۲۳۰

.....  
 اور اگر وہ لوگوں سے بار بار یہی کہتا رہا ہے کہ ”میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی ہے“ تو وہی ایک طلاق  
 رہے گی۔

اور اگر اس نے کئی دفعہ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا طلاق دیتا ہوں تو تین طلاق ہو جائیں  
 گی۔ ☆ پھر دونوں صورتوں میں ایامِ عدت میں شوہر پر نان و نفقہ بھی عورت کا لازم ہے۔ اور ادائیگی مہر بھی  
 بذمہ شوہر لازم ہے۔ بعد گزرنے عدت کے بجز مہر کے کچھ نہیں دیا جاتا۔ پھر عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے  
 نکاح کر لے۔ فقط

حورہ: العبدالراجی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....190﴾

نوٹ: سوال دستیاب نہیں ہو سکا۔

### الجواب

وهو الموفق للصواب

اللهم رب زدنی علما

جب مرد نے اس عورت سے یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے (تین ما) طلاق دی یا گواہوں کے سامنے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو (تین ما) طلاق دی اور اس کے (بعد) پھر الگ ہوئے نہیں اور اس امر کے مسلمان عادل دو گواہ موجود ہیں اور زمانہ عدت کو گزرے ہوئے بھی چھ سات برس ہو گئے یقیناً وہ طلاق جائز ہو گئی۔ اور بلا تکلف بصورت ثبوت طلاق و انقضاء عدت اس کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ صحیح ہو گیا اور دعویٰ زوج اول شرعاً بالکل ناجائز اور ناقابل سماعت ہے۔ فقط

حررہ العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المشہدی

المفتی فی جامع اکبر آباد



ما تو سین میں اضافہ مرتب کی طرف سے ہے۔ فتویٰ کے رجسٹر میں نہیں ہے۔

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....191﴾

### سوال

#### حامدا و مصليا

علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی (کو بوجہ) فاحشہ ہونے کے طلاق مغلظہ دی۔ اور وہ عورت ایک سال یا دو سال زنا کاری میں مشغول رہی۔ اب وہ عورت توبہ کرتی ہے۔ اور اس کا شوہر پھر اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے اور اس عورت نے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کیا مثل حلالہ وغیرہ کے۔ اب نکاح اس طلاق دینے والے کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟۔ بموجب قرآن و حدیث کے بیان کیجئے۔

کریم بخش ٹونڈلہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

صورتِ مسئلہ میں اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ اس طرح سے دیدی تھی کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، اور بعد نکاح وہ اس سے ہم بستر بھی ہو چکا تھا تو اس کے نکاح میں بغیر حلالہ کے نہیں آسکتی۔ اور اگر اس نے ایک یا دو طلاق دی تھی تو اس سے توبہ کرا کر نکاح کر سکتا ہے بلکہ بوجہ توبہ کرانے اور فعل بد چھوڑانے کے مستحق ثواب ہوگا۔ ہکذا ظاہر من کتب الحدیث والفقہ

ابو محمد محمد دیدار علی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....192﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ محمد صدیق نے ایک خط بنام نظیر الدین اپنے خسر کو بھیجا کہ میں نے اپنی بیوی مسماۃ حفیظن کو تلاق دیا تلاق دیا حفیظن کو تلاق دیا۔ تین مرتبہ۔ اور یہ خط رجسٹری کرا کر بنام اپنے خسر کو بھیج دیا۔ پھر جب خود آیا اور برادری کے لوگوں نے اس سے پنچایت میں پوچھا کہ کیا یہ خط تو نے ہی بھیجا ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ ہاں یہ خط بصحت ہوش و حواس میں نے ہی لکھوا کر بھیجا ہے۔ آیا اس صورت میں محمد صدیق اپنی بیوی حفیظن کو پھر اپنے نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟۔ بینواتو جروا

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں تین طلاق واقع ہوگئی اب بغیر حلالہ کے محمد صدیق کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

كما فی الهدایة:

وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة أو ثنتين في الامه لم تحل له حتى تنكح زوجا

غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها.

(ترجمہ: آزاد عورت کی صورت میں تین اور لونڈی ہونے کی صورت میں دو طلاقیں اگر واقع ہو جائیں تو وہ

عورت اپنے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں رہتی جب کہ دوسرا مرد اس سے صحیح نکاح کر کے وطی نہ

کرے اور پھر وہ اس کو طلاق دے لے یا مرجائے) فقط

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی، مفتی جامع مسجد اکبر آباد

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

## ﴿فتویٰ نمبر.....193﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میری بہن کے خاوند نے اس کو طلاق دیدی اور فارغ خطی بھی لکھ دیا۔ جس کو تقریباً تین ساڑھے تین ماہ ہو چکے۔ اور اس کے تین مرتبہ خون حیض بھی جاری ہو چکا ہے۔ فارغ خطی ہمارے مخالف کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہیں دیتا۔ لیکن طلاق کے گواہ بہت آدمی ہیں۔ پھر ایسی صورت میں اس کا نکاح بغیر فارغ خطی قبضہ میں لائے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سائل مہتا دھوبی کٹرہ قاضی حسن

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں طلاق کے واسطے دو گواہ عادل مسلمان کافی ہیں۔ تحریری فارغ خطی کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ بصورتِ طلاقِ صریح، اگر اس نے بلفظ طلاق تین سے کم یا ایک طلاق دی تھی، ایامِ عدت میں بلا نکاح طلاق سے رجوع کر کے اس کو اپنی زوجیت میں لاسکتا تھا، مگر چونکہ بلا رجوع اب تین حیض جو ایامِ عدتِ طلاق ہیں گزر چکے لہذا وہ جبراً اس کے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ ☆ اور اب اس مطلقہ کو اختیار ہے اگر اس کے ساتھ یعنی شوہر مذکور کے ساتھ نکاح جدید کرنا چاہے کر سکتی ہے۔ اور اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا چاہے دوسرے کے ساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....194﴾

### سوال

اگر زید حنفی المذہب نے صحبت کرنے کے بعد کئی مہینے بعد ایسا کیا ہو کہ اپنی منکوحہ کو ایک ہی جلسہ میں صریح لفظوں میں میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، تین طلاق بحالت غصہ دیں۔ اور اشد ضرورت اور بے حد مجبوری میں اس نے سنے ہوئے مسئلہ پر عمل کیا کہ ایک جلسہ کے تین طلاقیں ایک ہو جاتی ہیں اور عدت میں رجوع کر لیا۔

تو کیا زید اس فعل سے دائرہ اسلام سے خارج ہو یا نہیں؟ مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے قول پر مجبوری کی حالت میں عمل کرنے سے مذہب حنفی سے خارج ہو گیا؟ اور اگر وہ سخت مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے آئندہ بھی اس عورت کو جدا نہ کر سکے اور اسی رجعت پر جمار ہے تو کیا مرتکب زنا یا کسی گناہ کبیرہ کا ہوگا؟

۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ سائل محمد شفیع محلہ چھتارا جہ کاشی آگرہ

### الجواب

صورت مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہو گئیں۔ لہذا رجعت صحیح نہ ہوئی۔ اور اس عرصہ میں وہ اس سے اگر ہم بستر ہوتا رہا تو مرتکب زنا رہا۔ اب اس کو توبہ کرنا چاہئے۔ اور آئندہ اس کی ہم بستری سے پرہیز کرنا لازم ہے جب تک وہ عورت کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر کے ہم بستر نہ ہو لے پھر اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے تو بعد انقضائے عدت پھر یہ شخص یعنی شوہر اول جس نے تین طلاق دیدی ہیں اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

اور حنفی المذہب ہرگز ایسی صورت میں دوسرے مذہب پر عمل نہیں کر سکتا۔ اور اگر عمل کرے گا فاسق بلکہ کبیرہ ہوگا۔ کافر نہیں ہو سکتا۔

حردہ: العبد العاصی ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....195﴾

### سوال

بسم الله الرحمن الرحيم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو صریحاً برضاً خویش تین طلاق دے دیں لیکن پھر عدت کے اندر رجوع کرے۔ ایسی حالت میں دائرہ اسلام میں کوئی صورت بھی ہے جو زید کو حرام سے بچائے یا عمر بھر زید حرام کامرتکب رہا؟

سائل: سلامت اللہ کمیل کثرہ آگرہ

### الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

صورتِ مسئلہ میں اگر اس نے اس طرح طلاق دی ہے کہ میں نے تجھ کو تین طلاق دی تو تین مغلظہ واقع ہوگئی۔ خواہ قبل ہم بستری اور خلوتِ صحیحہ کے اس طرح دی تھی یا بعد ہم بستری کے۔

اور اگر اس نے اس طرح طلاق جدا کر کے دی تھی کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور ایک اور ایک اور تو اگر اس کو بعد ہم بستری اور خلوتِ صحیحہ دی تھی جب بھی تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اور اگر نکاح کرنے کے بعد قبل خلوتِ صحیحہ وہم بستری اس طرح کہا تھا تو فقط ایک طلاق بائن واقع ہوگی وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

اور پہلی اور دوسری صورت مذکور میں جب تک بعد عدت وہ عورت مطلقہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہم بستر نہ ہوئے اور پھر دوسرا شوہر کسی طرح سے اس کو طلاق دے کر بائن اور جدا نہ کر دے اور اس کی عدت نہ گزر لے زوج اول کو کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی۔ ہکذا فی کتب الفقہ اس واسطے کہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ بعد ذکر دو طلاق کے فرماتا ہے۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره ما

یعنی بعد دو طلاق کے اگر اس نے تیسری طلاق دیدی تو وہ اس کو حلال نہیں ہوگی جب تک دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہم بستر نہ ہوئے چنانچہ حدیثِ غَسِيلَه ما اس کی پوری مبین ہے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

عفی اللہ عنہ وعن ابویہ



ما القرآن الحکیم : سورة البقره : آیت نمبر ۲۳۰

ع حدیث غَسِيلَه : قلت رواه الأئمة الستة فی كتبهم من حدیث عائشة. قالت سئل رسول اللہ ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت زوجا غيره فدخل بها ثم طلقها قبل أن يواقعها التحل لزوجها الأول قال لا حتى يدوق الآخر من عسيلتها ما ذاق الأول.

(ترجمہ: میں کہتا ہوں اس حدیث کو چھ اماموں نے صحاح ستہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم

ﷺ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا۔ اس نے اس کے ساتھ خلوت کی۔ لیکن جماع سے قبل اسے طلاق دے دی کیا وہ اپنے پہلے زوج کے لیے حلال ہو جائے گی؟ تو آپ

ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک دوسرا خاوند اس کی تھوڑی سی شہید نہ چکھ لے جس طرح کہ پہلے خاوند نے چکھی تھی)

i نصب الراية : جلد ۳ صفحہ ۲۳۷ ناشر المكتبة الاسلاميه

ii صحيح البخارى : حدیث رقم : ۵۲۶۱ مكتبة دار السلام رياض

iii صحيح البخارى : حدیث رقم ۲۶۳۹ مكتبة دار السلام رياض

iv صحيح مسلم : حدیث رقم ۳۵۲۶ تا ۳۵۳۲

محمد علیم الدین نقشبندی عفی عنہ

﴿فتویٰ نمبر.....196﴾

سوال

ایک شخص نے حسب طلب خسر یوں کہا کہ طلاق میں نے دی۔ میرے اللہ نے دی۔ طلاق طلاق تو کس قسم کی طلاق سمجھی جائے گی۔

جناب مولوی غلام محی الدین خاں صاحب

امام مسجد شاہجہاں پورے ۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

الجواب

یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور تکرار واسطے تاکید کے ہے۔ دوبارہ نکاح بغیر حلالہ ہو سکتا ہے۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ





﴿فتویٰ نمبر.....197﴾

سوال

ایک شخص بوجہ بخاری طاعونی مسلوب الحواس تھا۔ زوجہ سے لڑائی ہوئی۔ زوجہ نے کہا کہ تو مجھ کو طلاق دے دے۔ اس نے کہا میں نے طلاق دی۔ پس شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: رحیم بخش، محلہ اٹہ شاہ جہان پور

۱۴ فروری ۱۹۱۶ء

الجواب

ایسی صورت میں اگر مرد شوہر طلاق کو واقع کرنا ہے تو طلاق ہو جائے گی ورنہ یہ کلام مشکوک ہے کیونکہ یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ میں (نے) طلاق تیرے ہاتھ دی تو ایسی حالت میں طلاق نہ ہوگی۔ کذا فی العالم

گیری

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....198﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و فقہیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ شوہر وزن میں کسی وجہ سے نا اتفاقی ہو گئی۔ شوہر نے اپنی بیوی کو حالت تنہائی میں طلاق دے دی۔ اور اس کے والدین کو بلا کر ان کے ہمراہ کر دیا۔ اور کہا کہ اپنی لڑکی کو لے جاؤ ہمارے کام کی نہیں۔ اس کے والدین اپنے مکان پر لے آئے۔ شوہر نے نکاح دوسرا کر لیا۔ لڑکی اپنے والدین کے ہاں موجود ہے جس کو دو برس ہو چکے ہیں۔ اس لڑکی کا نکاح دوسرا کسی اور جگہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالت تنہائی میں طلاق درست ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا

سائل: حافظ محمد اسماعیل

۲۱ نومبر ۱۹۱۵ء

### الجواب

وهو الملمہم للحق والصواب

☆ طلاق کا واقع ہونا اور طلاق کا ثابت ہونا دو جدا گانہ چیزیں ہیں۔ طلاق کے واقع ہونے کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں۔

☆ تنہائی میں بھی اگر زوج زوجہ سے طلاق کے لفظ کہے گا تو طلاق پڑ جائی گی لیکن ایسی طلاق سے اگر زوج منکر ہو جائے تو حاکم گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے طلاق کا حکم نہ دے گا۔ اس لیے کہ وہ ثبوت کا محتاج ہے۔ ہاں عند اللہ وہ طلاق ہو جائے گی۔

پس صورت مسئلہ میں اگر زوج اقراری ہے تو طلاق کا حکم دیا جاوے گا اور عورت کی عدت بعد طلاق سے منقضی ہو چکی ہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں۔ فقط:

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۱۵ء

## ﴿فتویٰ نمبر.....199﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ زید نے اپنی بیوی کی رخصت کے بارے چند اشخاص معززین پہنچان مقرر کے روبرو کھلف بیان کیا کہ میں خدا رسول کو پہچان کر صحیح بیان کرتا ہوں کہ میں اپنی زوجہ کے مکان پر آیا اور میں نے اپنے سارے امام الدین کے روبرو یہ کہا کہ میرا پچاس روپیہ کا زیور دید ورنہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دیدوں گا۔ پس ایسی حالت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور وہ رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: مستری محمد بخش پنشن یافتہ مائی منڈی محلہ ہتائی

۲۳ شوال ۱۳۳۴ھ

## الجواب

صورتِ مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی اس واسطے کہ وہ تو کھلف یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ طلاق دیدوں گا۔ لہذا اگر عورت مدعیہ طلاق ہے کہ اس نے یہ کہا تھا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا میں نے تجھ کو طلاق دی ☆ تو اس امر کے دو گواہ عادل پیش کرے۔ اگر گواہ اس کے دعویٰ کے مطابق گواہی دیدیں۔ ☆ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ☆ جس کا حکم یہ ہے کہ ایامِ عدت میں اگر وہ کہہ دے کہ اپنی طلاق سے رجوع کرتا ہوں یا اپنی بیوی سے کوئی معاملہ میاں بی بی کا کرے تو بلا نکاح (جدید) وہ نکاح میں رہے گی اور اگر گواہ پیش نہ کر سکے شوہر کا حلف کافی ہے۔ طلاق بالکل واقع نہ ہوگی۔ حدیث صحیح ہے۔

☆ البینة علی المدعی والیمن علی من انکرما

(ترجمہ: گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور انکار کرنے والے کے ذمہ قسم اٹھانا ہے)

لہذا شوہر کو بغیر حلف یعنی خدا کی قسم کے انکار طلاق پر گواہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ منکر کی گواہ مقبول۔

حورہ: عبدالراجی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....200﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو بھنگ پلا کر اس کی زوجہ کے ساتھ زنا کیا۔ اور جب بکر کو نشہ سے افاقہ ہوا اس نے ان دونوں کو مشغول زنا پایا۔ تب بکر نے اپنی زوجہ کو جھڑک کر نکال دیا۔ آیا بکر کی زوجہ اس کے عقد میں رہی یا نہیں؟ بینوا توجروا

۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ

رحیم بخش محلہ نوربی دروازہ آگرہ

## الجواب

صورتِ مسئلہ میں بوجہ زنا زید کے بیوی بکر کے نکاح سے نہیں نکلی۔ اگر وہ توبہ کرتی ہے کہ آئندہ کبھی ایسا فعلِ بدنہ کرے گی بلا تکلف جائز ہے کہ بکر اس کو بلا لے اور بیوی سمجھے۔ اور اگر اس نے حالتِ غصہ میں بہ نیتِ طلاق اس طرح بھی کہہ دیا تھا کہ جا میرے گھر سے نکل جا تو لازم ہے کہ دو گواہوں کے سامنے پھر نکاح کرے۔

اور اگر بوقت کہنے ایسے لفظ کے کچھ نیت نہ تھی تو ضرورتِ نکاح بھی نہیں مگر احتیاطاً پھر نکاح کر لینا بہتر

ہے۔

حورہ: العبدالراجی

محمد دیدار علی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....201﴾

### سوال

ایک شخص بیمار تھا اور دماغ میں نقص بعارضہ بخار ہو گیا تھا اس اثنا میں اپنی بی بی سے تکرار کر کے کہا جا میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی۔ تو شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: رحیم بخش، محلہ ادھ شاہ جہان پور

۲۰ فروری ۱۹۱۶ء

### الجواب

اس صورت میں طلاق نہ ہوگی۔ فتاویٰ حامد یہ میں ہے۔

سئل فی رجل مرض مرضا اوصل فيه الى اختلال العقل بحيث اختل كلامه المنظوم و باح بسرہ المکتوم و صدر منه ما یصدر عن المجانین یطلق زوجته فی هذه الحالة فما حکم.

الجواب اذا ثبت زوال عقله و عدم وعیه لا يقع علیه طلاق و لا یطالب الصداق

اذا كان الحال علی هذا المنوال فانه حينئذ مجنون و للمجنون فنون. انتهى. ما

(ترجمہ: ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو ایسا بیمار ہو گیا کہ اس کی عقل میں خلل واقع ہو گیا۔ اس طرح

سے اس کی مرتب کلام میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اس نے اپنا پوشیدہ راز ظاہر کر دیا۔ اور اس سے وہ افعال صادر ہوئے

جو پاگلوں سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے بیوی کو اس حالت میں طلاق دے دی۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ جب اس کی عقل زائل ہونا اور اس کا محفوظ نہ رہنا ثابت ہو گیا تو جب تک یہ

حالت ہے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور نہ ہی اس سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ پاگل ہے اور

پاگل پن کی کئی قسمیں ہیں۔)

کتبہ: المفتی محمد اعظم شاہ غفرلہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....202﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ بترغیب میری خوش دامن یعنی ساس کے دو شخص رشتہ دار مجھے اپنے مکان پر لے گئے۔ میں اس وقت کسی قدر نشہ میں تھا۔ انہوں نے ایک کاتب کو اپنے مکان پر بلا کر اور اپنے صرف سے کاغذ منگوا کر میری جانب سے ایک فارغ خطی اس سے تحریر کرائی۔ اور مجھ سے کہا کہ اس پر اپنے انگوٹھے کا نشان کر دو۔ چونکہ اس وقت کسی قدر نشہ میں تھا میں نے اپنے انگوٹھے کا نشان اس پر کر دیا۔ جب میرے ہوش و حواس درست ہوئے تو معلوم ہوا کہ تحریر شدہ کاغذ پر میرے انگوٹھے کا نشان مجھ سے کرایا گیا ہے۔ اور میری زوجہ منکوحہ کو وہ کاغذ پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے بھی میری اس تحریر فارغ خطی کو مستند نہیں سمجھا کہ میرا شوہر نشہ میں ہے۔ میرے تین بچے اس بی بی کے لطن سے پیدا ہوئے ہیں جو موجود ہیں۔ ایسی صورت میں بعد استغفار اور توبہ کے میں اپنی زوجہ منکوحہ کو اپنے عقد میں لے سکتا ہوں یا مجھے کیا کرنا چاہئے؟

سائل: وزیر الدین  
آگرہ گھٹیا اعظم خان

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں وزیر الدین کو جائز ہے کہ شراب و ترک نماز وغیرہ جملہ افعالِ قبیحہ سے توبہ کر کے اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے آئے۔ اس واسطے کہ بحالتِ نشہ نادرستی حواس اگر خود شوہر بھی اگر اپنی زوجہ کے نام طلاق نامہ لکھ دے وہ جب ہی معتبر ہوگا یعنی طلاق واقع ہوگی جب کاتب طلاق نامہ لکھ کر اس شخص کو سارا مضمون سنا دے پھر وہ شخص اس طلاق نامہ کو لیکر اپنی مہربا دستخط کر کے خود اپنی زوجہ کے پاس بھیج دیے یا کسی دوسرے شخص

یا خود کاتب کو حکم کرے کہ اس کو میری زوجہ کے پاس بھیج دو۔

کما فی صفحہ ۲۰۲ من فتاویٰ العالمگیریہ المطبوعہ فی المصر:

رجل استکتب من رجل آخر الی امراته کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذہ وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امراته فاتاها الکتاب اقر الزوج انه کتابه فان الطلاق يقع علیها وکذا لک لو قال لذلک الرجل ابعت بهذا الکتاب الیها الخ ما (ترجمہ: ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے خط لکھوایا اس نے وہ خط لکھ کر اس خاوند کے سامنے پڑھا۔ خاوند نے اسے لپیٹا اس پر مہر لگا کر دی۔ اور پتہ لکھ کر بیوی کی طرف اسے ارسال کر دیا وہ خط اس بیوی کے پاس پہنچا، خاوند نے اقرار کیا یہ اس کا خط ہے تو اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اسی طرح یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب خاوند نے اس لکھنے والے آدمی سے کہا یہ خط میری بیوی طرف بھیجے دو)

اور یہاں امور مذکور موجب طلاق سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ سرے سے شوہر کو بذات خود طلاق نامہ لکھوانے سے انکار ہے۔ نہ اس نے اپنی بیوی کو دیا۔ نہ خود بھیجا۔ نہ کسی سے بھجوایا۔ بلکہ اس کو تو بحالت نشہ نشان انگوٹھا ہی کی خبر ہے جو قابل اعتبار نہیں۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....203﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ زید نے بحالت دیوانگی جس سے تمام شہر واقف ہے اپنی زوجہ کو طلاق لکھ دی تو اندریں صورت طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء

دھوراجی ملک کاٹھیاواڑ عطر فروش موسیٰ علی محمد

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں اگر فی الواقع بحالتِ دیوانگی و بیہوشی شخصِ مذکور نے طلاق دی تھی یا لکھ دی تھی یا لکھوا دی تھی اور فی الحقیقت اس کے ہوش و ہواس اور عقل سالم نہ تھی تو یہ طلاق بالکل واقع نہیں ہوئی۔ اور اس کی زوجہ بدستور اس کے نکاح میں ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:-

ولا يقع طلاق الصبی والمجنون والنائم لقوله عليه الصلوة والسلام كل طلاق

جائز الاطلاق الصبی والمجنون الخما

(ترجمہ: نابالغ لڑکے، پاگل اور سوئے ہوئے آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد

مبارک ہے نابالغ اور پاگل الخ کے علاوہ ہر مرد کی طلاق جائز ہے)

اور در مختار میں ہے:-



ولا يقع طلاق المولى على امرأة عبده والمجنون و الصبي والمعتوه من العته وهو

اختلال العقل والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش والنائم التهي مختصرا ما۔

(ترجمہ: مالک کی اپنے غلام کی بیوی کو دی ہوئی، مجنون، نابالغ، معتوہ، یعنی جس شخص کی عقل میں خرابی اور

خلل ہو یہ لفظ ”عتہ“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے عقل میں خرابی، برسام کے مریض، غشی میں مبتلا، مدہوش

(خوف یا حياء کے باعث جس کی عقل جاتی رہے) اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔)

حرره: العبد العاصی

محمد دیدار علی الرضوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



الدر المختار مع رد المحتار جلد ۴ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ بیروت

نوٹ: یہ عبارت الدر المختار کے متن تنویر الابصار کی ہے۔ صرف چند الفاظ در مختار کے ہیں۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....204﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے چلہ کھینچا۔ قبل کھینچنے چلہ کے وہ شخص سنی مسلمان تھا۔ بعد چلے کھینچنے کے معلوم ہوا کہ وہ اپنی حالت پر نہیں رہا۔ بلکہ اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ سب سے پہلے اس نے یہ کیا کہ شیعہ مذہب اختیار کیا اس کے بعد جس نے اس سے جو کچھ کہا یا جس مذہب کی تعریف کی گئی اس مذہب کو اختیار کر لیتا ہے خلاف اہل سنت و جماعت کے۔ کسی نے کچھ سوال کیا تو بے ہودہ جواب دیتا ہے۔ اپنے کمانے کھانے کے کاروبار کو بخوبی انجام دیتا ہے۔ کسی عزیز کی اچھی بات کو سنتا نہیں ہے۔ کبھی ایسا کرتا ہے کہ ننگے سرو ننگے پاؤں بازاروں میں گلیوں میں پھرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی زوجہ منکوحہ کو اس کے عزیزوں نے اپنے گھر میں ڈال رکھا ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی بیوی نکاح سے باہر ہو گئی ہے۔ کبھی رخصت نہ کریں گے۔ بازاروں میں پھرنے سے یہ غرض نہیں کہ دن رات جیسے دیوانے پھرتے ہیں اس طرح پھرتا ہے۔ نہیں کسی وقت وہ ننگے سرو پاؤں چل دیتا ہے۔ اپنے قیمتی کپڑوں کو قلیل قیمت میں فروخت کر دیتا ہے۔ ایک دن دو دن جنگل میں جا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی زوجہ اس کے عقد سے باہر ہو گئی؟ کیا ایسی حالت میں نکاح اس کا نسخ ہو گیا؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

شوہر کے مجنون یا منجوط ہونے سے عورت نکاح سے نہیں خارج ہوتی۔ اس واسطے کہ اگر نکاح سے خارج ہو جائے فقہاء اس کی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع سے کیوں بحث کرتے۔

در مختار میں ہے صفحہ ۴۶۱-۴۶۲:

ولا يقع طلاق المولى على امرأة عبده والمجنون والصبي والمعتوه من العتہ و هو

اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام بالكسر علة كالجنون والمغمى عليه مختصرا  
بقدر الحاجة ما

(ترجمہ: مالک اگر اپنے غلام کی بیوی کو طلاق دے تو واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح پاگل بچے، معتوہ یعنی جس کی عقل میں خلل ہو، برسام کے مریض اور بے ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی برسام جنون کی مانند ایک بیماری ہے) ☆  
بلکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ تو یہاں تک تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حالتِ صحت میں کہہ دیا کہ اگر میں فلاں مکان میں قدم رکھوں تجھ پر تین طلاق پھر وہ دیوانہ ہو گیا اور اس مکان میں داخل ہو گیا۔ طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے یوں کہا اگر میں دیوانہ ہو جاؤں تو تجھ پر تین طلاق یا دو طلاق اور وہ دیوانہ ہو گیا۔ اندریں صورت عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ وقوع طلاق مشروط وقت شرط کے ہوتا ہے اور وہ بوقت دیوانگی اہل طلاق نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۶۲ شامی میں ہے

قوله والمجنون الا اذا علق عاقلا لم جن فوجد الشرط كقوله ان دخلت الدرا  
فدخلها مجنونا بخلاف ان جننت فانت طالق فجن لم يقع كذا ذكره الشارح في باب  
نكاح الكافر فالمراد اذا علق على غير جنونه ما

(ترجمہ: قولہ: مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ہاں اس صورت میں اس کی طلاق واقع ہوگی جب اس نے بحالتِ عقل طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا پھر اسے جنون لاحق ہوا اور شرط پائی گئی۔ مثلاً حالتِ صحت میں اس نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو تجھے طلاق پھر وہ جنون کی حالت میں گھر میں داخل ہوا تو طلاق واقع ہوگی بخلاف اس کے اگر خاوند نے کہا اگر میں پاگل ہو جاؤں تو تجھے طلاق پھر وہ پاگل ہو گیا تو طلاق نہ ہوگی۔ شارح یعنی صاحب درمختار نے نکاح الکافر کے باب میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ تو مجنون کی بصورتِ تعلیق طلاق واقع

۱۔ الدر المنختار مع رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ و ۳۳۳ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت

.....  
 ہونے کی صورت یہ ہے جب کہ اس نے اپنے جنون کے علاوہ کسی اور شرط پر طلاق کو معلق کیا ہو۔

☆ البتہ اگر خدا نخواستہ کوئی حالتِ صحت اور درستی ہو اس میں کوئی کلمہ کفر کا کہہ بیٹھے مثلاً کہہ دے میں نماز نہیں پڑھتا نعوذ باللہ منها یا خدا یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں اور عند البعض خلفاء راشدین کی شان میں گالی دے بیٹھے یا کلمات توہین زبان سے نکال دے نعوذ باللہ من کلھا تو ضرور وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کی بیوی اس کے نکاح میں نہ رہے گی۔ ☆ اور حالت جنون اور بے ہوشی میں تو ایسے کلمات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر ۲۰۵﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی زوجہ بلا اجازت اپنے شوہر کے نو دس شب کو اپنی ماں کے ساتھ گھر سے باہر نکل گئی۔ بازار کے دوکانداروں نے دیکھا کہ دو عورتیں جا رہی ہیں۔ ایک کوئی مرد بھی ان کے پیچھے تھا۔ جب اس کے شوہر کو خبر ہوئی کہ عورت اس طرح چلی گئی تو اس نے تلاش کیا۔ تو اس عورت کی ماں سے دریافت کیا کہ تمہاری لڑکی کہاں گئی؟ اس نے پہلے تو یہ کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ اور پھر یہ کہا وہ اپنے عزیز کے ہاں پڑوس میں ہے۔ اس حالت میں وہ (جس) شخص کی بیوی چلی گئی اجازت نکاح میں رہی یا نہیں؟۔ بینوا توجروا

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

☆ بلا اجازت اگر عورت شوہر کے گھر سے نکل جائے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ البتہ عورت گناہ گار ہوگی۔ اس کو

چاہئے کہ توبہ کرے۔ صفحہ ۳۴۲ کتاب الترغیب والترہیب مطبوعہ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے:

☆ عن ابی امامة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لتغضن أبصارکم ولتحفظن

فروجکم او لیفسکن اللہ وجوهکم ما (رواہ الطبرانی)

☆ (ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اپنی آنکھوں کو حرام امور

سے بند رکھو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مسخ فرما دے گا)

و عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت بینما رسول اللہ ﷺ جالس فی المسجد اذ

دخلت امرأة من مزینة ترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی ﷺ یا ایہا الناس انہوا

نسائکم عن لبس الزينة والتبختر في المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس  
نسائهم الزینة و تبختر و ا فی المساجد رواه ابن ماجه

☆ (ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اچانک مزینہ قبیلہ کی ایک عورت اپنی زیب و زینت میں بنی ٹھنی مسجد میں داخل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو مسجد میں بناؤ سنگار کا لباس پہننے اور ناز و انداز کے ساتھ چلنے سے منع کرو۔ کیونکہ بنی اسرائیل پر ان کی عورتوں کے مسجدوں میں زینت کا لباس پہننے اور ناز و اداسے چلنے سے پہلے لعنت نہ ہوئی) یعنی حضور ﷺ نے عورتوں کو فرمایا کہ اپنی نگاہوں کو غیر مردوں کو دیکھنے سے روکو۔ شرم گاہوں کو محفوظ رکھو۔ اور فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کو لباسِ زینت کے ساتھ مسجدوں میں اترا کر چلنے سے منع کرو۔ بنی اسرائیل ایسے ہی امور سے تو ملعون ہو گئے تھے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی  
مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....206﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ زید نے قبل نکاح زید سے یہ شرط کر لی کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کروں گی کہ اگر تو مجھ کو تکلیف نان نفقہ دے یا اور کچھ تکلیف دے تو مجھ کو اپنے نفس کا اختیار ہوگا۔ اندریں صورت زید عند التکلیف مختار طلاق ہوگی یا نہ ہوگی؟

۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

حمید حسن اکبر آبادی

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں یہ امر تو ظاہر ہے کہ قبل ایجاب و قبول جو بھی شرط بہ نسبت اختیار طلاق درمیان خاطر و مخطوبہ کے قرار پائے جیسا کہ بیان عبارت سے ظاہر ہے تو زید ہرگز مختار طلاق نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ قبل ایجاب و قبول زید خود طلاق کا مالک نہیں ہے تو دوسرے شخص کو یا خود اپنی مخطوبہ کو جس کو قبل النکاح بلفظ زوجہ تعبیر کیا ہے اختیار طلاق کیا دے سکتا ہے۔

كما هو ظاهر من عبارة الدر المختار المذكورة في صفحة ۴۹۹ من الجزء الثاني

المطبوعة في مصر مع رد المختار

قال زوجني ابنتك علي ان امرها بيدك لم يكن له الامر لانه تفويض قبل النكاح!

(ترجمہ: ایک شخص نے کہا اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ اس شرط پر کر دے کہ اس کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا

تو اس صورت میں معاملہ اس باپ کے اختیار میں نہ ہوگا کیونکہ یہ نکاح سے پہلے طلاق کی تفویض ہے)

☆ اور اگر مقصود مسائل یہ ہے کہ ایجاب ہی اس شرط پر واقع ہوا یعنی عورت کے وکیل نے وقت عقد دولہا سے یہ کہا کہ میں اپنی موکلہ کو تمہارے عقد نکاح میں اس شرط پر دیتا ہوں کہ اگر تم اس کو نان و نفقہ نہ دو یا تکلیف دو تو مجھے موکلہ کو تین طلاق دے لینے کا اختیار ہے۔ یا خود عورت نے کہا میں اس شرط پر اپنے نفس کو تمہارے عقد میں دیتی ہوں کہ اگر تم مجھ کو نان و نفقہ نہ دو اور تکلیف دو تو مجھ کو تین طلاق دینے کا اختیار ہے اور اس کے جواب میں بکرنے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں تو بلاشبہ عورت یعنی زید نے اپنے نفس کو طلاق دینے کی مختار ہوگی۔

صفحہ ۲۹۹ جلد ثانی ردالمحتار مذکورہ میں ہے:

(قوله لم یکن له الامر ذکر الشارح فی آخر باب الامر بالید نکحها علی ان امرها بیدها صح۔)

لکن ذکر فی البحر ہناک ان ہذا لو ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي علی ان امری بیدی اطلق نفسي كلما ارید او علی انی طالق فقال قبلت وقع الطلاق و صار الامر بیدها اما لو بدأ هو لا تطلق ولا تصیر الامر بیدها۔

(ترجمہ: قولہ: اس صورت میں باپ کو اختیار نہ ہوگا۔ شارح یعنی صاحب الدر المختار نے الامر بالید کے باب کے آخر میں ذکر فرمایا کہ اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ اس منکوحہ کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا تو صحیح ہے۔ لیکن بحر الرائق میں وہاں ذکر فرمایا کہ اگر گفتگو کا آغاز عورت نے کیا اور کہا میں اپنا نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں رہے گا میں جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق دے دوں یا کہا میں جب چاہوں طلاق یافتہ ہوں گی اس پر مرد نے کہا مجھے قبول ہے تو طلاق واقع ہوگی۔ اور معاملہ منکوحہ کے ہاتھ میں ہو جائے گا۔ اور اگر کلام کا آغاز مرد نے کیا تو طلاق نہ ہوگی اور نہ ہی اس منکوحہ کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی الرضوی المفتی فی جامع اکبر آباد

۱	الدر المختار	جلد ۴	صفحہ ۴۳۱	دار احیاء التراث العربی بیروت
۲	رد المختار	جلد ۴	صفحہ ۸۰	دار احیاء التراث العربی بیروت





ظلع



## ﴿فتویٰ نمبر.....207﴾

### سوال

از بھرت پور مخدوم و مکرم مولانا دیدار علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض یہ ہے کہ میری لڑکی کو اس کے شوہر نے عرصہ سے تنگ کر رکھا تھا۔ اور عرصہ تین سال سے میرے مکان پر چھوڑ رکھا ہے۔ اور تین چار ماہ ہوئے جب اس نے دوسری شادی بھی کر لی۔ اس لیے میری لڑکی خلع چاہتی ہے یہاں پر عدالتیں ہندو ہیں وہ خلع کی ڈگری دیں گی تو کیا شرع سے ان کی ڈگری جائز ہوگی؟

۶ رمضان المبارک ۱۳۶ھ

چودھری شمس الدین معرفت بابو حفیظ اللہ

### الجواب

خلع شریعت میں اپنی بیوی کو اپنے نکاح سے جدا کرنے کو کہتے ہیں لفظ خلع یا لفظ طلاق کے ساتھ کم از کم دس درہم یا اس سے زیادہ جس قدر چاہے نقد یا جنس کے عوض میں۔  
چنانچہ بحر الرائق مطبوعہ مصر کے صفحہ ۷۰ جلد رابع میں ہے:-

الخلع هو الفصل من النکاح الواقع به و بالطلاق علی مال طلاق بائن و لزمها

المال۔

(ترجمہ: خلع نکاح سے علیحدگی ہوتی ہے جو اس کے ساتھ اور مال کی شرط پر طلاق کے ساتھ ہوتی ہے یہ طلاق بائن ہوتی ہے اور عورت پر مال لازم ہو جاتا ہے)

☆ لہذا خلع کے ساتھ ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جس قدر برضا مندی طرفین معاوضہ طلاق ٹھہر جائے عورت پر اس کا ادا کرنا لازم ہوگا۔ اس واسطے حاکم سے حکم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

☆ البتہ اگر مرد بعوض مال یا بعوض معافی مہر بھی طلاق نہ دے تو ایسی صورت میں حاکم پر لازم ہے کہ اس کو مجبور کر کے اس سے جبراً یہ کہلوادے کہ میں نے اپنی بیوی مسماة فلان کو طلاق دی۔ اس واسطے کہ طلاق جبراً کہلوا دینے سے بھی ہو جاتی ہے۔ پھر تین حیض گزر جانے کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





ظہار



## ﴿فتویٰ نمبر.....208﴾

### سوال

مسعی بنوا ولد گیندا قوم سقہ ساکن موضع نونہائی علاقہ تھانہ شہر آگرہ نے اپنی زوجہ مسماة نسو عمر تخمیناً ۲۵ سال کو مسعی مٹھو قوم سقہ کے ساتھ زنا کرتے ہوئے گھر میں اپنے دیکھ لیا۔ اس بات پر اس نے اپنی زوجہ کو مارا اور ناک کاٹنے پر آمادہ ہوا۔ عورت بھاگ گئی۔ دو کھیت بھاگی ہوگی کہ بستی نگر نے بیچ بچاؤ کیا تو بنوا مذکور نے اپنی زوجہ کی نسبت یہ کہا کہ یہ عورت میری مثل ماں ہے اور میرے کام کی نہیں ہے۔ تمام بستی میں یہی الفاظ کہتا چلا گیا کہ سب نے سنے تھے۔ اور اب مسماة اپنے شوہر کے گھر ہے۔ ایسی حالت میں کیا نکاح درست رہا یا نہیں رہا؟

۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ

تراب علی۔ نونہائی ضلع آگرہ محلہ تھانہ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

زنا کرنے سے تو نکاح نہیں ٹوٹا مگر اس نے جو یہ کہا ہے کہ تو میری مثل ماں یا بہن کے ہے اگر وقت کہنے اس لفظ کے اس کی کچھ نیت نہ تھی یا یہی نیت تھی تو مثل ماں بہن کے ہے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا۔ ☆ اور بصورت ظہار اس کو اپنی بیوی سے ہم بستری جائز نہیں ☆ جب تک دو مہینے برابر بلا فاصلہ روزے نہ رکھ لے۔ اور اگر روزے کی طاقت نہیں رکھتا تو ساٹھ غریبوں کو مسکینوں کو خواہ چھٹا تک دو سیر (ہر مسکین کو) ایک ہی دن گیہوں دے دے یا دو وقتہ کھانا کھلائے۔ خواہ دو مہینہ تک ایک ہی مسکین کو برابر ساٹھ دن تک دو وقتہ کھانا کھلائے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

والذین یظاہرون من نساہم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا

ذَلِكُمْ تَوْعِظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْلَمُونَ خَبِيرٌ ۝ فَمَنْ لَّهُ يَجِدْ فَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ سَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامَ سِتِينَ مَسْكِينًا ۝

(ترجمہ: جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کریں تو ان پر لازم ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کر دیں۔ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ جس شخص کو غلام دستیاب نہ ہو سکے تو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے اس کے ذمہ لگا تار دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہے۔ اور جس کو اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)

اور پہلے روزے رکھنے یا کھانا کھلانے کے بعد اس بات سے کہنے کے اس نے صحبت کر لی ہے تو استغفار کرے اور توبہ کرے۔ اور اب جب تک ساٹھ روزے پے در پے نہ رکھے یا ساٹھ آدمیوں کو کھانا نہ کھلائے اس سے ہم بستر نہ ہو۔ فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....209﴾

## سوال

بخدمت شریف جناب علماء دین صاحب بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ خاوند اور بیوی میں جھگڑا ہوا۔ بیوی اپنے خاوند سے الگ ہو کر پردیس چلی گئی۔ بعد ایک سال کے واپس آئی۔ لوگوں نے سمجھا کر خاوند اور بیوی کا ملاپ کرادیا۔ بعد چند روز کے پھر بیوی جھگڑا کر کے اپنے باپ کے ہمراہ چلی گئی۔ پھر خاوند جا کر بیوی کو اپنے خسر کے ہاں سے لے آیا۔ پھر دو چار روز کے بعد جھگڑا ہوا اور اس بات پر کہ خاوند ذرا دیر سے مکان پر آیا تو بیوی نے تم کہاں تھے خاوند نے کہا کہ میری اب تو ماں بہن کے برابر ہے بیوی نے کہا آج کل کا زمانہ ایسا ہی ہے کہ ماں بہن کہتے جائیں اور گھستے جائیں۔ تو خاوند نے غصہ میں آ کر یہ کہہ دیا کہ میں تجھ کو بھی ماں بہن کے برابر سمجھتا ہوں۔ فقط

۱۱ سوال ۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

صورتِ مسئلہ میں اگر مراد اس کی یہ تھی کہ تجھ کو میں مثل اپنی ماں کے بزرگ سمجھتا ہوں جب تو اس کہنے سے کچھ نہیں۔ اور اگر مراد یہ تھی کہ تیری پیٹھ پر بغرضِ وطی سوار ہونے کو مثل اپنے ماں کی پیٹھ کی سواری کے بغرضِ فعلِ بد حرام سمجھتا ہوں جس کو ظہار کہتے ہیں ☆ تو اس کو اس بیوی سے جب تک ہم بستری حرام رہے گی جب تک کفارہ ظہار نہ دے لے۔ ☆ اور وہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو دو مہینہ کے روزہ رکھنا ہے پے در پے اس طرح کہ بیچ میں ایک دن بھی افطار نہ کرے۔ ☆ اور اگر بوجہ بڑھاپے یا مرض کے مطلقاً روزہ کی طاقت نہ رکھے ساٹھ مسکینوں کو دو دفعہ ترکاری سے پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا ساٹھ مسکینوں کو فی مسکین سواتین چھٹانک دو سیر گیہوں دے دینا ہے۔

مگر غالباً جہاں اس کہنے سے بحسب عرف یہ دونوں بات مراد نہیں ہوتے بلکہ اکثر اس کہنے سے مراد

طلاق ہوتی ہے۔ بہر نچ اگر اس کی مراد طلاق تھی تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔ لہذا اگر یہی مراد ہے تو اس کو چاہئے کہ کم از کم دو گواہوں کے روبرو پھر سے نکاح یعنی ایجاب و قبول کر لے۔ اور اگر وقت کہنے ان کلمات کے کچھ بھی نیت نہ تھی تو نہ کفارہ کی حاجت نہ جدید نکاح کی ضرورت۔

چنانچہ صفحہ ۵۲۶ سے صفحہ ۵۳۲ درمختار مطبوعہ مصر علی ہامش ردالمختار میں ہے:

وان نوی بالت علی مثل امی او کامی و کذا لو حذف علی خالیۃ برا او ظہارا او طلاق صحت نیتہ و وقع مانواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا و تعین الاولیٰ ما

(ترجمہ: اگر عورت کو یہ کہہ کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا مجھ پر ماں کی طرح ہے مراد لی اور اسی طرح ”مجھ پر“ کے الفاظ کو حذف کر کے باقی الفاظ کہے اور مراد اس سے بزرگی یا ظہار یا طلاق کی ہو تو اس کی نیت درست ہے۔ اور جس کی نیت کی وہی واقع ہوگا کیونکہ یہ لفظ کنایہ کا ہے۔ اور اگر کچھ نیت نہ کی یا ”طرح“ کے لفظ کو حذف کر کے کہا تو یہ کلام لغو ہے۔ اور پہلی صورت یعنی بزرگ مراد ہونا متعین ہو جائے گا) فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





# عظمتیں



## ﴿فتویٰ نمبر.....210﴾

### سوال

بمختصر فیض گنجور جناب مولانا مولوی مفتی صاحب جامع مسجد آگرہ۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ فدویہ کا نکاح زمانہ نابالغی میں ہوا اور نکاح کو عرصہ قریب پانچ سال کا ہو چکا ہے۔ اور فدویہ اب تین سال خاوند کے مکان پر رہی بالغ ہوئی۔ پھر فدویہ کو معلوم ہوا کہ میرا خاوند بالکل نامرد ہے یعنی عورت کے قابل نہیں ہے۔ مجبوراً میں نے اس سے طلاق چاہی تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھ کو طلاق ہرگز نہ دوں گا۔ ناچار میں اپنے بھائی کے گھر آ گئی۔ اور مجھ کو بھائی کے پاس آئے ہوئے دو سال کا زمانہ ہو چکا۔ اور برادر ہی فدویہ کا اب تک کفیل ہے اور بہت قلیل معاش ہے۔ اسوجہ سے عدالت میں چارہ جوئی کرنے سے معذور ہوں۔ میں اب نکاح ثانی کرنا چاہتی ہوں۔ نکاح کے بارے میں مجھ کو کیا حکم ہے؟ مہر موجل مبلغ 200 روپیہ ہے۔

۶ ربیع الاول ۱۳۵ھ

تمیزن ساکن آگرہ محلہ کڑہ دہلیاں

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں زین مدعیہ کی خاوند بھی تصدیق کرے کہ بے شک میں جماع نہیں کر سکتا تو وقت

دعویٰ سے حاکم اس کو علاج کے واسطے برس دن کی مہلت دے بعد ایک سال اگر وہ جماع پر قادر ہو جائے فیہا

ورنہ حاکم یعنی قاضی اگر وہ طلاق نہ دے اور عورت طالب تفریق ہو تو قاضی دونوں میں تفریق کرادے۔ اور یہ

تفریق قائم مقام ایک بائن طلاق کے ہو جائے گی۔ پھر یہ بعد انقضاء عدت یعنی تین حیض کے جس سے چاہے

نکاح کرے۔ اور اس کے ساتھ شوہر اگر خلوت صحیحہ کر چکا ہے تو شوہر پر مہر کامل واجب ہوگا۔

کما فی شرح الوقایہ:

ان اقرانه لم يصل اليها اجله الحاكم سنة قمرية في الصحيح فان لم يصل فيها  
فرق القاضي بينهما ان طلبته اى ان طلبت المرأة التفريق و تبين بطلقة ولها كل المهران  
خلا بها وتجب العدة انتهى مختصرا ۱۔

(ترجمہ: اگر خاوند یہ اقرار کر لے کہ وہ اپنی زوجہ سے جماع نہیں کر سکا تو صحیح قول کی رو سے حاکم اسے ایک قمری  
سال تک مہلت دے گا۔ اگر اس عرصہ میں بھی وہ اس سے جماع پر قادر نہ ہو تو بیوی اگر مطالبہ کرے تو قاضی  
دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا اور اس تفریق سے ایک طلاق سے وہ بائن ہو جائے گی۔ اور عورت پورے مہر  
کی مستحق ہے اگر خاوند نے اس سے خلوت کی اور عدت بھی واجب ہوگی مختصرا۔

اگر باہم اختلاف واقع ہو اور عورتیں اس عورت کو دیکھ کر کہہ دیں کہ یہ باکرہ تو نہیں ہے بلکہ مثل اس  
عورت کے جس کے ساتھ جماع ہوتا ہے یعنی شبہ ہے تو مرد کو قسم دلوائی جائے گی کہ میں اس سے جماع کر چکا  
ہوں اگر وہ قسم سے انکار کرے یا عورتیں کہہ دیں کہ یہ باکرہ ہے اس کو مہلت ایک سال کی علاج کے واسطے دی  
جائے۔ اگر وہ اس عورت سے جماع کرنے پر قسم کھائے اور عورتیں بھی اس کو شبہ بیان کریں تو عورت کا حق  
تفریق باطل ہو جائے گا اور اسی کی زوجیت میں رہے گی۔

چنانچہ شرح وقایہ میں ہے۔

وان اختلفا و كانت ثيبا او بكرًا فنطرت النساء فقلن ثيب حلف فان حلف بطل

حقها و ان نكل او قلن بكرًا اجل ما۔ فقط

(ترجمہ: اگر جماع کے بارے میں میاں بیوی اختلاف کریں اور وہ بیوی شبہ ہو یا وہ باکرہ ہو لیکن عورتوں نے اس

.....  
 کا معاینہ کیا تو انہوں نے کہا کہ شبہ ہے تو خاوند سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھالے تو بیوی کا تفریق کا حق باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر خاوند قسم اٹھانے سے انکار کر دے یا عورتوں نے معاینہ کے بعد کہا کہ بیوی باکرہ ہے تو خاوند کو مہلت دی جائے گی۔)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....211﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے ہوا جو دس برس گزر گئے اور شوہر اس کا نامرد ہے لائق صحبت کے نہیں۔ لہذا وہ عورت طلاق چاہتی ہے۔

سائل: شیخ حسین بخش ہٹھانیں آگرہ

۲۹ فروری ۱۹۱۶ء

### الجواب

اگر شوہر عنین لا علاج ہے تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا۔ حاکم خود فسخ کر دے یا عورت فسخ کر دینے کی مجاز ہے۔ یعنی طلاق بائن ہو جائے گی۔ الدر المختار میں ہے

اذا وجدت مجبواً فرق بينهما في الحال و لو قصير لا يمكنه ادخاله داخل الفرج

ملخصاً. و لو وجدته عنينا او خصيا لا ينتشر ذكره اجل سنة ما

(ترجمہ: اگر بیوی نے خاوند کا عضو تناسل کٹا ہوا پایا تو فوراً ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اور اگر وہ آلہ

تناسل اتنا چھوٹا ہو کہ فرج میں اس کا داخل کرنا ممکن نہ ہو ☆ اور (اسی طرح) اگر اسے نامرد یا خصی پایا کہ اس

کے عضو مخصوص میں انتشار نہیں ہوتا تو اسے ایک برس کی مہلت دی جائے گی۔)

بعد اس کے وہ اگر طلاق نہ دے تو عورت کو شرعاً خود طلاق دینے کا اور اپنے نفس کو اختیار کا حق حاصل

ہے۔

ردالمحتار میں ہے :-

فاذا امتنع كان ظالماً فتاب عنه و اضعف فعله اليه و قيل يكفي اختيارها لنفسها ولا

يحتاج الى القضاء كخيار العتق قيل وهو الاصح ما

☆ (ترجمہ: سال کی مدت کے بعد اگر مرد عورت کو طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو وہ ظالم ہے۔ قاضی اس کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کا فعل خاوند کی طرف منسوب ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا ایسی صورت میں عورت کا اپنے نفس کو اختیار کر لینا کافی ہے۔ قضا کی ضرورت نہیں ہے جس طرح کہ خیار عتق میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہی اصح ہے۔)

والله اعلم بالصواب

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....212﴾

### سوال

میرا نکاح نابالغی میں ہوا۔ بعد چار سال میں بالغ ہوئی تو معلوم ہوا کہ شوہر میرا بوجھ ہے یعنی عورت کے لائق نہیں۔ میں نے طلاق چاہی وہ طلاق نہیں دیتا میں اپنے بھائی کے ہاں سے چھوڑ کر چلی آئی اس کو عرصہ ایک سال ہو چکا ہے۔ میرا کوئی وجہ معاش نہیں۔ بھائی میرا اس وقت تک ٹھیک ہے۔ میرا مہر دو سو روپیہ ہے۔ مجھ کو شرعاً نکاح ثانی کی بابت کیا حکم ہے؟

سائل: مسماۃ تمیز بنت احمد بخش مرحوم

ساکن کیڑہ دیکیاں آگرہ

۲۵ فروری ۱۹۱۶ء

### الجواب

اگر شوہر کا عضو کٹا ہوا ہے یا ایسا چھوٹا عضو رکھتا ہے کہ جس سے دخول ناممکن ہے مگر تو دونوں میں علیحدگی فوراً کر دی جائے گی۔ اور مہر شوہر کے ذمہ بوجہ خلوت کے لازم ہوگا اور یہ طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر کسی بیماری سے نامرد ہو گیا ہے تو سال بھر میعاد کے بعد عورت دوسرا نکاح کر لے گی۔ الدر المختار میں ہے۔

اذا وجدت مجبوبا فرق بينهما في الحال ولو قصيرا لا يمكنه ادخاله داخل الفرج (ملحضا) ولو وجدته عنيانا او خصيا لا ينتشر ذكره اجل سنة ما

عضو مخصوص کے چھوٹا ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بہت یہ چھوٹا گھنڈی کی مانند ہو تو عورت کے مطالبہ پر فی الفور تفریق کر دی جائے گی۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے ذرا بڑا لیکن مقام معتاد تک نہیں پہنچ سکتا تو فی الفور تفریق نہ کی جائے گی۔ (ماخوذ از بہار شریعت حصہ ہشتم صفحہ ۶۳ فرید بک ڈپو دہلی)

الدر المختار علی هامش رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۶۳۳، ۶۳۵ (ملخصا) مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(ترجمہ: اگر عورت نے خاوند کے آلہ تناسل کو کٹا ہوا پایا تو فوری طور پر ان کے مابین تفریق کر دی جائے گی اور اسی طرح اگر آلہ تناسل اتنا چھوٹا ہو کہ فرج میں اس کا داخل کرنا ممکن نہ ہو ☆ اور اگر اسے نامرد پایا یا خصی پایا کہ اس کے آلہ تناسل میں انتشار نہ ہوتا ہو تو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔)

بعد اس کے اگر طلاق نہ دے تو عورت کو خود طلاق دینے کا اور اپنے نفس کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔

فاذا امتنع كان ظالما فتاب عنه و اضيف فعله اليه و قيل يكفى اختيارها نفسها ولا يحتاج الى القضا كخيار العتق قيل و هو الاصح ما۔

(ترجمہ: اگر خاوند عورت کو طلاق نہ دے تو وہ ظالم ہوگا۔ قاضی اس کا نائب ٹھہرے گا۔ قاضی کے فعل (تفریق) کی نسبت خاوند کی طرف کی جائے گی۔ بعض علماء کا کہنا ہے عورت کا اپنے آپ کو اختیار کرنا ہی کافی ہے۔ قضاء کی حاجت نہیں۔ جس طرح خیالِ عتق میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہی اصح ہے)

جامع الاحکام جلد اول اسباب تنسیخ نکاح ما صفحہ ۲۰۶ میں ہے کہ ناکح عنین محض ہے۔ اور علاج پذیر نہیں ہے تو زوجہ طلاق طلب کر سکتی ہے۔ قانون یہود و نصاریٰ و ملک انگلستان میں بھی اس طرح لکھا ہے ما انتہی عبارتہ (پرنس لا آف مڈلس)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم غفرلہ







عدت



## ﴿فتویٰ نمبر.....213﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کا عقد ایک شخص نابالغ مسمی غفور خان سے ہو گیا۔ عرصہ چار یوم کا ہوا کہ اصغری نابالغہ کی مادر نے غفور خان سے جواب ۲۲ برس کی ہے طلاق تحریری و زبانی حاصل کر لی ہے۔ اب اس کی والدہ اصغری نابالغہ دختر اپنی کا عقد ثانی کرنا چاہتی ہے۔ اس حالت میں نابالغہ لڑکی کو آیا ایام عدت پورا کرنے کی شرعاً ضرورت ہے یا نہیں؟ اور بلا ایام عدت پورا کئے بولائیتِ مادر نابالغہ کا عقد دیگر ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔

سائل: امیر شاہ

۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

نابالغہ کی عدت تین مہینہ ہے۔ بعد تین ماہ کے علاوہ ماں کے اور کوئی ولی اقرب اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

كما في الكنز:

وعدة الحرة للطلاق او الفسخ ثلاثة اقراء و ثلاثة اشهر ان لم تحض ما۔

(ترجمہ: طلاق ہو جانے یا نکاح کے فسخ ہو جانے پر عورت کی عدت تین حیض ہے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو

تین ماہ ہے) فقط

حورہ العبد الراجی رحمة ربه القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....214﴾

### سوال

ایک عورت کو نان نفقہ کی تکلیف ہے۔ وہ باپ کے گھر رہی۔ اس اثنا میں اس کا خاوند پردیس میں نوکر  
تھا مگر گیا اب عدت وہ اپنے باپ کے گھر پوری کرے یا وہاں جائے۔؟

سائل: محمد خان معرفت بہادر خان، پنی گلی آگرہ

۷ مارچ ۱۹۱۶ء

### الجواب

هو المصوب

ایسی صورت میں زوجہ کو ایام عدت اپنے باپ کے گھر پورے کرنا چاہئیں۔ فتاویٰ حامد یہ میں ہے  
إلا أن تخرج أو تهدم المنزل أو تخاف الهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء  
البيت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لا قرب موضع إليه وفي الطلاق إلى حيث شاء  
الزوج ما انتهى

(ترجمہ: خاوند کی موت کے باعث عدت گزارنے والی عورت اسی گھر میں عدت گزارے گی جس میں عدت اس پر  
واجب ہوئی۔ وہ وہاں سے نہ نکلے گی۔ ☆ ہاں ان صورتوں میں وہاں سے نکل سکتی ہے (۱) اس کو وہاں سے نکال  
دیا جائے۔ (۲) گھر گر پڑے (۳) گھر کے گرنے کا خوف ہو (۴) مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو (۵) اس  
مکان کا کرایہ نہ ملتا ہو۔ اور اسی طرح کی دیگر ضروریات کی بنا پر نکل سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے قریب ترین  
مکان کی طرف چلی جائے جہاں وہ عدت گزار سکے۔ اور طلاق کی صورت میں مرد جہاں چاہے وہ منتقل ہو جائے)  
کتبہ: المفتی محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....215﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ عورت کو شادی میں جانا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ شادی بھائی کی لڑکیوں کی ہے۔ شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ گھر بھی قریب ہے۔ خاوند کو انتقال کئے ہوئے ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو جائے گا۔

سائل: محمد علی چھیجاٹولہ

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

چار مہینہ دس دن تک جو عدت و وفات اور زمانہ سوگ ہے عورت مذکورہ معتدہ و وفات کو بجز ضرورتوں کے شوہر متوفی کے گھر سے دن رات نکلنا جائز نہیں۔ خواہ وہ گھر شوہر کا مملوک ہو، خواہ کرایہ کا اس کے رہنے کی مقدار اس کے حصہ میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ ☆ ایک تو جب اس کے پاس اس قدر مال نہیں کہ جس سے اپنی بسر اوقات اور گزران کر سکے۔ اس صورت میں دن کو بغرض محنت و مزدوری پردہ کے ساتھ اس کو نکلنا جائز ہے۔ مگر نصف سے زائد حصہ رات میں ضرور اسی گھر میں شب باشی کرے۔ دوم اس صورت میں کہ جب اس کو ورثہ یا صاحب مکان گھر میں نہ رہنے دیں اور وہاں رہنے سے خوفِ اذیت یقینی ہو بوجہ گرنے مکان یا خوف کرنے مکان کے یا خوف تلف ہونے اپنے مال کے۔

كما في الدر المختار :

و تعتدان معتدة طلاق و موت في بيت و جبت فيه و لا تخرجان منه الا ان تخرج

او ينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف ما لها او لا تجد كراء البيت و نحو ذلك من

الضرورات فتخرج لا قرب موضع اليه ما

ترجمہ: طلاق اور خاوند کی وفات کے باعث عدت گزارنے والی عورت اسی گھر میں عدت گزارے جس میں اس پر عدت واجب ہوئی ہو۔ اور وہ اس گھر سے نہ نکلے۔ ہاں اگر اسے وہاں سے نکال دیا جائے یا گھر منہدم ہو جائے یا اسے خوف ہو کہ مکان گر پڑے گا یا اسے اپنے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اسے گھر کا کرایہ نہ مل سکے یا ان کے علاوہ اور ضرورتیں درپیش ہوں تو اس مکان سے قریب ترین کسی جگہ پر چلی جائے)

وقال الشامي في صفحة ٢٤٢ من رد المحتار

والحاصل ان مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيقدر بقدره فمتى

انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها ما

(ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ عدت کے گھر سے نکلنے کا جواز اس کی کھانے پینے کی چیزوں کے لیے کام کاج میں مشغولیت کے باعث ہے۔ لہذا اس کا اندازہ اسی کے مطابق ہوگا۔ جب اس کی ضرورت پور ہو جائے تو اس کے لیے اس کے بعد گھر سے باہر وقت صرف کرنا جائز نہیں)

اور صورتِ مسئولہ میں امور مذکورہ سے کوئی بھی امر نہیں پایا جاتا لہذا اس کو شادی میں جانا ہرگز جائز

نہیں۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



۱ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱ مطبوعہ دار التراث العربی بیروت

۲ رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۱۸۰، مطبوعہ دار التراث العربی بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....216﴾

## سوال

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہو گیا اور دونوں ایک تنہا مکانِ خلوتِ صحیحہ ایک جگہ رہے سبے مگر ہم بستر نہیں ہوئے۔ بعدہ زید نے طلاق دے دی۔ اندریں صورت ہندہ پر عدت واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ایامِ عدت میں کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۶ھ حامد حسن تحصیل دار ریاست الور

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم. اللهم رب زدني علما

ہندہ کو چونکہ بعد خلوتِ صحیحہ طلاق دی گئی ہے لہذا اس پر عدت ضرور واجب ہے۔ اور ایامِ عدت میں اگر علاوہ اسی شوہر کے جس نے طلاق بائن دی اور کوئی اس سے نکاح کرے گا وہ نکاح ہرگز صحیح نہ ہوگا۔  
چنانچہ صفحہ ۳۱ جلد اول عقود الدریہ میں ہے:

سئل مولانا المحقق شیخ الاسلام عبدالرحمن آفندی العمادی فیما اذا دخل الزوج بالزوجة و لم یصل الیہا ثم طلقها فهل تلزمها العدة ولا یصح نکاحها قبل تمامها۔  
فاجاب تلزمها العدة ولا یصح نکاحها لغير الاول قبل تمام عدتها۔

☆ (ترجمہ: مولانا شیخ الاسلام عبدالرحمن آفندی عمادی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ خاوند بیوی کے پاس گیا لیکن دخول نہ کیا پھر اسے طلاق دے دی تو کیا اس عورت پر عدت لازم ہوگی اور کیا عدت گزرنے سے پہلے اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا؟ ☆ تو آپ نے جواب دیا کہ اس عورت پر عدت لازم ہے اور عدت ختم ہونے سے قبل پہلے خاوند کے سوا کسی اور مرد سے اس کا نکاح درست نہیں۔) فقط

حردہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



# حضانہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....217﴾

### سوال

ایک لڑکی ڈھائی برس کی ہے جس کے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بہن، خالہ سب کا انتقال ہو گیا ہے۔ فقط اس کے قرابتیوں میں سے یہ رشتہ دار باقی ہیں۔ اس کی ماں کا ماموں اور تین چچا تایا اور تین پھوپھی اندریں صورت ان قرابتیوں میں سے حق پرورش کس کا ہے۔

۱۶ فروری ۱۹۱۸ء

### الجواب

صورتِ مسئلہ میں مستحقِ پرورشِ دختر مذکورہ پھوپھیوں میں سے وہ پھوپھی ہے جس کا شوہر بھی لڑکی نابالغہ کا ذی رحم محرم یعنی رشتہ دار قریب ہو یا وہ پھوپھی جو بیوہ ہو۔ چنانچہ صفحہ ۳۱۳ ہدایہ مطبوع یوسفی میں ہے

فان لم تكن له ام فام الام اولی من ام الاب.... فان لم تكن له ام الام فام الاب اولی من الاخوات..... فان لم تكن جدة فالاخوات اولی من العمات والخالات..... ثم الخالات اولی من العمات..... ثم العمات!

☆ (ترجمہ: اگر نابالغ کی ماں موجود نہ ہو تو نانی، دادی کی نسبت پرورش کی زیادہ حقدار ہے۔ اگر نانی موجود نہ ہو تو دادی بہنوں کی نسبت زیادہ حق دار ہے۔ اگر نانی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالائوں سے بہنیں زیادہ حق رکھتی ہیں۔ ان کے بعد پھوپھیوں سے خالائیں زیادہ حق دار ہیں اور خالائوں کے بعد پھوپھیاں پرورش کرنے کی مستحق ہیں۔)

اور اگر نہ کوئی پھوپھی بیوہ ہے اور نہ ایسی ہے کہ اس کا شوہر بھی لڑکی نابالغہ مذکورہ کا ذی رحم محرم ہو تو پھر پھوپھی کا بھی حق پرورش نہ رہے گا۔ کما فی الہدایہ المذكور:



و كل من تزوجت من هؤلاء سقط حقها الا الجدة اذا كان زوجها الجد

..... و كذلك كل زوج هو ذو رحم محرم منه!

☆ (ترجمہ: پرورش کرنے کی حقدار ان عورتوں میں سے جو بھی نکاح کر لے تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے مگر جدہ (نانی یا دادی) اگر اس کے ساتھ جد (نانا یا دادا) نکاح کر لے تو اس یہ حق ساقط نہ ہوگا اور اسی طرح ہر اس زوج کے باعث یہ حق ساقط نہ ہوگا جو بچہ کا ذی رحم محرم ہو)

اور بصورت نہ ہونے ایسی پھوپھیوں کے حق پرورش تینوں چچا تایوں سے اس کا ہے جو زیادہ نمازی پرہیزگار ہو اور اگر تقویٰ میں تینوں برابر ہوں تو حق پرورش اس کا ہے جو ان میں زیادہ عمر رسیدہ ہو کما فی

صفحة ۲۹۳ من الجزء الثانی للدر المختار المطبوع مع الشامی فی المصر

ثم العصابات بترتيب الارث فيقدم الاب ثم الجد ثم الاخ الشقيق ثم الاب ثم بنوه

كذلك ثم العم ثم بنوه و اذا اجتمعوا فالاورع ثم الاسن!

(ترجمہ: ان کے بعد پرورش کرنے کا حق میراث کی ترتیب کے ساتھ عصابات کا ہے۔ لہذا باپ، دادا کی نسبت مقدم ہے۔ ان کے بعد سگا بھائی، اس کے بعد باپ کی جانب سے بھائی، پھر بھائی بیٹے کے اسی ترتیب کے ساتھ اس کے بعد چچا، اس کے بعد اس کے بیٹے۔ اگر ایک درجہ کے کئی حقدار جمع ہو جائیں تو زیادہ پرہیزگار مقدم ہوگا۔ اگر پرہیزگاری میں برابر ہوں تو زیادہ عمر والا مستحق ہے)

اور اگر چچا تایا سے بھی خوف لڑکی نابالغہ کی جان یا مال کا ہو تو حاکم کو لازم ہے کہ کوئی ثقہ امانت

دار نیک بخت عورت سے پرورش کرائے۔ کما فی صفحة ۲۹۳ من الشامی

و فی البدائع حتی لو كانت الاخوة والاعمام غیر ما مومین علی نفسها أو مالها

۱۔ الهدایہ المجلد الثانی جز ۳ صفحہ ۳۶۸، ۳۶۹ مطبوعہ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲۔ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۵ صفحہ ۲۱۳ دار التراث العربی بیروت

لا تسلم اليهم وينظر القاضي امرأة ثقة عدلة امينة فيسلمها اليها الى ان تبلغ!

(ترجمہ: بدائع میں ہے اگر نابالغ لڑکی کے بھائیوں اور چچاؤں پر اس کی ذات یا اس کے مال کے سلسلہ میں اعتماد نہ ہو تو اس نابالغ لڑکی کو ان کے سپرد نہ کیا جائے گا۔ اور قاضی ایک عادل ثقہ اور امانت دار عورت کو تلاش کرے۔ پھر بالغ ہونے تک اسے اس عورت کے سپرد کرے) فقط والله اعلم وعلمه احکم

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی

المفتی جامع مسجد شہر آگرہ

۱۶ فروری ۱۹۱۸ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....218﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی رحیم بخش کی شادی بموجب شرع شریف کے مسماۃ اللہ رکھی بنت امیر بخش سے ہوئی۔ بعد چند سال ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کی عمر قریب اب تین سال ہے اور دودھ چھوڑے ہوئے عرصہ نو دس ماہ کا ہو گیا۔ اب وہ دودھ ہنستے پیتا ہے۔ چنانچہ رحیم بخش مذکور نے مسماۃ اللہ رکھی زوجہ اپنی کو بموجب شرع بذریعہ تحریر کے طلاق دے دی ہے جس کو عرصہ دس یوم کا گزر گیا۔ اور لڑکا پاس اللہ رکھی والدہ اپنی کے جو وہ لے گئی موجود ہے۔ اور لڑکا بازار وغیرہ کی ہر ایک چیز بخوبی خوشی خوردنوش کرتا ہے۔ اور مجھ کو لڑکے سے غایت درجہ کی محبت ہے اور میں اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں اور میں ان کی پرورش بخوبی کر سکتا ہوں۔

لہذا اب یہ امر دریافت طلب ہے کہ جب لڑکا دودھ کو ہنستے پیتا ہے اور دودھ چھوڑے ہوئے نو دس ماہ گزر گیا اور لڑکا چلتا پھرتا ہے اور ہر ایک چیز بخوبی بازار وغیرہ کی خوردنوش کرتا ہے تو ایسی حالت میں بموجب شرع کے لڑکا منجملہ زن و شوہر کس کے پاس رہنا چاہئے؟ اور ایسی حالت میں نان و نفقہ کس کے ذمہ ہے اور کب تک؟ دوسرے یہ کہ ایام عدت میں خرچہ پارچہ مسماۃ کو دینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

### الجواب

اللهم رب زدنی علما.

صورتِ مسئلہ میں اگر ماں چاہے کہ لڑکے کی پرورش خود کرے اور باپ کو پرورش کرنے کو نہ دینا چاہے تو اس زمانہ تک ماں اس بچہ کی پرورش کی مستحق ہے جب تک وہ تنہا خود کھانے پینے لگے اور خود بلا اعانت کسی کے استنجا کر لے۔ اور ابو بکر خفاف رحمۃ اللہ علیہ نے باعتبار غالب حالت بچوں کے اس مدت کا اندازہ سات برس کا کیا ہے۔ کما فی الہدایۃ:۔

والام والجدۃ احق بالفلام حتی یاکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده

يستنجى وحده وفي الجامع الصغير حتى يستغنى بأن يأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده ما لان تمام الاستغناء بالقدرة على الاستنجاء والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنين اعتبارا للغالب انتهى مختصرا بقدر الحاجة

(ترجمہ: ماں دادی اور نانی کو نابالغ بچے کی پرورش کا بڑھ کر حق ہے۔ جب تک وہ اکیلا کھائے اکیلا پی لے اور خود استنجاء کر لے۔ جامع صغیر میں ہے کہ ان کو بڑھ کر حق ہے جب تک وہ مستغنی ہو جائے اس طرح سے کہ خود اکیلا کھائے اکیلا پی لے اور اکیلا اپنے کپڑے پہن لے۔ دونوں عبارتوں کا معنی ایک ہی ہے کیوں کہ پورا استغناء اسی وقت ہوتا ہے جب اسے استنجاء پر قدرت حاصل ہو جائے۔ امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ نے غالب حالات کا اعتبار کرتے ہوئے سات سال کی عمر مقرر فرمائی)

☆ اور نان نفقہ لڑکے کا جب تک ماں کی پرورش میں رہے باپ کے اوپر لازم ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے

والنفقة (ای نفقة الولد) علی الأب

(ترجمہ: اور اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے)

☆ علی ہذا نان و نفقہ ایام عدت زوجہ مطلقہ کا اور مکان سکونت تا انقضائے ایام عدت شوہر پر واجب ہے۔

كما صرح به في الهداية

و اذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيًا كان أو بائنًا

۱ ہدایہ کے متن میں جامع صغیر کی عبارت اسی طرح درج ہے لیکن الجامع الصغیر صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ ادارہ

القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی میں عبارت یوں ہے کہ حتی يستغنى بأن يأكل ويشرب ويلبس وحده.

محمد علیم الدین عفی عنہ

۲ الہدایہ: جلد ثانی صفحہ ۴۱۵ مکتبہ امدادیہ ملتان

۳ الجامع الصغیر جلد ثانی صفحہ ۴۱۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۴ الہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

(ترجمہ: اور جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کا نان و نفقہ اور سکونت کا بندوبست مرد کے

ذمہ ہے۔ طلاق رجعی ہو یا بائن)

اور ایام عدتِ مطلقہ کے عند الحنفیہ تین حیض کامل ہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ:

والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثۃ قروء .

☆ (ترجمہ: طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض گزرنے تک روکے رکھیں۔) فقط

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی المجددی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد





تقف



## ﴿فتویٰ نمبر.....219﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں، مطلقہ عورت بعد طلاق دینے خاوند کے کون کون سے حقوق اپنے شرعی خاوند سے لے سکتی ہے؟ یعنی اول مہر دوم ایک عدد جوڑہ سوم خوراکِ عدت چہارم اپنا جہیز جو کہ ہندہ کے باپ نے بوقت شادی اپنی لڑکی کو دیا۔ اور وہ جہیز کچھ تو بحالت اتفاق خرچ ہو گیا ہے اور کچھ موجود ہو۔ اور پنجم وہ زیور جو ہندہ کو ہندہ کے شوہر اور خسر نے دیا ہو؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

رب زدنی علما.

صورتِ مسئلہ میں اگر طلاق بعد دخول یا خلوت صحیحہ ہونے کے بعد دی گئی ہے تو مکان سکونت و نان و نفقہ ایامِ عدت بلکہ ایامِ عدت میں جس قدر کپڑوں کی ضرورت ہو کسبِ ضرورت ☆ اور مہر جو واجب الطلب ہے شوہر پر اس کا (دینا) واجب اور ایک جوڑہ کسبِ عرف شوہر پر اپنی زوجہ مطلقہ کو دینا مستحب ہے۔

كما في الفتاوى الهندية المطبوعة في مصر في صفحة 334.

المتعة عندنا على ثلاثة اوجه متعة واجبة و هي للمطلقة قبل الدخول و لم يسم لها مهر و مستحبة و هي للمطلقة بعد الدخول. و لا واجبة و لا مستحبة و هي للمطلقة قبل الدخول و قد سمي لها مهرا كذا في السراج الوهاج ما

☆ (ترجمہ: ہمارے نزدیک متعہ طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) واجب: یہ دخول سے قبل طلاق پانے والی ایسی عورت کے لیے ہوتا ہے جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ (۲) مستحب: یہ دخول کے بعد طلاق پانے والی عورت کے

لیے ہوتا ہے (۳) نہ واجب نہ مستحب: یہ دخول سے قبل طلاق یافتہ عورت کے لیے ہوتا ہے جس کا مہر مقرر ہو۔ السراج الوہاج)

و ایضا فیہ فی صفحہ ۵۷۷ من الجزء الاول

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة و دار السكنی کان الطلاق رجعیاً او بانئا

حاملاً كانت المرأة او لم تكن کذا فی فتاوی قاضی خان۔ ما

(ترجمہ: طلاق کے بعد عدت گزارنے والی عورت نان و نفقہ اور رہائش کے لیے مکان کی مستحق ہے۔ طلاق خواہ

رجعی ہو خواہ بانئ ہو اور عورت حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو۔ فتاوی قاضی خان)

و ایضا فیہ فی صفحہ 578

كما تستحق المعتدة نفقة العدة تستحق الكسوة کذا فی فتاوی خان ما

(ترجمہ: عدت گزارنے والی عورت جس طرح عدت کے دوران نان و نفقہ کی مستحق ہے اسی طرح وہ لباس کی بھی

حق دار ہے۔ فتاوی قاضی خان)

اور مہر کا واجب الادا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ☆ رہا جہیز وہ بحسب عرف لڑکی کو دیا جاتا ہے اور لڑکی کی ملک

ہوتا ہے۔ لہذا بحالت اتفاق اگر لڑکی نے اپنے گھر میں خرچ کیا یا شوہر یا خسر کو بطیب خاطر دے دیا اور خرچ

کرنے سے منع نہ کیا اس کو شوہر سے بعد میں طلب نہیں کر سکتی۔ البتہ جو موجود ہے اس کو لے سکتی ہے۔ اور اگر

جہیز شوہر یا خسر نے باوصف اس کی مخالفت یا ناراضگی کے خرچ کر ڈالا تو بلاشبہ بعد ثبوت جہیز خرچ کر دینے کے اس

کی قیمت بھی لے سکتی ہے۔

اور شوہر یا خسر نے بحالت اتفاق جو کچھ زیور وغیرہ اس کو پہنا دیا تھا، اگر اس کو دے بھی دیا تھا یا عرفا وہ

ملک اس لڑکی کی اس کی برادری میں سمجھا جاتا ہے وہ سب کچھ ملک اس مطلقہ کا ہے۔ اور اگر عرفاً عاریتاً دیا جاتا



ہے اور شوہر اور خسر کو جب چاہیں اس کے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے، تو بلاشبہ وہ ملک پہنانے والے کی ہے۔

كما في الشامي في صفحة ۲۱۰ الجزء الثالث

و في شرح البيري عن المبسوط:

☆ ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص ما

(ترجمہ: المبسوط سے شرح البيري میں ہے کہ جو عرف (رسم و رواج) سے ثابت ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ نص سے ثابت ہے)

☆ اور جو روپیہ لڑکی کے باپ نے اپنی دختر کی شادی میں برادری کے کھانا کھلانے میں یا سقہ دھوبی وغیرہ کے دینے میں خرچ کیا ہے وہ اپنے نام یا ثواب کو خرچہ کیا ہے۔ اس کا مطالبہ بذمہ شوہر کسی طرح نہیں ہوتا۔ برات کو جو کھلانے میں صرف ہوا ہے یہ مصارف سب اپنی خوشی سے اپنے نام کے واسطے کئے جاتے ہیں۔ جو کرے گا وہ اس کا بوجھ اٹھائے گا۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مفتی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....220﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید کی زوجہ منکوحہ بلا اجازت میٹھے میں چلی گئی اور وہیں جاگزیں ہے۔ زید نے چند بار بلایا نہیں آتی ہے۔ لہذا اس صورت میں نان و نفقہ زوجہ مذکور کا زید پر واجب ہے یا نہیں؟۔

۲۶ ذی الحجہ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جو عورت بلا حق شرعی بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی جائے اور باوصف بار بار بلانے کے اس کے گھر آنے سے انکار کرے وہ شرعاً ناشزہ ہے۔ جب تک شوہر کے گھر نہ آئے اس کا نان و نفقہ شوہر پر واجب نہیں رہتا۔ كما في الدر المختار

و لا نفقة لخارجة من بيته بغير حق و هي الناشزة حتى تعود ما۔  
(ترجمہ: خاوند کے گھر سے ناحق نکل جانے والی کا نفقہ خاوند کے ذمہ نہیں ہوتا۔ وہ نافرمان ہے جب تک واپس لوٹ کر نہ آجائے)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی و واعظ

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....221﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک عورت کا خاوند نہایت بدسلوکی سے پیش آتا ہے اور زرد کو ب کرتا ہے۔ نان نفقہ بھی نہیں دیتا۔ اور مہر معجل جو ایک سو روپیہ ہے نہیں ادا کرتا۔ پس اس صورت میں عورت اس کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور مہر معجل کا مطالبہ اس کے ذمہ شرعی یا قانوناً رہے گا اور وہ بغیر ادائے دین مہر معجل اور بغیر ضمانت کافی کے زوجہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ مفصل جواب دیا جائے۔

سائل: حمیدن دختر شیخ رحیم اللہ محلہ ہتھا کیں آگرہ  
یکم مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

اگر شوہر بدسلوکی کرتا ہے اور نان نفقہ میں تنگی اور مدت سے خبر گیری نہیں کرتا تو وہ زوجہ سے نالش نہیں کر سکتا۔ اور نہ حاکم زوجہ کو حکم دے گا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔ دیکھو جامع الاحکام جلد اول شوہر کا مسکن دفعہ 6 پر سنل لا آف محڈنس۔ اور قانوناً بھی یہ امر مطابق رائے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ ہو چکا ہے کہ بغیر ادائے دین معجل شوہر نالش زوجہ نہیں کر سکتا۔ ہائی کورٹ بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین اور کتب فقہ میں اسی طرح ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے

شکت عند القاضی انہ یضر بہا و طلبت الاسکان عند قوم صالحین ان علم بہ  
زجرہ والا فان کان الجیران صلحاء اقرھا عندهم والا امرہ بالاسکان عند الصلحاء ما .  
(ترجمہ: بیوی نے قاضی کے سامنے شکایت کی کہ خاوند اسے مارتا ہے اور نیک لوگوں کے پاس رہنے کا مطالبہ کیا۔ اگر قاضی کو یہ یقین ہو جائے تو اس کو زجر کرے۔ ورنہ اگر پڑوسی نیک لوگ ہوں تو عورت کو ان کے ہاں ٹھہرا دے۔ ورنہ اسے حکم دے کہ اسے نیک لوگوں کے ہاں ٹھہرائے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم غفرلہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....222﴾

سوال

بسم الله الرحمن الرحيم.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید کی دو زوجہ ہیں اور زوجہ اول کا زید نے نان و نفقہ مقرر کر کے اس سے علیحدہ ہمراہ زوجہ ثانی رہنا اختیار کیا ہے۔ پس زوجہ اول اس وقت سے جبکہ زید نے نکاح ثانی کیا، علیحدہ رہتی ہے۔ اب ایک عرصہ کے بعد زید کہتا ہے زوجہ اول سے کہ اب میں نان و نفقہ تیرا مقرر نہیں دیتا۔ تو بھی ہمراہ شریک زوجہ ثانیہ کے رہ کر شاملات میں نان و پارچہ لے ورنہ علیحدہ میں نہیں دیتا۔ اور نہ یہ حکم شرع ہے کہ اس صورت میں جداگانہ نان و نفقہ دوں۔ اور حالت زوجہ ثانیہ کی یہ ہے کہ وہ پارسا اور نیک چلن نہیں ہے۔ جس کا زید بھی خود قائل ہے اور کہتا ہے کہ زوجہ ثانیہ میری کا تعلق ناجائز فلاں شخص سے ہے۔ اور وقت نکاح ثانی زوجہ اول کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا تھا کہ جو نان و نفقہ تیرا مقرر کرتا ہوں یہ تجھ کو دوام علیحدہ رکھ کر دیئے جاؤں گا۔ اور اب یہ حیلہ کر کے زوجہ اول کا نان و نفقہ بند کر دیا۔ بس اس بارے میں کیا حکم شرع شریف یہی ہے کہ زید زوجہ اول کو جو نیک چلن ہے شریک حال رہنے سے ہمراہ زوجہ ثانیہ کے جو بد چلن ہے مجبور کرے؟ اور اپنے عہد و پیمان کے خلاف اس حیلہ سے نان و نفقہ مقررہ زوجہ اول بند کر دے؟۔ جو کچھ حکم شرع شریف اس باب میں ہونا فذتحریر فرمایا جائے۔

سائل: محمد ابراہیم

بیرون لال دروازہ الور۔

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدني علما

صورتِ مسئلہ میں اگر دسترخوانِ زید اتنا فراخ ہے کہ اس پر بہت لوگ کھانا کھاتے ہیں اور زوجہ زید بقدر اپنی ضرورت کے بآسائش نان و نفقہ لے سکتی ہے پھر تو وہ اپنا نفقہ جدا مقرر کرانے کی مستحق نہیں۔ اور اگر یہ بات نہیں اور زید کی شرکت میں کھانے پینے پر راضی ہے بہت ہی خوب اور اچھی بات ہے۔ اور اگر وہ علیحدہ مقرر کرانا چاہے تو ضرور بقدر نان و نفقہ معروف زید پر اپنی زوجہ کو علیحدہ دینا لازم ہوگا۔

كما في البحر الرائق:

طريق ايصال النفقة اليها (اي الزوجة) وهو ان تمكين و تملك فالتمكن متعين فيما اذا كان له طعام كثير و هو صاحب مائده فتمكن المرأة من تناول مقدار كفايتها فليس لها ان تطالبه بفرض النفقة و ان لم يكن بهذه الصفة فان رضيت ان تاكل معه فيها و نعمت و ان خاصمته في فرض النفقة يفرض لها بالمعروف و هو التملك كذا في غاية البيان ما۔

(ترجمہ: بیوی تک نان و نفقہ پہنچانے کے دو طریقے ہیں (۱) تمکین (۲) تملیک۔ تمکین کی صورت اس وقت متعین ہے جب کہ خاوند کے پاس کثرت سے کھانا ہو۔ وہ دسترخوان والا ہو۔ تو اس صورت میں عورت کو قدرت ہوگی کہ اپنی کفایت کے برابر کھالے۔ لہذا اسے نان و نفقہ مقرر کرانے کے مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر مرد کی یہ حالت نہ ہو تو اگر وہ مرد کے ساتھ کھانا کھانے پر رضامند ہو جائے تو یہی طریقہ اپنائے اور یہ بہت اچھا ہے۔ اور اگر وہ نان و نفقہ کے تقرر کے لیے مخاصمت کرے تو دستور کے مطابق اس کے لیے مقرر کر دیا جائے اور یہ صورت تملیک کی ہے۔ غایۃ البیان میں اسی طرح ہے)

☆ اور تعین مدت ادا کے نفقہ مختلف ہے۔ زمین دار کو چاہیے کہ سالانہ فصل پر بقدر ضرورت یک سال کا زوجہ کو دے کر فارغ البال ہو۔ اور سوداگر ماہوار دیا کرے۔ اور پیشہ ور روزانہ مقرر کر دے۔

كما في مبسوط شمس الاثمة السرخسي رحمة الله عليه

فان كان محترفا تفرض عليه النفقة يو ما يو ما لانه يتعذر عليه اداء النفقة شهرا دفعة واحدة و ان كان من التجار يفرض الاداء شهرا شهرا و ان كان من الدهاقين تفرض عليه النفقة سنة سنة لان تيسر الاداء عليه عند ادراك الغلات في كل سنة وتيسر الاداء على التاجر عند اتخاذ اجر غلات الحوانيت و غيرها في كل شهر وتيسر الاداء على المحترف بالاكتساب في كل يوم ما

(ترجمہ: خاوند اگر پیشہ ور ہے تو روزانہ کا نان و نفقہ اس کے مقرر کیا جائے کیوں کہ اس کے لیے ایک مہینہ کا یک مشمت ادا کرنا مشکل ہے۔ اور اگر وہ تاجر ہے تو ماہوار طریقہ سے مقرر کیا جائے اور اگر وہ کسان ہے تو سالانہ کے اعتبار سے مقرر کیا جائے۔ کیونکہ آمدنیوں کے حصول پر سال کے بعد اس کے لیے ادائیگی (میں) آسانی ہے۔ اور تاجروں کے لیے دکانوں وغیرہ کی آمدنیوں کی وجہ سے ماہانہ ادا کرنا آسان ہے۔ اور پیشہوروں کے لیے ہر روز کی کمائی پر روزانہ ادا کرنا آسان ہے)

اور جب زید کی شرکت میں اگر زوجہ رہنا نہ چاہے تو نان و نفقہ شرعاً علیحدہ مقرر کر سکتی ہے۔ تو بصورت ناراضگی شرکت زوجہ ثانیہ کے کہ جس میں رنجش باہمی و مخالفت حسب عادت ہر وقت یقینی ہے۔ خصوصاً ایسی زوجہ کے ساتھ کہ حسب اقرار زید جس کا چال چلن خراب ہے بلا تکلف اپنا نان و نفقہ بقدر اپنی ضرورت کے بحسب عرف بطریق معروف جدا لے سکتی ہے۔ ☆ بلکہ اگر اس کو سودا وغیرہ منگوانے کے لئے علی ہذا کھانا پکانے کے لئے خادمہ کی اگر ضرورت ہو اور شوہر امور مذکورہ کا متکفل نہ ہو تو بقدر ضرورت خادمہ اس خادمہ کا بھی نان و نفقہ شرعاً زید سے بحسب عرف لے سکتی ہے۔

پچنانچہ مبسوط شرح کافی حاکم میں ہے:

و عن زفر رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یفرض لخدم واحد لان علی الزوج ان یقوم بمصالح طعامها و حوائجها فاذا لم یفعل ذالک اعطاها نفقة خادم ثم تقوم ہی بذالک بنفسها او تتخذ خادما فاما فی ظاہر الروایة استحقاقها نفقة الخادم باعتبار ملک الخادم۔

(ترجمہ: امام زفر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک نوکر کی تنخواہ نان و نفقہ میں مقرر کی جائے گی۔ کیونکہ خاوند کے ذمہ اس کے کھانے تیار کرانے کا بندوبست اور ضروریات مہیا کرنا لازم ہے جب اس نے کھانے وغیرہ کا بندوبست نہ کیا تو اسے ایک نوکر کی تنخواہ ادا کرے۔ پھر یہ خود اپنا کھانا تیار کرے یا کسی کو ملازم رکھ لے ہر دو صورت میں ظاہر روایت کی رو سے ملازم کی تنخواہ وصول کرنے کی وہ مستحق ہے۔ کیونکہ وہ خادم کی مالک ہے) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی المجددی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....223﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق دیدی۔ اور اس کے پاس ایک بچہ اڑھائی سال کا ہے۔ اگر وہ لڑکا اپنی والدہ کے پاس رہے گا تو مرد کو اس کی پرورش کے واسطے دینا ہوگا یا نہیں؟ اور مرد جس وقت یا اس وقت اپنا لڑکا لینا چاہے گا تو ملنا چاہئے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا  
سائل: حبیب بخش محلہ ککوگلی واہی سار

۲۲ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی حبیبہ و آلہ و صحبہ.

اللہم رب زدنی علما۔

صورتِ مسئلہ میں بچہ کا نفقہ جب تک وہ اپنی ماں مطلقہ کی مہد پرورش میں ہے باپ پر لازم ہے اور نیز اجرت پرورش کی حسب عرف و عادت جو کچھ باہم ٹھہر جائے ایامِ عدت گزر جانے کے بعد سے اس واسطے کہ ایامِ عدت کا تو نان و نفقہ بلا پرورش بھی بچہ کے باپ پر لازم ہے اور سات برس تک جب تک بچہ تنہا بغیر کسی کی مدد کے خود کھانے پینے پہننے استنجا کرنے پر قادر نہ ہو جائے اور خود استنجا تک نہ کرنے لگے ماں کا حق پرورش ہے۔ ماں سے چھین کر دوسری جگہ باپ پرورش نہیں کروا سکتا۔ کما فی الہدایۃ:

واذا وقعت الفرقة بین الزوجین فالام احق بالولد والنفقة علی الاب انتہی

مختصراً

(ترجمہ: میاں بیوی کے درمیان اگر جدائی ہو جائے تو ماں بچہ کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے اور نفقہ باپ

کے ذمہ ہوگا)



ایضا فیہ:

والام والجدۃ احق بالغلام حتی یاکل وحده ویشرب وحده و یلبس وحده و  
 یستنجی وحده و فی الجامع الصغیر حتی یستغنی فیاکل وحده و یشرب وحده و یلبس  
 وحده والمعنی واحد لان تمام الاستغناء بالقدرة علی الاستنجاء والخصاف قدره بسبع  
 سنین اعتبارا للغالب ما

☆ (ترجمہ: ماں، نانی اور دادی دیگر رشتہ داروں سے لڑکے کی پرورش کرنے کا زیادہ حق رکھتی ہیں۔ لڑکا ان کی  
 پرورش میں رہے گا جب تک وہ اکیلا کھائے، اکیلا پی لے، اکیلا خود اپنا لباس پہن لے اور خود اکیلے استنجاء کر سکے۔  
 ☆ جامع صغیر میں ہے کہ لڑکا ماں اور دادی کی پرورش میں رہے گا یہاں تک کہ اس کو احتیاج باقی نہ رہے۔ وہ  
 اکیلا کھا، پی اور پہن سکے اور دونوں عبارتوں کا معنی ایک ہی ہے کیوں کہ احتیاج پوری طرح سے اس وقت ختم  
 ہوتی ہے جب وہ خود اکیلے استنجاء کر سکے۔ امام ابو بکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ نے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے یہ  
 مدت سات سال مقرر کی ہے)

اور در مختار میں ہے:

و تستحق الحاضنة اجرة الحضانة اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لابیہ ما

(ترجمہ: پرورش کرنے والی عورت اجرت کی حق دار ہے بشرطیکہ وہ بچے کے والد کی منکوحہ یا اس کی عدت میں نہ ہو)

قال الشامی رحمہ اللہ :

ولعل وجهه ان نفقة الصغیر لما وجبت علی ابیه لو غنیا والا فمن مال الصغیر  
 کان من جملتها الانفاق علی حاضنته التي حبست نفسها لاجله عن التزوج ما انتھی  
 مختصرا بقدر الحاجة .

الهدایہ	جلد ۲	صفحہ ۲۱۵	مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان .
الدر المختار مع رد المحتار	جلد ۵	صفحہ ۲۰۹	مطبوعہ بیروت
رد المحتار	جلد ۵	صفحہ ۲۱۰	مطبوعہ بیروت

(ترجمہ: اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ نابالغ بچے کا نان و نفقہ جب اس کے باپ پر واجب ہے بشرطیکہ وہ مال دار ہو ورنہ نابالغ بچے کے مال سے خرچ کیا جائے گا۔ اور پرورش کرنے والی عورت کی اجرت میں خرچ کرنا نان و نفقہ میں داخل ہے جس نے اپنے آپ کو نکاح سے اس بچے کی خاطر روک رکھا ہو۔ ضرورت کے مطابق عبارت کو مختصر کیا گیا ہے)

☆ ہاں البتہ اگر مابعد ایام عدت وہ ماں مطلقہ کسی سے نکاح کر لے تو حق پرورش ماں کا ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ جس سے نکاح کرے وہ اس بچہ کا رشتہ دار قریب ذی رحم محرم نہ ہو۔  
چنانچہ ہدایہ میں ہے:

و كل من تزوجت من هؤلاء يسقط حقها لما روينا ولان زوج الام اذا كان اجنبيا يعطيه نورا و ينظر اليه شورا فلا نظر الا الجدة اذا كان زوجها الجد لانه قام مقام ابيه فينظر له و كذلك كل زوج هوذ و رحم منه لقيام الشفقة نظرا الى القرابة القريبة ما

☆ (ترجمہ: مذکور بالا عورتوں میں سے جو نکاح کر لے اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل حدیث پاک کو ہم پہلے درج کر چکے ہیں۔ کیونکہ والدہ کا خاوند جب اجنبی ہو تو اس بچے کو بہت تھوڑا دے گا اور اسے کن آنکھیوں سے دیکھے گا۔ سوائے دادی نانی کے جس کے ساتھ دادا یا نانا نے نکاح کیا ہو تو اسے پرورش کا حق باقی رہے گا کیونکہ وہ اس بچے کے باپ کے قائم (مقام) ہوتا ہے۔ تو وہ اس کی نگہداشت کرے گا اور اسی طرح جب کہ خاوند اس بچے کا ذی رحم محرم ہو کیونکہ وہ قریبی رشتہ داری کے باعث اس بچے پر شفقت رکھے گا۔) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی، مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....224﴾

### سوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

- 1 کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین۔
- 2- زینب کا عقد زید کے ساتھ بارہ سال کی عمر میں ہوا۔ جب کہ زید کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ ڈھائی سال تک زینب زید کے مکان میں ہمراہ زید رہی۔ زید کی سکونت دیگر شہر میں رہی اور ہے۔
- 3- ام زید اور زید نے زینب کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائیں کہ جو باعث نا اتفاقی ہوئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ زید نے یہ ارادہ ظاہر کر کے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا اس کے عزیزوں میں بھیج دیا جو کہ دوسرے شہر میں تھے اور ہیں۔
- 4- بعد گزرنے کچھ عرصہ کے کہ جو محض زید کا انتظار تھا۔ بذریعہ تحریر زید سے کہا کہ یا تو اس وقت اپنی زوجہ کو لے جاؤ یا ہم بھیج دیں یا جو کچھ تم کو عذر ہے ہم کو مطلع کرو ہم بسبب تنگ دستی زینب کے اخراجات کے کفیل نہیں ہو سکتے۔
- 5- زید نے جواب دیا کہ زینب سے مجھ کو کچھ مطلب دوسرے کار نہیں ہے۔ مجھ کو لے جانے یا تمہارے پہنچا دینے سے کیا غرض ہے۔ نہ نان و نفقہ دے سکتا ہوں۔ بلکہ اگر تم لوگ مجھ کو زیادہ پریشان کرو گے تو اس شرط پر کہ مسماۃ مہر معاف کر دے اور قانونی اسٹامپ پر باضابطہ اقبال معاف کر دینے مہر کا تحریر کر دے۔
- 6- یہ کہ میں طلاق دے کر فارغ خطی باضابطہ لکھ دوں گا۔
- 7- یہ کہ ہر شخص نے دور اندیشی کی غرض سے جہاں تک ممکن ہوا سمجھایا۔ اور اس ارادہ سے باز رکھنے کی ہدایت کی مگر زید نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔ زینب کے عزیزوں نے مجبور ہو کر اس خیال سے کہ یہ جھگڑا طول نہ پکڑے کہ جو باعث رسوائی کا ہو ہر دو جانب سے مہر اور طلاق لیکر اور معاف کرا کر

باضابطہ تحریر بھی ہو گئی یہ طلاق وہ ہے جو قوامہ سے منسوب ہے۔ جس کا آواز زید نے زبانی اور تحریر ہر طرح سے چند اشخاص کے روبرو کر دیا۔

- 8- زید نے کوئی حربہ بغرض گزارنے ایام عدت نہیں دیا۔ اور نہ زینب کے ماں باپ یا کوئی عزیز اس کی امداد رسی کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اور نہ زینب کوئی کام اس قسم کا جانتی ہے جس سے اپنی بسر کر سکے۔
- 9- زینب کا بیان یہ تھا کہ زید نے بسبب نامرد ہونے اور بتلائے آزادی کے مجھ سے کوئی کلام نہیں کیا اور میں نے اس کی طرف سے --- کیا۔ اور نہ آج تک جیسا کہ میں عورتوں کی زبانی ایام ہونے سنتی ہوں مجھ کو ایام ہوا۔

10- زینب کو اپنے ماں باپ میں رہتے عرصہ ۱۰ ماہ ہوا اور طلاق طے ہوئے عرصہ ایک ماہ کا ہوا ہے۔ ان سب صورتوں میں عدت رکھے یا نہ رکھے؟ اب عمر اس کی ۱۶ سال ہے یا اس سے ایک دو ماہ کم۔ اگر اس میں عدت کا حساب نہ کر کے نکاح ثانی کر لیا وہ نکاح صحیح ہے یا باطل؟ لڑکی کے عزیزوں نے جو کسی قسم کی سرپرستی اور مالی امداد کرنے سے ہر طرح مجبور ہیں اور یہ خیال کر کے کہ مبادا اس سے کوئی فعل بوجہ جاہل ہونے سرزد ہو جائے جو باعث بدنامی کا ہو عقد ثانی کرایا۔ بینوا و توجرا

سائل اللہ بخش ۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

هو الموفق للحق والصواب

اگر کسی وقت خلوت ہو گئی ہے اور اس کے بعد طلاق دی ہے تو زوجہ پر عدت ہے۔ وہ عدت میں نفقہ و سکنی کی مستحق ہے۔ ☆ نکاح ثانی بعد انقضائے عدت ہونا چاہئے۔ قبل انقضائے عدت باطل ہے۔

ہدایہ میں بعد ذکر خلوت محبوب وغیرہ ہے:

وعليه العدة في جميع المسائل ما

(ترجمہ: ان تمام مسائل میں اس کے ذمہ عدت ہے)

نیز اسی میں ہے:

و اذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيًا كان او بائنًا

(ترجمہ: خاوند جب اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت کے اندر نفقہ اور سکونت حاصل کرنا عورت کا حق ہے طلاق

خواہ رجعی ہو یا بائن)

☆ اگر عورت کو حیض نہ آیا ہو تو عدت تین ماہ ہے ہدایہ میں ہے)

وان كانت ممن لا تحيض من صغر و كبر فعدتها ثلاثة اشهر و كذا اذا بلغت بالسن و

لم تحض

☆ (ترجمہ: اگر عورت ایسی ہو جس کو کم عمری یا بڑھاپے کے باعث حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اور

اسی طرح اس عورت کا حکم ہے جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو لیکن اسے حیض نہ آتا ہو)

والله اعلم بالصواب.

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء



۱	الہدایہ	ج ۲	ص ۳۲۶	شرکت علمیہ ملتان
۲	الہدایہ	ج ۲	ص ۴۳۳	شرکت علمیہ ملتان
۳	الہدایہ	ج ۲	ص ۴۲۳	شرکت علمیہ ملتان

## ﴿فتویٰ نمبر..... 225﴾

مدعیان۔ صدرالدین مسماة ریاضی ساکن حلقہ مالی مندی۔

۱۳ دسمبر ۱۹۱۵ء مطابق ۵ صفر ۱۳۲۵ھ

### خلاصہ فیصلہ شرعی

بموجبہ حسین بخش، اللہ بخش، امداد حسین، سعد اللہ لاہو، قاضی علی بخش، چودہری محمد بخش، شیخ خیراتی، حافظ

حسام الدین، محمد بخش، رحیم بخش، عبدالرحیم، حافظ عنایت حسین صاحبان

مسی صدرالدین شوہر پر ریاضی بنت اللہ بخش نے بہ دعویٰ شرعی رجوع کیا کہ اس نے مجھ کو زبانی اور

تحریری طلاق مغلظہ دے دی۔ مہر میرا اور اسباب جہیز اس کے پاس ہے۔ اور جو کچھ حقوق اور دختر میری کا فیصلہ

شرعی ہونا چاہئے۔

مفتی نے موقع پر بیان صدرالدین پسر نصیرالدین شوہر مسماة ریاضی کا لیا۔ بیان کیا کہ ۷ دسمبر ۱۵ء

بروز منگل میں نے تین طلاقیں دے دیں۔ کیوں کہ میری ہمیشہ عدول حکمی کرتی رہی اس کی ایشیا میرے پاس حسب

ذیل ہیں۔

ظروف، دیکھی، ڈھکنا، لوٹ، کٹورہ، کف، گیر، پلنگ، شکستہ بان، زیور، نقرئی، بالیاں، آٹھ عدد جگنوں ایک،

چوڑیاں دست چار عدد، جوشن دو عدد، چھلہ پیر دس عدد اور میرا مہر شرعی مبلغ ۱۰۰ من کا ہوا ہے وہ بھی میرے ذمہ زر

ہے۔

میرا نکاح قاضی قمر الاسلام نے پڑھایا تھا۔ اس کے پاس مہر لکھا ہوا ہے۔

### بیان مسماة ریاضی بنت اللہ بخش

میرا نکاح صدرالدین پسر نصیرالدین سے دس برس کا عرصہ ہوا کہ ہوا تھا۔ اس نے مجھ کو بلا تصور طلاق

دے دی۔ میرا اسباب جو صدرالدین نے لکھا ہے میں دو بالی اور دو انگوٹھیاں چاندی کی قیمتی ایک روپیہ اور

تو شک رضائی تکیہ جو استعمال سے ختم ہوگئی۔

مجھ کو کوئی کپڑا شوہر نے نہ دیا۔ کھانا کچھ دنوں اپنا اور کچھ دنوں اس کا کھایا۔ میرا مہر شرع محمدی تھا۔ حاضرین نے کہا کہ مہر شرعی یہاں بتیس ۳۲ روپیہ آٹھ آنے ہوا کرتا ہے۔ ریاضی بیگم نے اس کا اقرار کیا کہ اسی قدر تھا۔

مگر صدر الدین کے والد نے مجھ کو آٹھ بالیاں طلائی اور گلے میں تورا اور بٹن اور بانہوں میں چاندی کی اور بارہ چوڑیاں ہاتھوں میں۔ بڑی آٹھ چاندی کی۔ پیر میں چھاگل۔ جھانجھر دو عدد۔ چوڑیاں چار۔ یہ سب زیور مجھ کو پہنایا تھا۔ یہ سب دلایا جائے۔

مسی صدر الدین شوہر سے دریافت کیا اس نے کہا میرے باپ سے دریافت کیا جائے مجھ کو اس کا حال معلوم نہیں۔ نصیر الدین اس کے باپ نے کہا کہ یہ چیزیں مستعار میں نے پہنا دیں تھیں۔ پھر اتار لیں۔ اس کو ہبہ نہیں کی تھیں۔ حاضرین نے کہا کہ دلہن کو جو اشیاء پہناتے ہیں وہ ملکیت اس کی سمجھتے ہیں۔ اور مسماۃ ریاضی نے جہیز کا سامان چار تہوار کارو پیہ سال جوڑا عید برات کا بھی مطالبہ بذمہ شوہر بیان کیا۔

### ضمیمہ بیان نصیر الدین و صدر الدین

ہم نے یہ زیور مستعار پہنایا تھا اور رسم یہ ہی ہے کہ مستعار پہناتے ہیں دو بالی اور انگوٹھیاں اس کی ہیں۔ وہ ہم دے دیں گے۔ اور تمام حاضرین نے بعد بیان کے بالاتفاق کہا کہ اب جو حکم شرع شریف کا ہوگا اس پر عمل درآمد کریں گے۔

### الجواب

### خلاصہ

بعد استماع بیانات فریقین و حاضرین جلسہ حسب حکم شریعت ہر سہ طلاق کا واقع ہونا بیان شوہر اور

اقرار مدعیہ سے اور تحریر شوہر سے ثابت ہے۔

فریقین مہر شرعی کے مقرر ہیں۔ اور شوہر نے علاوہ اشیاء کے خود اقرار کیا تھا۔ حسب بیان مدعیہ دو بالی اور دو انگوٹھیاں بھی اپنے پاس ہونا بیان کیا۔ اور جو اشیاء بطور تحفہ زوجہ کے پاس آئیں ان کا استعمال اس نے کیا۔ کھانے پینے کی اشیاء اس کے استعمال میں ہیں۔ اس کا کوئی حصہ شوہر کے پاس نہیں اور نہ ممکن ہے کہ دس برس تک باقی رہیں۔ اب بمقابلہ صدرالدین و نصیرالدین زیور مستعار کا جھگڑا رہا۔ جس میں صدرالدین و نصیرالدین مستعار کہتے ہیں۔ اور مدعیہ ملکیت کا اظہار کرتی ہے۔ اور رسم یہ ہے کہ بروز برات جو زیور یا نیوٹہ دیا جاتا ہے وہ زوجہ کا ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ بعد کئی سال ہوا ہے کہ مسماة کو زیور پہنایا تھا اور پھر واپس لے لیا۔ لہذا بوجہ انکار مطابق حکم

☆ البينة على المدعى واليمين على من انكرما

(ترجمہ: گواہی پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ ہے)

صدرالدین و نصیرالدین سے حلف لیا گیا ہر دو نے حلف سے انکار کیا۔ پس

الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسريح باحسان ما

(ترجمہ: طلاق رجعی جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے دو دفعہ ہے۔ پھر روک لینا ہے بیوی کو نیکی کے ساتھ یا چھوڑ

دینا ہے نیکی کے ساتھ)

کے مطابق شوہر پر مہر ادا کرنا واجب ہے اور جو اشیاء نقری و ظروف و پلنگ وغیرہ اس کے پاس ہے

اس کو واپس مسماة ریاضی کو دے دے۔

☆ اور دوبارہ دختر جب تک اس کی ماں نکاح ثانی نہ کرے سات برس دختر کی پرورش کر سکتی ہے۔

بمطابق حکم حدیث:

ما الجامع الصغير مع شرح فيض القدير ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعه دار المعرفة بيروت

ما القرآن الحكيم: سورة البقرة: آيت ۲۲۸



## مالم تنزوحی ما -

☆ صرفہ اس کا ذمہ والد یعنی صدر الدین رہے گا۔ بعد سات برس کے دختر جبراً باپ کو دلوائی جائی گی۔  
وعلیہ الفتویٰ۔

☆ بعد تین حیض پورے ہونے کے مسماۃ کو اختیار ہے کہ عقد ثانی اپنا کرے یا نہ کرے۔ مسمی صدر الدین شوہر نے یہ کہا کہ ایام عدت کے صرفہ کو بھی میں دے دوں گا۔ اگرچہ اس کا لزوم شرعاً نہیں مگر تبرعاً و استحباباً جائز ہے۔ لہذا بذمہ شوہر علاوہ صرفہ دختر کے ایام عدت کا بھی عائد ہو گیا۔ مہر و اسباب و نفقہ ادا کرے یا ضمانت دے دے تاکہ آئندہ کوئی فساد نہ ہو۔

فیصلہ شرعی تمام حاضرین کو اور فریقین کو سنا دیا گیا۔ جلسہ برخواست ہوا اب فریقین کو اختیار ہے خواہ فیصلہ شرعی پر پابندی کریں خواہ دروازہ عدالت کھلا ہوا ہے وہاں باضابطہ رجوع کریں۔ اصل پر نشان (انگوٹھا) ہر دو لئے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الكتاب

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



ما یہ حدیث پاک کا ایک حصہ ہے پوری حدیث یوں ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمر أن امرأة قالت يا رسول الله ان ابني هذا كان بطني له وعاء ولدي له سقاء وحجري له حواء وان اباہ طلقني وأراد أن ينزعه مني فقال رسول الله ﷺ أنت أحق به ما لم تنكحي .

(ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہما اپنے والد سے اور وہ ان کے داد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ ایک عورت نے دربار نبوی میں عرض کی یہ میرا بیٹا ہے میرا پیٹ اس کی حفاظت کا برتن میرے پستان اس کو سیراب کرنے والی مشک اور میری گود اسے اپنے اندر سمیٹ کر رکھنے والی تھی۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک تم نکاح نہ کر لو)

i	زجاجة المصابيح	جلد ۲	صفحة ۵۵۲، ۵۵۳	مطبوعہ حیدر آباد دکن
ii	مشکوة المصابيح	صفحة ۲۹۳		مکتبہ امدادیہ ملتان
iii	سنن أبي داود	جلد ۱	صفحة ۳۷۱	مکتبہ امدادیہ ملتان



# شکار و ذبح



## ﴿فتویٰ نمبر.....226﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص مسلمان تکبیر پڑھ کر بندوق سے کسی حلال جانور کا شکار کرے اور وہ جانور زمین پر پہنچنے سے یا اس شخص کے ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی بضر بندوق مر جائے تو کیا وہ جانور حلال ہو یا حرام؟

سائل: عطاء اللہ تھانہ کرھل ضلع مین پوری

### الجواب

اللهم رب زدنی علما

جو شکار حلال تیر یا برچھی کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ بسم اللہ کہہ کر تیر یا برچھایا ایسی چیز جو شکار کو زخمی کر دے اور شکار کے پاس پہنچنے تک وہ شکار مر جائے تو اس کا کھانا بلا تکلف حلال ہے۔

☆ اور اگر کسی ایسی چیز سے بسم اللہ کہہ کر شکار کی جائے جو بوجہ اپنے ثقل کے کھال کو پھاڑ دے اور اس کے صدمہ سے شکار مر جائے۔ نہ کہ اس کی دھار اور تیزی سے زخمی ہو۔ تو اس کا کھانا بموجب ظاہر الروایۃ وقول مفتی بہ قطعاً حرام ہے۔ ☆ علیٰ ہذا اگر دھار دار چیز سے زخمی ہو اور شکار کے پاس پہنچنے تک شکار نہ مرے پر زخمی کر دینے سے شکار اس وقت حلال ہوتا ہے جب باقاعدہ ذبح کر لینے سے عجز تام ہو۔

كما في الدر المختار المطبوعة (مع) الشامي في المصرفي صفحة ۳۳۳ من الجزء الخامس  
و اذا ادرك المرسل او الرامي الصيد حيا بحياة فوق ما في المذبوح ذكاه وجوبا  
و شرط لعله بالرمي التسمية و لو حكما كما مرو شرط الجرح ليتحقق معنى الزكاة  
(ترجمہ: اگر شکاری جانور کو چھوڑنے والے یا تیر پھینکنے والے نے زندہ پالیا اور اس میں اس سے زیادہ زندگی پائی جاتی ہے جو ذبح شدہ جانور میں پائی جاتی ہے تو واجب ہے کہ اس کو ذبح کرے۔ اور اس کے حلال ہونے کی

الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱۰: صفحہ ۵۲، ۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

شرط یہ ہے کہ تیر بسم اللہ پڑھ کر چلایا گیا ہو اگرچہ وہ حکما ہی پڑھی ہو۔ جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ اور زخمی ہونا شرط ہے تا کہ ذبح ہونے کی حقیقت ثابت ہو جائے)

قال الشامی رحمہ اللہ

قوله شرط الجرح فلو دقه السهم لم يوكل لفقد الزكاة

(ترجمہ: اگر تیر سے عرض میں لگا اور تیر نے اسے ضرب پہنچائی یا ہڈی توڑ دی تو شکار کھایا نہیں جائے گا کیوں کہ ذبح کرنا نہیں پایا گیا)

وفيه في صفحة ۳۳۵

فان تركها أي الزكاة مع القدرة عليها فمات حرم وكذا يحرم لو عجز عن التذكية

في ظاهر الرواية

یعنی اگر باوجود قدرت کے باقاعدہ ذبح کرنے پر شکار کے پاس پہنچ کر اگر شکار کو ذبح نہیں کیا اور شکار مر گئی یا زندہ شکار کو پالیا مگر بوجہ نہ ملنے چھری وغیرہ کے باقاعدہ ذبح کرنے سے عاجز رہ گیا اور شکار مر گئی تو بقول مختار اور رولیت ظاہر اس کا کھانا حرام ہو گیا۔

☆ علی ہذا اگر بھاری گولی سے کہ جس میں دھات بھی تھی اس کی دھار سے نہ مرے بلکہ صدمہ سے شکار گو کھال پھٹ کر مر بھی جائے شکار حلال نہ ہوگی اور چھوٹی گولی دھار دار سے زخمی ہو کر مر جائے گی تو بلاشبہ حلال ہو جائے گی۔

كما في الدر المذکور في صفحة ۳۳۵

او بندقة ثقيلة ذات حدة لقتلها بالثقل لا بالحد (أي لو مات لا يحل له) و ان كانت

خفيفة بها حدة حل لقتلها بالجرح و لو لم يجرحه لا يوكل مطلقاً۔

۱	الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۱۰ : صفحہ ۵۲، ۵۳	مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۲	الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۱۰ : صفحہ ۵۶	مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳	الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۱۰ : صفحہ ۵۷	مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

(ترجمہ: یا بھاری گولی جس میں دھار بھی ہو اس سے کیا ہوا شکار حرام ہے کیوں کہ اس گولی نے شکار کو اپنے بوجھ سے مارا ہے نہ کہ دھار سے۔ اور اگر گولی ہلکی ہو اس پر دھار بھی ہو تو اس سے کیا ہوا شکار حلال ہے کیوں کہ اس نے اسے زخم سے قتل کیا ہے اور اگر گولی نے اسے زخمی نہ کیا ہو اور وہ مر جائے تو بہر حال نہ کھایا جائے گا) اور زخم میں یہ شرط ہے کہ خون بہہ نکلے۔

كما في تلک الصفحة:

و شرط في الجرح الدماء

(ترجمہ: زخمی کرنے میں شرط یہ ہے کہ وہ خون بھی نکالے)

بناء علیہ علامہ شامی صفحہ ۳۳۵ سطر ۳ در مختار مذکور میں تحریر فرماتے ہیں

ولا ینحفی ان الجرح بالرصاص انما هو باحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف

اذ لیس له حد فلا یحل وبہ الفتی ابن نجیم (مصنف البحر الرائق والاشباہ)

(ترجمہ: اور یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ سیسہ کی گولی سے زخم جلنے یا اس کے بوجھ کے باعث ہوتا ہے اس لیے کہ شدت کی تیزی سے چلتی ہے کیوں کہ اس میں دھار نہیں ہوتی لہذا اس سے کیا گیا شکار حلال نہیں۔ البحر الرائق اور الاشباہ والنظائر کے مصنف علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فتویٰ دیا ہے)

یعنی چونکہ بندوق کی گولی کا زخم بوجہ قوت ضرب (اور) جلانے کھال کے بلاشبہ ہوتا ہے لہذا گولی اور چہرہ کا شکار اگر مر جائے اور باقاعدہ ذبح نہ کیا جائے ہرگز حلال نہیں ہوتا اور بلاشبہ اس کا کھانا حرام ہے۔

حردہ: العبدالراجی

محمد دیدار علی رضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱۰: صفحہ ۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱۰: صفحہ ۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....227﴾

### سوال

اگر ایک غیر مسلم یا ہندو جو تکبیر مجوزہ شرع محمدی پڑھ کر بندوق سے شکار کرے حلال جانور کا اور وہ جانور مر جائے اور حلال کسی مسلمان کی چھری سے نہ ہو سکے تو جانور حلال ہو یا حرام؟

### الجواب

اللهم رب زدنی علما

مشرک کا کیا ہوا شکار خواہ بسم اللہ کہہ کر تیر یا بر چھایا بغیر بسم اللہ کے ہرگز حلال نہیں ہوتا ☆ اس واسطے شکار حلال ہونے کی شرط شکاری کا مسلمان ہونا شرط ہے کما هو ظاهر من تتبع الكتب الفقهية

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....228﴾

## سوال

بکرا وغیرہ بنام غیر اللہ دے اور بوقت ذبح اللہ اکبر کہے تو کیا حکم ہے؟ اور تفسیر ما اهل لغير الله به کیا ہے؟ اور اگر پہلے نیت کچھ ہو اور پھر نیت بدل گی اور ذبح کیا تو کیا حکم ہے؟۔ خلاصہ جواب شافی دیا جائے۔

سائل: ملا احمد خان فیروز پور۔ ملا حسین ابواتجار

۲۱ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

(ذبح کرنے کا) والے کی یہ نیت ہے کہ اس کو ذبح فلاں پر ہم کریں گے تو یہ حرام ہو گیا خواہ اس پر اللہ اکبر کہا جائے۔ ☆ اور اگر یہ نیت ہے کہ اس کے گوشت پوست کا ثواب یا دعوت فلاں کے نام پر ہوگی تو یہ حلال ہے۔

تفسیر ما اهل لغير الله نیشاپوری میں ہے۔ قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبيحة و قصد

بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا و ذبيحة مرتدا.

(ترجمہ: علماء نے فرمایا اگر کسی مسلمان نے کسی ذبیحہ کو ذبح کیا اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے

تقرب کی نیت کی تو وہ شخص مرتد ہو گیا اور اس کے ذبیحہ کا حکم مرتد کے ذبیحہ کا ہے)

☆ یعنی مسلمان ذبح اس نیت پر کرے کہ خون بہائے گا ثواب فلاں کو ایصال کرے گا اور محتاجوں کو دوں

ط اصل نسخے سے یہ لفظ پڑھے نہیں جاسکے لہذا اندازہ سے لکھے ہیں۔

ط تفسیر نیشاپوری جلد صفحہ مطبوعہ

گا اور خون بہانا خالص اللہ کے واسطے ہے، تو مضائقہ نہیں حلال ہے۔ اور خون بہانا فلاں کے نام پر ہے تو یہ حرام ہے خواہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کرے۔

☆ اور اگر اول نیت لغیر اللہ ہے اور پھر نیت کو بدلاتو آخر میں نیت کا اعتبار ہوگا اور ذبیحہ حلال ہوگا۔

چنانچہ حاشیہ زبدۃ النصائح میں ہے۔ لیکن اگر کسے جانور را اذبح۔

اور مثال یہ ہے کہ کوئی ہندو ہولی کا بکرا مسلمان سے ذبح کرائے تو وہ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کرے مگر

وہ حرام ہے۔ کیوں کہ دراصل اس کی نیت ہولی کی نذر ہے۔ اسی طرح شیخ سدو اور میاں دین کے بکرے کا حکم

ہے۔ بوجہ نیت لغیر اللہ حرام ہے۔ هذا خلاصة التحقيق في هذا المقام

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ







# قریانی



## ﴿فتویٰ نمبر.....229﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین ایک شخص گائے یا بچھڑا قربانی کرنا چاہتا ہے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز ہے اور ایک گائے میں کے (کتنے) شریک ہو سکتے ہیں۔

سائل: ولایت خان از اعتماد پور ضلع آگرہ

۲۱ دسمبر ۱۹۳۶ء

## الجواب

اللهم رب زدنی علما.

قربانی، اونٹ، گائے، بیل، بکری سب کی ہو سکتی ہے۔ مگر اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہو اور گائے یا بیل یا بھینس خواہ بھینسا دو برس کی عمر سے کم نہ ہو اور بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ ایک سال سے کم نہ ہو۔

کافی الہدایۃ

والا ضحیۃ من الابل والبقر والغنم.... و یجزی من ذالک کلہ الشی الا الضان

فان الجذع منه تجزی ما

(ترجمہ: قربانی اونٹ، گائے اور بکری سے دی جاتی ہے۔ ان تمام جانوروں سے مٹی (جس جانور کے سامنے

کے دو دانت گر گئے ہوں) قربانی کے لیے کفایت کرتے ہیں مگر بھیڑ اور دنبہ سے چھ ماہ کا بھی کافی ہے)

☆ یعنی اونٹ وغیرہ بحسب عمر مذکورہ قربانی ہو سکتی ہیں۔ مگر دنبہ شش ماہہ اگر سال بھر کے دنبہ کے برابر ہو تو

وہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والجدع من الضان ما تمت له ستة اشهر ... والثني منها ومن المفرا ابن سنة و من

البقر ابن سنتين و من الابل ابن خمس سنين ما

(ترجمہ: بھیڑ اور دنبہ سے جذع وہ جانور ہے جس کی عمر چھ ماہ پوری ہو چکی ہو اور مٹی، بھیڑ دبنے اور بکری سے وہ ہوتا ہے جو سال کا ہو۔ اور گائے سے مٹی وہ ہوتا ہے جو دو سال کا ہو۔ اور اونٹ سے مٹی وہ ہوتا ہے جو پانچ سال کا ہو۔)

اور بکری، بھیڑ، بکرا، مینڈھا، فقط ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔

☆ اور گائے، بیل، اونٹ، اونٹنی میں ایک سے سات آدمی تک بہ نیت قربانی شریک ہو سکتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ويذبح عن كل واحد منهم شاة او يذبح بقرة او بدنة عن سبعة ما

(ترجمہ: اور ذبح کرے ہر قربانی کرنے والے کی طرف سے ایک بکری اور اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرے)

☆ اور بلا نیت قربانی، کھانے کھلانے کی نیت سے اگر ایک بھی حصہ دار شریک ہو گا کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ اور مستحب ہے، قربانی کا گوشت ہر ایک حصہ دار تول سے بانٹ کر لے اور اپنے اپنے حصہ سے ہر حصہ دار ایک حصہ غریبوں کو دے۔ ایک دوست احباب کو اور ایک خود کھائے۔

☆ اور قربانی والے کو اپنے خرچ کے واسطے کھال بیچنا مکروہ ہے۔ صدقہ کرنے کی نیت سے بیچے تو جائز ہے۔ البتہ رنگوا کر اپنے واسطے مصلی وغیرہ بنا سکتا ہے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



۱ الہدایہ: جلد ۷ صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

۲ الہدایہ: جلد ۷ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

## ﴿فتویٰ نمبر.....230﴾

سوال

قربانی کی دعا تحریر فرمائیں۔

محمد اسلام خان  
قبضہ شمس آباد ضلع آگرہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم .

اللهم رب زدنی علماً

قبل قربانی

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والأرض حنیفا وما أنا من المشرکین ما  
(ترجمہ: میں نے اپنا رخ اس ذات پاک کی طرف پھیر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں ہر  
باطل سے جدا ہوں اور نہ میں مشرک لوگوں سے ہوں)

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی ل الله رب العالمین لا شریک له وبذلک  
أمرت وأنا اول من المسلمین ما

(ترجمہ: بلاشبہ میری نماز، قربانی، زندگی اور مرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس  
کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اطاعت کرنے والا ہوں)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی رضوی، لکھنؤ

مسجد جامع اکبر آباد

القرآن المجید: سورة الانعام . آیت: ۷۹

القرآن المجید: سورة الانعام . آیت: ۱۶۲، ۱۶۳

## ﴿فتویٰ نمبر.....231﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی (کے گوشت اور کھال) کو قربانی کرنے والا خود فروخت کر کے کسی کو دے سکتا ہے؟ اگر دے سکتا ہے تو ایک شخص کو یا کئی شخص کو؟

محمد اسلام خان

قصبہ شمس آباد ضلع آگرہ

۷ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

جس طرح قربانی کے گوشت اور کھال کو اپنے اور اہل و عیال کے خرچ میں لاسکتا ہے قربانی کے گوشت یا کھال کو بیچ کر اس کی قیمت کے درہموں کو اپنے اور اہل و عیال کے خرچ میں نہیں لاسکتا۔ اس واسطے جمہور فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے یا اپنے اہل و عیال کے خرچ میں لانے کی نیت سے قربانی کی کھال کا بیچنا مکروہ ہے اور ناجائز۔ اور اگر بہ نیت تصدق علی الفقراء بیچی چونکہ بہ نیت صدقہ بیچنا اور صدقہ کرنا بھی عبادت ہے بلا تکلف جائز ہے۔ خواہ بیچ کر اس کی قیمت ایک مسکین کو دی خواہ زیادہ کو۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے

ولا یبیعہ بالدرہم لینفق الدرہم علی نفسہ و عیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعہ بما لا ینتفع بہ الا بعد الا ستھلاک و لو باعہا بالدرہم لیتصدق بہا جاز لانہ قربۃ کالتصدق کذا فی التبین وھکذا فی الھدایۃ و الکافی ما

(ترجمہ: قربانی کی کھال اس لیے فروخت نہ کرے کہ اس سے حاصل شدہ رقم اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے، اس کا گوشت صحیح قول کی رو سے کھال کے قائم مقام ہے لہذا اس کو ایسی چیز کے عوض فروخت نہ کرے جس سے صرف استہلاک کے بعد فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگر اسے رائج الوقت نقدی کے عوض فروخت کیا تا کہ اس رقم کو صدقہ کرے تو یہ جائز ہے کیوں کہ صدقہ کرنے کی مانند یہ بھی عبادت ہے، تبیین ہدایہ کافی) ☆ البتہ مستحب یہ ہے کہ ایک (تہائی) حصہ غربا کو دے اور ایک حصہ (تہائی) خویش و اقربا دوست احباب کو اور ایک حصہ (تہائی) خود رکھے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....232﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں۔

کہ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر لگ سکتی ہے تو کس طرح؟

محمد اسلام خان قصبہ ٹمس آباد ضلع آگرہ

## الجواب

نمبر ۲: بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

مسجد میں کھال کو رنگوا کر بطریق مصلیٰ دے سکتا ہے مگر بعد فروخت اس کی قیمت مسجد میں یا کسی غریب

کے کفن دفن میں نہیں دے سکتا۔ اس واسطے کہ بعد البیع اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ صدقہ میں

کسی کو مالک بنانا ان در اہم کا شرط ہے۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤ

مسجد جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....233﴾

سوال

قربانی کے چمڑوں کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا

سائل: حاجی عبداللہ

سوداگر ریاست لال گڑھ، ضلع بلاس پور

۲۵ نومبر ۱۹۱۵ء

الجواب

وهو الملهم للحق والصواب

اگر مالک چرم کسی مسلمان کو دے دے اور وہ فروخت کر کے لگائے تو جائز ہوگا اور جو مالک خود

فروخت کر کے قیمت لگا دے تو مکروہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء





## ﴿فتویٰ نمبر.....234﴾

### سوال

جب قربانی کا چمڑا دوست احباب کو دینا جائز ہے تو قیمت اس کی بھی دے دینا جائز ہوگا؟۔

### الجواب

چمڑہ بعینہ دے دینا درست ہے۔ اور قیمت اس کی مالک کو مالِ خبیث کا حاصل کرنا ہے۔ لہذا وہ غرباء و مساکین کو دیں۔ دوست احباب کو خبیث مال دینا مکروہ ہے۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



﴿فتویٰ نمبر.....235﴾

سوال

حصہ گائے میں عقیقہ درست ہے یا نہیں۔ اور بعد ذبح گائے کے اگر حصے مقرر کئے جائیں تو قربانی ہو جائے گی۔

الجواب

جو شرائط قربانی کے ہیں وہی عقیقہ کے ہیں۔ گائے کے حصہ میں عقیقہ درست ہے۔ اور اگر جانور قربانی کا ذبح کیا اور پھر حصہ مقرر کرے تو جائز نہ ہوگا۔ کیوں کہ اول سے نیت تقرب کی نہ ہوئی جو ضروریات قربانی سے ہے۔ صرف ذبیحہ کا حکم ہو جائے گا۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....236﴾

نوٹ: سوال دستیاب نہیں ہوا۔

## الجواب

و هو الموفق الصواب

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں صاحبِ قربانی غنی ہو خواہ فقیر جب قربانی کی نیت سے خرید چکا اور ایامِ قربانی نہ رہے تو اس پر لازم ہے کہ اس قربانی کو زندہ کسی مسلمان محتاج کو دیدے۔ اور اگر باوصف گزر جانے ایامِ قربانی کے ذبح کر بیٹھا ہو تو اسے کھانا غنی کو ناجائز ہے بلکہ فقیر کو صدقہ کر دے۔

کما فی الجلد الخامس من الشامی فی صفحہ ۲۲:

و فی البدائع ان الصحیح ان الشاة المشترآة للاضحیة اذالم یضح بها حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینها حیة کا لفقیر بلا خلاف بین اصحابنا فان محمد ا قال و هذا قول ابی حنیفة و ابی یوسف و قولنا و تمامہ فیہ و هو الموافق لما قد مناہ آلفا عن غایة البیان و علی کل فاظاہر انه لا یحل له الاکل منها اذا ذبحها کما لا یجوز له حبس شیء من قیمتہا۔

(ترجمہ: البدائع میں ہے۔ قربانی کے لیے بکری خریدی گئی اسے ذبح نہ کیا جاسکا یہاں تک قربانی کا وقت گذر گیا تو فقیر کی مانند امیر بھی اسے زندہ صدقہ کر دے۔ اس میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور

ہمارا قول ہے۔ اس کی پوری بحث اسی کتاب (بدائع) میں ہے۔ اور یہ اس جزئیہ کے موافق ہے جو ہم نے غایۃ البیان سے نقل کر کے کچھ پہلے ذکر کر دیا ہے۔ بہر صورت ظاہر یہی ہے کہ اگر (قربانی کے دن گذر جانے کے بعد) اس کو ذبح کرے تو اس کا کھانا اس کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح اس کی قیمت کا کچھ حصہ اپنے پاس روک کر رکھنا جائز نہیں ہے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المشہدی

المفتی فی جامع اکبر آباد





اکراه



## ﴿فتویٰ نمبر.....237﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے بحالتِ خلوت اپنی زوجہ سے باصرار یہ کہا کہ میرے ذمہ جو تیرا مہر لازم ہے اس کو معاف کر دے۔ لیکن اس کہنے میں الفاظِ تنخویف و تہدید نہ تھے۔ زوجہ کو بوجہ خلوت اندیشہ ہوا کہ اگر اس وقت الفاظِ معافی نہیں کہتی ہوں تو شوہر مجھ کو ایذا و ضرر پہنچا دے گا۔ اس خیال سے اس نے اس وقت الفاظِ صرف زبان سے ادا کر دیئے لیکن دل میں معافی مہر پر ہرگز راضی نہ تھی۔ چنانچہ دوسرے وقت عورت نے اپنے عزیز اقربا سے اس ہی طرح بیان کیا۔ پس ایسی صورت میں عندالشرع معافی مہر مانی جائے گی یا نہیں؟

سائل: فخر الدین۔ مراد آباد

۱۹ ستمبر ۱۹۱۶ء

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

وهو الموفق للصواب

☆ مطلقاً دیون کی معافی بالاکراہ صحیح نہیں اور مہر بھی منجملہ دیون واجبہ ہے۔ لہذا یہاں بھی صورتِ اکراہ غیر معتبر رہے گی۔

قال في الدر المختار

لا يصح مع الاكراه ابراء مديونهما

(ترجمہ: اکراہ کے ساتھ اپنے مقروض کو قرض سے بری قرار دینا درست شمار نہ ہوگا)

پھر صورتِ مسئلہ میں اکراہ کا تحقق صرف امر سے ہو جاتا ہے اگر زوجہ کو اس کے خلاف کرنے میں کسی قسم کی مضرت کا اندیشہ ہو کچھ الفاظ تہدید و تخویف کے ضروری نہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے:-

امر السلطان اکراہ و ان لم توعدہ ما  
(ترجمہ: بادشاہ کا حکم اکراہ شمار ہوتا ہے اگرچہ وہ دھمکی نہ دے)

ثم قال ناقلا عن البزازية

☆ والزوج سلطان زوجته فتحقق منه الاكراه ما

☆ (ترجمہ: خاوند اپنی بیوی کا سلطان ہوتا ہے۔ لہذا اس کی جانب سے اکراہ ثابت ہو جائے گا)

اس پر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:-

قلت فظاهر قولهم الزوج سلطان زوجته انه متحقق بمجرد الأمر حيث خافت منه

الضرورة

(ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا یہ کہنا کہ خاوند اپنی بیوی کا سلطان ہوتا ہے اس کا ظاہر نتیجہ یہ ہے کہ خاوند کے

صرف حکم کے ساتھ اکراہ ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت اس کی طرف سے نقصان پہنچنے سے ڈرتی ہو)

پس چونکہ زوجہ نے بحالتِ خلوت زوج کے اصرار بانندیہ مضرت بظاہر مہر معاف کر دیا تھا ورنہ حقیقتہ

وہ راضی نہ تھی لہذا معاف نہیں ہو۔

حورہ: العبد المسکین

فخر الدین احمد مدرس مدرسہ شاہی

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۱۵۷، ۱۵۸، مطبوعہ بیروت

۲ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ بیروت

۳ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۱۵۸، مطبوعہ بیروت

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

☆ بے شک عقودِ ہبہ، ابراء، بیع و شری و غیرہ جو محتمل فسخ ہیں، وہ بصورتِ اکراہ گونا فذ ہو جائیں مگر بعدِ رفع حالتِ اکراہ رضا اور اجازتِ مکرہ پر موقوف رہتے ہیں۔

کما فی الدر المختار :

ان عقود المکره نافذة عندنا والمعلق علی الرضا و الاجازة لزومه لا نفاذه اذا للزوم امر و راء النفاذ کما حققه ابن کمال قلت والضابط ان مالا یصح مع الهزل ینعقد فاسدا فله ابطاله و ما یصح فیضمن الحامل ما

(ترجمہ: اکراہ شدہ شخص کے معاملات ہمارے نزدیک نافذ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا لازم ہونا رضا اور اجازت کے ساتھ معلق ہے۔ ان کا نفاذ رضا اور اجازت کے ساتھ معلق نہیں ہے۔ کیونکہ کسی معاملہ کا لازم ہونا اس کے نفاذ کے علاوہ امر ہے۔ جیسا کہ امام ابن کمال نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو معاملہ ہنسی مذاق کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا وہ اکراہ کے ساتھ فاسد طور پر منعقد ہو جاتا ہے تو اسے اکراہ کے بعد باطل کرنے کا اختیار ہے۔ اور جو معاملہ ہنسی مذاق میں بھی صحیح ہوتا ہے وہ اکراہ کی حالت میں صحیح ہے لیکن اس صورت میں اگر مکرہ کا نقصان ہو تو اس مجبور کرنے والا نقصان کا ضامن ہوگا)

لہذا ابراء اور ہبہ مہر پر اگر مکرہ راضی رہی ہبہ مہر لازم ہو جائے گا۔ اور اگر وہ ناراضگی ظاہر کرے جس طرح صورتِ مسئلہ سے ظاہر ہے تو وہ ہبہ لازم نہ ہوگا اور مہر بدستور قائم رہے گا۔ ☆ اور تحققِ اکراہ کی کم از کم ادنی صورت یہ ہے کہ سخت آواز سے حاکم محکوم سے کہے کہ یہ کام کر دے۔

کما فی الدر المختار فی صفحہ 89 من الجزء الخامس :

و هو (ای الاکراہ) ینتلف باختلاف الاشخاص فان الاشراف یغمون بکلام خشن



والاراذل ربما لا يغمون الا بالضرب المبرح ابن کمال ما

(ترجمہ: اکراہ لوگوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ معزز لوگ درشت بات سے غم ناک ہو جاتے ہیں اور کمینے لوگ تکلیف دہ مار پیٹ سے بھی بعض اوقات غمگین نہیں ہوتے)

لہذا اگر شوہر نے تیور بدل کر سختی سے اصرار کیا تھا اور قرینہ ڈرنے اور خائف ہونے عورت کا موجود تھا، تو بلاشبہ معاف کرنا بالا کراہ ثابت ہوگا اور اگر محبت کے ساتھ اصرار تھا تو معافی پر رضامندی متحقق ہوگی۔

حردہ : العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

المفتی مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....238﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید سے کہا گیا تم داڑھی کیوں منڈواتے ہو ایسا مت کیا کرو یہ گناہ ہے۔ اس نے مسخرہ پن سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے:

﴿کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون﴾

اور اس کے معنی یہ بیان کئے تم اپنے گلوں کو صاف کرو کلام کے پاک کے غلط معنی مذاقیہ طور سے لینا ہماری شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا سزا ہے؟ اور کس طریق پر اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

۱۱۲ اپریل ۱۹۱۵ء

محمود الحق کو نچہ حکیمان

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً. اللهم قنا من تکفیر المسلمین و من حب المعاندین المرتدین جب تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ ایک مشیت داڑھی رکھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ باوصف جاننے اس امر کے اول تو مجرد بے وقعت سمجھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہی کا کفر ہے۔

چنانچہ صفحہ ۱۲۱ سطر ۱۳ جلد خامس بحر الرائق مطبوعہ کے باب احکام المرتدین میں ہے۔

و با ستخفافه لسنة من السنن ما (ای یکفر)

(ترجمہ: سنتوں میں سے کسی سنت کو ہلکا سمجھنے سے کافر ہو جائے گا)

علاوہ بریں آیہ کلام اللہ کے ایسے غلط معنی بطریق مذاق کرنا باوصف جاننے اس امر کے کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں اور آیت کلام کے ساتھ مسخر اپن کرنا تو اس درجہ کا صریح کفر و ارتداد ہے کہ جس سے لازم آتا ہے انکار آیت کریمہ کا۔

﴿إِنَّ لِكِتَابِ عَزِيزٍ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٍ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾  
(ترجمہ: بلاشبہ یہ ایک غالب کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے آ سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے۔ یہ حکمت والے تعریف کیے گئے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے)

قرآن مجید کی طرف اس حکم فسق و فجور کی نسبت کرنا کہ قرآن فرماتا ہے اپنے گلوں کو صاف کرو اور مکرر صاف کرو صراحتاً قرآن کو متہم کرنا ہے ساتھ امر فسق و فجور اور امر باطل کے چنانچہ صفحہ ۳۷۳ شفا فی حقوق المصطفیٰ مطبوعہ صدیقی بریلی میں ہے:

و اعلم ان من استخف بالقرآن او المصحف او بشيء منه او سبهما او حجده او حرفا منه او آية او كذب به او بشيء منه او كذب بشيء مما صرح به فيه من حكم او خبر او اثبت مانفاه او نفى ما البته على علم منه بذلك او شك في شيء من ذلك فهو كافر عند اهل العلم باجماع<sup>۱</sup>

(ترجمہ: جان لو کہ جس نے قرآن مجید یا اس کی تحریر یا اس کے کسی چیز کو ہلکا جانا یا ان کو برا بھلا کہا یا اس کی تکذیب کی یا جس حکم یا خبر کی اس میں صراحت موجود ہو اس کی تکذیب کی یا اس چیز کا اثبات کیا جس کی قرآن مجید نے نفی کی یا اس چیز کی نفی کی جس کا اثبات قرآن کریم نے کیا اور یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا یا ان میں کسی چیز میں شک کیا تو وہ اہل علم کے نزدیک اجماعاً کافر ہے)

و فی صفحة ۱۲۳ من الجزء الخامس من بحر الرائق

۱ القرآن الکریم : سورة حم السجده : آیت ۲۲

۲ الشفا بتعريف حقوق المصطفى: جلد دوم، صفحه ۱۱۰۱ مطبوعہ عیسیٰ الباہی الحلبي مصر

والمزاح بالقران كقوله التفت الساق بالساق او ملاً قدحا وجاء به وقال كاسا دها  
قا او قال عند الكيل والوزن و اذا كالوهم او وزنوهم يخسرون ما (أى يكفر)  
(ترجمہ: قرآن مجید سے مزاح کرنے سے جیسے مزاحیہ انداز سے کہے التفت الساق بالساق یا پانی کا پیالہ  
بھر کر لایا اور کہا کاسا دھا قا یا کسی چیز کو ماپنے یا تولنے کے وقت کہا اذا كالوهم او وزنوهم يخسرون  
سے کافر ہو جائے گا۔

☆ لہذا ایسے شخص کو لازم ہے کہ توبہ کرے اور از سر نو تجدید نکاح کرے ورنہ بلا نکاح جو اولاد ہوگی وہ  
ولد الزنا ہوگی اور جتنی دفعہ اپنی (بیوی) کے ساتھ ہم بستر ہوگا اس کا حکم زنا کا ہوگا۔  
چنانچہ صفحہ ۱۰۰ جلد اول تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے

☆ و لو ارتد والعیاذ باللہ تعالیٰ تحرم امراته ویجدد النکاح بعد اسلامہ<sup>۱</sup>  
(ترجمہ: خدا کی پناہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے اسلام قبول کرنے کے بعد دوبارہ  
اس کا نکاح کیا جائے گا)

ایضا فیہ بعد السطر

المولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد التکلم بکلمة الکفر ولد زنا<sup>۲</sup>۔  
(ترجمہ: مرتد ہونے اور اسلام دوبارہ قبول کرنے درمیان تجدید نکاح سے پہلے اور کلمہ کفر بولنے کے بعد جماع  
سے جو اولاد ہوگی زنا کی اولاد ہوگی)

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



البحر الرائق: جلد ۵ صفحہ ۱۲۱ دار المعرفہ بیروت

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: جلد اول صفحہ ۱۰۱ المكتبة الحبیبة کوئٹہ

ایضا:

## ﴿فتویٰ نمبر.....239﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں اساطین دین متین و شرع مبین اس امر میں کہ غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل

ہیں:

﴿۱﴾ آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں۔

(ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۷۳)

﴿۲﴾ مسیح موعود جن کے آنے کی خبر احادیث میں آئی ہے میں ہوں۔ (ازالہ اوہام طبع اول صفحہ ۶۶۵)

﴿۳﴾ میں مہدی معبود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ (معیار الاخبار صفحہ ۱۱)

﴿۴﴾ ان قدمی علی منارة ختم علیہ کل رفعة (خطبہ الہامیہ ۳۵)

(ترجمہ: میرا قدم ایسے مینارہ ہے جہاں پر ہر رفعت ختم ہو چکی ہے)

﴿۵﴾ لا تفسونی باحد ولا احدا بی (خطبہ الہامیہ ۱۹)

(ترجمہ: مجھے کسی پر قیاس نہ کر اور نہ ہی کسی اور کو مجھ پر قیاس کرو)

﴿۶﴾ میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔

﴿۷﴾ میں امام حسین سے افضل ہوں۔ (دفع البلا صفحہ ۱۳)

﴿۸﴾ والی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدا فالفرق اجلی و اظہر (اعجاز احمدی صفحہ ۸۱)

(ترجمہ: میں محبت کا کشتہ ہوں لیکن تمہارا حسین دشمن کے ہاتھوں قتل ہوا لہذا فرق بڑا واضح اور

عیاں ہے)

﴿۹﴾ یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار تھیں (معاذ اللہ) (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸۵)

﴿۱۰﴾ یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

﴿۱۱﴾ یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے۔ (ازالہ صفحہ ۳۰۳)

- ﴿۱۲﴾ ان کے پاس بجز دھوکے کے کچھ نہ تھا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)
- ﴿۱۳﴾ میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لئے مخصوص تھا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)
- ﴿۱۴﴾ مجھے الہام ہوا یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (ترجمہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں) (معیار الاخبار صفحہ ۱۱)
- ﴿۱۵﴾ میرا منکر کافر ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)
- ﴿۱۶﴾ میرے منکروں بلکہ مقابلوں کے پیچھے بھی نماز نا جائز ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ جلد اول)
- ﴿۱۷﴾ مجھے خدا نے کہا اسمع ولدی (اے میرے بیٹے سن)۔ (البشری صفحہ ۴۹)
- ﴿۱۸﴾ لولاک لما خلقت الافلاک (ترجمہ: اگر تو نہ ہوتا میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۹)
- ﴿۱۹﴾ میرا الہام ہے و ما ینطق عن الہوی (ترجمہ: وہ خواہش سے بات نہیں کرتا) (اربعین صفحہ ۳)
- ﴿۲۰﴾ و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین (ترجمہ: ہم نے تم کو صرف سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۲)
- ﴿۲۱﴾ انک لمن المرسلین (ترجمہ: بے شک تو رسولوں سے ہے) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)
- ﴿۲۲﴾ آتانی مال من یوت احد من العالمین (ترجمہ: اس نے مجھے وہ کچھ دیا جو سارے جہانوں میں کسی کو نہ دیا گیا) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۷)
- ﴿۲۳﴾ اللہ معک یقوم اینما قمت (ترجمہ: اللہ تیرے ساتھ کھڑا ہوگا جہاں تو کھڑا ہوگا) (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۷)
- ﴿۲۴﴾ مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطیناک الکوثر (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۸۵)

(ترجمہ: بے شک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا)

﴿۲۵﴾ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ہو بہو اللہ ہوں۔ رایتی فی المنام عین اللہ و تیقنت الی ہو۔

فخلقت السموات والارض (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۲، ۵۶۵)

(ترجمہ: میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا عین دیکھا اور میں نے یقین کر لیا کہ میں وہی

ہوں پھر میں نے آسمان اور زمین بنائے)

(فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۷)

﴿۲۶﴾ میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں۔

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلمہ غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت کرنا

جائز ہے یا نہیں؟ اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟۔

## الجواب

اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ ارنا حقائق الاشياء كما هي۔

دعویٰ مذکورہ صفحہ ۶۷۳، ۶۷۴ ازالہ اوہام نمبر (۱) اور دعویٰ سوم مذکورہ صفحہ ۱۱ معیار الاخبار علیٰ ہذا دعویٰ نہم و

دھم یا زدھم مذکورہ ضمیمہ انجام آتھم وازالہ اوہام اگر یسوع مسیح سے مراد مدعی کی سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ

والسلام ہیں اسی طرح دعویٰ نمبر (۱) مذکورہ حقیقتہ الوحی اور دعویٰ سیزدھم وچہار دھم اور دعویٰ مسیح وغیرہ کفر صریح

ہیں۔ ان دعوؤں کا مدعی اور اس کے قسم کے دعوؤں کی تصدیق کرنے والا بلاشبہ مرتد اور کافر ہیں۔ چنانچہ صفحہ

۲۹۱ جلد دوم فتاویٰ عالمگیریہ مطبوعہ مصر میں ہے۔

و لو قال انا رسول الله او قال بالفارسية من پیغمبرم یرید بہ من پیغام برم یکفر!

(ترجمہ: اگر کسی نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یا فارسی زبان میں کہ من پیغمبرم اور اس کی نیت یہ ہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کا پیغام اٹھانے والا ہوں تو اس کو کافر کہا جائے گا)

اور ظاہر کے کہ دعویٰ اول میں مبشرا برسول الخ کا اپنے آپ کو مصداق سمجھنا بلا تاویل صریح دعوائے



رسالت ہے۔ پھر مرزا کا بلا تاویل اور اس کے بعض معتقدین کا بلا تاویل اور خواجہ کمال الدین وغیرہ کا غالباً تاویل تصدیق کرنا بھی اس دعویٰ کا بلاشبہ صراحۃً کفر ہے اور ارتداد بموجب روایت مذکورہ عالم گیر یہ کے۔ علیٰ ہذا دوسرے اقوال کا بعض میں صراحۃً دعویٰ نبوت و رسالت ہے اور بعض میں توہین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ لہذا مدعی اور قائل اقوال مذکورہ کے کفر میں تو کلام ہی نہیں۔ مگر جو ایسے شخص کے کفر میں شک کرے اور اس کے ان اقوال پر راضی رہے اور باوصف ان اقوال کے تاویلات بعیدہ کر کے اس کو بزرگ سمجھے اور بغرض حاصل کرنے روپیہ کے مسلمانوں سے بظاہر اپنے آپ کو سنی حنفی معین اسلام کہتا رہے وہ بھی بلاشبہ کافر و مرتد ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۱۷ جلد سوم در مختار مطبوعہ حاشیہ رجتار میں ہے:

الكافر بسب نبي من الانبياء فانه يقتل حدا ولا تقبل توبته مطلقا. و لو سب الله تعالى قبلت لانه حق الله تعالى والاول حق عبد لا يزول بالتوبة و من شك في عذابه و كفره و تمامه في الدرر في فصل الجزية. ما

☆ (ترجمہ: انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو برا بھلا کہنے کے باعث جس نے کفر کا ارتکاب کیا اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی۔ اور اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہا تو اس کو توبہ قبول کی جائے گی کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور پہلی صورت میں بندے کا حق ہے جو صرف توبہ سے زائل نہیں ہو سکتا۔ یہی سزا اس کی ہے جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے۔ اس کی کامل تفصیل الدرر کی فصل الجزیہ میں ہے)

قال الشامي رحمه الله:

(قوله فانه يقتل حدا) يعني ان جزاءه القتل على وجه كونه حداً

(ترجمہ: قولہ: اسے بطور حد قتل کیا جائے گا یعنی اس کی سزا قتل ہے اس لیے کہ یہ اس کے لیے حد ہے)

۱ الدر المختار مع رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۱۷ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲ رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۱۷ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ویکفر فقط بوجه سب شیخین او سب عائشة رضی اللہ عنہا و استحلال

محرمات و

☆ (ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاورق اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہنے ☆ اور حرام امور کو حلال قرار دینے کے باعث انسان صرف کافر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی سزا بطور حد قتل نہیں ہے)

علامہ شامی فتاویٰ حامدیہ میں شیعوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

و قد اکثر مشائخ الاسلام من علماء الدولة العثمانية لازالت مريدة بالنصرة العلية  
فی الافتاء فی شان الشيعة المذكورين و قد اشبع الكلام فی ذلك كثير منهم والفوا فیها  
الرسائل و ممن افتى بنحو ذلك فيهم المحقق المفسر ابو السعود آفندی العمادی و نقل  
عبارة العلامة الكواکبي الحلبي فی شرحه علی منظومته الفقهية المسماة الفرائد السنية  
و من جملة ما نقله عن ابی السعود بعد ذکر قبائحهم علی نحو ما مر فلذا اجمع علماء  
الاعصار علی اباحة قتلهم و ان من شك فی كفرهم كان كافرا فعند الامام الاعظم و  
سفيان الثوري والاوزاعي انهم اذا تابوا و رجعوا عن كفرهم الى الاسلام نجوا من القتل.  
و يرجی لهم العفو كسائر الكفار اذا تابوا اما عند مالک والشافعی و احمد بن حنبل و  
ليث بن سعد و سائر العلماء العظام فلا تقبل توبتهم و لا يعتبر اسلامهم و يقتلون حدا الخ  
فقد جزم بقبول توبتهم عند امامنا الاعظم و فيه مخالفة لما عن المجموعة و يظهر لي ان  
هذا هو الصواب

(ترجمہ: سلطنت عثمانیہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ عالی شان نصرت سے اس کی تائید فرماتا ہے رہے کہ علمائے کرام نے

مذکور شیعوں کے بارے میں کثرت سے فتویٰ دیئے ہیں۔ ان میں سے کثیر تعداد نے ان کے بارے میں سیر حاصل کلام فرمایا ہے۔ اور ان کے متعلق رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ ایسا فتویٰ صادر فرمانے والے علماء میں سے صاحب تحقیق اور مفسر قرآن حضرت ابو مسعود آفندی عمادی رحمہ اللہ بھی ہیں، علامہ کو اکی حلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی عبارت کو اپنے فقہی منظومہ کی شرح میں نقل فرمائی ہے۔ جس کا نام الفرائد السنیۃ ہے۔ حضرت علامہ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے شیعہ مذہب کی قباحتوں کا اسی طرح ذکر کیا جو پہلے مذکور ہو چکا پھر آپ نے ان کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام زمانوں کے علماء نے ان کے قتل کو مباح قرار دیا ہے اور جو شخص ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر وہ اپنے کفر سے توبہ کریں کفر سے رجوع کر کے اسلام لے آئیں تو وہ قتل ہونے سے بچ جائیں گے اور باقی کافروں کی مانند ان کی معافی کی امید ہے جب کہ وہ توبہ کر لیں لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور باقی علمائے عظام کے نزدیک ان کی توبہ قبول نہ کی جائے ان کے اسلام کا اعتبار نہ کیا جائے اور حد کے طور پر ان کو قتل کر دیا جائے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی توبہ کی قبولیت یقینی ہے۔ لیکن مجموعہ سے منقول حکم شرعی اس کے مخالف ہے اور مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درست یہی ہے۔

بہر نہج بصورت سلطنت اسلامیہ اور جاری ہونے احکام اسلام کے اگر ایسے لوگ توبہ نہ کریں باتفاق واجب القتل ہیں۔ اور اگر توبہ کر لیں اور اپنے اقوال کفریہ سے رجوع کر لیں بطریق حد بعد توبہ ان کے قتل میں اختلاف ہے اور قول راجح علامہ شامی رحمہ اللہ کے نزدیک عدم قتل ہے۔ جب وہ توبہ کر لیں مگر قول فیصل اور صحیح یہ ہے کہ بعد توبہ اگر آثار استقامت علی التوبہ ان سے ظاہر ہوں قتل نہ کئے جائیں اور اگر توبہ بطریق فریب و مکر ان کے افعال و اقوال سے ظاہر ہوں تو حاکم اسلام پر لازم ہے کہ ضرور ایسے لوگوں کو قتل کر دیں۔

چنانچہ صفحہ ۱۰۴ اور صفحہ ۱۰۵ جلد الاول عقود الدرہ میں علامہ شامی رحمہ

اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

وقد اجاب العلامة الفهامة ابو السعود المفتي رحمه الله تعالى عن هذه المسئلة  
بما حاصله ان المسئلة خلافية فقد عرض على السلطان المجاهد في سبيل الرحمن  
سليمان خان بن سليم خان في امر الجمع بين القولين والرعاية للمومنين بان الاولي ان  
ينظر الى حال الشخص التائب عن سب الرسول ﷺ فان فهم منه صحة التوبة و حسن  
الاسلام و صلاح الحال يعمل بقول الحنفية في قبول توبته و يكتفى بالتعزير و الحبس  
تاديبا و ان لم يفهم منه الخير يعمل بمذهب الغير فلا يعتمد على توبته و اسلامه و يقتل  
حدا فامر السلطان جميع قضاة ممالكه ان يعملوا بعد اليوم بهذا الجمع لما فيه من النفع  
و القمع ما .

(ترجمہ: حضرت علامہ ابوسعود مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ  
اختلافی ہے۔ راو خدا میں جہاد کرنے والے سلطان سلیمان خان بن سلیم خان کے سامنے دو اقوال کے  
درمیان تطبیق اور اہل ایمان کی رعایت کے لیے یہ مسئلہ پیش کیا گیا (تو یہ فیصلہ کیا گیا) کہ بہتر یہ ہے کہ نبی اکرم  
ﷺ کو برا بھلا کہنے کے بعد توبہ کرنے والے شخص کے حال کو دیکھا جائے اگر اس کی جانب سے توبہ کی درستی  
اسلام کی خوبی اور حال کی بہتری معلوم ہوتی ہو تو قبول توبہ میں احناف کے قول پر عمل کیا جائے اور اس کی  
تادیب کے لیے تعزیر اور قید پر اکتفا کیا جائے اور اگر اس سے بہتری مفہوم نہ ہوتی ہو تو دیگر ائمہ کے مذہب پر  
عمل کیا جائے۔ لہذا اس کی توبہ پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اور اسے حد کے طور پر قتل کیا جائے۔ لہذا سلطان مذکور  
نے اپنے ممالک کے تمام قاضیوں کو حکم دیا کہ آج کے بعد اس تطبیق کے مطابق عمل کیا جائے کیوں کہ اس میں  
اسلام کا نفع اور کفر کا خاتمہ ہے)

الحاصل اس زمانہ میں خصوصاً ہند میں نہ حاکم شرع ہے اور نہ جمیع احکام اسلام جاری۔ ضرور ہے کہ  
اس قسم کے لوگ خصوصاً قائل اقوال مذکورہ اور اس کے معتقدین اگر وہ اپنے عقائد فاسدہ مکفرہ سے توبہ نہ

کریں۔ اور ان کے نکاح میں جو اہل سنت اپنی بیٹیوں کو دے چکے ہیں ان سے بذریعہ عدالت ضرور جدا کریں اس واسطے کہ بعد مرتد ہو جانے کے نکاح مرتد قائم نہیں رہتا۔ لہذا اگر وہ توبہ کرے از سر نو پھر تجدید نکاح کر لی جائے۔ اور اگر وہ توبہ سے انکار کرے تو شرعاً عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کر لے۔

چنانچہ صفحہ ۱۰۰ جلد اول عقود الدریہ میں ہے:-

لو ارتد والعیاذ باللہ تحرم امراته و یجدد النکاح بعد اسلامه و هو فسخ عاجل فلا

یحتاج الی قضاء و لا ینقص عدد التطلیقات کما فی الدر المختار<sup>۱</sup>

☆ (ترجمہ: نعوذ باللہ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے نکاح کی تجدید کی جائے گی ارتداد سے فی الفور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا اس بارے میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے طلاقوں کی تعداد میں کمی واقع ہوتی ہے)

☆ ورنہ بعد ارتداد جو وطی واقع ہوگی اس کا حکم زنا کا ہے۔ اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولد الزنا ہوگی۔

چنانچہ صفحہ ۱۰۱ جلد اول عقود الدریہ فی تنقیح فتاویٰ حامدہ میں ہے:

و المولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد بالتکلم بکلمة الکفر ولد الزنا

ثم ان اتی بکلمة الشهادة علی العادة لا یجزیه ما لم یرجع عما قاله لان باتیانها علی العادة

لا یرتفع الکفر و یومر بالتوبة والرجوع عن ذلک ثم یجدد النکاح<sup>۲</sup>

(ترجمہ: ارتداد اور اس کے بعد ایمان قبول کے درمیان یعنی کلمہ کفر بولنے کے بعد تجدید نکاح سے قبل وطی کے

ساتھ جو اولاد ہوگی ولد الزنا ہوگی۔ اگر عادت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھے یہ اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ جب

تک اپنے کلمہ کفر سے رجوع نہ کرے کیوں کہ عادت کے اعتبار سے کلمہ شہادت پڑھنے سے کفر مرتفع نہیں ہوتا اسے

کفر سے توبہ اور رجوع کا حکم دیا جائے گا اس کے بعد تجدید نکاح کی جائے گی)

۱۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ جلد ۱ : صفحہ ۱۰۲ المكتبة الحبیبة کوئٹہ

۲۔ ایضاً

اور ظاہر ہے کہ جب مرتد کا قبل ارتداد جو نکاح تھا وہی باقی نہیں رہتا پھر بعد ارتداد جب تک صدقِ دل سے توبہ نہ کرے اور یقینی طور سے بقرائنِ معتبرہ اس کی سچی توبہ ظاہر نہ ہو جائے مسلمان عورت کا اس کے ساتھ کب نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اس کو بیٹی دینا اور اپنی بہن بیٹی کا اس کے ساتھ نکاح کرنا بعینہ ایسا ہے جیسے کہ گبر یا ہندو یا یہودی یا نصرانی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے اور ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر دینے والے اگر ان کو اچھا سمجھ کر ان کے ساتھ نکاح کر دیں وہ خود مرتد ہیں۔ ورنہ قیامت تک ان غریب عورتوں کے زنا کا عذاب ان کے ورثہ کی گردن پر رہے گا اور اگر بوجہ نکاح وہ عورت بھی مرتد ہو گئی تو اس کے عذابِ ارتداد میں وہ ورثہ بھی ضرور معذب ہوں گے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



جو ان اقوالِ مکفرہ کا مصدق ہے وہ کافر ہے۔ اس کے ساتھ مسلمہ غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت جائز نہیں۔ اور زوجین میں سے کسی ایک کا بعد نکاح ان اقوالِ کفریہ کی تصدیق کرنا موجب افتراق ہے۔  
فقط ضیاء الاسلام امام مسجد جامع اکبر آباد

جو ان اقوالِ کفریہ کا مصدق ہے وہ کافر ہے

هو اللہ الغنی

معتقدانِ اقوال کا اور قائل ان اقوال کا کافر مطلق ہے۔ اس کے کفر میں کچھ شک نہیں۔ اور ان اقوال کے قائل اور معتقد کے ساتھ نکاح مطلق جائز نہیں۔ اگر کرے بھی قابل واسطے افتراق کے ہے۔

سید عبدالطیف ولایتی

مدرس مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....240﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ عبدالقادر نے حضور سرورِ عالم ﷺ کی توہین کی۔ اور اس پر علماء کا فتویٰ کفر آچکا ہے۔ اور وہ توبہ سے انکار کرتا ہے۔ اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اور اگر ٹوٹ گیا ہے تو ان کی مطلقہ بیویوں کا نکاح دوسرے مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ مطلقہ بیویاں مہر کی لین دار ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ عطا فرمایا جائے۔ عند اللہ ماجور ہوں گے۔

۲۱ جون ۱۹۱۷ء

محمد رمضان پیش امام مسجد بٹالین کوئٹہ

## الجواب

اللهم رب زدنی علما۔

☆ جو شخص بوجہ توہین رسول اللہ ﷺ مرتد ہو جائے اور جس پر علمائے ان الفاظ کی توہین سے کفر کا فتویٰ دے دیا ہو اور وہ الفاظ کے کہنے سے انکار بھی نہ کرے ان الفاظ کو باوصف تمہیاتی علماء کفر نہ جانے اور ان الفاظ کفریہ کو نہ کہنے اور لکھنے سے بھی انکاری ہو۔ اور ان الفاظ کفریہ کے کہنے کے بعد اس شخص پر شہود معتبرہ گزر جائیں۔ ☆ تو بلاشبہ اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے دوبارہ نکاح کرے۔ ☆ ورنہ اس زمانہ کی وطنی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الزنا ہوگی۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے اس کی بیوی دوسری جگہ احتیاطاً حاکم سے اجازت لے کر نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۰ جلد اول عقود الدرر فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے۔

ولو ارتد والعیاذ باللہ تحرم امراته و یجدد النکاح بعد اسلامه وهو فسخ عاجلا فلا یحتاج الی قضاء ولا ینقص عدد الطلقات کما فی الدر المختار و ینقض النکاح بالوطی بعد التکلم لیس علیہ اعادۃ الصوم والصلوة و المولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد التکلم

بکلمة الکفر ولد زنا ثم ان اتى بكلمة الشهادة على العادة لا يجزيه ما لم يرجع عما قاله۔  
 (ترجمہ: اگر کوئی شخص العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا نکاح از سر نو پڑھایا جائے گا۔ ارتداد سے فی الفور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا قاضی کے فیصلے کی اس میں ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ اس سے طلاق کی تعداد کم ہوتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ☆ دوبارہ ایمان لانے کے بعد وہ حج کا اعادہ کرے۔ روزے اور نماز کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہے۔ کلمہ کفر بکنے اور دوبارہ ایمان قبول کرنے کے درمیان جماع سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولد الزنا ہے۔ ☆ ارتداد کے بعد اگر عادت کے انداز میں کلمہ شہادت پڑھے تو وہ ایمان کے لیے کافی نہیں۔ جب تک اپنے بکے ہوئے کفر سے رجوع نہ کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔) فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مسجد جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....241﴾

## سوال

گزارش ہے کہ حاجی وارث علی خان سوداگر کے بھائی حاجی عاشق الہی صاحب کا نواسا جس کی عمر قریب آٹھ دس ہوگی جس وقت جامع مسجد میں نماز پڑھنے آتا ہے نہایت شرارت کرتا ہے۔ بارہا منع کیا گیا کہ بڑے آدمیوں کی صف میں شریک نہ ہوا کرے۔ لڑکوں کی جماعت جو پیچھے کھڑی ہوتی ہے شامل ہو کر نماز پڑھے مگر باز نہیں آتا۔ جماعت میں شریک ہو کر کچھ ایسی حرکات کرتا ہے جو قریب کے کھڑے ہونے والوں کو ناگوار گزرتی ہیں۔ چنانچہ ۱۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو وہ لڑکا عشاء کی جماعت میں شریک اپنی عادت کے موافق کچھ حرکات کرتا رہا۔ نماز ختم ہونے پر شیخ کلن میدہ فروش نے اس کی شکایت جناب امام صاحب سے کی۔ اس بات پر عبدالمجید سوداگر اور شیخ کلن صاحب میں کچھ تیزی کے ساتھ گفتگو ہونے لگی۔ جس کو اس وقت رفع کر دیا گیا۔ لیکن اکثر لوگ اس امر کے شاک کی ہیں کہ اہل حدیث یعنی غیر مقلد کچھ عرصہ سے جامع مسجد میں نماز کے لیے آنے لگے ہیں ان کو روکنا چاہئے کہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا ہونے کا احتمال نہ رہے۔ اطلاع عرض ہے۔

۱۵ جولائی ۱۹۱۸ء

دلاور حسین موزن جامع مسجد آگرہ

جناب عالی

واقعی کئی شخصوں نے مجھ سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ اہل حدیث کو ہماری مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دینا چاہئے۔ مگر چونکہ اس کی بابت کمیٹی کا کوئی خاص حکم نہیں ہے اور نماز کے واسطے کسی شخص کو روک دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے اس لئے اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔ مگر اس واقعہ کے پیش آنے سے آئندہ اور جھگڑوں کے ہونے کا احتمال ہے۔ اس سبب سے بنا برص دور حکم مناسب رپورٹ موزن ارسال خدمت ہے۔ فقط

محمد ضیاء الاسلام امام مسجد اکبر آباد

۱۶ جولائی ۱۹۱۸ء

فتویٰ لیا جائے کہ اہل حدیث کو مسجد جامع میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے یا نہیں۔

محمد عبدالغفار عثمٰنی عنہ ۱۷-۷-۱۹۱۸ء

## الجواب

وهو الموفق للصواب

☆ اس زمانہ کے اہل حدیث جن کو زمانہ غدر میں وہابی کہتے تھے۔ پھر خطاب غیر مقلد کے ساتھ مشہور ہوئے بوجہ بدعت اور حرام کہنے تقلید کے امام معین کی ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم سے غیر مقلد اور لاندہب کہلائے گئے۔ پھر اس منصب سے ناراض ہوئے۔ چونکہ فی الحقیقت اس طریقہ کے بانی کا نام محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا ان لوگوں نے اپنا نام محمدی رکھا۔ اور ناواقف مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لہذا سچے محمدی ہم ہیں اور جو لوگ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے ہیں وہ بدعتی یا مشرک ہیں۔ وہ محمدی نہیں رہے۔ حالانکہ بمقابلہ یہود و نصاریٰ جب پوچھا جاتا ہے تو سب حنفی ہوں یا شافعی بلکہ روافض خارجی یہی کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں۔ اور آپ میں جب پوچھا جاتا ہے تو کوئی محمدی کہتا ہے کہ میں حنفی ہوں یعنی تحقیق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موافق قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ و علیٰ ہذا دوسرا کہتا ہے میں شافعی ہوں۔ مگر جب یہ راز سربستہ مسلمانوں پر کھل گیا کہ فی الواقعہ محمدی کہنے سے ان کی غرض ہے یہ کہ ہم محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں۔ جیسے علامہ شامی علیہ الرحمۃ اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں حرمین شریفین پر چڑھائی کر کے وہاں کی تمام زیارتوں کو منہدم کر دیا تھا اور عام طور سے سادات کرام کو قتل کیا تھا۔ اور حضور سرور عالم ﷺ کی شان میں سخت گستاخیاں و بے باکیاں کیں۔ یہاں تک کہ لوگ اس فرقہ سے نفرت کرنے لگے۔ تو اب چند روز سے انہوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہے۔ ان کے متعلق عرصہ دراز ہوا کہ ایک فتویٰ با تفاق علماء دہلی، کانپور، لودھیانہ، دیوبند و علماء شہر اندور چھاؤنی اندور مصطفیٰ آباد عرف رام پور افغاناں، چونکہ بہت تحقیق کے ساتھ مع بیان عقائد و اعمال اس فرقہ کے بحوالہ صفحہ و سطران کی نئی پرانی تصنیفات سے مرتب ہو کر مسمی بہ جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد

شائع ہو چکا ہے۔ اور وہ اتفاق سے امام صاحب کے پاس نکل بھی آیا اور اسی کے موافق میری بھی تحقیق ہے۔ اور اسی کے مطابق میرے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا وسیدنا ارشاد حسین صاحب قدس سرہ خلیفہ ارشد حضرت شاہ احمد سعید رحمہ اللہ پر طریقت نواب کلب علی خان صاحب مرحوم کی تحقیق ہے۔ لہذا وہی فتویٰ مطبوعہ مسمی بجامع الشواہد ارسال خدمت ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ اور اس کو بعینہ میرا ہی فتویٰ سمجھ لیا جائے۔ اس میں باتفاق جمیع علماء کرام اہل سنت و جماعت صاف گو حق شنو مصداق لا یخافون لومة لائم بھی لکھا ہے کہ جو حکم اہل سنت و جماعت کے نزدیک رافضی، خارجی، شیعہ وغیرہ کا ہے وہی حکم غیر مقلدوں کا ہے جو چند روز سے اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ جیسے ان کے آنے سے یقین فتنہ و فساد ہے اور خوف ناپاک کر دینے مسجد کا ہے ویسا ہی خوف فتنہ و فساد خوارج و روافض سے تھا۔ جب ان کا خوف یقینی ہو گیا مسجد اہل سنت میں آنے سے روافض و خوارج کو عموماً تمام جگہ منع کر دیا گیا۔ علی ہذا اکثر شہروں میں ان کو بھی منع کر کے فتنہ و فساد مسجد رفع کر دیا گیا ہے۔ اور جہاں ان کی ممانعت میں سستی کی گئی وہاں اول اول گو فتنہ و فساد کم ہوتا دیکھا گیا مگر رفتہ رفتہ جب چند لوگوں کو اپنا سا کر لیا میرا تجربہ ۳۰ سالہ ہے کہ پھر اتنا فساد بڑھتا کہ سرکار سے چارہ جوئی کرنی پڑتی ہے فرو نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسی مسجد میں مصلین نماز بہت کم رہ جاتے ہیں۔ باہم اکثر جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے نزدیک پانی کتنا بھی کم ہو یا زیادہ کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اس کا رنگ بومزہ نہ بدل جائے۔ چنانچہ صفحہ ۶، ۷ طریقہ محمدیہ اور دررہ بیہ ان کی معتبر کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے اور حنفی بلکہ تمام نفیس مزاج اگر گھڑے بھر پانی میں ایک قطرہ پیشاب بھی گر جائے تو گھڑے تک کو ناپاک جانتے ہیں۔ خواہ رنگ بومزہ کچھ بھی نہ بدلے۔ لہذا باہم بعد واقف ہونے ان کی ایسی حرکات پر سخت جھگڑے ہو کر مسجدیں خراب اور ویران ہو جاتی ہیں لامحالہ ایسے لوگوں کا مساجد احناف سے روک دینا لازمی امر ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یدکر فیہا اسمہ و سعی فی خرابہا اولئک

ماکان لهم ان يدخلوها الا خائفين ۱

(ترجمہ) کون بڑھ کر ظالم ہے اس شخص سے کہ مساجد اللہ کو اللہ کا نام ذکر کئے جانے سے منع کرے اور کوشش کرے مساجد کی خرابی میں ساتھ ساتھ فتنہ و فساد اور بیان عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ خبیثہ کے۔ ان کو لائق نہیں کہ بے دھڑک بلا خوف مسجد میں آسکیں۔

علامہ فخر الدین رحمہ اللہ صفحہ ۴۵۴ جلد اول کبیری (تفسیر کبیر) میں اس آئیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں

و هذا يقتضى ان يمنعوا من دخول المسجد ۲

یعنی اس آیت کا اقتضاء ہے کہ ایسے لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جائے۔ واللہ اعلم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



۱ القرآن المجید: سورة البقرہ: آیت: ۱۱۴

۲ التفسیر الکبیر: جلد ۴، صفحہ ۴، المطبعة البهية المصرية

## ﴿فتویٰ نمبر.....242﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء و مفتیانِ شرع متین کہ عبدالقادر نے حضور سرورِ عالم ﷺ کی توہین کی۔ اور اس پر علماء کا فتویٰ کفر کا آچکا ہے اور وہ توبہ سے انکار کرتا ہے۔ اس کا نکاح بھی عندالشرع ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اس کا بھتیجا سراج احمد اس کا معاون ہے۔ اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا یا نہیں؟ اور اگر ٹوٹ گیا ہے تو ان کی مطلقہ بیبیوں کا نکاح دوسرے مسلمان سے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ اپنے مہر کی لین دار ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب براہِ کرم جلد عطا فرمایا جائے۔ فقط

۹ ذی قعدہ ۱۳۶ھ

ملا محمد رمضان پیش امام بنا پورہ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا. اللهم لا تجعلنا من المداہنین فی الدین و ثبتنا

علی الصراط المستقیم و الدین القویم امین ثم امین۔

جناب رسالتِ مآب ﷺ کی شان میں جو شخص عالم ہو یا جاہل کلمہ توہین و گستاخی قلم سے یا زبان سے نکال بیٹھے یا آپ کے کسی فرمان یا کسی قول و فعل کے ساتھ تمسخر کرے یا اس کو ہلکا جانے اور ذلیل سمجھے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے اور نہ ان امور مذکور کو کفر سمجھے نہ اس کے مرتکب کو کافر جانے باوجود ہونے ان کلمات کے باتفاق اہل عرف کلمات توہین یا تمسخر یا استخفاف کرے تو وہ بلاشبہ وہ کافر ہے۔ اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ بلکہ علامہ صفحی رحمہ اللہ تو درمختار میں یہی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ بھی کرے تو حاکم اسلام پر لازم ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول نہ کرے۔ اور اس کو حد اقل کر دے۔ مگر مذہب صحیح یہی ہے کہ نزدیک حنفیہ کے اس کی توبہ قبول کر کے قتل سے بچا لیا جائے خصوصاً اس زمانہ میں کسی طرح حکم قتل نافذ نہیں ہو

سکتا۔ ☆ البتہ قبولِ توبہ یا انکار کرنے ان کلماتِ کفریہ سے اور جاننے ان کلمات کے کفر اور اقرار کر لینے یا لکھ دینے اس امر کے کہ میں ان کلمات کو کلماتِ کفر و ارتداد سمجھتا ہوں جو شخص اس کو کافر نہ جانے بلکہ جو شخص اس کے کفر میں ذرا شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور جب وہ بھی کافر ہے تو اس کا نکاح بھی جاتا ہے۔

☆ اور چونکہ کلماتِ کفریہ کہہ کر انکار کرنا اور ان کلمات کے کلماتِ کفر ہونے کا اقرار کر لینا بھی قائم مقام توبہ ہے لہذا بعد انکار اور اقرار کر لینے اس امر کے کہ یہ کلمات جو میری طرف منسوب کیے گئے ہیں بلاشبہ کلماتِ کفر ہیں یا بعد توبہ کے پھر اس کو کافر کہنا بلاشبہ بڑے بڑے مجتہدوں کی تکفیر کرنا ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع المؤمنین منہ۔  
چنانچہ صفحہ ۷۳۱ در مختار مطبوعہ علی ہامش رد المحتار مصری کے جلد ثالث میں ہے:

و کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الاجماع تکررت ردتہ علی مامر و الکافر بسب نبی من الانبیاء فانه یقتل حدا ولا یقبل توبته مطلقا ولو سب اللہ تعالیٰ قبلت لانه حق اللہ تعالیٰ والاول حق عبد لا یزول بالتوبة و من شک فی عذابه و کفرہ کفر و تمامہ فی الدرر فی فصل الجزیة معزیا للبزازیة و کذا لو أبغضه بالقلب فتح واشباه و فی فتاوی المصنف و یجب الحاق الاستهزاء والاستخفاف به لتعلق حقه ایضاً

(ترجمہ: ہر مسلمان جو مرتد ہو جائے اس کی توبہ قبول کی جائے گی لیکن اس جماعت کی توبہ قبول نہ کی جائے گی جس نے تکرار کے ساتھ ارتداد اختیار کیا۔ ☆ نیز وہ شخص جو انبیائے کرام میں سے کسی نبی کہہ برا بھلا کہہ کر کافر ہوا ہو اس کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ بالکل قبول نہ کی جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور پہلا بندہ کا حق ہے جو صرف توبہ سے زائل نہیں ہوتا۔ نیز جو ایسے شخص کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی پوری تفصیل الدرر کی فصل جزیہ میں ہے اور انہوں نے اس کی نسبت فتاویٰ بزازیہ کی طرف کی ہے۔ اور یہ حکم اس شخص کا ہے جو اس کے ساتھ دل سے دشمنی کرے۔ فتح القدر، اشباہ حضرت مصنف (علامہ قمر تاشی رحمۃ اللہ علیہ) کے فتاویٰ میں ہے کہ ٹھٹھا کرنے والے اور ہلکا جاننے والے کو بھی اس سے ملحق کرنا واجب ہے کیونکہ بندہ کا حق اس سے تعلق رکھتا ہے)

قال الشامي رحمه الله:

(قوله و تمامه في الدرر) حيث قال نقلا عن البزازیة قال ابن سخنون المالکی

اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر و حکمہ القتل و من شک فی عذابه و کفر کفر الخ

قلت وهذه العبارة مذکورة في الشفاء للقاضي عياض المالکی نقلها عنه البزازی

واخطا في فهمها لان المراد بها ما قبل التوبة والالزم تكفير كثير من الائمة المجتهدین

القائلین بقبول توبته و سقوط القتل بها عنه علی ان من قال يقتل و ان تاب يقول انه اذا

تاب لا يعذب في الآخرة كما صرحوا به و قدمناه آنفا فعلم ان المراد ما قلناه قطعاً

(ترجمہ: قولہ: اس کی پوری تفصیل الدرر میں ہے۔ کیوں کہ انہوں نے فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا

حضرت علامہ ابن سخنون مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل ایمان کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام میں سے کسی نبی

کو گالی دینے والا کافر ہے۔ اور اس کا حکم قتل ہے۔ اور جو شخص اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت شفاء قاضی عیاض مالکی میں ہے انہوں نے اسے علامہ بزازی رحمۃ اللہ علیہ سے

نقل کیا ہے۔ اور اسے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ کیوں کہ مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے اس کے حکم قتل ہے۔

ورنہ کثیر مجتہدین ائمہ کی تکفیر لازم آئے گی۔ جن کا یہ کہنا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور توبہ کے باعث اس سے

سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔ علاوہ بریں جو یہ کہتے ہیں کہ اسے قتل کیا جائے گا اگرچہ وہ توبہ کر لے وہ یہ بھی

کہتے ہیں کہ جب اس نے توبہ کر لی تو آخرت میں اسے عذاب نہ دیا جائے گا۔ علماء نے اس کی تصریح فرمائی

ہے۔ اور ہم نے تھوڑی دیر پہلے اسے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد قطعی طور پر وہی ہے جو ہم نے

بیان کی ہے) فقط والله اعلم بالصواب

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....243﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بابت اس مسئلہ کے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا قائل نہیں ہے بلکہ اب بھی بعض لوگوں کو نبی مانتا ہے لہذا انص قطعاً سے جواب باصواب دے کر ماجور ہوں۔ والسلام

### الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم .

حامدا ومصليا ومسلما. الحمد لله والصلوة على خاتم النبائه ورسله وآله و

صحابه وسلم اللهم رب زدني علما.

اللہ عزوجل اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے:-

ما كان محمد ابا احد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبیین ما

(ترجمہ: اور اے لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے

رسول اور سب نبیوں سے آخری نبی ہیں)۔

لہذا جو شخص حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین نہیں مانتا وہ منکر ہے اس آیت کلام اللہ کا۔ اور منکر

ایک بھی آیت کلام اللہ کا کافر ہی نہیں بلکہ مرتد ہے۔ اور مرتد کے احکام بہ نسبت کافر کے بہت سخت ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

اذا لم يعرف الرجل ان محمدا صلی الله علیه وسلم آخر الانبیاء علیہم و علی



نبينا السلام فليس بمسلم كذا في اليتيمة ما

(ترجمہ: جب کوئی آدمی نہ جانتا ہو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور یتیمہ میں اسی طرح ہے)

وايضاً فيه

ويجب اكفار الزيدية كلهم في قولهم بانتظار نبى من العجم ينسخ دين نبينا و

سيدنا محمد ﷺ كذا في الوجيز للکردري ما.

☆ (ترجمہ: زیدیہ فرقہ کے تمام افراد کو کافر قرار دینا واجب ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم عجم کے ایک نبی کے انتظار میں ہیں جو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کو منسوخ کر دے گا۔ امام کردری کی وجیز میں اسی طرح ہے)۔

اور جب ایسے شخص کو کافر کہنا اور جاننا واجب ہے جو منتظر ہو اور مجوز ہو پیغمبر جدید کے آنے کا بعد نبی کے مستقل پیغمبر ہو کر تو ایسے شخص کا کافر جاننا ضروری واجب ہے جو بالفعل کسی نبی مستقل کی موجودگی کا معتقد ہو۔ اور یہ جو عقیدہ اہل سنت کا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں تشریف لائیں گے وہ پیرو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ ہو کر آئیں گے نہ کہ بحیثیت نبی مستقل کے۔

حورہ: ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی



۱	الفتاوی العالمگیریہ	جلد ۲	صفحہ ۲۶۳	مطبوعہ مصر
۲	الفتاوی العالمگیریہ	جلد ۲	صفحہ ۲۶۲	مطبوعہ مصر

## ﴿فتویٰ نمبر.....244﴾

### سوال

بخدمت مفتی صاحب انجمن اسلام آگرہ۔ مسئلہ حشمت اللہ صاحب بی ایل نے جو تقریر کی ہے ان کا اسلام بغیر ان مسئلوں کے صاف طور پر ظاہر کئے ہوئے جو جناب نے ان سے دریافت کئے، عندالشرع مقبول ہے یا نہیں؟۔

سائل: علیم الدین دیگر اہل اسلام آگرہ کناری بازار

۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما۔

یہ تو ظاہر ہے کہ باب اللہ بہاء اللہ وغیرہ مدعی نبوت اور رسالت ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ ایران وغیرہ سے شہر بدر کئے گئے۔ بہت کچھ مصیبتوں میں وہ اور ان کے پیروکار مبتلا ہوئے۔ چنانچہ یہ امر مسٹر صاحب کی مولفہ و مترجمہ اس کتاب سے بھی ظاہر ہے جس کو علی رؤس الاشہاد دکھلاتے تھے۔ اور مجھ سے جلسہ مسلم لبریری (لاہور) میں بھی انہوں نے ان کو نعوذ باللہ نبی اور رسول برحق ہونے کے دلائل پیش کر کے گفتگو کی تھی۔ اور میں نے ان کو چپ کر دیا تو انہوں نے اس کا جواب مفصل لکھ کر بھیجنے کا وعدہ بھی کیا تھا جو باوجود تقاضہ اب تک نہیں پہنچا۔ اور ان کی مصنفہ کتاب البہائی مسمیٰ بالواح بھی دکھائی تھی۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ 10 میں مسٹر صاحب خود لکھتے ہیں:-

سید مرزا علی باب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے ما

اور جلد ثانی فتاویٰ عالمگیریہ مطبوعہ مصر کے صفحہ 291 میں ہے:

لو قال انا رسول الله او قال بالفارسية من پیغمبرم یریدیه من پیغام می برم یکفر ما  
(یعنی اگر کوئی شخص معنی قاصد کے مراد لے اور یوں کہے کہ میں رسول اللہ یا پیغمبر ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا)  
اور مسٹر صاحب کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ محمد علی باب نے تو حقیقی پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا نہ کہ بمعنی  
قاصد پر۔ اہل سنت والجماعہ حنفیوں کے نزدیک اس کے کفر میں کیا شک رہا؟ مگر مسٹر صاحب اسی کتاب کے صفحہ  
267 مضمون نو کو لکھتے ہیں۔

البتہ ان کی یعنی محمد علی باب کی تاریخ ایسی ہے جس کو تفصیل کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان  
کی زندگی میں بہت سے واقعات ایسے ضرور پیش آئے جیسے کہ پیغمبروں کو پیش آئے ہیں ما  
اور پھر اسی کتاب میں اس قسم کے مضمون بہاء اللہ اور عبدالبہاء کی نسبت لکھ کر اپنے آپ کو خادم ان  
مدعیان نبوت کا لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

خادم میثاق بہا حشمت اللہ

اور بحر الرائق کے صفحہ 1033 جلد خامس میں ہے

ان الرضا بکفر غیرہ کفر ما

(یعنی دوسرے شخص کے کفر پر راضی رہنا یعنی اس سے نفرت نہ کرنا بھی کفر ہے)

پھر جو جھوٹے نبیوں کی تصدیق پر لوگوں کو کتابیں چھپوا کر آمادہ ان کی طرف سے جواب کا ہوئے  
چنانچہ مسٹر صاحب کی کتاب کے صفحہ 1 سے ظاہر ہے۔ وہ جب تک ان لوگوں کے کفر کا اقرار نہ کرے اور ان  
کے دعویٰ نبوت کو کفر نہ جانے اور اپنے لکھے ہوئے امور سے توبہ نہ کرے، مجرد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اور

ما	الفتاویٰ العالمگیریہ	جلد ۲	صفحہ ۲۶۳	مطبوعہ مصر
ما	الواح صفحہ	مطبوعہ		
ما	البحر الرائق:	جلد ۵	صفحہ ۱۳۳	مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

.....  
 سنی حنفی کہنے کے باوجود انکار کفران مدعیان نبوت کے شرعا کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟ ☆ کفر کو کفر کہنا حکم شریعت  
 بیان کرنا ہے۔ ہرگز گالی نہیں۔ البتہ پیغمبر و نبی کو کافر کہنا بہت بری گالی ہے کہ جس سے آدمی مسلمان نہیں رہتا۔  
 چنانچہ بموجب اپنے عقیدہ کے مسٹر صاحب نے فرمایا کہ میں کسی کو گالی نہیں دیتا۔ یہ جواب مختصر ہے۔ اگر تفصیل  
 کی ضرورت (ہو) تو مع حوالہ دیگر کتب مفصل لکھ دیا جائے گا۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی، مفتی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....245﴾

### سوال

آباؤ اجداد پیغمبر علیہ السلام کے غیر مسلم ہونے میں مصلحتِ الہی کیا تھی؟

### الجواب

☆ آباؤ اجداد آنحضرت ﷺ شائبہ کفر و شرک سے پاک تھے۔ سب موحد تھے اور آنحضرت پر ایمان لانے کا زمانہ انہوں نے نہ پایا۔ اس میں حضور کی رفعتِ شان منظور تھی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں موجود ہے:-

ووجدک ضالاً فہدی ووجدک عائلاً فاغنی (۱)

(ترجمہ: اور آپ کو آپ کے رب نے اپنی محبت میں کھویا ہوا اور خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور آپ کو حاجت مند یا عیال دار پایا تو غنی کر دیا)

گویا یہ شبہ بھی حضور کی ذات اقدس سے مرفوع کر دیا کہ شاید تعلیم ابوین سے حضور کو علم و ادب آیا ہو۔

اس واسطے ارشاد ہے

اد بنی ربی فاحسن تادیبی (۲)۔

(ترجمہ: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا لہذا اس نے مجھے اچھا ادب سکھایا۔)

سبحان اللہ یہ جلالتِ شان محض افضالِ الہی ہے۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



(۱) القرآن الحکیم: سورة الضحیٰ، آیت نمبر ۷، ۸

(۲) الجامع الصغیر مع فیض القدیر جلد ۱ صفحہ ۲۲۲، مطبوعہ: دار المعرفت بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....246﴾

## سوال

عدل کیا ہے؟ اور عادل کے درجات بیان فرمائے جائیں۔

جناب مولوی غلام محی الدین خاں صاحب

امام مسجد شاہجہاں پورے ادا ستمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

عدل بمعنی انصاف جس کا بیان قرآن شریف میں ہے۔

ان الله يحب المقسطين۔

(ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

اس کا صلہ لاریب جنت ہے۔

اور عدل جو باصطلاح محدثین و فقہاء ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر

غالب ہوں۔ وہاں پر باعتبار حسن ظن مرحوم ہے۔

قرآن شریف میں ہے۔

الذين يجتنبون كبائر الاثم والفواحش الا اللثم ان ربك واسع المغفرة۔

(ترجمہ: جو لوگ صغیرہ گناہوں کے علاوہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے اجتناب کرتے ہیں بلاشبہ تمہارا

پروردگار وسیع بخشش والا ہے۔)

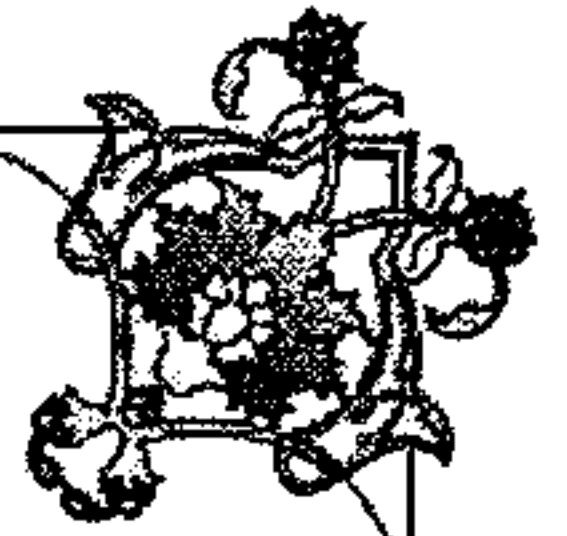
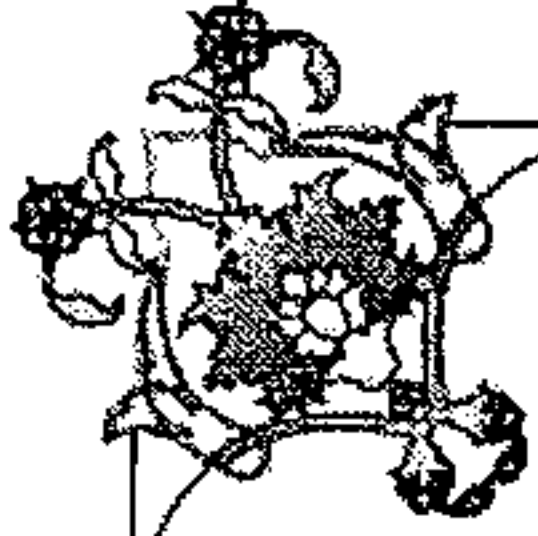
لثم بمعنی گناہِ خفیف یا ارتکابِ گناہِ مجبور اور غیرہ کے ہیں۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

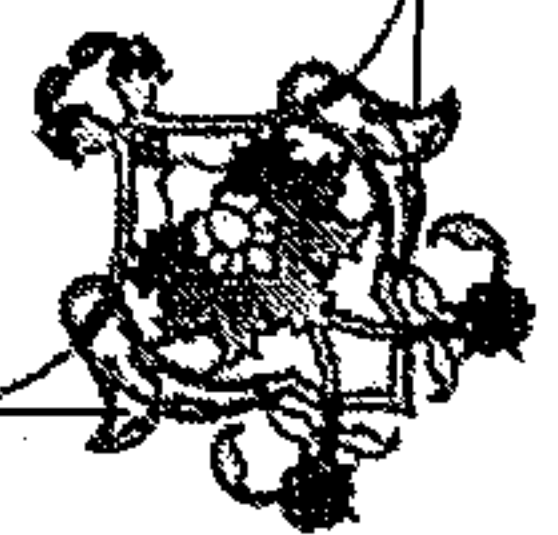
م (۱) القرآن الحکیم : سورة المائدہ : آیت ۲۲

ع (۲) القرآن الحکیم : سورة الحجرات : آیت ۹

ع القرآن الحکیم : سورة النجم : آیت ۳۲



حظرت  
اباحت



## ﴿فتویٰ نمبر.....247﴾

### سوال

مصافحہ ایک ہاتھ سے سنت ہے یا دونوں ہاتھ سے؟ بعض حدیثوں میں ایک ہاتھ سے معلوم ہوتا ہے۔  
بینوا بالتحقیق۔

سائل: رفعت اللہ خان افغان محلہ شاہ جہاں پور

۱۰ مارچ ۱۹۱۶ء

### الجواب

هو المصوب

مصافحہ باتفاق علماء و فقہاء دونوں ہاتھ سے سنت ہے۔ چنانچہ حدیث مجتم طبرانی میں ہے۔  
قال عليه السلام اذا تصافح المسلمان لم تفرق اكفهما حتى يغفر لهما .  
(ترجمہ: نبی پاک ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی ہتھیلیاں الگ ہونے سے پہلے ان کی بخشش کر دی جاتی ہے)  
پس اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو کفہما ہوتا لفظ اکفہما جس کے معنی ہاتھوں کے ہیں اور وہ  
سے زائد کو شامل ہے نہ ہوتا۔

اور بخاری میں حضرت امام نے لکھا ہے کہ

صافح حماد بن زيد بن المبارک بیدیه .

۱ الجامع الصغير مع شرحه فيض القدير جلد اول صفحہ ۳۱۸ بحوالہ طبرانی فی الكبير  
مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

۲ المعجم الكبير للطبرانی جلد ۸ صفحہ ۲۸۱ حدیث رقم ۸۰۷۶

مطبوعہ دار احیاء التراث الاسلامی بیروت

صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۶ نور محمد اصح المطابع کراچی



حماد (بن زید نے حضرت ابن مبارک سے) دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا۔

پس معلوم ہو کہ زمانہ تابعین بھی دونوں ہاتھ سے رائج تھا۔

اور جس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نے ایک ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر تعلیم فرمائی ما تو ظاہر ہے کہ یہ مصافحہ ملاقات کا نہ تھا بلکہ تعلیم کے وقت ایک ہاتھ یا کلائی یا سر پکڑ کر شاگرد کو استاد سمجھاتا ہے۔ اس سے مصافحہ ایک ہاتھ سے سنت ہونے کا نشان نہیں۔ اور جہاں لفظ ید آیا ہے اس سے مراد اسم جنس دونوں ہاتھ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ابوداؤد میں ہے۔

ضرب بیدہ علی الارض ما (فی التیمم) ما

ترجمہ: آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا (یہ حدیث باب التیمم میں ہے)

ظاہر ہے کہ ایک ہاتھ کو زمین پر مارنے سے تیمم جائز نہیں اور اس طرح اکثر مقام پر یہ تصریح وارد ہے۔ اور غیر مقلدین اکثر احادیث سے بوجہ کم مہارت سیاق عبارت عرب و قرینہ استعمال وغیرہ اولے معنی کر دیتے ہیں۔ فقط

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



ما وہ حدیث مبارکہ یوں ہے۔

قال ابن مسعود علمنی النبی ﷺ التشہد و کفی بین کفیہ

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھایا جب کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں

ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ (صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۹۲۶ نور محمد اصح المطابع کراچی)

سنن ابی داؤد جلد اول صفحہ ۵۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

ii سنن ابی داؤد جلد اول صفحہ ۱۲۹ رقم الحدیث ۳۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

## ﴿فتویٰ نمبر.....248﴾

### سوال

مصافحہ بعد نماز جو معمول بعض جگہ ہے یہ سنت ہے یا نہیں۔ کیوں کہ مصافحہ کا سنت ہونا معمول ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے اس کی بابت خلاف طریقہ سلف صالح لکھا ہے ما۔ اور بعض فقہانے بدعت مباحہ فرمایا ہے۔ تحقیق کیا ہے؟۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء

مولوی مطیع اللہ القریشی بوٹ مال جامع مسجد

### الجواب

هو المصوب

مصافحہ عند اللقاء سنت موکدہ ہے۔ بعض فقہانے اس واسطے اس میں تعیین و تخصیص کو جائز رکھا ہے۔ مرقاة میں ہے:-

نعم لو دخل احد في المسجد والناس في الصلوة او على ارادة الشروع فيها فبعد الفراغ لو صافحهم لكن بشرط سبق السلام على المصافحة فهذا من جملة المصافحة المسنونة التهيءا.

(ترجمہ: ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں اس وقت آئے جب لوگ نماز میں مصروف ہوں یا اسے شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو نماز سے فراغت کے بعد اگر ان سے مصافحہ کرے لیکن شرط یہ ہے کہ مصافحہ سے پہلے سلام کہے تو یہ صورت مسنونہ مصافحہ سے ہے۔)

ما تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۲۵، ۲۶

مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

ما مرقاة شرح مشکوة جلد ۹ صفحہ ۷۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

پس صورت جائز مصافحہ بعد الصلوٰۃ یہ ہے کہ جو شخص ایسے وقت نماز میں آیا کہ سلام و مصافحہ ابتدائے کر سکا تو بعد نماز اول السلام علیکم کہے اور مصافحہ کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر ابتداء سے داخل ہو کر سلام و کلام و قیام وغیرہ کیا اور پھر بعد نماز اس نے مصافحہ کرنا شروع کیا تو یہ صورت بالاتفاق مکروہ اور بدعت مذمومہ ہے۔  
مرقاۃ میں ہے:

وقد یكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة و يتصاحبون بالكلام و مذاكرة العلم  
وغیره مدة مدیة ثم اذا صلوا يتصافحون فاین هذا من السنة المشروعة و لهذا صرح  
بعض علمائنا بانها مکروهة و انها من البدع المذمومة  
(ترجمہ: کبھی ایسے ہوتا ہے لوگ بغیر مصافحہ کے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور باتیں کرنے، علم کا تذکرہ  
کرنے کے لیے دراز مدت تک بیٹھے رہتے ہیں اور جب نماز ادا کرتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں یہ کہاں کی مشروع  
سنت ہے لہذا ہمارے بعض علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے اور یہ مذموم بدعات سے ایک ہے)  
پس روایات بالا سے فرق سنت و بدعت ظاہر ہو گیا۔

فسارعوا الى الخیر

(ترجمہ: نیکی کی جانب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو)  
قال علیه السلام:

☆ العمل القليل من السنة خیر من عمل كثير في بدعة

☆ (ترجمہ: سنت کا تھوڑا سا عمل بدعت کے بہت سے عمل سے بہتر ہے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



المرقاة شرح المشکوٰۃ	جلد ۹	صفحة ۷۴ مطبوعه مکتبه امدادیہ ملتان
الجامع الصغير مع شرح فیض القدير جلد ۴	صفحة ۳۶۲ مطبوعه دار المعرفه بیروت میں	
درج ذیل الفاظ سے یہ حدیث موجود ہے:		
عمل قليل في سنة خیر من عمل كثير في بدعة		

## ﴿فتویٰ نمبر.....249﴾

## سوال

جو شخص حاسد اور کینہ ور ہو اور جو اب سلام نہ دے۔ اور توقع سلام کی دوسرے سے رکھے۔ اور خود سلام نہ کرتا ہو۔ اس کے سلام کا جواب نہ دینے سے یا اس کو سلام نہ کرنے سے شرعاً گناہ ہے؟۔

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔ ۷ ادا سمبر ۱۵۰۰ھ

## الجواب

جو حاسد اور متکبر ہو اور اس کو سلام نہ کرنا چاہئے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے۔

☆ التكبر مع المتكبر عبادة. (۱)

(ترجمہ: تکبر کرنے والے کے ساتھ تکبر کرنا عبادت ہے)

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....250﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مرد کو رنگ پہننا کون سا درست ہے؟ کتابوں میں کس می زعفرانی رنگ مرد کو حرام لکھا ہے۔ باقی رنگ سبز و پختہ و خام کون سا جائز ہے یا ناجائز؟۔

سائل: مولوی علاء الدین

نگلہ پرگنہ گلگت حسن ضلع کھیڑی اودھ

۲۲ فروری ۱۹۱۶ء

### الجواب

مرد کو سوائے زعفرانی اور کسم اور سرخ رنگ کے کوئی رنگ مکروہ نہیں۔ ہاں جس میں مشابہت عورتوں کی ہو جاوے یا کوئی بدعت مل جاوے تو وہ مکروہ سمجھا جائے گا۔ جس طرح ماتم میں سیاہ لباس پہننا یا ایسا چمک دار کہ جس سے زنانہ پن معلوم ہو مرد کو نہ چاہئے۔ اسی طرح موزہ سوائے سیاہ کے سفید یا سرخ خالص نہ پہنے عالم گیر یہ میں ہے:-

ويكره للرجل ان يلبس الثوب المصبوغ بالعصفر و الزعفران والورس كذا في

قاضی خان. وعن ابی حنیفة لا باس بالصبغ الاحمر والاسود كذا في الملتقط ما

ترجمہ: عصف زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننا مرد کے لیے مکروہ ہے۔ قاضی خان میں اسی طرح ہے

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ سرخ اور سیاہ رنگ میں کوئی حرج نہیں)

ولا يجوز صبغ الثياب اسود او اکهب تا سفا علی المیت ما

ترجمہ: سیاہ رنگ اور مٹیا لے رنگ کے کپڑے میت پر افسوس کے اظہار کے لیے پہننا جائز نہیں ہے۔

والخف الاحمر خف فرعون والخف الابيض خف هامان والخف الاسود خف

العلماء.

☆ (ترجمہ: فرعون کے موزے سرخ رنگ کے تھے، هامان کے موزے سفید رنگ کے تھے اور سیاہ رنگ کے

موزے علماء کے موزے ہوتے ہیں) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



﴿فتویٰ نمبر.....251﴾

سوال

پھول کا گجرا گلے میں پہننا درست ہے یا نہیں؟۔ امام کو عید کی نماز پڑھانے کے بعد روپیہ پیسہ جو مقتدی دیں لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

پھولوں کا ہار پہننا اور ☆ مقتدی خوشی سے جو نذر کریں اس کا لینا جائز ہے۔

والله تعالى اعلم و علمه اتم

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....252﴾

### سوال

اجنبی مرد کا جھوٹا پانی یا کھانا اجنبی عورت کو پینا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح اجنبی عورت کو اجنبی

مرد کا؟

۲۵ جمادی الثانیہ

احمد علی ساکن فرخ آباد

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

مکروہ ہے چنانچہ صفحہ ۳۰۲ در مختار مطبوعہ مع رد المحتار میں ہے

یکرہ للمرأة سور الرجل وسورہالہ ۱

(ترجمہ: عورت کے لیے اجنبی مرد کا جھوٹا اور مرد کے لیے اجنبی عورت کا جھوٹا مکروہ ہے)

قال الشامی رحمہ اللہ :

(قولہ ویکرہ) تقدمت المسئلة في الطهارة في بحث الاسار والعلة فيها كما ذكره

في المنح هناك ان الرجل يصير مستعملا لجزء من اجزاء الاجنبية وهو ريقها المختلط

بالماء وبالعكس فيما لو شربت سورہ وهو لا يجوز وقد منا الكلام هناك فراجعہ وقال

الرملى رحمہ اللہ يجب تقييده بغير الزوجة والمحارم ۲

مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

الدر مختار مع رد المحتار : جلد ۵ ، صفحہ ۳۰۲

مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جلد ۵ ، صفحہ ۳۰۲ ، ۳۰۳

رد المحتار :



(ترجمہ: قولہ: مکروہ ہے۔ یہ مسئلہ کتاب الطہارت میں جھوٹے پانیوں کے احکام میں گذر چکا ہے۔ اور کراہت کا باعث اس میں جیسا کہ لکھنچ میں اسی مقام پر فرمایا کہ ایسی صورت میں مرد اجنبی عورت کے اجزاء میں کچھ جو کہ اس کا پانی میں ملا ہوا تھوک ہے کے استعمال کرنے کا مرتکب ہو گیا۔ اگر عورت پانی پیئے تو اس کا عکس ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے۔ اس پر گفتگو پہلے ہم کر چکے ہیں اس کی طرف رجوع کیجئے۔ امام ربلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حکم کو بیوی اور محرم عورتوں کے علاوہ دیگر مستورات کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....253﴾

## سوال

ہندو یا مسلمان سود خوار کی دعوت کھانا جب کہ علاوہ کاروبار سودی کے، وہ کاشتکاری پیشہ، بھی ہو جائز ہے کہ نہیں؟

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اگر زیادہ آمدنی طریق حلال سے ہے اور کم حرام سے تو اس کی دعوت کھانا جائز ہے۔ ☆ اگر زیادہ آمدنی مال حرام سے ہے اور کم حلال سے تو اس کی دعوت کھانا بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے۔ چنانچہ صفحہ ۴۲۸ جلد خامس فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصر میں ہے:

اهدی رجل شیئا او اضافہ ان کان غالب ماله من الحلال فلا باس به الا ان يعلم بانہ حرام فان کان الغالب هو الحرام ینبغی ان لا یقبل الهدیة و لا یاکل الطعام الا ان ینخبرہ بانہ حلال ورثتہ او استقرضتہ من رجل کذا فی الینا بیع۔

(ترجمہ: کسی آدمی نے کوئی چیز تحفہ دی یا اس نے دعوت کی اگر اس کا زیادہ تر مال حلال ہے تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اسے یقین ہو کہ وہ حرام ہے تو قبول کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس کا زیادہ تر مال حرام ہے تو مناسب یہ ہے کہ نہ ہدیہ قبول کرے اور نہ ہی کھانا کھائے۔ ہاں اگر وہ اسے بتا دے کہ وہ حلال ہے اور میں نے اسے وراثت میں پایا ہے یا میں نے کسی آدمی سے قرض لیا تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے) اسی فتاویٰ کے ۴۷۹ میں ہے:

لا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم انه غير راض بفسقه وكذا دعوة من كان  
غالب ماله حرام ما لم يخبر انه حلال وبالعكس يجيب ما لم يتبين عنده انه حرام كذا في  
التمرتاشي ما

(ترجمہ: اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلا آدمی کی دعوت قبول نہ کرے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ اس کے فسق پر  
راضی نہیں ہے۔ یہی حال ایسی دعوت کا ہے اگر اس کا زیادہ تر مال حرام ہو تو قبول نہ کرے جب تک وہ اسے  
بتانے دے کہ یہ حلال مال سے ہے۔ اور معاملہ اگر اس کے عکس ہو تو قبول کر لے جب تک اس پر واضح نہ ہو  
کہ یہ حرام مال ہے۔ ایسی صورت میں قبول نہ کرے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....254﴾

## سوال

ہولی کے دن چندہ کر کے (جلسہ مٹا) کرنا اور ہنود سے چندہ لینا اور کھانا وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے روز کریں تو کیا حکم ہے؟ مگر ہنود کھانے میں شرکت نہیں کریں گے۔ جلسہ میں وعظ میں ہمارے افراد سے کرایا جائے۔

۱۹ مارچ ۱۹۶۷ء

فصح اللہ پارچہ فروش علی حسن کلی

نواب خان امر او شیخ محمد خلیل سودگران بان منڈی و جامع مسجد

## الجواب

هو المصوب

غیر مذہب کے تہوار ہولی، دوالی وغیرہ میں تعظیم و خوشی کرنا مسلمان کو منع ہے۔ کیوں کہ شبہ اور شرکت گناہ میں لازم آتی ہے۔ اور بطور خود چندہ کرنا، کھانا، سیر و شکار نہیں اور اہل ہنود کو چندہ میں شریک کرنا اور ان کو کھانے میں شریک نہ کرنا خلاف اخلاق ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لا یاکل طعامک الا تقی مٹا۔

یعنی اپنا کھانا نیک کو کھلا دے

اور خود بھی کھانا نیک مرد کا کھائے اور حالت بے اختیاری اس سے مستثنیٰ ہے۔ لہذا سیر اور کھانا اور وعظ یہ سب امر ہولی اور غیر ہولی (ہندوؤں کے تہوار) سب میں مسلمانوں کو جائز نہیں۔ صرف شبہ ہنود کے باعث منع ہے۔ واللہ اعلم و حکمہ احکم۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ

مٹا لفظ ”جلسہ“ اندازہ سے لکھا گیا ہے اصل مخطوط سے یہ لفظ پڑھانہ جا سکا۔ مرتب غنی عنہ  
مٹا مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی

## ﴿فتویٰ نمبر.....255﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں مسماة بوجہ نا اتفاقی خاوند کے اپنے والدین کے ہاں بیٹھ رہے۔ عرصہ پانچ ماہ کا گزر جائے اس عرصہ میں چند بار بلایا نہ آئی۔ وارثانِ مسماة مقتضی اس امر کے ہوں کہ خاوند مسماة مکان مسماة کے نام لکھ دے یا فارغ خطی مسماة کو دے۔ لہذا استفتا پیش کیا جاتا ہے امورین میں کوئی ایک خاوند پر لازم ہے؟ اگر دونوں نہ ہوں یعنی نہ مکان لکھے نہ فارغ خطی دے اس حالت میں کوئی قصور خلاف شرعی ذاتِ مسماة سے صادر ہو اس کا گناہ اوپر ذاتِ مسماة کے ہے یا خاوند کے ذمہ بھی عائد ہوگا؟

۲۸ صفر ۱۳۳۳ھ

زمان خان محلہ ماڈرن وازہ آگرہ

### الجواب

هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدني علما

صورتِ مسئلہ میں شوہر پر نہ فارغ خطی دینا لازم ہے ☆ اور نہ تحریرِ ہبہ نامہ مکان بنام مسماة لازم

ہے۔ اور جو گناہ کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔ مرتکبِ گناہ کے سوا دوسرا اس کی سزا نہیں پاسکتا۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے:-

ولا تزر وازرة وزر اخرى

i. القرآن المجید	سورہ الانعام .	آیت نمبر ۱۶۲
ii. القرآن المجید	سورہ الاسراء :	آیت نمبر ۱۵
iii. القرآن المجید	سورہ الزمر :	آیت نمبر ۷
iv. القرآن المجید	سورہ النجم :	آیت نمبر ۳۸

(ترجمہ: کوئی اٹھانے والے کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا)

البتہ باوصف قدرت اگر شوہر اپنی زوجہ کو امور مخالف شرعی سے منع نہ کرے گا نہ منع کرنے کی سزا میں ماخوذ ہوگا۔

☆ الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ما

(ترجمہ: خبردار! تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا)

فرمان سید الانس والجان رضی اللہ عنہما ہے۔

اور اگر وہ یقیناً واقف ہے کہ یہ زنا کرتی ہے اور غیر مردوں سے ملتی رہتی ہے اور پھر اس کو طلاق نہ دے اور اس کو امور شنیعہ پر تنبیہ نہ کرے مستحق اس حدیث صحیح کا ہوگا۔ جو مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ اہل موقف جنت کی خوشبو ستر ہزار برس کے فاصلہ سے سونگھ لیں گے مگر دیوٹ کو خوشبو جنت نہ پہنچے گی ما۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی مسجد جامع اکبر آباد



۱ صحیح البخاری: باب الجمعة فی القرى والمدن حدیث رقم ۸۹۳ مطبوعہ شركة دار ارقم بیروت

ii. صحیح البخاری باب العبد راع فی مال سیدہ حدیث رقم ۲۳۰۹ مطبوعہ شركة دار ارقم بیروت

نوٹ: یہ حدیث پاک بخاری شریف میں درج بالا مقامات کے علاوہ کتاب الوصایا، کتاب العتق، کتاب النکاح، کتاب الاحکام

میں مسلم شریف کی کتاب الامارہ سنن ابوداؤد کی کتاب الامارہ جامع ترمذی کی کتاب جہاد وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو

المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ لیڈن۔

۲ النہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران میں یہ الفاظ ہیں:

تحرم الجنة علی الدیوث.

یہی الفاظ غریب الحدیث امام ابن جوزی کی جلد اول صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ دار البارکہ مکرمہ میں بھی ہیں۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....256﴾

### سوال

کیا مسجد میں سوال کرنا اور سوال کرنے والے کو دینا ناجائز ہے یا مکروہ یا حرام؟ شرع شریف کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟ مع نام کتاب و صفحہ سے آگاہی فرمائیں۔

غلام نبی بازار آگرہ۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

### الجواب

بعض فقہاء کے نزدیک اگر سائل مسجد میں صفوں میں گشت نہ لگائے اور لوگوں پر چڑھتا نہ پھرے تو اس کو دینا جائز لکھتے ہیں۔ مگر قول مختار یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مسجد میں سوال کرنا حرام ہے۔ اور مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا مکروہ ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:-

و یحرم فیہ السؤال و یکرہ الاعطاء مطلقاً و قیل ان تخطی ما

(ترجمہ: مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے کو دینا ہر صورت میں مکروہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اگر لوگوں کی گردنیں پھلانگے تو دینا حرام ہے)

مگر شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر صفوں میں لوگوں پر چڑھتا نہ پھرے تو دینا جائز ہے

حیث قال رحمہ اللہ فی صفحہ ۴۸۸ من رد المحتار المصری

یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یخط رقاب الناس فی المختار لان علیا

تصدق بنخاتمہ فی الصلوۃ فمدحہ اللہ تعالیٰ ویوتون الزکوۃ و ہم را کعون ما.

ما الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۳۷۵ بیروت

ما رد المحتار: جلد ۲، صفحہ ۳۷۵ بیروت

(ترجمہ: مسجد میں مانگنے والے کو دینا مکروہ ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ اگر لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو دینا جائز ہے۔

☆ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی نماز کی حالت میں صدقہ کر دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح یوں فرمائی وہ زکوٰۃ حالت رکوع میں ادا کرتے ہیں۔ المائدہ ۶۵)

وہكذا في صفحه ۵۶۸ من غنية المستملی المطبوعة في المطبع المجتباتی

الدہلی ما

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



ط غنية المستملی : صفحه ۵۶۸ مطبوعہ دیوبند

نوٹ: اس کی عبارت یوں ہے

وعلم مما تقدم حرمة السؤال في المسجد لأنه كئشدان الضالة والبيع ونحوه و كراهة الاعطاء لأنه

يحمل على السؤال وقيل إذا لم يتخط الناس ولم يمر بين يدي مصل والاول احوط

ترجمہ: ما قبل بحث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سوال کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ گم شدہ چیز کو تلاش کرنے اور بیع وغیرہ کی مانند ہے۔ یہ بھی

معلوم ہوا کہ سائل کو دینا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ اسے بھی سوال کے حکم پر محمول کیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ سوال کرنا اور سائل کو دینا

مکروہ نہیں جب کہ وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرے لیکن پہلا قول احوط ہے۔



## ﴿فتویٰ نمبر..... 257﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا جماعت خانہ بہ نسبت صحن کے بلندی پر واقع ہے جس میں چڑھنے اترنے کو پختہ سیڑھی بنی ہوئی ہے۔ سیڑھی کے اٹھان کی جگہ میں ایک پتھر پر عربی حروف میں رمضان المبارک کندہ کرا کر چن دیا گیا ہے۔ جماعت خانہ میں آنے جانے والے اس پر قدم رکھ کر آتے جاتے ہیں۔ اس صورت میں علماء دین کے نزدیک کیا حکم ہے۔ بے ادبی اور گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ زید جو عالم اور سید کہلاتا ہے اور اس مسجد کا پیش امام بھی ہے کہتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی بے ادبی نہیں ہوتی کیوں کہ دو منزلہ مکان میں ماتحت کے درجہ میں قرآن شریف احادیث فقہ کی کتابیں رکھی ہوں اور دوسرے درجہ پر جانا چلنا پھرنا کسی طرح منع نہیں ہے۔ اور آج تک اس کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اور اس کے بام پر ہر کس آتا جاتا ہے۔ ان صورت میں جو حکم ہے وہ اس سیڑھی کے لیے بھی ہے۔ اور عمر جو ایک نووارد عالم (ہے) وہ کہتا ہے کہ اس پتھر کو یہاں سے نکال دینا چاہئے کیوں کہ یہ کلمات قرآنی ہیں اور کلمات قرآن کا ادب لازمی ہے اور عدا اس کی بے ادبی کرنا یا کرانا خارج از ایمان ہونے کی علامت ہے۔ دیگر تفسیر کبیر و کتاب غایۃ المواعظ سے اللہ کا نام بتلاتا ہے اور اللہ کے نام کی عدا بے ادبی کرنا اور کرانا خود گمراہ ہونا اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں کون حق پر ہے زید یا عمر؟ بحوالہ کتب و عبارات و صفحات مفصل تحریر فرمادیں۔ اور زید کے اصرار نے دواڑھائی سال سے اس پتھر کندہ شدہ کلمات رمضان المبارک کی شب و روز بے ادبی کی اور لوگوں سے کرائی۔ اس کا وبال کا مستحق کون ہوگا؟ کلمات قرآن کی وجہ سے بے ادبی ہوگی یا نہیں؟ اور عدا کلمات قرآن یا اسماء الہی کی بے ادبی کرنے سے بے ادبی نہیں ہوتی ایسا دھوکہ دے کر فتویٰ دینے والے کی بابت کیا حکم ہے۔ اس کو مسلمان سمجھا جائے یا نہیں؟ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور اس سے نکاح پڑھوانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پتھر کو نکالنا چاہئے یا نہیں؟

سیٹھ حاجی حسن صدیق موتی والا بازار

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنى علما۔ ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔

صفحہ ۱۲۰ جلد دوم تفسیر کبیر میں ہے

اختلفوا فی رمضان علی وجوه أحدها قال مجاهد انه اسم الله تعالى و معنى قول القائل شهر رمضان أى شهر الله و روى عن النبي ﷺ انه قال لا تقولوا جاء رمضان و ذهب رمضان و لكن قولوا جاء شهر رمضان و ذهب شهر رمضان. ☆ فان رمضان اسم من اسماء الله تعالى ما .

یعنی حضرت مجاہد مفسر فرماتے ہیں کہ رمضان اللہ کا نام ہے اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یوں مت کہا کرو کہ رمضان آیا رمضان گیا بلکہ یوں کرو مہینہ رمضان کا یعنی اللہ کا مہینہ آیا اور مہینہ رمضان کا گیا ☆ اس واسطے کہ رمضان ایک نام ہے من جملہ ان ناموں کے جو اللہ کے ہیں۔

علاوہ ازیں تفسیر عزیزى اور نزہۃ المجالس وغیرہ دوسری کتب میں بھی یہ مضمون نظر سے گزرا ہے۔

اور غنیۃ الطالبین میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو منقول ہے کہ:

☆ جمیع حروف تہجی من جملہ اسماء الہی اللہ کے نام ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۲ غنیۃ الطالبین مطبوعہ لاہور مترجم میں ہے:-

روى عن النبي ﷺ انه قال لعثمان بن عفان لما سال عن اب ت ت الى آخر الحروف فقال الالف من اسم الله الذى هو الله والباء من اسم الله الذى هو البارى والتاء من اسم الله الذى هو المتكبر والشاء من اسم الله الذى هو الباعث والوراثة حتى اتى آخرها وذكر كلها من اسماء الله و صفاته عز وجل غير مخلوقة و قال النبي ﷺ فى حديث على

کرم اللہ وجہہ لہما سال عن معنی ابجد هو زحطی الی آخرها یا علی الاعرف تفسیر  
ابجد والالف من اسم اللہ عز وجل هو اللہ والباء من اسم اللہ الذی هو الباری والجمیم من  
اسم اللہ الذی هو الجلیل الی آخرها ف ذکر النبی ﷺ انہا من اسماء اللہ تعالیٰ

(ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب انہوں نے  
الف باء ثاء ذاء ا الخ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ الف اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کا حصہ ہے جو اللہ  
ہے۔ باء اللہ تعالیٰ کے نام مبارک باری کا حصہ ہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تمام حروف کو آخر تک شمار فرمایا  
اور بیان فرمایا کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا حصہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی  
اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارک میں فرمایا جب انہوں نے تمام حروف ابجد کے معنی دریافت کیے اے علی!  
کیا تم ابجد کی تفسیر جانتے ہو الف اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کا حصہ ہے جو اللہ ہے الخ اس طرح نبی پاک  
ﷺ نے ذکر فرمایا کہ یہ تمام حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارک کا حصہ ہیں)

اسی واسطے فقہاء دیوار مسجد وغیرہ پر مطلقاً لکھنے سے منع فرماتے ہیں اس خوف سے کہ کبھی یہ حروف گر  
جائیں اور پاؤں سے مسلے جائیں چنانچہ صفحہ ۴۹۰ در مختار مطبوعہ مصر علی ہامش در المختار میں ہے

لا ینبغی الكتابة علی جدرانہ

(ترجمہ: مسجد کی دیواروں پر نہیں لکھنا چاہئے)

قال الشامی رحمہ اللہ

ای خوفا من ان یسقط و توطا

(ترجمہ: اس خوف کے باعث کہ کتابت شدہ الفاظ گر پڑیں گے اور پاؤں تلے روندے جائیں گے)

مطبوعہ مکتبہ خاور لاہور	صفحہ ۶۱	غنیۃ الطالبین :	جلد اول	۱
مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ	صفحہ ۴۹۰	الدر المختار مع رد المحتار :		۲
مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ	صفحہ ۴۹۰	رد المحتار :		۳

ہاں البتہ اگر اس استحکام سے لکھا جائے کہ پاؤں سے کھندنے اور بے ادبی کا احتمال نہ ہو جیسے اکثر عمارت شاہیوں میں آیات قرآنی کندہ ہیں اور اکثر مساجد میں تاریخیں کندہ ہوتی ہیں مضا لقتہ نہیں۔

بہر سچ مقصود فقہا یہ ہے کہ توہین و تذلیل آیات و حروف نہ ہو ☆ اسی بنا پر بعض فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ قبل از غسل میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے چنانچہ صفحہ ۶۲۱ در مختار میں مذکور ہے:

و تکرہ القراءة عنده حتى يغسل<sup>۱</sup>

☆ (ترجمہ: میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے جب تک اسے غسل نہ دے دیا جائے)

عبارة الزيلعي

حتى يغسل<sup>۲</sup>

(ترجمہ: جب تک اس کو غسل نہ دے دیا جائے میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے)

و عبارة النهر

قبل غسله<sup>۳</sup>

(ترجمہ: غسل سے قبل میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے)

☆ اور فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ سراجیہ سے منقول ہے کہ نشانہ پر فرعون یا ابوجہل کا نام لکھ کر اس پر تیر لگانا بھی مکروہ ہے اس واسطے کہ حروف تہجی جن سے یہ نام مرکب ہیں واجب الحُرمت ہیں۔

چنانچہ صفحہ ۳۰۰ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

اذا كتب اسم فرعون او كتب ابوجهل على غرض يكره ان يرموا اليه لان لتلك

الحروف حرمة كذا في السراجية<sup>۴</sup>

۱	الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۳ صفحہ ۷۹	دار التراث العربی بیروت
۲	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی: جلد اول صفحہ ۲۳۵	مکتبہ امدادیہ ملتان
۳		
۴	الفتاویٰ العالمگیریہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۳	مطبوعہ مصر

(ترجمہ: جس کسی نشانہ پر فرعون یا ابوجہل کا نام لکھ دیا جائے تو اس کی جانب تیر اندازی کرنا مکروہ ہے کیوں کہ ان حروف کی حرمت و عزت ہے۔ سراجیہ)

اور مثل روایت مذکورہ در مختار صفحہ ۳۵۸ عالم گیر یہ میں ہے

و لو كتب القرآن على الحيطان والجدران بعضهم قالو یرجى ان یجوزوا

☆ (ترجمہ: قرآن مجید کو اگر چار دیواریوں یا دیواروں پر لکھا جائے تو بعض علماء نے فرمایا امید ہے کہ یہ جائز ہوگا)

مگر یہ اسی صورت میں ہے جب خوف بے ادبی نہ ہو ورنہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و بعضهم کرهوا ذلك مخافة السقوط تحت اقدام الناس كذا فی فتاوی قاضی خان

(ترجمہ: بعض علمائے کرام نے دیواروں پر قرآن مجید لکھنے کو اس خوف کے باعث مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ

کتابت شدہ نقوش لوگوں کے قدموں کے نیچے کریں گے۔)

☆ اور صورت مذکورہ میں صراحت بے ادبی و تذلیل اسم رمضان ہے گو رمضان کا لفظ پاؤں کے نیچے نہیں

آتا مگر جس کھڑے پتھر پر کندہ ہے اس کی اوپر سیڑھی پر تو پاؤں رکھے جاتے ہیں۔ اور فقہا یہاں تک تحریر فرماتے

ہیں کہ اگر جزوان میں احادیث یا کتب فقہ لپٹی ہوں اور اس جزوان کو سرہانے رکھ کر سونے سے حفاظت مقصود نہ

ہو بلکہ مجرد تکیہ لگانا مقصود ہو جب بھی باوجودیکہ کتب فقہ اور احادیث اس کپڑے میں چھپے ہوتے ہیں اور پاؤں

کے نیچے بھی نہیں آتے بلکہ سر کے نیچے رکھے جاتے ہیں مطلقاً مکروہ تحریر فرماتے ہیں۔ اور مطلقاً کراہت امام محمد

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کراہت تحریمہ پر محمول ہوتی ہے چنانچہ صفحہ ۳۵۷ عالم گیر یہ میں ہے:

متعلم معه خريطة فيها كتب من اخبار النبي ﷺ او كتب ابى حنيفة او غيره

فتوسد بالخريطة قصد الحفظ لا يكره و ان لم يقصد الحفظ يكره كذا فی الذخيره

۱۔ الفتاوی العالم گیر یہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ مصر

۲۔ الفتاوی العالم گیر یہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۳ مطبوعہ مصر

۳۔ ایضاً

☆ (ترجمہ: طالب علم کے پاس تھیلا ہو اس میں احادیث مبارکہ یا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام کی کتب ہوں اس تھیلے کو حفاظت کی نیت سے سرہانہ کے طور پر استعمال کرنا مکروہ نہیں ہے اور اگر حفاظت کی نیت نہ ہو تو پھر سرہانہ بنانا مکروہ ہے)

الحاصل کتب دینی اور اسماء جناب باری تعالیٰ یا حروفِ تہجی واجب الحرمۃ ہیں اگر بغرضِ حفاظت صندوق میں بحالتِ سفر رکھ کر اس پر بیٹھ جائے یا حجرہ میں بغرضِ حفاظت رکھے اور اس کی چھت پر بیٹھے یا بغرضِ حفاظت سر کے نیچے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور بلا ضرورت حفاظت اگر اس طرح رکھے جائیں کہ ان کی توہین و تذلیل ہو قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

چنانچہ صفحہ مذکورہ عالمگیریہ میں ہے:-

التوسد بالكتاب الذي فيه الاخبار لا يجوز الاعلى لية الحفظ كذا في الملتقط  
ووضع المصحف تحت راسه في السفر للحفظ لا باس به و بغير الحفظ يكره كذا في  
خزانه الفتاوى ۱

(ترجمہ: ایسی کتاب کو سرہانہ بنانا جس میں احادیث مبارکہ ہوں جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر حفاظت کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔ ملتقط۔ سفر میں قرآن مجید کو حفاظت کی خاطر سرہانہ بنانے کوئی حرج نہیں ہے لیکن حفاظت کی نیت کے بغیر مکروہ ہے۔ خزانیۃ الفتاویٰ)

فی صفحة ۲۳۷

كل مكروه اى كراهة تحريم حرام اى كالحرام فى العقوبة بالنار عند محمد  
رحمه الله و عندهما الى الحرام اقرب انتهى مختصراً ۲

(ترجمہ: ہر مکروہ یعنی مکروہ تحریمی دوزخ میں سزا کے معاملہ میں حرام کی مانند ہے۔ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول)

۱ الفتاوى العالمگیریہ جلد ۵ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر

۲ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۹ صفحہ ۴۰۹ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حرام کے قریب ہے)

قال الشامی رحمة الله:

قوله كراهة تحريم و هي المرادة عند الاطلاق كما في الشرح و قيده بما اذا كان

في باب الحظر والاباحة

(ترجمہ: قولہ: مکروہ تحریمی الخ اور جب مکروہ بولا جائے اور اس کے ساتھ کوئی قید نہ ہو تو پھر یہی مراد ہوتا ہے جیسا

کہ شرح میں ہے اور اسی میں ہے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ یہ لفظ باب الحظر والاباحہ میں ہو)

اور ظاہر ہے یہ مسائل باب الکراہة والحظر والاباحہ شامی اور عالم گیر یہ نقل کئے گئے ہیں۔

لہذا اس پتھر کو نکلو کر توہین و تذلیل اسماء الہی سے توبہ کرنا ضرور ہے۔ واللہ اعلم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مسجد جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....258﴾

سوال

تعویذ موم جامہ میں سلا ہوا ہو اگر بوقت بیت الخلا ساتھ چلا جائے یا حالت غسل میں بازو وغیرہ میں بندھا ہو تو اس میں کوئی ممانعت شرعی تو نہیں ہے؟

الجواب

اگر تعویذ میں آیت کلام اللہ یا اللہ کا نام ہے تو باوجود موم جامہ کے بھی اس کو پاخانہ میں لے جانا مکروہ ہے اور اگر اس کو باندھے ہوئے پاک جگہ میں بیٹھ کر پیشاب کرے تو جائز ہے۔ مگر نہانے کی حالت میں چونکہ پانی مستعمل کا اس تک اثر کرنا یقینی ہے لہذا اس حالت میں باندھے رہنا قطعاً ناجائز ہے۔

چنانچہ صفحہ ۳۵۸ جلد خامس عالم گیر یہ مصری میں ہے:-

سئل الفقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ عن کان فی کماہ کتاب فجلس للبول یکرہ.

ذلک قال ان کان ادخلہ مع نفسہ المخرج یکرہ و ان اختار لنفسہ مبالا طاهرا فی مکان

طاهر لا یکرہ کذا فی المحيط.

(ترجمہ: فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کی آستین میں کتاب ہو پھر وہ

پیشاب کرنے کے لیے بیٹھ گیا یہ اس کے لیے مکروہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس نے کتاب کو اپنے ساتھ

بیت الخلاء میں داخل کیا تو مکروہ ہے اور اگر اس نے پیشاب کرنے کے لیے پاک جگہ کو پیشاب گاہ بنایا تو مکروہ

نہیں محیط)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد





﴿فتویٰ نمبر.....259﴾

سوال

ایک شخص قرآن ناظرہ پڑھا ہوا ہے۔ اور لڑکوں کو پڑھاتا ہے۔ مسائل اردو اور ہندی میں پڑھاتا ہے  
کیا ہندی پڑھانا حرام یا ناجائز یا جائز؟

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

مطلقاً ہندی پڑھنا پڑھانا یا کوئی اور زبان کا بقدر کاروائی امور دنیا جائز ہے بشرطیکہ بطریق کفر نہ  
پڑھائی جائے یعنی بجائے بسم اللہ کنیش یا رام چندر وغیرہ کا نام بطریق عظمت نہ پڑھایا جائے۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....260﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دربارہ ایسے عالم کے جو اپنی کتاب میں یہ عمل لکھتا ہے اور اس کے کرنے کی عام مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے کہ فلاں آیہ کلام اللہ انکور کے پتہ پر لکھ کر بغرض امساک ران پر باندھنا درست ہے۔ دوسرا شخص اس کی تائید میں کہتا ہے کہ یہ مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

فتاویٰ عالم گیر یہ اور قاضی خان اور فتاویٰ بزاز یہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی کے نکسیر سے خون آتا ہو اور وہ بند نہ ہوتا ہو اسے خون سے پیشانی پر قرآن کی آیت لکھے شفا ہوگی۔ کہا اس کو ابو بکر اسکاف نے اور بعض کا قول ہے کہ اگر قرآن کو پیشاب سے لکھے تو بھی حرج نہیں ہے مگر اس میں شفا ہو اور مردار کی کھال پر قرآن کا لکھنا درست ہے۔ نعوذ باللہ منها

۲۱ شوال ۱۳۶۶ھ

مولوی تاج محمد ساکن قائم گنج حال مقیم

فیروز آباد ضلع اکبر آباد

## الجواب

وهو الموفق للصواب:

اللهم رب زدنی علماً.

صفحة ۳۵۸ جلد خامس من فتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیة باب خامس فی

آداب المسجد والمصحف و ما کتب فیہ شی من القران او کتب اسم اللہ تعالیٰ میں ہے۔

کتابة القران علی ما یفتش و یسط مکروهة کذا فی الغرائب بساط او مصلی

کتب علیہ الملک لله یکرہ بسطہ والقعود علیہ واستعمالہ و علی هذا قالوا لا یجوز ان  
یتخذ قطعة بیاض مکتوب علیہ اسم اللہ تعالیٰ علامة فیما بین الاوراق لما فیہ من  
الابتدال باسم اللہ تعالیٰ و لو قطع الحرف من الحرف او خیط علی بعض الحروف فی  
البساط او المصلی حتی لم تبق الكلمة متصلة لم تسقط الکراهة و کذا لک لو کان علیها  
الملک لا ینوی کذا لک الالف وحدها واللام وحدها کذا فی الکبری اذا کتب اسم  
فرعون او کتب ابوالجهل علی غرض یکرہ ان یرموا الیه لان لتلك الحروف حرمة کذا  
فی السراجیة ۱

(ترجمہ: قرآن مجید کو ایسی چیز پر لکھنا جسے بچھونا بنایا جاتا ہو یا زمین پر بچھایا جاتا ہو مکروہ ہے۔ الغرائب؛ بچھونایا  
مصلی جس پر الملک لله (بادشاہت اللہ کی ہے) لکھا ہوا ہے بچھانا یا اس پر بیٹھنا اور اس کا استعمال مکروہ  
ہے۔ ☆ اور اسی بنا پر علمائے کرام نے فرمایا (کاغذ کا) سفید ٹکڑا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہے اور اس کے  
درمیان بطور نشانی کے رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں باری تعالیٰ کے نام کی توہین ہے۔ ☆ اور اگر  
بچھونے یا مصلی پر لکھے ہوئے ان کلمات سے ایک حرف کو دوسرے سے الگ کر دیا جائے یہاں تک کہ ایک کلمہ  
متصل نہ رہے تب بھی کراہت ساقط نہیں ہوتی۔ ☆ یہی حکم ہے جب اس پر الملک لکھا ہو اس کے سوا کچھ اور نہ  
لکھا ہو یا الف یا لام اکیلا لکھا ہو۔ کبری؛ ☆ فرعون یا ابوجہل کا نام کسی نشانہ لگانے کی جگہ پر لکھا ہو اس کی طرف  
تیر اندازی مکروہ ہے۔ کیونکہ ان حروف کی ایک حرمت ہے۔ سراجیہ)

وايضا فيه في آخر تلك الصفحة :

ولا يجوز في المصحف الخلق الذي لا يصلح للقراءة ان يحلده به القرآن ۱

☆ (ترجمہ: بوسیدہ قرآن مجید جو پڑھنے کے لائق نہ رہے اس کے اوراق سے قرآن مجید کو جلد کرنا جائز نہیں ہے)

۱	الفتاوی العالم گیریہ :	جلد ۵ ، صفحہ ۳۲۳	مطبوعہ مصر
۲	الفتاوی العالم گیریہ :	جلد ۵ ، صفحہ ۳۲۳	مطبوعہ مصر

☆ بلکہ ابتداء صفحہ مذکورہ میں فتاویٰ قاضی خان سے تو جن پیسوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہے ان کو بھی بلا طہارت ہاتھ میں لینا مکروہ ہے۔

ویکرہ لمن لا یكون علی الطہارة ان یأخذ فلو سا علیہا اسم اللہ تعالیٰ کذا فی

فتاویٰ قاضی خان ۱

☆ (ترجمہ: جو شخص طہارت کے ساتھ نہ ہو اسے ایسے پیسوں کو پکڑنا جن پر اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہو مکروہ ہے) اندریں صورت ظاہر ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک ایک حرف قرآن سے جب اس درجہ تعظیم مد نظر ہے کہ اگر نشانہ پر ابو جہل یا فرعون لکھا ہو تو نام فرعون و ابو جہل چونکہ مرکب ہے ان حروف تعظیم سے بلحاظ تعظیم ان حروف کے اس کی طرف تیر پھینکنا تک جائز نہیں رکھتے۔ تو بغرض تحصیل خواہش نفسانی بلاشبہ مولوی اشرف علی لکھنوی اور آئیہ کلام اللہ کو انگور کے پتے پر خواہ کاغذ پر لکھ کر ران پر باندھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

☆ اب رہا یہ امر جو فقہا پر بلا فہم مقصود اتہام رکھا گیا ہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ اور خانیہ اور بزازیہ میں پیشاب سے یا خون نکسیر سے آئیہ کلام اللہ کو لکھنا جائز لکھا ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے و انتم سکاری کی قید کو علیحدہ کر کے کوئی کہے کہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے:-

ولا تقربوا الصلوة

ترجمہ: نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اور اس طریق سے دلیل پکڑے اس امر پر کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ نماز پڑھنا تو درکنار نماز

کے قریب جانا بھی درست نہیں۔ نعوذ باللہ من تلک الاتہامات والافہام الکاسدات

اس واسطے کہ صفحہ ۳۹۱ جلد خامس کتاب الکراہیۃ باب ثامن عشر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

اعلم بان الاسباب المزیلة للضرر تنقسم الى مقطوع به كالماء المزیل للضرر العطش والخبز المزیل للضرر الجوع والى مظنون كالفصد والحجامة و شرب المسهل وسائر ابواب الطب اعنى معالجة البرودة بالحرارة ومعالجة الحرارة بالبرودة وهى الاسباب الظاهرة فى الطب والى موهوم كالكى والرقيه اما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عند خوف الموت و اما الموهوم فشرط التوكل تركه اذ به وصف رسول الله ﷺ المتوكلين اما الدرجة المتوسطة وهى المظنونة كالمداوة بالاسباب الظاهرة عند الاطباء ففعله ليس مناقضا للتوكل ما

☆ (ترجمہ: وہ اسباب جو نقصان اور تکلیف کو زائل کرنے والے ہیں (ان کی تین قسمیں ہیں)

(۱) یقینی طور پر ضرر کو زائل کرنے والے جیسے پانی کہ پیاس کی تکلیف کو زائل کر دیتا ہے اور روٹی جو بھوک کی تکلیف کو ختم کر دیتی ہے۔

(۲) ظنی اسباب مثلاً فصد لگوانا، سچھنے لگوانا، جلاب آورد کا پینا اور طب کے تمام ابواب یعنی سردی کا علاج گرمی سے اور گرمی کا علاج سردی سے کرنا۔ اور یہ طب میں ظاہر اسباب ہیں۔

(۳) موهوم اسباب۔ جیسے اعضاء کو داغنا، تعویذ لینا، ان میں سے یقینی اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

بلکہ اگر موت کا خوف ہو تو ان کا ترک حرام ہے۔ موهوم اسباب میں توکل کی شرط یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسی صفت کے ساتھ توکل کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ باقی رہے درمیانی

درجے کے اسباب جو کہ ظنی ہیں مثلاً حکماء کے نزدیک ظاہر اسباب کے ساتھ علاج کرنا تو یہ توکل کے منافی نہیں ہیں)

یعنی وہ اسباب جو دافع ضرر انسانی ہیں اگر وہ یقینی ہیں ان کا چھوڑنا موجب گناہ ہے بلکہ بوقت خوف موت ان کا ارتکاب لازم اور واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ چٹھے پارے کے پانچویں رکوع میں ہے:-

فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لائم فان الله غفور رحيم۱

(ترجمہ: لہذا جو مجبور ہو جائے بھوک میں اور گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

قال العلامة ابوالسعود الحنفی رحمة الله فی تفسیر المطبوعہ علی هامش الکبیر

فی صفحہ ۳۵۷ :

قوله تعالى فمن اضطر متصل بذكر المحرمات ای فمن اضطر الی تناول شیء من

هذه المحرمات فی مخمصة ای مجاعة يخاف لها الموت او مبادیه غیر متجانف لائم قیل

غیر مائل و منحرف الیہ بان یا کلها تلذذاً او مجاوزاً حد الرخصة او ينتزعها من مضطر

آخر کقوله تعالى غیر باغ ولا عاد فان الله غفور رحيم لا یواخذہ بذالك بناء علیہ

(ترجمہ: قولہ: پس جو شخص مجبور ہو جائے الخ یہ محرمات کے متصل بعد ہے یعنی جو شخص ان حرام چیزوں میں سے

کسی کے کھانے پر ایسی بھوک کی حالت میں مجبور ہو جائے جس کے باعث موت یا اس کے مبادی کا خوف ہو

لیکن وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا اور اس کی جانب جھکنے والا نہ ہو اس طرح سے کہ اسے لذت حاصل

کرنے کے لیے کھائے یا رخصت کی حد سے زیادہ کھائے یا کسی اور مجبور سے چھین کر کھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا غیر باغ یعنی نہ وہ بغاوت کرنے والا اور نہ ہی حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور

رحم فرمانے والا ہے یعنی اس کے کھانے کی بنا پر اس سے مواخذہ نہ فرمائے گا)

صفحہ ۳۹۱ فتاویٰ عالمگیریہ میں تحریر فرماتے ہیں

يجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا أخبره طبیب مسلم ان شفاءه

فیه و لم یجد من المباح ما یقوم مقامه و ان قال الطبیب یتعجل شفاءک فیه و جہان۱

۱ القرآن المجید : سورة المائدہ : آیت ۳

۲ الفتاویٰ العالمگیریہ : جلد ۵ ، صفحہ ۳۵۵ ، مطبوعہ مصر

☆ یعنی اگر طبیب یہ کہدے کہ یقیناً اس بیمار کو بغیر پیشاب پینے کے یا مردار کھانے کے کبھی شفاء نہ ہوگی اور کوئی ایسی مباح دواء نہیں رہی کہ جس سے امید شفا ہو۔ تو اندریں صورت پیشاب پینا یا مردار کھانا بقدر دواء جائز ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ شفاء کی اور بھی جائز دوا ہونے کی امید ہے مگر پیشاب اور مردار سے امید ہے جلد شفاء ہو جائے تو بموجب آیت مذکورہ صحیح روایت یہی ہے کہ جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی ظالم سے خوف جان جانے کا یقینی ہو اور زبان سے کلمہ کفر کہہ دینے سے جان بچ جائے اور دل میں ایمان راسخ ہو تو کلمہ کفر تک کہہ دینے کی قرآن مجید سے رخصت ثابت ہے چنانچہ سپارہ چار دہم بیسویں رکوع میں ہے۔

من كفر من بعد ايمانه الامن اكره و قلبه مطمئن بالايمان و لكن من شرح بالكفر صدرأ فعليه غضب من الله ولهم عذاب عظيم ۱

(ترجمہ: جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے مگر جس کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن جس نے کھولا سینہ کفر کے ساتھ تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے)

اور صفحہ ۷۷۳ جلد سادس تفسیر ابو مسعود مذکور میں ہے تفسیر آیت مذکورہ میں

روى ان مسليمة الكذاب اخذ رجلين فقال لاحدهما ما تقول في محمد ﷺ قال رسول قال فما تقول في قال فانت ايضا فخلاه وقال للاخر ما تقول في محمد ﷺ قال رسول الله قال فما تقول في قال انا اصم فاعاد ثلاثا فاعاد دجوابه فقتله فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه و اله وصحبه و سلم فقال اما الاول فقد اخذ برخصة الله تعالى و اما الثاني فقد صدع بالحق ۲

۱ القرآن العظيم : سورة النحل ، آیت ۱۰۶

۲ تفسیر ابو مسعود جلد صفحہ مطبوعہ

☆ (ترجمہ: بیان کیا گیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دواہل ایمان مردوں کو پکڑا ایک سے کہا تو (حضرت) محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس نے پوچھا تو میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ تو اس نے جواب دیا تو بھی۔ اس پر اس نے اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے مسلمان سے پوچھا تو (حضرت) محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر اس نے کہا تو میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ تو اس نے جواب دیا میں گونگا ہوں۔ اس نے سوال کو تین بار دہرایا تو اس مسلمان نے اسی جواب کو دہرایا۔ لہذا اس نے اسے قتل کر دیا۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو فرمایا پہلے مسلمان نے رخصت کو اپنایا اور دوسرے نے حق کا اعلان کر دیا۔)

خلاصہ مضمون آیت کریمہ اور حدیث مذکورہ یہ ہوا کہ بخوف جان بچانے کے واسطے ظالم سے کلمہ کفر کہہ دینا تک جائز ہے۔ چنانچہ حدیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ مسیلمہ کذاب کے خوف سے جن صحابی نے جان بچانے کے لیے زبان سے مسیلمہ کو کہہ دیا تھا کہ تو بھی رسول اللہ ہے اور دل سے اس کے منکر تھے ان کی نسبت حضور ﷺ نے بموجب حکم آیت کریمہ یہی فرمایا کہ انہوں نے اس امر پر عمل کیا جو ان کے لیے جائز تھا اور جنہوں نے جان دیدی اور شہید کر دیئے گئے مگر مسیلمہ کذاب کو رسول نہ کہا ان کی تعریف کی اور فرمایا جو عزیمت اور بڑے مرتبہ کی بات تھی انہوں نے اس کو اختیار کیا۔

علیٰ ہذا القیاس جملہ فقہا خصوصاً صاحب فتاویٰ عالمگیری تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ادنیٰ توہین کلام اللہ کفر ہے یہاں تک کہ اگر کوئی دف کے ساتھ قرآن پڑھے یا قرآن کو بانگِ طوفان کہدے کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ صفحہ ۲۹۴ جلد ثانی فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

اذا قراء القرآن علی ضرب الدف والقصب فقد کفر رجل یقرء القرآن فقال رجل  
ایس چہ بانگِ طوفان است فهذا کفر کذا فی المحيط لو قال قرات القرآن کثیرا فما  
رفعت الجنایة عنا یکفر کذا فی الخلاصة من قال بغيره قل هو الله احد را پوست باز کر  
دی او قال الم نشرح را گریبان گرفتہ او قال لمن یقرء یس عند المریض یس در دہان



مردہ منہ اوقال لغيره ای کوتاہ تراز انا اعطیناک الکوثر الخ کفر فی هذه الصور کلہا۔

☆ (ترجمہ: جب کوئی بانسری اور دف کی چوٹ پر قرآن پڑھے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص قرآن پڑھا رہا تھا دوسرے نے کہا یہ کیا طوفان کی آواز ہے یہ کہنا کفر ہے۔ محیط میں اسی طرح ہے۔ اگر کسی نے کہا میں نے قرآن بہت پڑھا لیکن ہم سے جنابت نہ گئی تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ کسی نے پوچھا کیا تو چھلکا اتا رہا تو اس نے کہا قل هو اللہ احد یا کسی کا گریبان پکڑا اسے کہا الم نشرح یا کوئی مریض کے پاس سورہ لیس پڑھ رہا تھا تو اس نے کہا میں مردہ کے منہ میں نہ رکھو یا کسی کو کہا اے انا اعطیناک الکوثر سے چھوٹے تو ان سب صورتوں میں اسے کافر قرار دیا جائے گا۔)

چہ جائیکہ قرآن مجید کو پیشاب یا خون سے لکھنا اس کے کفر ہونے میں کون کلام کر سکتا ہے؟ مگر جیسے جان بچانے کی غرض سے موقع اکراہ میں کلمہ کفر منہ سے مجبوراً کہہ دینا نص صریح قرآن اور حدیث سے جائز ہے ایسے ہی موقع پر جب انسان شدت مرض سے خواہ مرض نکسیر ہو یا کچھ اور عاجز آ جائے زیست سے بسبب شدت مرض نا امید ہو اور طبیب حاذق مسلمان متقی کے کہنے یہ یقین ہو جائے کہ بجز مردار کھانے یا پیشاب پینے کے اب کوئی دواء ایسی باقی نہیں رہی جس سے امید صحت ہو مگر ان حرام دواؤں سے مجھ کو یقین ہے کہ انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ اندریں صورت فقہا تحریر فرماتے ہیں اس مریض مضطر سے حکم حرمت اٹھ جاتا ہے۔ اور اس کو پیشاب وغیرہ کا بقدر دواء پینا جائز ہوگا۔ علیٰ ہذا بعض مقامات پر عالمگیری وغیرہ میں لکھ دیا ہے ایسے مریض نکسیر کو جس کا خون ٹھہرتا ہی نہیں اور اس کو خوف موت غالب ہو علیٰ ہذا اگر کسی دوسرے مریض کو خوف موت غالب ہو اور کسی ذریعہ سے اس کو یقین ہو جائے یا ظن غالب ہو کہ قرآن کو پیشابی مریض پر اس خون سے لکھا جائے تو قطعاً آرام ہوگا اگر چہ قرآن کا خون سے لکھنا یا پیشاب سے لکھنا کفر ہے مگر ایسی صورت میں جیسے اس کو کلمہ کفر کہہ دینا بموجب نص صریح کلام اللہ جائز ہے بغرض جان بچانے کے یہ فعل کفر یعنی بعض قرآن کا خون سے یا پیشاب سے لکھنا بھی اس کے حق میں جائز ہوگا۔ نعوذ باللہ منها۔

اور جب ظاہر ہے کہ بوجہ کفر ہونے کے کوئی مسلمان ایسے عمل کا تجربہ نہیں کر سکتا جس میں قرآن مجید کی بے ادبی ہو۔ اور ایسے معاملات میں کافر کے کہنے کے اعتبار نہیں۔ تو لا محالہ یہ مسئلہ از قسم تعلیق بالحوال العادی ہوا جیسے کوئی کسی سائل سے کہے کہ اگر میں ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو جاؤں تو تجھ کو اپنا سارا مال و متاع دیدوں۔ اس کہنے سے تمام اہل زبان جانتے ہیں کہ قائل کا یہی مقصود ہوتا ہے کہ نہ میں ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوں نہ تجھ کو گھربار دوں۔ چنانچہ سننے والا اس کلام کو سن کر فوراً کہہ دیتا ہے کہ تم کو دینا ہی مقصود نہیں۔ علیٰ ہذا فقہاء کا شفاء یقینی پر اس عمل کا معلق کرنا دلیل صریح ہے کہ بیان اس حکم سے مقصود فقہاء بیان حرمت عمل مذکور ہی نہیں ہے بلکہ بیان کرنا اس امر کا ہے کہ ایسے عمل کا کرنا کفر ہے۔ مگر جس موقع پر قرآن مجید سے کلمہ کفر منہ سے کہہ دینے کی رخصت ہے اس عمل کی بھی رخصت ہے۔ اور اس طریق پر بیان کرنے سے اظہارِ عظمتِ جانِ انسان ہے نزدیک خالق انس و جان کے کہ جس کے بچانے کے واسطے بصورت یقین قرآن سے کلمہ کفر منہ سے کہہ دینا جائز ہے علیٰ ہذا فعل کفر مثل ایسے اعمال کے کرنا بھی اگر کسی ذریعہ سے یقین شفا ہو جائے جائز ہے۔ مگر ایسے اعمال پر یقین شفا ہونا ہی محال ہے۔ لہذا اسی غرض سے فتاویٰ عالمگیریہ میں مطلقاً رقیہ اور داغ وغیرہ کے علاج کو اسبابِ مظنونہ سے بھی نہیں گنا بلکہ اسبابِ مہومہ سے شمار کیا ہے جن کا چھوڑ دینا بصورت جائزہ افضل لکھا ہے۔ چہ جائیکہ اندریں صورت ایسے اعمال کا کرنا جو سراسر کفر ہوں باوجود مہوم ہونے کے کب جائز ہو سکتے ہیں؟ اور ایسے مہوم امور عند الفقہاء کس طرح یقینی ہو سکتے ہیں؟ اللہ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمادے۔ شعر

چشم بداندیش برکنده باد کہ عیب نمایدھنرش در نظر

(ترجمہ: ایسے بداندیش کی آنکھ نہ رہے جس کو ہنر بھی عیب نظر آئے)

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....261﴾

### سوال

یہاں پر اطراف و جوانب میں طاعون شروع ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اصلی مقام کو چھوڑ کر شہر سے باہر بوجہ وحشت عیال و اطفال یا دیگر مواضع میں جانا شرعاً درست ہے کہ نہیں ہے؟ اور ڈاکٹر حکماً کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کے پسو ہیں۔ اول چوہوں میں یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ جب یہ حالت ہو تو مکان کو چھوڑ دینا چاہئے اور اسباب میں آگ لگا دی جائے یا کہ دیگ میں جوش دے دیئے جائیں۔ اور ایسے مریض سے نہ ملنا چاہئے تو کیا اہل اسلام کو (یہ) سب کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں؟ اور حضور مقبول ﷺ نے اس کی کیا اصلیت ظاہر فرمائی ہے؟ اور ایسی اموات والے شہید کہلاویں گے یا کیا؟

۷ ارمان ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں:

لا عدوی ولا طيرة!

ترجمہ: کسی کا مرض خواہ وہ طاعون ہو یا چچک، خواہ ہیضہ خواہ (کوئی اور) کسی کو اور نہیں لگتا اور بدشگون کوئی چیز نہیں۔

اور دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ:

خارش زده اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لاؤ۔

دار المعرفہ بیروت

صفحہ ۲۳۶

i. الجامع الصغير مع فيض القدير: جلد ۶

بحوالہ مسند احمد و صحیح مسلم

بحوالہ بخاری

صفحہ ۳۹۱

ii. مشکوة المصابيح:

اس قسم کی تمام احادیث نقل کر کے علامہ طحاوی صفحہ ۳۸۰ جلد دوم کتاب الکراہیۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

فثبت بذلك ان الخروج من الارض التي وقع بها الطاعون مكروه للفرار منه و مباح

لغير الفرار!

ترجمہ: ان تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر خوف طاعون سے یہ سمجھ کر کہ اگر یہاں رہوں گا ضرور اڑ کر لگ جائے گی کہیں دوسری جگہ بھاگ جائے مکروہ یعنی مکروہ تحریمہ ہے۔ ☆ اور اگر بوجہ وحشت کثرت اموات اور پریشانی کے لوگوں کو پریشان دیکھ کر اور یہ یقین کر کے کہ بغرض دفع وحشت جاتا ہوں ورنہ یقیناً موت یہاں چھوڑے اور نہ وہاں چھوڑے اور قبل الوقت کچھ نہیں ہوتا تو مضائقہ نہیں۔

یہی مضمون امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں اور اس کی تائید فرماتے ہیں علامہ زبیدی حنفی شارح احیاء العلوم شرح احیاء مسمی بہ اتحاف السادة المتقين کی جلد تاسع صفحہ ۶۶۹ میں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مقصود ممانعت یہ ہے کہ تندرست مریضوں کو تنہا چھوڑ کر کہیں نہ بھاگ جائیں۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الحسنی المفتی

فی جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....262﴾

سوال

شرح وقایہ در مختار، مشکوٰۃ شریف وغیرہ ترجمہ اردو جس میں کہ مغالطہ نہ ہو کس مطبع اور پتہ سے طلب کی

جائے۔

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

مالا بدمنہ مسائل ضروری کے واسطے عمدہ کتاب ہے۔ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ اور غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار اچھی کتابیں ہیں۔ مگر ان کے مصنفین میں کسی قدر وہابیت تھی۔ لہذا ایسے مقامات خود کھٹک جاتے ہیں۔ ان پر عمل نہ کرے ☆ اور بہتر یہی ہے کہ اگر فارسی کی لیاقت ہو اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ اور تفسیر عزیز فارسی کا مجبوراً اردو کا مطالعہ کیا جائے

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی فی جامع اکبر آباد

۷ ار رمضان ۱۳۳۶ھ





میراث



## ﴿فتویٰ نمبر.....263﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ زید نے اپنی بیوی کو جس کا مہر بتیس (۳۲) روپیہ تھا جو مہر شرع محمدی مشہور ہے ایک مکان قیمتی تخمیناً چھ سو روپیہ کا جو ملک زید تھا اس غرض سے دے دیا کہ میرے بعد کبھی میرا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہو اس کو نہ نکال دے اور اس کے نام ہبہ نامہ لکھ دیا۔ اور کہہ دیا کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں۔ اور پھر دونوں میاں بیوی اس مکان میں رہتے رہے جیسے قدیم سے رہتے تھے۔ زید مر گیا اور اس نے یہ ورثہ چھوڑے۔ زوجہ اور دو لڑکی اور ایک لڑکا دوسری بیوی سے اور ایک ماموں زاد بھائی۔ پھر زوجہ زید جو نو مسلمہ تھی لا ولد مر گئی اور کوئی وارث نہیں چھوڑا سوا شوہر کی اولاد کے جو دوسری بیوی سے تھی۔ اور وقت مرگ زید سے وہی لڑکے مع زوجہ زید کے اس مکان پر بدستور سابق اب تک قابض ہیں اندریں صورت اس مکان کا کون مستحق ہے؟ بینوا تو جروا۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں زید نے مکان قیمتی چھ سو روپیہ کا جو اپنی زوجہ کو بعوض مہر کے جو مبلغ بتیس (۳۲) تھا ہبہ کیا تھا۔ نہ تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کہہ کر دیا ہے کہ اب تیرا مہر بجائے بتیس چھ سو روپیہ کا زائد فی المہر کر کے دیتا ہوں نہ یہ صراحتاً مفہوم ہوتا ہے کہ ہبہ ہی کیا ہے۔ مگر بہر حال اگر زید کی غرض اس سے یہی تسلیم کر لی جائے کہ مہر زیادہ کر کے مہر میں دیا ہے تو زوجہ زید سے قبولیت زیادتی کی تصریح نہیں پائی جاتی لہذا یہ زیادتی صحیح نہیں ہوئی۔

کما فی الدر المختار:

او زيد على ما سمى فانها تلزمه بشرط قبولها في المجلس ما

☆ (ترجمہ: مقرر شدہ مہر سے زائد کر دیا جائے تو وہ زیادتی خاوند کے ذمہ لازم ہو جاتی ہے بشرطیکہ بیوی اس زیادتی کو مجلس کے اندر قبول کر لے)

قال الشامي رحمه الله:

فانه (الي الزيادة في المهر) يصح ان قبلت في مجلس الاقرار ما

(ترجمہ: کیونکہ مہر میں وہ اضافہ صحیح ہے بشرطیکہ خاوند کی طرف سے زیادتی کے اقرار کی مجلس میں بیوی اس اضافہ کو قبول کر لے)

و في الخانية المصرية في صفحة ۳۴۷ من الجزء الاول

ان الزيادة في المهر لا يصح من غير قبول المرأة ما

(ترجمہ: مہر میں اضافہ بیوی کے قبول کرنے کے بغیر صحیح نہیں)

علاوہ بریں تحریر زوج سے قصد زیادتی فی المہر مفہوم نہیں ہوتا بلکہ مصلحتاً بخوف اپنے بیٹوں کے اگر غور کیا جاتا ہے تو یہی سمجھتا جاتا ہے کہ اپنی زوجہ کے نام اس واسطے بہ نامہ لکھا ہے کہ میرے بعد میرے بیٹے اس کو میرے گھر سے نکال نہ دیں کما هو ظاہر من صورة السؤال.

(ترجمہ: جس طرح کہ صورت سوال سے ظاہر ہے)

اور مہر کے زائد کرنے میں بموجب روایات بزازیہ عند الہبتہ قصد زیارت صحت زیارت فی المہر میں زوج کی جانب سے ضروری ہے۔

كما هو في الدر المختار:

۱	الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۴	صفحة ۱۸۰	دار احیاء التراث العربی بیروت
۲	الدر المختار مع رد المحتار : جلد ۴	صفحة ۱۸۰	دار احیاء التراث العربی بیروت
۳	فتاویٰ قاضی خان :	جلد اول صفحه ۱۷۵	بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ



و فی البزازیة الاشبه ان لاتصح (ای الزیادة فی المهر) ولا تجعل زیادة بلا قصد

الزیادة

(ترجمہ: اشبه یہ ہے کہ عورت کے قبول کے بغیر مہر میں اضافہ صحیح نہیں ہے۔ نیز مہر میں اضافہ خاوند کی طرف سے اضافہ کے قصد کے بغیر نہیں کیا جائے گا)

اور بسبب نہ رکھنے زوجہ زید کے صورت مذکورہ میں کوئی وارث اسی روایت پر فتویٰ دینا انسب۔ اور جب ثابت ہو گیا کہ بہہ مکان صورت مسئلہ میں زیادت فی المہر نہیں ہے تو بہہ مکان بہہ خالص رہ گیا۔ ☆ مگر بہہ اس وجہ سے صحیح نہیں ہوا کہ صحت بہہ میں موہوب لہ کا قبضہ کامل کر لینا مکان موہوبہ پر شرط تھا۔ اور صورت مسئلہ میں شوہر یعنی زید و بہہ مکان بدستور اسی مکان موہوبہ میں مع سامان تابمہرگ رہتا رہا اور اب تک حسب دستور سابق وہی لڑکے کے مع زوجہ زید اس پر قابض ہیں۔

اور صفحہ ۵۶۹ در مختار میں ہے

و هبة المشغول لا تجوز

(ترجمہ: مشغول چیز کا بہہ درست نہیں ہے)

لہذا چونکہ مکان موہوبہ سے بوجہ عدم صحت بہہ ملک زید سے نہیں گیا اور بدستور زید ہی مالک مکان رہا۔ مکان مذکور ورثہ زید پر اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ بعد ادائے دین مہر زوجہ زید کے بتیس روپیہ مہر کے اور مصارف تجہیز و تکفین وغیرہ کل مال زید کے بتیس (۳۲) حصہ کر کے چار حصہ زوجہ زید کو اور سات سات حصہ زید کے دونوں بیٹیوں کو اور چودہ حصہ پسر زید کو دے دیئے جائیں گے اور بعد انتقال زوجہ زید چونکہ زوجہ زید لا ولد اور لا وارث محض ہے نہ کسی کو کچھ وصیت کر کے مری ہے لہذا اس مال کے مستحق وہ محتاج مسلمان ہیں جو محنت مزدوری کرنے سے اور کمانے سے عاجز ہیں۔

۱ (i) البزازیہ علی ہامش الہندیۃ: صفحہ ۱۳۳ مطبوعہ مصر

۲ (ii) الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۸ صفحہ ۵ دار احیاء التراث العربی بیروت

کما فی دلیل الوراث نقلًا عن رد المحتار:

و حاصله ان مصرفه (ای مصرف التركة التي لا وارث لها) الفقراء العاجزون ما  
 ☆ (ترجمہ: خلاصہ بحث یہ ہے کہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مصرف وہ فقراء ہیں جو عاجز ہوں)  
 اور اگر اس کے شوہر متوفی کے عزیزوں میں اس طرح کے فقراء ہوں تو بہ نسبت غیروں کے بوجہ رکھنے  
 علاقہ قرابت فی الجملہ اس کے مصرف قرار دیئے جائیں انبہ ہے۔ فقط

حردہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



مکتبہ امدادیہ ملتان

صفحہ ۵

i. دلیل الوراث حاشیہ السراجی

دار احیاء التراث العربی

جلد ۳: صفحہ ۲۵۶

ii. رد المحتار:

نوٹ: رد المحتار میں "العاجزون" کا لفظ "الفقراء" سے مقدم ہے۔

## ﴿فتویٰ نمبر.....264﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظ عبدالرحیم نامی نے اپنے مرنے سے تین سال پہلے اپنی املاک از قسم مکانات اپنے ایک نابالغ لڑکے اور دو نابالغ پوتوں کے نام لکھوا کر رجسٹری کر دیا اور تا مرگ املاک پر اپنا قبضہ رکھا ہبہ نامہ کی خبر اپنی زندگی میں وارثوں کو نہ ہونے دی۔ اب وہ شخص فوت ہو گیا تو بڑے لڑکے نے ہبہ نامہ ظاہر کیا۔ پس مرنے والے کے حقیقی وارث حسب ذیل ہبہ نامہ کرنے پر حصہ ترکہ پاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر ان وارثوں کا حق ہے تو فی ہزار ایک فرد کو کیا ملنا چاہئے؟ اور مرنے والے نے جو کیا وہ کیسا؟۔ بینوا تو جو روا

مرنے والے کی حقیقی وارث

دو لڑکے یعنی ایک بڑا لڑکا (پوتوں کا باپ) ایک نابالغ لڑکا مذکورہ بالا دو لڑکیاں شادی شدہ شوہروالی

ایک بیوی۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ صورتِ مسئلہ میں اسی طرح ہبہ کرنا کہ بعض ورثہ کو جائداد سے بالکل محروم کر دیا جائے حرام تو نہیں مگر

مکروہ اور ظلم بلاشبہ ہے چنانچہ صفحہ ۲۶۱ حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں طیبی شرح مشکوٰۃ سے منقول ہے

ولو وهب لبعضهم ای بعض الاولاد دون بعض فمذهب الشافعی و مالک و ابی

حنيفة رحمهم الله انه مکروه و ليس بحرام والهبة صحيحة ما

i. حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۱ مکتبہ امدادیہ ملتان

ii. شرح الطیبی جلد ۷ صفحہ ۲۲۲۸ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکة المکرمہ

(ترجمہ: اگر کسی شخص نے اپنی بعض اولاد کو کوئی چیز ہبہ کی اور بعض کو نظر انداز کر دیا تو اس بارے میں امام شافعی،

امام مالک اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ حرام نہیں اور ہبہ درست ہے)

☆ مگر تکمیل ہبہ میں چونکہ موہوب لہ کا قبضہ شی موہبہ پر شرط ہے ☆ اور نابالغ بچوں پر جب ہبہ کیا جائے

ان کے اس ولی اقرب یا بعد یعنی نزدیکی رشتہ دار جیسے باپ یا دور کے رشتہ دار جیسے ماں بھائی وغیرہ کا قبضہ قائم

مقام قبضہ ان نابالغ بچوں کے جن پر ہبہ کیا گیا ہے شرعاً قرار پایا ہے۔ بصورت ہونے اس ولی کے متکفل

پرورش ان نابالغوں کا جن پر اس نے ہبہ کیا ہے ہبہ تمام ہو گیا۔ کما فی الفتاوی العالمگیریہ

ولو كان الصغير في عيال الجداو الاخ او الام او العم فوہب له هبة فقبض الهبة

من كان الصغير في عياله والاب حاضر اختلف المشايخ فيه والصحيح الجواز هكذا في

فتاوی قاضی خان وبہ یفتی ہکذا فی فتاوی الصغری ما فقط

(ترجمہ: اگر نابالغ، دادا یا بھائی یا ماں یا چچا کی کفالت میں ہو اسے کوئی چیز ہبہ کی گئی تو اس نے اس پر قبضہ کیا جس

کی کفالت میں وہ نابالغ ہے اور باپ حاضر ہے اس ہبہ کے مکمل ہونے میں مشایخ کرام کا اختلاف ہے صحیح یہ

ہے کہ جائز ہے فتاوی قاضی خان۔ اسی پر فتویٰ ہے فتاویٰ صغری۔)

وايضا فيه وهبة الاب لطفله تتم بالعقد ولا فرق في ذلك بينما اذا كان في يده

او في مودعه.... وكذا لو وهبته امه وهو في يدها والاب ميت وليس له وصي وكذا كل

من يعوله كذا في التبيين وهكذا في الكافي ما

☆ (ترجمہ: باپ اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو وہ عقد کے ساتھ کامل ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں خواہ وہ

شے اس کے باپ کے قبضہ میں ہو یا اس شے کو اپنے پاس ودیعت رکھنے والے کے پاس ہو۔۔۔۔ اور اسی طرح

اگر ماں نے اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کیا اور وہ شے اس کے قبضہ میں ہے اور باپ مر چکا ہے نیز اس کا وصی بھی کوئی

نہیں۔ اور یہی حکم اس شخص کے لیے ہے جو اس بچے کی کفالت کر رہا ہے۔ تبیین۔ کافی)

لہذا ہبہ پدرواہب ان نابالغوں پر جن کا پرورش کنندہ بھی باپ ہی تھا شرعاً صحیح اور تمام ہو گیا۔ اب بعد مرگ واہب شی موہوب میں کسی وارث کا حق نہیں۔ جملہ مال موہوب کے وہی نابالغ مالک ہیں جن پر واہب ہبہ کر گیا۔

البتہ اگر باپ جس نے ان نابالغ بیٹے پوتوں پر ہبہ کیا ہے ان نابالغوں کی پرورش سے بالکل دست بردار تھا اور ان کی پرورش علاوہ باپ کے جس نے ان پر ہبہ کیا ہے اور کوئی آدمی پرورش کرتا تھا تو بلاشبہ وہ ہبہ نا تمام سمجھا جائے گا۔ اور ورثہ اس کے بعد ما تقدم علی الارث سے اس قدر حقوق کے مستحق ہوں گے کہ کل مال میت کے اڑتالیس حصے کر کے چھ حصے تو اس کی زوجہ کو دیئے جائیں گے اور چودہ چودہ حصے بیٹوں کو اور سات سات حصے بیٹیوں کو مگر ظاہر حال سوال سے یہ بات بہت بعید ہے کہ ان کے نام ہبہ تو کر گیا ہے اور ان کی پرورش سے غافل رہا۔ ہو صورتہ

زید مسئلہ ۲۸

			میت		
	زوجہ	ابن کلاں	ابن خورد	بنت خانم	بنت بیگم
	مریم	حبیب	عمر	۷	۷
	۱۶	۱۲	۱۲		

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....265﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہو گیا۔ اس نے اپنا وارث اپنی زوجہ کو اور اپنے ماموں زاد بھائی کو جس کو زید نے مثل اپنی اولاد کے پرورش کیا تھا چھوڑا۔ اور زید چونکہ لا ولد ہے اس لئے ماموں زاد بھائی کے لڑکے کو متبھی کر لیا تھا۔ جب کہ زید بیمار ہوا اور اس کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو اس نے ایک وصیت نامہ بنام اپنے ماموں زاد بھائی کے اس مضمون کا لکھا کہ میرا مکان سکونت اور تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا مالک و قابض میرا ماموں زاد بھائی ہے۔ اور بحالت شمول خورد و نوش وغیرہ کے میری زوجہ کے اخراجات کے کفیل و ذمہ دار میرے ماموں زاد بھائی ہوں گے۔ اور اگر میری زوجہ علیحدہ رہنا چاہے تو صرف چار روپیہ ماہواری میرے ماموں زاد بھائی دیا کریں گے۔ اور اگر میری زوجہ باعفت و عصمت نہ رہے تو میری زوجہ کے اخراجات کے کفیل و ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اور زوجہ کے عقد ثانی کرنے کی حالت میں کس قدر شرعی حصہ پانے کی مستحق ہے؟ اور ماموں زاد بھائی اور متبھی کو کس قدر شرعی حصہ ملے گا؟ بینوا و توجروا

سائل: فقیر محمد مندوی سمید خان آگرہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں کل مال زید سے چوتھائی یعنی چہارم حصہ زوجہ زید کو ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ

و لهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولدا

(ترجمہ: اور) تمہاری بیویوں کے لیے تمہاری چھوڑی ہوئی میراث سے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد ہو) اور باقی تین رابع زید کے ماموں زاد بھائی کو ملیں گے، بوجہ نہ ہونے ذوی الفروض نسبتیہ و عصبیات کے اور ہونے ماموں زاد بھائی کے ذوی الارحام سے۔

كما في الشامي في صفحة ۲۵۰ من الجزء الخامس:

قوله ذوی الارحام ای یبدا بهم عند عدم ذوی الفروض النسبیه و العصبیات فیأخذون کل المال و ما بقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیہما۔

☆ (ترجمہ: قولہ: ذوی الارحام یعنی اگر نسبتی ذوی الفروض اور عصبیات سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو ذوی الارحام سارے کا سارا ترکہ یا میاں بیوی میں ایک سے جو بیچ جائے وہ حصہ لے لے گا۔ کیونکہ حصوں سے باقی ماندہ مال میاں بیوی کی طرف لوٹ کر نہیں آتا)

اور چونکہ صورت مسئلہ میں ماموں زاد بھائی مستحق میراث ہو کر داخل ورثہ ہو گیا لہذا بموجب حدیث صحیح

الا لوصیة لوارث ما

☆ (ترجمہ: خیر دار وارث کے لیے وصیت باطل ہے)

اب اس کے حق میں وصیت نامہ زید نافذ نہیں ہو سکتا۔ کما هو ظاهر من الشامی حیث قال

المولی ابن عابدین رحمة الله عليه في صفحة ۲۵۹ رد المحتار المصری

(قوله و كونه غير وارث وقت الموت) ای لا وقت الوصیة حتی لو اوصی لاختیه و

هو وارث ثم ولد له ابن صحت الوصیة للاخ و لو اوصی لاختیه و له ابن ثم مات الابن قبل

رد المحتار: جلد ۱۰: صفحہ ۲۱۵، دار احیاء التراث العربی بیروت.

۱. سنن ابی داؤد: صفحہ ۲۱۷ حدیث رقم ۲۸۷۰، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض

۲. جامع الترمذی: صفحہ ۲۸۶ حدیث رقم ۲۱۲۰ ایضا

۳. سنن النسائی: صفحہ ۵۱۵ حدیث رقم ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۴

۴. سنن ابن ماجہ: صفحہ ۳۹۱ حدیث رقم ۲۷۱۳، ۲۷۱۴، ۲۷۱۵، ایضا

فوت الموصی بطلت الوصیة زیلعی ما۔

☆ (ترجمہ: قولہ: کسی کے لیے وصیت تب جائز ہوگی جب وہ وصیت کنندہ کی موت کے وقت وارث نہ ہو۔ یعنی وصیت کے وقت وارث ہونے سے وصیت کی درستی میں فرق نہیں آتا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے بھائی کے لیے وصیت کی، جب کہ وہ وارث تھا۔ پھر وصیت کنندہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، تو اب بھائی کے لیے وصیت درست ہے۔ اور اگر اپنے بھائی کے لیے اس وقت وصیت کی جب کہ وصیت کنندہ کا بیٹا تھا، پھر وصیت کنندہ کے مرنے سے پہلے بیٹا فوت ہو گیا، تو اب وصیت باطل ہے۔)

☆ اور متبنی بنالینے سے متبنی مستحق میراث نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ گود لینے اور بیٹا بنالینے سے کوئی کسی کا شرعاً نہ بیٹا بن سکتا ہے اور نہ بوجہ متبنی کے کسی کی میراث لے سکتا ہے۔

لانه قال جل مجده فی كتابه القديم واجب التعظیم والتکریم فی سورة الاحزاب.

(ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی واجب التعظیم والتکریم کتاب کی سورة احزاب میں فرمایا)

وما جعل ادعیائکم ابناء کم ذلکم قولکم بافوا حکم ما

(ترجمہ: تمہارے متبنی تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں۔ یہ تمہارے مونہوں کی باتیں ہیں۔)

واخرج ابن ابی داؤد بسنده عن عائشة زوج النبی ﷺ وام سلمة ان ابا حذیفة

بن عبته بن ربیعة بن عبد شمس کان یتبني سالما و الکحہ ابنة اخیه هندة بنت الولید بن

عبته بن ربیعة و هو مولی لامرأة من الانصار کما یتبني رسول الله ﷺ زیدا و کان من

یتبني رجلا فی الجاهلیة دعاه الناس ابنه و ورث میراثه حتی انزل الله عزوجل فی ذلک

ادعوهم لآبائهم الی قوله فاخوانکم فی الدین و موالیکم فردوا الی آبائهم فمن لم یعلم له



اب کان مولیٰ و اخا فی الدین ما۔

(ترجمہ: امام ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو متبنیٰ بنا لیا تھا اور اپنی بھتیجی ہندہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ اور وہ انصار میں سے ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جس طرح حضور نبی پاک ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا تھا۔ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جو شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا لوگ اسے اس کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ اور وہ اس کی میراث کا وارث بنتا تھا۔ یہاں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ادعوہم لآبائہم۔ الی قولہ۔ فاخوانکم فی الدین وموالیکم

اس پر لوگوں نے ان کو دوبارہ باپوں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا اور جس کے باپ کا علم نہ ہونا وہ

متبنیٰ بنانے والے کا مولیٰ اور دینی بھائی قرار پا جاتا۔ فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

جامع مسجد اکبر آباد



الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: جلد ۵ صفحہ ۱۸۱ دار المعرفہ بیروت

نوٹ: امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عبد الرزاق، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

لیکن مخطوط میں ابن ابی داؤد کے حوالہ سے ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث نہیں مل سکی۔ مرتب عفی عنہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....266﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ مریم نے وقت انتقال یہ وصیت کی کہ میرا اس قدر مال یعنی زیور میرے بعد میرے بیٹے خالد کی جب شادی ہو جائے اس کی بیوی کو دے دینا۔ اور مریم کو اس کا شوہر جو نان و نفقہ وسعت کے ساتھ دیتا تھا۔ اس سے بھی مریم نے کچھ پس انداز رکھا تھا۔ مگر مہر کے نام سے شوہر سے کچھ وصول نہیں ہوا۔ اور مریم کچھ لوگوں کے ذمہ قرض بھی چھوڑ مری تھی۔ مگر ان کو بلا رضا دیگر ورثا شوہر مریم نے معاف کر دیا۔ اور تجھیز و تکفین مریم کے مصارف شوہر مریم نے بلا درخواست ورثہ اپنے ذمہ لے لئے۔ اور اس کا کل مال برضا مندی شوہر میرے پاس چونکہ میں مریم کا باپ ہوں موجود ہے۔ مگر شوہر مریم کہتا ہے کہ کل مال مریم ایک مسجد میں جو بالفعل زیر تعمیر ہے لگا دو ورنہ میں دوسری جگہ لگا دوں گا۔ حالانکہ مریم اتنے ورثہ چھوڑ کر مری ہے۔ شوہر زید پدائش الدین، مادر زینب، ابن خالد جس کی عمر تقریباً ڈھائی برس کی ہے اور اس کو ہم نانا ماموں پرورش کر رہے ہیں۔ اس صورت میں جیسا حکم ویسا کیا جائے۔ بینوا و توجروا

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

☆ صورتِ مسئلہ میں اگر خالد کی منگنی مریم کی وصیت کرنے کے وقت ہو چکی تھی تو وصیت مریم زوجہ خالد کے واسطے تہائی کل مال متروکہ مریم میں نافذ ہو جائے گی۔ اس تہائی کو کوئی وارث لے کر خرچ نہیں کر سکتا۔ اور اگر منگنی نہیں ہوئی تھی اور موصی لہازوجہ خالد مجہولہ تھی بلکہ معدومہ اس طرح کہ خالد کی کبھی کسی وجہ سے مثلاً شادی ہی نہ ہو اور ہو تو کس سے ہو کہاں ہو وہ وصیت قطعاً نافذ نہ ہوگی۔ ☆ اس واسطے کہ نفاذ وصیت میں موصی لہ کا معلوم ہونا بھی شرطِ نفاذ ہے۔

چنانچہ صفحہ ۲۵۹ جلد خامس کتاب الوصایا در مختار میں ہے:-

وہل یشرط کونہ (ای الموصی لہ) معلوما قلت نعم کما ذکرہ ابن سلطان وغیرہ

فی الباب الاثنی عشر.

(ترجمہ: کیا جس کے لیے وصیت کی جائے اس کا معلوم ہونا شرط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں جیسا کہ علامہ ابن سلطان اور دوسرے علماء نے آئندہ باب میں بیان فرمایا ہے)

لہذا کل مال مریم بلا نفاذ وصیت جملہ ورثا میں تقسیم ہوگا۔ اور مہر مریم اگر شوہر نے ادا نہیں کیا تھا، وہ بھی ہمراہ کل مال مریم کے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ اور کل ورثہ کو حق ہے کہ بقدر اپنے اپنے حصہ کے مہر مریم کو شوہر مریم سے جب چاہیں وصول کر لیں۔ چنانچہ کتاب المدانیات صفحہ ۲۲۲ جلد دوم العقود الدراية میں ہے۔

ماتت المرأة والمهر علی الزوج فاجله سائر الورثة شهرا فلهم ان يطالبوه قبل شهر

الجواب نعم ۲.

☆ (ترجمہ: عورت مرگئی۔ مہر ابھی خاوند کے ذمہ ہے تو تمام ورثہ نے اسے ایک ماہ کی مہلت دے دی۔ تو کیا ان کو حق حاصل ہے کہ وہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے اس سے مطالبہ کریں؟ جواب: ہاں)

☆ ہاں البتہ بلا اجازت شوہر علاوہ حق نان و نفقہ و ضروریات اگر مریم نے مال زوج سے چرا کر لیا تھا اور یقیناً زوج کو معلوم ہو جائے تو اس کو شوہر مہر میں محسوب کر سکتا ہے۔

☆ اور جب مصارف تجمیر و تکفین مریم کو بلا درخواست کسی وارث شوہر مریم نے اپنے ذمہ لے لیا، تو اب اس کو مال مریم سے وضع نہیں کر سکتا۔ اور وہ تبرعا سمجھا جائے گا۔

چنانچہ صفحہ ۲۲۶ جزو ثانی عقود الدرر فی تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:

و فی العمادیة من احکام السفل والعلو المتبرع لا یرجع بما تبرع به علی غیرہ

کما لو قضی دین غیر بغیر امرہ ۳

(ترجمہ: فتاویٰ عمادیہ کے احکام السفل والعلو میں ہے کہ اپنی خوشی سے کسی کو کوئی چیز دینے والا دی ہوئی

۱ الدر المختار مع رد المحتار: جلد ۱۰: صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: جلد ۲: صفحہ مطبوعہ

۳ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: جلد ۲: صفحہ مطبوعہ

چیز کو واپس نہیں لے سکتا، جیسا کہ کسی پر قرض ہو اس کے حکم کے بغیر وہ قرض ادا کر دے۔)

لہذا کل مال متروکہ ءمریم معہ مہر کے بلا وضع مصارف، تجمیز و تکلفین اور بلا نفاذ وصیت بصورت ثانی اور بعد نفاذ وصیت اور جدا کر لینے تہائی کے کل مال مریم سے باقی مال مریم بصورت اول اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل مال مریم کے بارہ حصہ کریں اس میں سے تین حصہ شوہر مریم مسمی زید کو دیئے جائیں گے۔ ان تین حصوں کا شوہر مریم کو اختیار ہے۔ بناء مسجد میں خرچ کرے۔ خواہ اپنے خرچ میں لائے۔ باقی دو حصہ شمس الدین مریم کے باپ کو اور دو حصہ زینب ام مریم کو پانچ حصہ خالد طفل نابالغ مریم کو جن کو تا وقت بلوغ خالد کہیں صرف نہیں کر سکتا نہ مسجد میں نہ کہیں اور۔ پرورش خالد کے مصارف زید والد خالد کے ذمہ ہیں۔ البتہ مریم کے ماں باپ کو اپنے دو دو حصوں کا مثل زید کے اختیار حاصل ہے۔ جہاں بھی چاہیں خرچ کریں۔ خواہ اپنے خرچ میں لائیں۔

مریم بنت شمس الدین مسئلہ ۱۲

میت

زوج	اب	ام	ابن	اخ	اخ	اخت	اخت
زید	شمس الدین	زینب	خالد	م	م	م	م
۳	۲	۲	۵				

اور موجودگی ابن مریم کے بہن بھائی کو کچھ نہیں ملے گا اور سوتیلی ساس اور نندوں کو شرعاً کچھ نہیں ملتا۔ اور جس کے ذمہ مریم نے کچھ قرض چھوڑا تھا اس میں بھی بموجب اپنے اپنے حصہ کے سب حقدار شریک ہیں۔ مجرد شوہر کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت معاف ہو سکتا ہے کہ شوہر مریم بقدر حصہ ورثہ کو اپنے پاس سے دے دے اور ان کو معاف کر دے۔ واللہ اعلم بالصواب

حورہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

المفتی فی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....267﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی ریاض الدین نے انتقال کیا اور ایک بی بی مسماۃ نبی بیگم اور چار لڑکے مسمی سراج الدین و اکرام الدین و وہاب الدین و وجیہہ الدین اور دو لڑکیاں مسماۃ امیرجان اور احمدی بیگم وارث چھوڑے۔ اور پھر ۹ ماہ کے بعد بی بی نے بھی انتقال کیا اور مذکورہ بالا لڑکے اور لڑکیاں چھوڑے۔

موافق شرع شریف کے کل جائداد سے ہر ایک وارث کیا کیا پاسکتا ہے؟ اور کل جائداد کتنے سهام پر تقسیم ہوگی؟ مسماۃ احمدی بیگم نے اپنا حصہ عدالت کے باضابطہ کاروائی کر کے پالیا ہے۔

اور مسمی اکرام الدین نے اپنا حصہ بلا تقسیم کئے ہوئے ایک ہندو کے ہاتھ بیچ ڈالا اور اس ہندو سے مسمی شرف الدین (زوج مسماۃ امیرجان) نے اسی حالت میں خرید لیا ہے۔

بعد انتقال مسمی ریاض الدین مرحوم مورث کے کل جائداد متروکہ کا اہتمام و انتظام مسمی وجیہہ الدین کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت سے اب تک کل کرایہ وغیرہ وصول کرتے رہے۔ اور سوائے مسمی سراج الدین کے کل ورثاء کو اس کی آمدنی بھصہ رسد دیتے رہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مسمی سراج الدین والدین کے انتقال سے اب تک کل جائداد کی آمدنی میں سے بحساب حصہ رسد اپنا کل حصہ پاسکتا ہے یا نہیں؟۔ بینوا تو جو روا

سراج الدین

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً۔

صورتِ مسئلہ میں چونکہ مسماۃ نبی بیگم زوجہ ریاض الدین کے بھی وہی چار پوراوردو بیٹیاں وارث ہیں جو ریاض الدین مرحوم کے وارث تھے لہذا بصورتِ انحصار ورثہ کے ورثہ مذکورہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل

جائداد منقولہ وغیر منقولہ ریاض الدین مرحوم کی نبی بیگم کو کالعدم رکھ کر دس حصہ کر کے دو دوحے چاروں بیٹوں کو اور ایک ایک حصہ دو بیٹیوں کو دیا جائے گا۔ صورتہ ہکذا

ریاض الدین مسئلہ ۱۰

میت

ابن ابن ابن بنت بنت

۲ ۲ ۲ ۱ ۱ ۱

☆ اور مسیٰ اکرام الدین نے جو اپنا حصہ بلا تقسیم فروخت کر دیا اگر عندا تقسیم دوسرے شریکوں کو کچھ نقصان نہ پہنچے تو بقول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بقدر اس کے حصہ کے بیع صحیح ہوگی ورنہ بالاتفاق بیع ناجائز رہے گی۔ اور حسب خواہش شرکاء اس کو باطل قرار دیا جائے گا اور مشتری سے واپس کرا کر کل جائداد بموجب تقسیم مذکور تقسیم کی جائے گی۔ کما فی الفتاویٰ الحامدیہ

قال فی البزازیة فی مسائل بیع المشاع دار بین اثین باع احدہما بیتا معینا من رجل لا یجوز عن الثانی انہ یجوز فی نصیبہ و فی شرح الطحاوی لو باع احد الشریکین من الدار نصیبہ من بیت معین فلا ینظر ان یبطلہ و مثله فی الخانیة والعمادیة معلین بتضرر الشریک بذالک عند القسمة ما۔

(ترجمہ: بزازیہ میں بیع مشاع کے مسائل میں ہے۔ ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک ملکیت کا ہے۔ ان میں سے ایک نے اپنا ایک معین کمرہ کسی کے ہاتھ بیچ دیا تو یہ جائز نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اپنے حصے سے جائز ہے۔ شرح الطحاوی میں ہے دو شراکت داروں میں سے ایک نے اپنے حصہ سے ایک معین کمرہ فروخت کر دیا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ اسے باطل قرار دے دے۔ فتاویٰ خانہ میں بھی اس طرح ہے۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ تقسیم کے وقت اس سے شریک کو نقصان ہوگا۔)

☆ اور مسکی وجیہہ الدین نے بلا اجازت سراج الدین جو جائیداد مشترکہ غیر مقسومہ سے کرایہ وصول کیا ہے وجیہہ الدین پر لازم ہے کہ بقدر حصہ سراج الدین آج تک جو کرایہ وصول کیا ہے وہ سب حساب کر کے سراج الدین کو دے بلکہ اگر سراج الدین موجود بھی نہیں ہوتا وجیہہ الدین پر لازم تھا کہ بقدر حصہ سراج الدین جس قدر کرایہ وصول کیا تھا اس کو صدقہ کر دیتا۔ چنانچہ کتاب الشریکہ حامد یہ میں ہے:

غاب احد شریکی الدار فاراد الحاضر ان یسکنها رجلا او یوجرها لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃ اذا التصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاء اذ الانسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہ لو لم ینازعہ فلو آجرو و اخذ الاجر یرد علی شریکہ قدر نصیبہ لو قدر والا یتصدق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کفاصب آجر یتصدق بالا جرا و یرد علی مالکہ اما نصیبہ فیطیب لہا۔

(ترجمہ: ایک گھر کے دو شراکت داروں میں سے ایک موجود نہیں۔ موجود شراکت دار نے چاہا کہ کسی آدمی کو وہاں ٹھہرانے یا اسے کرایہ پر چڑھا دے۔ دیا جاتا ہے ایسا نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں تصرف حرام ہے۔ لیکن قاضی اسے نہیں روکے گا۔ کیوں کہ جو چیز کسی کے قبضہ میں ہو اسے اس میں تصرف کرنے اس وقت تک قاضی نہیں روک سکتا جب تک کوئی نزاع کرنے والا موجود نہ ہو۔ اگر اس نے اسے کرایہ پر چڑھا دیا اور کرایہ وصول کر لیا تو اپنے حصہ دار کو اس کے حصہ کے برابر اس کرایہ سے ادا کرے بشرطیکہ اسے ادا کرنے پر قادر ہو ورنہ اس کو صدقہ کر دے کیوں کہ اس کے شریک کے حق میں خباثت اس میں پختہ ہو گئی ہے تو وہ اس غاصب کی مانند شمار ہوگا جس نے غصب کردہ چیز کو کرایہ پر چڑھا دیا تو وہ کرایہ کو صدقہ کر دے یا اس کے مالک کو واپس کر دے۔ اس کا اپنا حصہ اس کے لیے پاکیزہ ہے)

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....268﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ مسکمی امیر جان حالت مرض میں کہ جس سے شفا یاب نہیں ہوئے اور اسی میں انتقال کر گئے، اپنی بیوی کی خدمت سے خوش ہو کر دو عدد مکان تخمیناً قیمتاً پندرہ سو کے دیدیئے کہ جن میں وہ وقتِ ہبہ بھی قابض تھی اور اب تک ہے۔ اور پہلے سے اسی میں رہتی تھی۔ اور مقدار مہر کل پانچ سو روپیہ تھے۔ جس کے گواہ یہ تین شخص ہیں۔ اب بعد وفات امیر جان کی بہن کی دختر ان مکانات کو ترکہ خیال کر کے تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ شرع شریف سے ان کو جو کچھ ملتا ہے لکھ دیا جائے۔ اور سوائے مکانات کے صرف ایک کوٹھی جو علاوہ مکانات کے ہے اور کوئی جائداد نہیں چھوڑی۔

سائل: منصب علی خان

۱۹ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لله رب العالمين. والصلوة والسلام على سيد المرسلين والہ و صحبه

اجمعين.

صورتِ مسئلہ میں امیر جان مرحوم نے دو مکان تخمیناً قیمتاً پندرہ سو کے جو اپنی بیوی کو دیئے ہیں ظاہر ہے کہ علاوہ بعض مکان قیمتاً پانچ سو کے جو قدر مہر ہے دو حصہ باقی قیمتاً ایک ہزار یا کم و بیش کے بعد تقسیم اور جدا کرنے حصہ مہر کے ہبہ نہیں کئے ہیں۔ ☆ اور ہبہ مشاع ایسی چیز کا جو تقسیم ہو سکے اور تقسیم سے بیکار نہ ہو جیسا کہ حیثیت مکانات مذکور سے ظاہر ہے نا جائز ہے۔ گو حصہ مشاع علاوہ ہبہ دوسری طریق سے مملوک یا مقبوض موصوب لہ ہی کر دیا جائے یا پہلے سے ہو جس طرح صورت مسئلہ میں کچھ حصہ مکان بغیر تقسیم و تحدید مہر میں امیر جان مرحوم نے دیا ہے اور کچھ بطریق ہبہ۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔



ولو وهب من شريكه لا يجوز لان الحكم يدار على نفس الشيوع ما  
(ترجمہ: اگر کسی نے اپنے شراکت دار کو شراکت والی چیز ہبہ کی تو جائز نہیں کیوں کہ عدم جواز کے قول کا دار و مدار  
تقسیم نہ ہونے پر ہے)

وفى الفتاوى العالمگیریة عن المحيط السرخسى رحمة الله عليه  
رجل دفع الى رجل تسعة دراهم و قال ثلاثة قضاء من حقك و ثلاثة هبة لك و  
ثلاثة صدقة فضاع الكل يضمن ثلاثة الهبة لانه هبة فاسدة ولا يضمن ثلاثة الصدقة لان  
صدقة المشاع جائز الالفى رواية ما

(ترجمہ: ایک شخص نے کسی دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا تین درہم تیرے حق کی ادائیگی کے لیے ہیں، تین  
درہم تیرے لیے ہبہ ہیں اور تین درہم صدقہ ہیں۔ وہ ساری رقم ضائع ہوگئی تو وہ شخص ہبہ کے تین درہموں کا  
ضامن ہوگا کیونکہ وہ فاسد ہبہ تھا۔

صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ کہ صدقہ، تقسیم کیے بغیر بھی درست ہے ہاں ایک  
روایت کی رو سے درست نہیں ہے۔

وأیضا فيه عن المضاربة الكبير

إنه اذا كان دفع الى آخر الفاء. قال نصفها مضاربة و نصفها هبة لك فهلك

الالف فى يده ضمن المضارب حصة الهبة كذا فى الفتاوى الغياثية ما

☆ (ترجمہ: اگر کسی دوسرے آدمی کو ہزار روپے دیئے اور کہا ان میں سے آدھے مضاربت کے لیے ہیں اور  
آدھے تیرے لیے ہبہ ہیں۔ اس کے ہاتھ میں وہ ہزار روپے ہلاک ہو گئے تو مضارب ہبہ کے حصہ کا ضامن  
ہوگا۔ فتاویٰ غیاثیہ میں اسی طرح ہے)

۱	الهدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۶	مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
۲	الفتاویٰ عالم گیریہ جلد ۴ صفحہ ۳۷۹	مطبوعہ مصر
۳	الفتاویٰ العالم گیریہ جلد ۴ صفحہ ۳۷۹	مطبوعہ مصر

☆ علاوہ بریں یہ ہبہ ہے مرض الموت میں۔ اور ہبہ مرض الموت میں اگرچہ ابتداء ہبہ ہوتا ہے مگر بعد موت منقلب بوصیت ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہبہ مرض الموت کا بعد الموت اگر وارث کو کیا گیا ہے اور قبضہ دے کر تمام بھی کر دیا گیا، چونکہ وصیت وارث کو ناجائز ہے، ناجائز ہو کر جملہ ورثہ کا حق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صفحہ 181 جلد ثانی الفصولین میں ہے جامع الفتاویٰ سے۔

وهب قنا لامرأته فاعتقته ثم مات المريض نفذ وتضمن القيمة اذا لتملك في

الابتداء صح لكن القلب وصية بعد ذلك وهو المختار ما

(ترجمہ: اپنی بیوی کو ایک غلام ہبہ کیا۔ اس بیوی نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر خاوند مریض مر گیا۔ تو عتق نافذ ہوگا اور عورت اس غلام کی قیمت کی ضامن ہوگی کیوں کہ عورت کو مالک بنانا آغاز میں درست تھا لیکن بعد میں وہ وصیت میں تبدیل ہو گیا۔ یہی مختار ہے)

اور اگر غیر کو ہبہ کیا ہے چونکہ ابتداء ہبہ ہے بغیر قبضہ کے تمام نہ ہوگا۔

كما في تنقيح الفتاوى الحامدية :

وهب في مرض الموت ولم يسلم حتى مات تبطل البتة لان الهبة في مرض

الموت وان كانت وصية لكنها هبة فتفقر الى القبض ولم توجد ما

(ترجمہ: کسی نے ہبہ کیا لیکن ہبہ کردہ چیز موہوب لہ کو اپنے مرنے تک سپرد نہ کی۔ تو ہبہ یقیناً باطل ہو جائے گا۔

کیونکہ ہبہ مرض الموت میں اگرچہ وصیت بن جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ہبہ ہوتا ہے۔ لہذا اس کے صحیح ہونے

کے لیے موہوب لہ کے قبضہ کی ضرورت ہے جو پایا نہیں گیا)

اور چونکہ یہ مالاً وصیت ہے بعد الموت لہذا اگر کل مال ہبہ کر دیا ہے باوصف قبضہ دو ٹکٹ مال جائداد

مقبوضہ سے موہوب لہ کے لیے ورثہ کو واپس دینا لازم ہوگا

کما فی صفحہ 180 جلد ثانی جامع الفصولین من الزيادات :

مريض و هب شيئاً لا يخرج من الثلث يرد الموهوب له ما زاد على الثلث

بلا خياراً

(ترجمہ: مریض نے کوئی چیز ہبہ کی۔ جو اس کے ترکہ کا تہائی نہیں، بلکہ زائد بنتی ہے، تو موهوب لہ تر کے کے تہائی سے زائد واپس کرے گا۔ اس میں اس کی پسندیدگی کا اعتبار نہیں)

وفيه من الفتاوى الصغرى لصدر الشهيد

وهب داره فمات ولا مال له ولم تجز الورثة فسخت في الثلثين ولم تبطل الهبة في

الثلثاً

(ترجمہ: مرض الموت میں اپنا گھر کسی کو ہبہ کیا۔ ورثاء نے اس کی اجازت نہ دی، تو ایک تہائی میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور دو تہائی میں ہبہ فسخ ہو جائے گا)

اور جب ہبہ صحیح نہ ہوا۔ اور علاوہ حصہ مہر وہ مکان اور نیز تیل کی کوٹھی مملوک امیر جان رہی، تو بعد وفات امیر جان بعد ما تقدم على الارث كل جائداد امیر جان کی بقدر حصہ مہر مبلغ پانچ سو روپیہ منہا کر کے اگر بجز بھانجی اور زوجہ کے اور کوئی وارث ذوی الفروض اور عصون سے نہیں لہذا چار حصہ کر کے ایک حصہ زوجہ امیر جان کو دیا جائے گا اور ماقتی کی مالک بھانجی ہوگی۔ بوجہ ہونے بھانجی کے ذوی الارحام سے اور عدم جواز رد کرنے باقی کے زوجین پر۔

کما فی الدر المختار

و ذوالارحام هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبه فهو قسم ثالث حينئذ ولا

يرث مع ذی سهم ولا عصبه سوى الزوجين لعدم الرد عليهما فيأخذ المنفرد جميع

## المال بالقراہة ما

(ترجمہ: ذورحم ہر وہ وارث ہوتا ہے جو نہ تو ذورحم ہو اور نہ ہی عصبہ ہو۔ یہ ورثاء کی تیسری قسم ہے۔ اس قسم ورثاء ذورحم اور عصبہ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ ہاں خاوند اور بیوی کی موجودگی میں وارث بنتے ہیں۔ کیوں کہ حصوں سے بچا ہوا ترکہ ان کی طرف نہیں لوٹتا، تو ذورحم اکیلا سارا مال رشتہ داری کی وجہ سے حاصل کر لیتا ہے)

قال الشامی رحمة الله :

قوله فيأخذ المنفرد ای الواحد منهم من ای صنف كان جميع المال ای او ما بقى

بعد فرض احد الزوجین ما

(ترجمہ: قولہ ذورحم اکیلا سارا ترکہ حاصل کرے گا۔ یعنی ذورحم رشتہ داروں میں کوئی ایک اگرچہ وہ کسی قسم سے تعلق رکھتا ہو سارا ترکہ پالے گا یا زوجین کے حصوں سے جو بچے گا وہ پالے گا) فقط

حردہ: العبد الراجی رحمة ربه القوی ر

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی لکھنوی

مفتی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....269﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھوٹی بیوہ ایک مکان مالیت ڈھائی ہزار کا چھوڑ کر مر گئی اور مسماۃ مذکور نے مسماۃ اچھو، منتو، انتا یہ تین لڑکیاں چھوڑیں اور مسمی کلا ایک بھتیجا چھوڑا اور ان چاروں کے سوا اور کوئی حقدار نہیں۔

مسماۃ چھوٹی نے نصف مکان اپنی زندگی میں مسماۃ اچھو اپنی لڑکی کے نام بیعنامہ لکھ کر رجسٹری کر دیا ہے اور ۱۴ برس اپنی زندگی بھر اسی مسماۃ اچھو اپنی لڑکی کے گھر رہی۔ وہیں مری۔  
اب وہ نصف مکان بھی کہ جو مسماۃ اچھو کے نام بیع کر کے رجسٹری کر دیا ہے وہ بھی حصوں میں آ سکتا ہے یا نہیں؟ اور کون کون حقدار ہیں؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اگر فی الواقع چھوٹی نے اپنا نصف مکان مع زمین قیمتی دواڑھائی ہزار اپنی بیٹی مسماۃ اچھو کے نام بیع کر دیا ہے اور آدھا حصہ معین کر کے بیچا تھا تو بلا تکلف وہ بیع صحیح ہوگئی۔ اور تحریر رجسٹری سے یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ لہذا وہ ملک اچھو ہو گیا۔ قبل موت و بعد موت چھوٹی اس میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ رہا باقی نصف مکان وہ ورثہ چھوٹی میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل مال چھوٹی کا بعد ما تقدم علی الارث نوحصہ کر کے دو دو حصہ تینوں بیٹیوں کو دیئے جائیں گے اور تین حصہ باقی کلا بھتیجا کو دیں۔ صورتہ ہکدا

چھوٹی مسئلہ ۹/۳

میت	بنت	بنت	بنت
	منتو	انتا	ابن الاخ
	۲	۲	۳
			کلا

حورہ: العبد محمد دیدار علی، مفتی جامع مسجد اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....270﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بابت حصہ شرعی کے ایک شخص مسمیٰ کریم اللہ اولد فوت ہو گیا۔ اس نے صرف اپنی زوجہ کا پہننے کا زیور، کچھ زر نقد برتن و کپڑا وغیرہ استعمالی زوجہ کے پاس چھوڑا۔ جو کچھ زر نقد تھا وہ اس کی ولیہ نے مرحوم کے گور و کفن، فاتحہ، سوم چہلم میں صرف کیا۔ صرف زیور پہننے کا پارچہ و برتن استعمالی اس کی بیوہ کے پاس موجود ہے۔ مرحوم کی ایک حقیقی بہن اور ایک بھائی جو دوسرے باپ سے پیدا ہوا موجود ہے۔ اس مال میں کچھ حصہ حقیقی بہن اور اس بھائی کا جو دوسرے باپ سے پیدا ہوا ہے واجب ہوتا ہے؟ اور اگر واجب ہے تو ان ہر ایک کے حصہ میں کیا کیا پہنچتا ہے؟

سائل: بسم اللہ خان از رزبانندی کوٹ۔

۲۷ فروری ۱۹۱۸ء

### الجواب

صورتِ مسئلہ میں بعد تقدم علی الارث اگر متوفی اور موجود بھائی کی ماں ایک ہی ہے یعنی یہ بھائی اخیانی ہے تو کل مال کریم اللہ کے سولہ (۱۶) حصہ کر کے چار (۴) حصہ زوجہ کو دیئے جائیں گے اور ۹ حصہ حقیقی بہن کو اور تین (۳) حصہ اخیانی بھائی کو۔

اور اگر بھائی موجود کے ماں باپ اور متوفی کے ماں باپ بالکل جدا ہیں تو اس فرضی بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کل مال کے چار حصہ کر کے ایک حصہ بیوی کو ملے گا اور باقی بہن کو۔

الصورة الاولى هكذا

کریم اللہ مسئلہ ۱۶/۴

میت	زوجہ
اخیانی	اخیانی
۳	۹

الصورة الثانية هكذا

كریم اللہ مسئلہ

میت

اخذت حقیقی

زوجہ

۳

۱

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی، مفتی جامع مسجد اکبر آباد

۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....271﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید منجملہ ایک منزل مکان کے نصف کا مالک تھا۔ اور اس کی دو زوجہ تھیں۔ جب زید نے انتقال کیا تو اس نے زوجہ اول کی اولاد میں ایک لڑکی نفیس بیگم اور ایک لڑکا مسمی لیاقت علی چھوڑا اور زوجہ اول بحیات زید انتقال کر گئی اور زوجہ ثانی مسماۃ مریم سے دو لڑکیاں نیازی بیگم و ریاضی بیگم چھوڑیں۔

بعدہ ریاضی بیگم کا انتقال ہوا اس نے ایک ماں مریم اور ایک حقیقی بہن مسماۃ نیازی بیگم اور ایک بھائی علاقہ مسمی لیاقت علی اور ایک بہن علاقہ مسماۃ نفیس بیگم چھوڑی۔

بعدہ زوجہ ثانی مریم کا انتقال ہوا اس نے اپنی اولاد میں فقط ایک لڑکی نیازی بیگم چھوڑی۔

اس کے بعد زوجہ اول کے لڑکے لیاقت علی کا انتقال ہوا اس نے اپنا ایک لڑکا یوسف علی اور تین لڑکیاں وحید بیگم، سعید بیگم، عزیز بیگم اور ایک زوجہ مسماۃ زینب اور بہن حقیقی نفیس چھوڑی۔  
شرعاً مال زید کس طرح تقسیم ہوگا؟۔

سائل: لیاقت خان محلہ ہتیالی نائی کی منڈی آگرہ

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال زید کے دس ہزار چار سو (۱۰۴۰۰) حصہ کر کے اٹھارہ

سو بیس (۱۸۲۰) نفیس بیگم کو دیئے جائیں گے اور پینتالیس سو بیس (۲۵۲۰) نیازی بیگم کو اور چار سو بیس (۴۲۰)



حامد کو اور چار سو پچپن (۴۵۵) زینب کو اور بارہ سو چوہتر (۱۲۷۴) یوسف کو اور چھ سو ستر (۶۳۷) وحید بیگم اور

اتنے ہی حصہ سعید بیگم اور عزیز بیگم کو دیئے جائیں گے۔ فقط صورتہ ہکدا

زید مسئلہ ۸/۲۰/۵۲۰/۱۰۴۰۰

میت

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
مریم	لیاقت علی	نفیس بیگم	نیازی بیگم	ریاضی بیگم
۱۵/۶۵	۱۴/۱۸۲	۷/۹۱/۱۸۲۰	۷/۹۱/۱۸۲۰	۷

ریاضی بیگم مسئلہ ۱۳/۱۲

بیدہ (۷)

زوج	ام	میت	میت	بیدہ (۷)
حامد	مریم	نیازی بیگم	لیاقت علی	اخت علاقائی
۳/۲۱/۲۲۰	۴/۲۸	۶/۲۲/۸۴۰	م	اخت علاقائی

مریم مسئلہ ۱

بیدہ (۹۴)

میت

بنت نیازی بیگم

۱/۹۳/۱۸۶۰

لیاقت علی مسئلہ ۸/۲۰

میت	توافق بالصف	بیدہ ۱۸۲	میت
زوجہ	ابن	بنت	بنت
زینب	یوسف	وحید بیگم	سعید بیگم
۱۵/۲۵۵	۱۴/۱۲۷۴	۷/۶۳۷	۷/۶۳۷

## الاحیاء

عزیز بیگم	سعید بیگم	وحید بیگم	یوسف	زینب	حامد	نیازی بیگم	نفیس بیگم
۶۳۷	۶۳۷	۶۳۷	۱۲۷۴	۴۵۵	۴۲۰	۴۵۲۰	۱۸۲۰

المبلغ

۱۰۴۰۰

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد

مورخہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ



﴿فتویٰ نمبر.....272﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مورثِ اعلیٰ امیر خان نے انتقال کیا۔ انہوں نے ایک بیٹا فیض اللہ خان اور تین بیٹیاں حبیباً، احمدی، محمدی کو وارث چھوڑا اس کے بعد حبیباً نے انتقال کیا۔ انہوں نے پانچ بیٹے فیاض بیگ، عظیم بیگ، ریاض الدین بیگ، اسماعیل بیگ، غفور بیگ اور دو بیٹیاں ہرمزی۔ حمو اور ایک بھائی فیض اللہ خان اور دو بہنیں احمدی، محمدی کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد ہرمزی نے انتقال کیا انہوں نے ایک خاوند لطف اللہ خان اور دو بیٹے مسیح اللہ خان، شفیع اللہ خان اور پانچ بھائی مذکورہ صدر اور ایک بہن حمو کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد فیض اللہ خان نے انتقال کیا انہوں نے ایک بیٹا لطف اللہ خان دو بہنیں احمدی، محمدی کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد مسیح اللہ خان نے انتقال کیا انہوں نے ایک باپ لطف اللہ خان اور ایک بھائی شفیع اللہ خان اور ایک بی بی شافیہ اور بیٹے حبیب اللہ و رفیع اللہ کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد احمدی نے انتقال کیا انہوں نے ایک بیٹی مسماۃ ممتازی ایک بہن محمدی اور ایک بھتیجا لطف اللہ خان کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد مسماۃ محمدی نے انتقال کیا انہوں نے ایک بیٹا محمود خان، ایک بھتیجا لطف اللہ، ایک بہن جی مسماۃ ممتازی کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد رفیع اللہ خان نے انتقال کیا انہوں نے ایک بھائی حبیب اللہ خان اور والدہ شافیہ اور دادا لطف اللہ خان کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد لطف اللہ خان نے انتقال کیا انہوں نے دو بیٹے شفیع اللہ خان و لیاقت اللہ خان اور دو

بیٹیاں منیر النساء و شوکت النساء کو وارث چھوڑا۔

پس از روئے شرع شریف امیر خان مورثِ اعلیٰ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اور ہر وارث کو کتنا کتنا ملے

گا؟

سائل: شفیع اللہ خان

۴ مارچ ۱۹۱۷ء

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں کل مال امیر خان کے ابتر ہزار ایک سو بیس (۶۹۱۲۰) حصہ کر کے تیس سو چار

(۲۳۰۴) حصہ ریاض بیگ کو اور اسی قدر دوسرے چاروں بیٹوں کو دیئے جائیں گے۔ گیارہ سو باون (۱۱۵۲)

حصہ حمو کو اور نو ہزار آٹھ سو دو (۹۸۰۲) شفیع اللہ خان اور ایک سو پانچ (۱۰۵) شافیہ کو اور ایک سو تریس (۱۵۳)

حبیب اللہ کو اور چھ ہزار نو سو بارہ (۶۹۱۲) ممتازی کو اور بیس ہزار سات سو چھتیس (۲۰۷۳۶) محمود خان اور نو

ہزار تین سو ستر (۹۳۷۰) لیاقت کو اور چار ہزار چھ سو پچاسی (۴۶۸۵) شوکت النساء اور اسی قدر حصہ منیر النساء کو

ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم صورتہ ہکذا

امیر خان مسئلہ ۵/۶۰/۲۸۰/۷۶۸۰/۷۲۳۰/۲۹۱۲۰

میت

محمدی

احمدی

حبیبی

ابن (فیض اللہ خان)

۱/۱۲/۹۶/۱۵۳۶

۱/۱۲/۹۶/۱۵۳۶

۱

۲/۲۳/۱۹۲

ابن غفور بیگ	میت ابن فیاض بیگ	ابن ریاض بیگ
-----------------	------------------------	-----------------

۲/۱۶/۲۵۶/۷۶۸/۲۳۰۴ ، ۲/۱۶/۲۵۶/۷۶۸/۲۳۰۴ ، ۲/۱۶/۲۵۶/۷۶۸/۲۳۰۴

ابن عظیم بیگ	ابن اسماعیل
-----------------	----------------

۲/۱۶/۲۵۶/۷۶۸/۲۳۰۴      ۲/۱۶/۲۵۶/۷۶۸/۲۳۰۴

اخت احمدی م	اخت محمدی م	اخ فیض اللہ خان م	بنت حمو ۱/۸/۱۲۸/۳۸۴/۱۱۵۲	بنت ہرمزی ۱
-------------------	-------------------	-------------------------	--------------------------------	-------------------

ہرمزی مسئلہ

میت زوج (لطف اللہ) ابن (مسح اللہ)	بیدہ (۱) ابن (شفیع اللہ)
--------------------------------------	-----------------------------

۳/۲۸/۱۲۴/۲۳۲      ۳      ۱/۲/۳۲/۹۶

فیض اللہ مسئلہ

میت ابن لطف اللہ	بیدہ (۱۹۳) اخت محمدی
---------------------	-------------------------

م      ۱۹۲/۳۰/۷۲/۹۲۱۶      م

## مسجد اللہ خان مسئلہ ۲۸

زوجہ شافیہ	ابن حبیب اللہ	ابن رفیع اللہ	اب لطف اللہ	اخ شفیع اللہ
۳۶۱۸/۵۴	۱۷/۵۱/۱۵۳	۱۷	۴/۸/۲۴	۴
احمدی مسئلہ ۲				

بنت ممتازی	میت	بیدہ (۱۵۳۶)
۱/۷۶۸/۲۳۰۴/۶۹۱۲	۱/۷۶۸	۴
محمدی مسئلہ ۱		

ابن محمود خان	میت	بیدہ (۲۳۰۴)
۱/۲۳۰۴/۹۳۱۲/۴۰۷۳۶		
رفیع اللہ مسئلہ		

ام شافیہ	میت	بیدہ (۱۷)
۱/۱۷/۵۱	۲/۳۴	۴
لطف اللہ مسئلہ		

ابن شفیع اللہ	میت	ابن لیاقت اللہ	بنت شوکت النساء	بنت مہر النساء
۲/۹۳۷۰		۲/۹۳۷۰	۱/۳۶۸۵	۱/۳۶۸۵

الاحیاء

ریاض بیک	فیاض بیک	غفور بیک	اسماعیل بیک	عظیم بیک	حمو
۲۳۰۴	۲۳۰۴	۲۳۰۴	۲۳۰۴	۲۳۰۴	۱۱۵۲

الاحیاء

حبیب اللہ	ممتازی محمود خان	شافیہ	شفیع اللہ	لیاقت اللہ
۱۵۳	۶۹۱۲ ۲۰۷۳۶	۱۰۲	۹۸۰۲	۹۳۷۰

الاحیاء

شوکت النساء	منیر النساء
۴۶۸۵	۴۶۸۵

المبلغ

۶۹۱۲۰

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دینار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....273﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندر میں صورت کہ

حبیب اللہ نے بعد انتقال پانچ بیٹے مسمیان امان اللہ خدا بخش احمد حسو سعد اللہ اور ایک بیٹی مسماۃ

امان چھوڑی۔

بعدہ خدا بخش کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک بیٹی مسماۃ زینب اور چار بھائی اور ایک بہن مذکورہ صدر چھوڑی

پھر مسمی امان اللہ کا انتقال ہوا اس نے ایک زوجہ مسماۃ شرافت اور ایک بنت مسماۃ اچھوا اور تین بھائی

اور ایک بہن مذکورہ بالا چھوڑی۔

من بعد مسمی احمد میاں کا انتقال ہوا۔ انہوں نے دو بھائی اور ایک بہن مسطورہ چھوڑی۔

بعد ازاں مسماۃ امان اللہ کا انتقال ہوا۔ اس نے تین بیٹے مسمیان معشوق اور عنایت اور امداد اور دو دختر

مسماۃ منتوا اور حسو کو چھوڑا۔

اب حبیب اللہ مورث اعلیٰ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

سائل: درج نہیں۔

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

## الجواب

هو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال حبیب اللہ کے پانچ ہزار پانسو چوالیس

(۵۵۴۴) حصہ کر کے سولہ سو اسی (۱۶۸۰) حسو کو اور سولہ سو اسی (۱۶۸۰) ہی سعد اللہ کو دیئے جائیں گے اور



پانچ سو چار (۵۰۴) زینب کو اور دوسوا سی (۲۸۰) شرافت کو اور پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) اچھو کو اور دوسو دس (۲۱۰) معشوق کو اور اتنے ہی عنایت اور امداد کو اور ایک سو پانچ (۱۰۵) مسماۃ حسو اور اتنے ہی منتو کو۔ فقط

صورتہ ہکذا

حبیب اللہ مسئلہ ۱۱/۹۹/۶۹۳/۵۵۲۴

میت

ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
امان اللہ	خدا بخش	احمد میان	حسو	سعد اللہ	امامن
۲/۱۸	۲	۲/۱۸/۱۲۶	۲/۱۸/۱۲۶/۱۰۰۸	۲/۱۸/۱۲۶/۱۰۰۸	۱/۹/۶۳

خدا بخش مسئلہ ۱۸/۲

میت

بنت	اخ	اخ	اخ	بیدہ (۲)	اخت
زینب	امان اللہ	احمد میان	حسو	سعد اللہ	امامن
۱/۹/۶۳/۵۰۴	۲	۲/۱۲	۲/۱۲/۱۱۲	۲/۱۲/۱۱۲	۱/۷

امان اللہ مسئلہ ۳۱/۴

میت

زوجہ	بنت	اخ	اخ	بیدہ (۲۰)	اخت
شرافت	اچھو	احمد میان	حسو	سعد اللہ	امامن
۱/۷/۳۵/۲۸۰	۲/۱۲/۷۰/۵۶۰	۲/۱۰	۲/۱۰/۸۰	۲/۱۰/۸۰	۱/۵

## احمد میاں مسئلہ ۵

بیدہ (۱۵۰۹)

میت تداخل

اخ حسو	اخ سعد اللہ	اخت اما من
۲۶۰/۲۸۰	۲۶۰/۲۸۰	۱۳۰

اما من مسئلہ

بیدہ (۱۰۵)

میت

ابن معشوق	ابن عنایت	ابن امداد	بنت منتو	بنت حسو
۲۱۰	۲۱۰	۲۱۰	۱۰۵	۱۰۵

الاحیاء

حسو	سعد اللہ زینب	شرافت اچھو	معشوق	عنایت امداد	حسو	منتو
۱۶۸۰	۱۶۸۰	۵۶۰	۲۸۰	۲۱۰	۲۱۰	۱۰۵

المبلغ

۵۵۴۴

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤ، مفتی جامع مسجد اکبر آباد

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ



## س ﴿فتویٰ نمبر.....274﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ خواجہ وزیر نے وقت انتقال یہ وارث چھوڑے۔ زوجہ مسماة نجبین دو پسر تقی الدین، نقی الدین، دو پوتے علیم الدین، وجیہہ الدین تین پوتی بسم اللہ، منتو، عفتو۔ بعدہ نقی الدین کا انتقال ہوا اور یہ ورثہ چھوڑے زوجہ مسماة اکرامی بیگم، والدہ نجبین، برادر کلاں تقی الدین، دختران بدر النساء، بہن، سرداری بیگم، بھتیجے علیم الدین، وجیہہ الدین، بھتیجیاں بسم اللہ بیگم، منتو، عفتو۔ پھر نجبین کا انتقال ہوا۔ اس نے یہ ورثہ چھوڑے۔ بیٹا تقی الدین، پوتیاں بدر النساء، بہن، سرداری پوتے علیم الدین، وجیہہ الدین، پوتیاں دختران پسر، بسم اللہ، عفتو، منتو، بعدہ تقی الدین کا انتقال ہوا۔ اور یہ ورثہ چھوڑے زوجہ محبوبا، بھتیجے علیم الدین، وجیہہ الدین، بھتیجیاں، بسم اللہ بیگم، عفتو، منتو، بدر النساء، بہن، سرداری۔

شرعیہ لوگ جائداد خواجہ وزیر سے کس قدر مستحق ہوں گے۔ بینوا و توجروا

۲۵ فروری ۱۹۱۷ء

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدني علما۔

صورت مسلولہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور انحصار الورثہ کے اشخاص مذکورہ میں، کل مال خواجہ وزیر کے نو ہزار دو سو سولہ (۹۲۱۶) حصہ کر کے پانچ سو چار (۵۰۴) حصہ اکرامی بیگم زوجہ نقی الدین اور بہن بیگم بدر النساء، سرداری بیگم دختران نقی الدین سے ہر دختر کو آٹھ سو چھیانوے (۸۹۶) حصہ اور محبوبا زوجہ نقی الدین کو پندرہ سو چھ (۱۵۰۶) حصہ۔ اور علیم الدین، وجیہہ الدین، ابنائے خیر الدین، برادر زادگان نقی الدین کو دو ہزار دو سو انسٹھ (۲۰۶۹) حصہ ہر برادر زادہ کو دیئے جائیں گے اور باقی ورثہ مذکورہ سوال محروم رہیں گے۔

خواجہ وزیر

مسئلہ ۱۹۲۸/۳/۷۸

میت

ابن (تقی الدین)

ابن (تقی الدین)

زوجہ نجیبین

۳

۳

۱۲/۲۸

مسئلہ ۲۲/۲۲

تقی الدین

بیدہ (۷)

میت

بیدہ (۷)

میت

اخ

بنت

بنت

بنت

والدہ

زوجہ

تقی الدین

سرداری بیگم

بدر النساء

بہن

نجیبین

اکرامی بیگم

۱/۳

۱۶/۶۴

۱۶/۶۴

۱۶/۶۴

۴/۱۲

۳/۹/۳۶

نجیبین مسئلہ ۱

بیدہ (۲۲۸)

میت

ابن (تقی الدین)

۶۰

مسئلہ ۴ (تقی الدین)

بیدہ (۱۳۵)

تباہین

میت

ابن الاخ و جیبہ الدین بن خیر الدین المتوفی فی حیاة خواجہ وزیر

زوجہ محبوبین

۳/۴۰۵

۱/۱۳۵



## ﴿فتویٰ نمبر.....275﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی حیات میں اس کے بیٹے عمر کا انتقال ہوا۔ اس وقت عمر نے حامد اور حمیدہ دو اولاد اور ایک صفیہ اپنی بی بی کو چھوڑا۔ پھر زید کا انتقال بعد انتقال عمر اپنے بیٹے کے ہوا۔ اس وقت زید نے ایک اپنا پوتا حامد اور پوتی حمیدہ کو اور ایک بی بی اپنے بیٹے عمر کی چھوڑے۔ پھر حامد کا انتقال ہوا۔ حامد نے ایک ماں اور ایک بی بی اور ایک بیٹی اور ایک بہن حمیدہ چھوڑی۔ اب جو جائیداد موروثی سلسلہ سے متوفی تک منتقل ہوتی چلی آئی ہے اس کی تقسیم شرعی طور پر جس طرح ہو تحریر فرمائی جائے۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور انحصار ورثہ کے اشخاصِ مذکورہ میں کل جائیداد عمر کے دو سواٹھاسی (۲۸۸) حصے کر کے، چونٹھ (۶۴) حصے تو صفیہ کو دیئے جائیں گے اور ایک سوانیس (۱۱۹) حصیدہ کو اور اکیس (۲۱) زوجہ حامد کو اور چوراسی (۸۴) بنت حامد کو۔ صورتہ ہکذا

عمر مسئلہ ۲۸۸/۷۲/۲۲

میت

اب	ابن	بنت	زوجہ
زید	حامد	حمیدہ	صفیہ
۴/۱۲	۳۴	۱۷/۶۸	۳/۹/۳۶

زید	مسئلہ ۳	توافق بالسبب	بیدہ (۱۲)
ابن الالبین	میت	بنت الالبین	زوجہ ابن المتوفی المسمی بھمر
حامد		حمیدہ	م
۲/۸		۱۴/۱۶	
حامد	مسئلہ ۲۴	توافق بالسدس	بیدہ (۲۲)
بنت	میت	ام صفیہ	اخت حمیدہ
۱۲/۸۴		۴/۲۸	۵/۳۵
الاحیاء			
صفیہ		زوجہ	بنت
۶۸		۱۱۹	۸۴
لمبلغ			
۲۸۸			

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....276﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسمیٰ حسن خان ایک منزل مکان کا مالک ہے۔ اور اس مکان میں اس کے لڑکے نے ڈیڑھ سو روپیہ اپنی ذات سے لگائے۔ چنانچہ حسن خان مالک مکان کہتا ہے کہ اس کے روپیوں کا دیندار ہوں۔ اور اسی مکان میں سے وہ روپیہ ادا کروں گا۔ اور میرے ایک لڑکا اور دو لڑکی وارث ہیں۔ لڑکیاں میری حیات میں اس مکان پر قبضہ کرتی ہیں اور اپنا اپنا حصہ مانگتی ہیں۔ آیا میری حیات میں وہ اپنا حصہ مجھ سے جبراً لے سکتی ہیں یا نہیں؟ اور مکان میں قفل لگا دیا ہے کہ پہلے ہمارا حصہ دیدو جب ہم قفل کھولیں گے۔ اور اگر حسن خان مالک مکان اپنی حیات میں یہ کرنا چاہے تو از روئے شرع شریف ہر ایک وارث مذکور بالا کو کتنا کتنا حصہ ملنا چاہئے؟ اس کا جواب باصواب ارشاد فرمائیں۔

سائل: حسن خان ساکن کڑہ دواری خان آگرہ

۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

### الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اپنی حیات میں حسن خان اپنے مکان کا مالک ہے۔ اس کو اختیار ہے خواہ اس سے اپنا قرض ادا کرے یا جس کو چاہے کل یا بعض مال مملوک اپنا بخشدے۔ ☆ البتہ طریق انصاف یہ ہے کہ اپنی حیات میں اگر ورثہ پر تقسیم کرے تو ورثہ مذکور پر جس قدر تقسیم کرنا چاہے اس کے چار حصہ کر کے دو حصہ بیٹے کو دیدے اور ایک ایک حصہ دونوں دختروں کو دیدے۔ اور بعض فقہاء کا قول ہے کہ حیات میں لڑکا لڑکیوں کو برابر تقسیم کرے۔ مگر حیات میں جبراً حسن خان میں جبراً حسن کے مال سے کوئی وارث کچھ نہیں لے سکتا۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی



## ﴿فتویٰ نمبر.....277﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا۔ اور تین فرزند ایک بیوہ اور ایک دختر زوجہ اول سے ورثاء وقت وفات اپنی کے چھوڑے۔ اور جو زیور کہ نقرئی و طلائی اپنا از مکتوبہ متوفی نے اپنی زوجہ مذکورہ یعنی موجودہ کے واسطے بنوایا تھا وہ سب اس نے اس کو پہنا دیا۔ چنانچہ کل زیور بقبضہ بیوہ متوفی کا ہے اور نیز ایک جائداد بحق بیوہ مذکورہ اور ایک جائداد بحق فرزند ان مذکور ان متوفی کے ہبہ کر دی کہ جو ان کے قبض و تصرف میں موجود ہے۔ علاوہ زیور و ہر دو جائداد موہوبہ مذکورہ کے اور جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ و اثاث البیت جو ہنوز باقی ہے ان میں کون کون حقدار شرعی ہے؟ اور کس قدر بقیہ جائداد متوفی میں ہر وارث کو شرعی حق پہنچتا ہے؟

۲۶ رجب الاول ۱۳۳۵ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما

☆ صورت مسئلہ اگر زید نے بحالت صحت و تندرستی بیوی کو زیور ہبہ کر کے پہنا دیا یا بموجب عرف اپنی قوم کے یہ سمجھ کر کہ پہنا دینا بمنزلہ ہبہ کر کے قبضہ دیدینے کے ہی قائم مقام سمجھا جاتا ہے پہنا دیا وہ ملک زوجہ زید ہو گیا۔ اس میں کسی وارث کا حق باقی نہیں رہا۔ ماسوائے اس کے جو کچھ ملکیت منقولہ وغیرہ منقولہ زید ہے اس کے بعد ما تقدم علی الارث اداء دین مہر و قرض وغیرہ آٹھ حصہ کر کے اس میں سے ایک حصہ بیوی کو دیا جائے گا اور ایک حصہ دختر زید کو باقی چھ حصے علی السواء تینوں بھائی باہم لیں گے۔

صورتہ هكذا

زید مسئلہ ۸

میت

زوجه	ابن	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۲	۱

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....278﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ مومن مرا اس نے وزیرِ امیر دو بیٹے ایک بیوی کریمہ چھوڑی۔

وزیر مرا اس نے تین بیٹی چھوڑیں اور ایک بیوی اور ایک ماں چھوڑی۔

پھر وزیر کی ماں مری اس نے ایک بیٹا امیر چھوڑا۔ اب جائدادِ مومن سے کریمہ کو کیا ملے گا۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

امیر بخش محلہ ڈھولی کہار آگرہ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً۔

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث وانحصار ورثہ کل مالِ مومن کے چھ سو چالیس (۶۴۰) حصے کر

کے تین سو ساٹھ (۳۶۰) حصے امیر کو دیئے جائیں گے اور ۳۵ حصے زوجہ وزیر کو اور ۹۸ ایک بنتِ وزیر کو اور ۹۸

دوسری بنتِ وزیر کو اور ۴۹ وزیر کی ماں کو ملیں گے۔ صورتہ ہکذا

ممن مسئلہ ۶۴/۱۶/۸

میت

ابن امیر

ابن وزیر

زوجہ کریمہ

۷/۲۸۰

۷

۱/۲۸۰

وزیر مسئلہ ۲۰/۳

بیدہ (۷)

میت

ام

بنت

بنت

زوجہ

۱/۷/۳۹

۱۳/۹۸

۱۳/۹۸

۱/۵/۳۵

کریما

بیدہ (۸)

میت

ابن امیر

۸۰

الاحیاء

ام وزیر

بنت وزیر

بنت وزیر

زوجہ وزیر

امیر

۳۹

۹۸

۹۸

۳۵

۳۶۰

المبلغ

۶۳۰

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی

مفتی جامع مسجد اکبر آبا



## ﴿فتویٰ نمبر.....279﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ مومن مر اس نے وزیر اور امیر دو بیٹے اور ایک بیوی کریمہ چھوڑی۔

بعد وزیر مر اس نے تین بیٹیاں چھوڑیں اور ایک بیوی اور ایک ماں چھوڑی۔  
پھر وزیر کی ماں مری اس نے ایک بیٹا امیر چھوڑا۔  
اب جائداد مومن سے کریمہ کو کیا ملے گا؟۔ فقط

## الجواب

صورتِ مسئلہ میں بعد ماتقدم علی الارث و انحصار ورثہ کے ورثاء مذکور میں کل مال مومن کے ۱۹۲۰ حصے کر کے ۱۲۲۷ تو امیر کو دیئے جائیں گے اور ۱۰۵ وزیر کی زوجہ کو اور ۵۸۸ تینوں بیٹیوں کو۔ حصوں سے ہر ایک وزیر کی بیٹی کو ۱۹۶ حصے ملیں گے۔ فقط صورتہ ہکذا

مومن مسئلہ ۱۹۲۰/۱۶/۸

میت

ابن مسیحی امیر

ابن مسیحی وزیر

زوجہ مسماۃ کریمہ

۷/۸۲۰

۷

۲/۲۳۰

وزیر مسئلہ ۱۲۰/۳۰/۸

بیدہ (۷)

میت

ام

بنت

بنت

بنت

زوجہ

۱۳۷/۲۱/۷، ۱۹۶/۵۸۸/۸۳/۲۸، ۱۹۶/۵۸۸/۸۳/۲۸، ۲۸/۸۳/۵۸۸/۱۹۶، ۵/۱۰/۱۰۵

کریمین مسئلہ ۳۸۷

میت

بیدہ ۳۸۷

امیر

۳۸۷

الاحیاء

امیر

زوجہ وزیر

بنت وزیر

بنت وزیر

بنت وزیر

۱۰۵

۱۹۶

۱۹۶

۱۹۶

۱۲۲۷

لمبلغ

۱۹۲۰

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....280﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب کا انتقال ہوا تو ایک لڑکا اپنی پہلی بیوی سے جو مر گئی تھی اور زوجہ ثانی اور اس سے ایک لڑکی اور ایک اپنی ہمشیرہ کو زندہ چھوڑا۔  
بعد کو لڑکا نابالغ مر گیا تو لڑکے نے نانا، نانی، ماموں، پھوپھی، علاقائی بہن، سوتیلی ماں کو زندہ چھوڑا۔  
بعد کو زوجہ محبوب نے انتقال کیا تو زوجہ نے ایک بیٹی، ایک ماں اور ایک باپ کو زندہ چھوڑا۔  
اس کے بعد لڑکی محبوب کی مری تو اس نے خاوند اور نانا، نانی، پھوپھی کو زندہ چھوڑا  
اس صورت میں جو حصے شرعی ہوں گے عندہ اللہ اس سے اطلاع دی جائے۔ فقط  
سائل: چھنگا جینی خانہ آگرہ

الجواب

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور انحصار ورثہ مذکورہ کے کل مال محبوب کے ۹۶ حصے کر کے  
خانم کو ۱۴ حصے اور کریمین کو ۲۱ اور عبدالرحیم کو ۴ حصے اور خالد کو ۵ حصے دیئے جائیں گے۔

صورتہ هكذا

محبوب مسئلہ ۲۳۸/۲۳۸/۹۶

زوجة حفیظا	بنت حفیظین مسامة زینت	ابن مسمی زید من زوجة اخری ماتت	میت	اخت
۱۳/۶	۷/۱۴	۱۴	بیتہ ۱۴	م
	زید مسئلہ توافق بالنصف			

زینب اخت علاقائی	ام الام خانم	عم	زوجة الاب	اب الام	خال
۳/۲۱	۱۳/۷	م	م	م	م

۲۲ حصہ کر کے تین حصہ تو زوجہ کو دیئے جائیں گے۔

اور ۱۶ حصے دختر کو ۱۲ باپ کی میراث سے اور ۴ حصے ماں کی میراث سے جو مادر دختر نے اپنے شوہر کی میراث سے پائی تھی۔

اور پانچ حصوں کا ۲۲ حصوں سے جو اڑتالیس ہزار سے دس ہزار ہوئے ہیں بھائی مستحق ہے اور بھائی کی موجودگی میں بیٹی کو کچھ نہیں ملتا۔

لہذا زید متوفی کا بھائی زوجہ زید سے جو کل مال زید پر متصرف ہے اپنے حصہ وصول کر سکتا ہے باقی کا زوجہ و دختر زید کو اختیار ہے خود رکھیں یا کسی کو ہبہ کریں۔

☆ بوجہ بد چلنی کے کوئی میراث سے محروم نہیں ہو سکتا۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ الغنی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....282﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قصبہ بمبورہ علاقہ راج الور میں قاضی محمد صادق کے دو پسر امیر محمد وحسام الدین تھے۔ امیر محمد اپنے والد کی حیات میں کہ جس کو عرصہ تین سال کا ہوا فوت ہو گیا۔ اس وقت متوفی مذکور دو لڑکے نابالغ چھوڑ گیا تھا کہ بالغ ہو کر وہ اپنے دادا کی حیات میں دونوں لڑکے فوت ہو گئے۔ پسر خور داس وقت حیات ہے۔ انجام خدمت قضا دے رہا ہے۔ لہذا عرض پرداز ہوں کہ شرعا فوت ہوئے دادا خسر کے ترکہ و نیز حق قضا نکاح خوانی وغیرہ میں مستحق حصہ پانے کے ہے یا نہیں۔ یہ نکاح خوانی پشت در پشت چلی آتی ہے یہ ترکہ میں داخل ہے یا کہ حق الخدمت ہے اندریں صورت پوت بہو کا حق ہے یا نہیں۔

سائل: حسام الدین از بمبورہ علاقہ الور

۱۹ صفر ۳۵

## الجواب

اللهم رب زدنی علما۔

بیٹی کی موجودگی میں جب شرعا پوتی ہی وارث نہیں ہو سکتی تو پوت (بہو) کس طرح وارث ہو سکتی ہے۔  
☆ اور قضا مروجہ حق الخدمت ہے داخل میراث نہیں۔ جو نکاح پڑھانے جائے گا وہ اپنے آنے کی اجرت لے گا۔

حردہ: العبدالراجی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....283﴾

## سوال

منشی بدرالدین صاحب مرحوم کا ایک لڑکا اور دو لڑکی ہیں۔ لڑکیوں کی شادی ہو گئی ان کا ترکہ جائداد مکانات نقد وغیرہ شرع کے کس حساب سے تقسیم ہونا چاہئے؟۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء

مہتاب خان سب انسپکٹر محلہ منیچہ ٹولہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں بصورتِ انحصارِ روشہ کے اشخاص مذکورہ سوال میں بعد ما تقدم علی الارث یعنی مصارفِ تجہیز تکفین اور اداء دین اگر ہو اور معفیذ وصیت اگر میت نے کسی کو علاوہ ورثہ کی ہو تمام مال منقولہ وغیرہ منقولہ منشی صاحب مرحوم کی چار حصے پورے کر کے دو حصہ ان کے بیٹے کو دیدیئے جائیں اور ایک ایک حصہ ان کی دونوں لڑکیوں کو۔ صورتہ ہکدا

مسئلہ ۲

منشی بدرالدین

میت

دختر

دختر

لڑکا

۱

۱

۲

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی رضوی مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....284﴾

## سوال

ہزاری کے ورثہ بیوہ ہزاری امیرن ہزاری کا بھتیجا علی بخش اور ہزاری کا بھتیجا رحیم بخش اور بھتیجا ہزاری کا اللہ رکھا ہے۔

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

صورت مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث یعنی ہزاری کی بیوی کے مہر وغیرہ اگر فی الواقع فقط یہی وارث ہیں ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں ہے تو ہزاری کے کل مال متروکہ کے چار حصے کر کے چوتھائی مال یعنی ایک حصہ امیران زوجہ ہزاری کو ملے گا۔ اور بوجہ عصبہ ہونے کے ایک ایک حصہ تینوں بھتیجے بھی لیں گے۔

صورتہ ہکذا

ہزاری مسئلہ

ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	زوجہ
اللہ رکھا	رحیم بخش	علی بخش	امیران
۱	۱	۱	۱

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی الغنی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....285﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا انتقال ہوا۔ اس نے شوہر ایک بیٹی ایک چچا زاد بھائی، ایک ماں، وارث چھوڑے۔ اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک بیٹی، ایک بھتیجا، ایک بھتیجی، وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا شرعی حصہ کیا ہوا؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علماً.

صورتِ مسئلہ میں کل مال ہندہ کے ۲۴ حصہ کر کے پندرہ حصہ بنت کو اور چار ام کو دو ابن العم کو اور تین

ابن الاخ کو دیئے جائیں گے۔ صورتہ ہکذا۔

ہندہ مسئلہ ۱۲/۲۴

میت

زوج بنت ام ابن العم

۳ ۶/۱۲ ۲/۴ ۱/۲

زوج

مسئلہ ۲

میت

بنت ابن الاخ بنت الاخ

۱/۳ ۱/۳

الاحیاء

بنت ام

۱۵ ۴

ابن العم

۲

ابن الاخ

۳

لمبلغ

۲۴

حودہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

محمد دیدار علی رضوی المفتی فی مسجد اکبر آباد

﴿فتویٰ نمبر.....286﴾

سوال

مسکمی نجا ولد بلاقی مرحوم کا مکان موروثی ہے۔ مسکمی نجا کی زوجہ اور چھ دختران زندہ اور حیات ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس مکان مذکورہ میں حق شرعا زوجہ مسکمی نجا مرحوم کا کیا ہے؟ اور دختران نجا مرحوم کا کیا حق شرعی ہوتا ہے؟ اور مسکمی نجا مرحوم کی زوجہ مسماۃ زبیانے دختروں کی غیبت میں اس مکان مذکورہ بلا رضا مندی دختران کے فروخت کر دیا۔ اب دختران اور زوجہ کا حق کتنا ہوا بتلایا جائے؟

سائل: کریم بخش محلہ ہینگ منڈی منالال کاتیلہ

۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

اللهم رب زدنی علما.

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث مہر وغیرہ مسئلہ ۲۴ سے ہوگا یعنی جائداد نجا کے ۲۴ حصے کر کے

آٹھواں حصہ جو تین حصے ہیں نجا کی بیوی کو ملیں گے اور باقی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ فقط

حورہ:

محمد دیدار علی، مفتی مسجد جامع اکبر آباد

۱۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....287﴾

### سوال

فضل علی شاہ نے انتقال کیا۔ ایک بی بی اور کئی ورثہ چھوڑے۔ بی بی کا مہر پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اور وہ ادا نہیں ہوا ہے۔ سرکار میں (ریاست گوالیار) کے ایک محکمہ آب پاشی میں اس کا (متوفی کا) صرف چھ سو بیالیس روپیہ پندرہ آنہ ذرا صل جمع ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آیا یہ روپیہ کل مہر میں دیا جائے یا ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ فقط سائل: الہی بخش ڈاکٹر پینٹر سکنہ لوہا منڈی شہر آگرہ

۲۶ اگست ۱۹۱۶ء

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم .

اللهم رب زدنی علما .

یہ کل روپیہ دین مہر میں دیا جائے گا۔ ورثہ کو کچھ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ سراجی میں ہے۔

الاول یبدأ بتکفینہ و تجهیزہ غیر تبدالیر ولا تفتیر ثم یقضى دیونہ من جمیع ما بقى

من مالہ ما الخ .

(ترجمہ: میت کے ترکہ میں سب سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے اس میں فضول خرچی اور کنجوسی نہ کی

جائے۔ پھر اس کے باقی ماندہ مال سے اس کے قرض ادا کیے جائیں)

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی رضوی لکھنوی



## ﴿فتویٰ نمبر.....288﴾

## سوال

علمائے دین کی خدمت میں گزارش ہے کہ ایک شخص فضل علی شاہ نے وفات پائی اور ماں بھائی و باپ بہن اور بیوی وارث چھوڑے۔ بیوی کا مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ ہے جو ہنوز ادا نہیں ہوا ہے۔ مبلغ چھ سو بیالیس روپیہ ۵ آنہ زر اصل یافتی متوفی مذکور سرکار گوالیار میں جمع ہیں۔ دریافت طلب موجب استفتار یہ امر ہے کہ اول حصہ شرعی بروئے تقسیم زریعہ متوفی مذکور سے جملہ ورثاء کو ملنا چاہئے یا زر جو بطور قرضہ متوفی مذکور پر ہے وہ بیوی متوفی کو ادا ہونا چاہئے۔

## الجواب

حامدا و مصليا و مسلما.

اللهم رب زدنی علما.

زریعہ اور جائیداد منقولہ غیر منقولہ سے اگر ہے بعد تجمیر و تکفین زریعہ ادا کیا جائے گا۔ بعدہ اگر کچھ باقی رہے گا اور غیر ورثہ کو میت نے کوئی وصیت بھی کی ہو تو اس کے تین حصہ کرے۔ تہائی مال سے وصیت پوری کی جائے گی۔ پھر جو کچھ بچے گا وہ ورثہ پر اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ کہ کل مال باقیہ کے بارہ حصے کر کے تین حصہ زوجہ کو دیئے جائیں اور دو حصہ ماں کو اور باقی باپ کو صورتہ ہکذا۔

فضل علی شاہ مسئلہ ۱۲

			میت		
	زوجہ	اب	ام	اخ حقیقی	اخت حقیقی
	۳	۷	۲	م	م

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....289﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ نبی بخش کا انتقال ہو گیا۔ اس نے تین لڑکے مسی قادر بخش و حسین بخش و دیدار بخش اور ایک لڑکی مسماۃ لاڈ و اور ایک بیوی مسماۃ ظہورن چھوڑی۔ بعدہ مسماۃ ظہورن کا انتقال ہو گیا اور اس نے ایک دختر اور تین پسر مذکور چھوڑے۔ بعدہ مسماۃ لاڈ و کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ایک پسر مسی منا اور تین بھائی قادر بخش، حسین بخش، دیدار بخش مذکورہ چھوڑے۔ بعدہ دیدار بخش لا ولد مرے اور انہوں نے دو بھائی قادر بخش، حسین بخش اور بیوی مسماۃ مومن۔ اب مسماۃ مومن اور قادر بخش حسین بخش اور منا پسر زندہ ہے۔ ان کو جائداد نبی بخش سے کس قدر حصہ ملے گا؟۔

سائل: حسین بخش، ۲۳ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على حبيبه محمد المصطفى و على آله المرتضى و صحبه هداة الهدى اللهم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا

صورتہ مسئلہ میں بعد ما تقدم على الارث اور ہونے اسی قدر ورثہ کے کل جائداد و مال متروکہ نبی بخش کے چھپن 56 حصہ کر کے 22 حصے قادر بخش کو اور 22 حسین بخش کو دیئے جائے گی اور 8 حصہ ننھے کو اور چار حصے مومن زوجہ دیدار بخش کو: صورتہ ہکذا۔

نبی بخش مسئلہ ۵۶/۸

زوجه	ابن	ابن	میت	ابن	بنت
ظہورن	قادر بخش	حسین بخش	دیدار بخش	لاڈو	
۱	۲/۱۳	۲/۱۳	۲/۱۳	۱/۷	



## ظہورن مسئلہ

## میت

بنت لاڈو

ابن دیدار بخش

ابن حسین بخش

ابن قادر بخش

۱

۲

۲

۲

لاڈو مسئلہ ۸

## میت

اخ دیدار بخش

اخ حسین بخش

اخ قادر بخش

ابن منا

محروم

محروم

محروم

۸

دیدار بخش

مسئلہ ۸/۳

## میت

ابن الاخت

اخ حسین بخش

اخ قادر بخش

زوجه ممن

محروم

۳۶

۳۶

۱/۲۴

الاحیاء

ممن

منا

حسین بخش

قادر بخش

۴

۸

۲۲

۲۲

حورہ: عبدالعاصی  
 ابو محمد محمد دیدار علی لکھمی الحمد دی  
 مفتی جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....290﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ہندہ کا انتقال بمر ۲ سال ہو گیا۔ اس نے ایک بہن حقیقی اور والد اور والدہ چھوڑیں۔ اور جائداد غیر منقولہ چھوڑی۔

اس کے ترکہ کا وارث شرعاً کون ہے؟

آیا بوجہ ودگی والدین، ہمیشہ بھی ترکہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

اور والدہ کو بھی ترکہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد زکریا خان ساکن فریدنگر

۱۶ شوال ۱۳۳۲ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

وهو الموفق للصواب

صورتِ مسئلہ میں کل جائداد متروکہ ہندہ کے چھ حصہ کر کے ایک حصہ اس کی والدہ کو دیا جائے گا اور باقی پانچ حصہ بوجہ عصبہ ہونے کے اس کے باپ کو ملیں گے۔ اور بہن بوجہ موجودگی باپ کے محروم رہے گی۔ صورتہ ہکذا

ہذہ مسئلہ ۶

میت

اب

ہمیشہ حقیقی

ام

۵

محروم

۱

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی المجددی

## ﴿فتویٰ نمبر.....291﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ حبیباً نانی مجھ سائل کی تھی۔ اس نے واقع ۲۲ دسمبر ۱۸ء کو جائیداد مفصلہ ذیل بذریعہ بیع نامہ نوشتہ شوہر خود مسمی قادر بیگ حاصل کی۔ اور اس پر قبضہ مالکانہ حاصل کر کے تاحیات شوہر و بعد وفات شوہر قابض و متصرف بلا شرکت غیر رہی۔ وقت وفات خود فقط پانچ فرزند فیاض بیگ، اسماعیل بیگ، ریاض الدین بیگ، عظیم بیگ، غفور بیگ اور دو دختر مسماۃ ہرمزی و جمو کو وارث چھوڑا۔ بعدہ مسماۃ ہرمزی نے انتقال کیا۔ اور وقت وفات لطف اللہ خان شوہر خود اور دو لڑکے مسیح اللہ خان و شفیع اللہ خان کو وارث چھوڑا۔ امر مسئول یہ ہے کہ سائل شفیع اللہ خان متروکہ حبیباً سے منجملہ کتنے سهام کا مالک و مستحق بروئے شرع محمدی ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

سائل: شفیع اللہ خان

ساکن مدرسہ شاہی آگرہ

۱۱ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورت مسئول عنہا میں بعد ماتقدم علی الارث مسماۃ حبیباً کے کل مال کے چھیانوں نے (۹۶) حصہ کر کے سولہ سولہ توپا پنچوں بیٹوں کو دیئے جائیں گے اور آٹھ آٹھ دونوں دختروں کو۔ پھر ہرمزی دختر متوفیہ کے آٹھ حصوں میں دو حصے اس کے شوہر مسمی لطف اللہ خان کو دیئے جائیں گے اور تین تین حصہ اس کے دونوں پسرمسی مسیح اللہ خان اور شفیع اللہ خان کو فقط

و صورة المسئلة هكذا

حياً ۶۹/۱۲

حمو	هرمزی	عظیم بیگ	غفور بیگ	میت	ریاض الدین بیگ	اسماعیل بیگ	فیاض بیگ
۱/۸	۱/۸	۲/۱۶	۲/۱۶	۲/۱۶	۲/۱۶	۲/۱۶	۲/۱۶

هرمزی مسئلہ ۸/۳

	میت	
پسر شفیق اللہ خان	پسر مسیح اللہ خان	شوہر لطف اللہ خان
۳	۳	۱/۲

حورہ: العبد الراجی ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد آگرہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....292﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس جائداد مفصل ذیل میں مسماۃ اختر بیگم نے کچھ جائداد بذریعہ ہبہ نامہ جمیلہ بیگم وزینت جہاں بیگم کو حصہ مساوی دے دی اور زینت جہاں بیگم کا عمر ۳۲ سال تخمیدیا انتقال ہو گیا۔ بعد انتقال زینت جہاں بیگم کی متروکہ جائداد کس قدر، ہمشیرہ حقیقی مسماۃ جمیلہ بیگم ونشی محمد زکریا خاں صاحب والداور والدہ کو کس قدر حصہ شرعی پہنچتا ہے؟ اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی اختر بیگم کے شوہر ثانی کا بھی ہے۔ وہ بھی حقدار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: مستجاب خان

سکنہ بلوچ پورہ

۹ شوال ۱۳۳۲ھ

### الجواب

اللہم رب زدنی علما

☆ اگر اختر بیگم نے اپنی جائداد کے دو حصے مساوی کر کے دونوں لڑکیوں کو ہبہ کر کے ولی قریب ہر دو دختران کے جو ان کا باپ ہے، اُس جائداد پر قبضہ دے دیا تھا، تو بے شک وہ جائداد ان دونوں نابالغہ لڑکیوں کی مملوک ہو گئی۔ لہذا بعد وفات ایک دختر مسماۃ زینت جہاں بیگم بحالت صغریٰ اس کی جائداد مملوکہ سے چھ حصے کر کے ایک حصہ اس کے والدہ کو اور باقی پانچ حصہ بطریق عصوبت سب باپ کو۔ اور باپ کی موجودگی میں اخیانی یعنی ماں کی طرف سے، بہن بھائی بالاتفاق محروم رہیں گے اور نیز حقیقی بہن محبوب۔

صورتہ هكذا

زینت جہاں بیگم مسئلہ ۶/

میت			
ام اختر بیگم	اخ اخیانی	اختر بیگم	اختر بیگم
۱	محروم	محروم	محروم
			۵
			اب محمد زکریا خان

فقط

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ المفقی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....293﴾

## سوال

عظمت علی مرے۔ رحمت علی محمد علی لڑکے چھوڑے۔ محمد علی مرا۔ زوجہ دلبری لڑکا عبدالرزاق چھوڑے پھر عبدالرزاق مرا ماں دلبری چچا رحمت علی چھوڑا۔ رحمت علی مرا واحد علی اور فاطمہ کو چھوڑا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا مہر زوجہ محمد علی پانچ ہزار باقی ہے۔

سائل: مراد علی محلہ کڑھ حجام

۱۳۳۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

مسئلہ ۱۳۳۲

عظمت علی

میت

محمد علی

رحمت علی

۱

۱۸/۲۳

مسئلہ ۸

محمد علی

میت

ابن

زوجہ

عبدالرزاق

دلبری

۷

۱۳/۹

عبدالرزاق

مسئلہ ۳

میت

ام

دلبری

۱/۷۲۱

عم

رحمت علی

۲/۱۴

مسئلہ ۳

رحمت علی

میت

ابن

واحد علی خان

۲/۷۶

بنت

فاطمہ

۱/۳۸

بعد اداے دین مہر ترکہ ایک سو چوالیس سہام (۱۴۴) ہو کر دلبری کوتیس (۳۰) حصے واحد علی کو

چھہتر (۷۶) اور فاطمہ کو اڑتیس (۳۸) دے دیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الكتاب.

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ





## ﴿فتویٰ نمبر.....294﴾

## سوال

صغریٰ مری۔ اس کے ماموں کے چار لڑکے، ایک لڑکی اور خالہ کے ایک لڑکی اور ایک لڑکا چھوڑا۔ ترکہ کیوں کر تقسیم ہوگا؟۔

سائل: محمد دلیر خان محلہ قاضی خیل شاہ جہان پور  
۲۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

صغریٰ مسئلہ ۳/۲۷

اولاد الخالہ

ابناء الخال

علی حسن	ابن حسن	لطف اللہ	عزیز اللہ	اصغری	شفاعت اللہ	رسول بی بی
۴	۴	۴	۴	۲	۶	۳

بصورت عدم مانع ترکہ مورثہ بست و ہفت سہام کردہ چار چار ہر ایک از حسن علی ابن حسن لطف اللہ عزیز اللہ دو بمسماۃ اصغری شش بہ شفاعت اللہ دو بہ رسولن خواہند بخشید۔

لانہم اخذوا الصفة من الاصول والعدد من الفروع و بہ نفتی . حامدیہ .

(ترجمہ: مانع موجود نہ ہونے کی صورت میں وراثت میں چھوڑے ہوئے ترکہ کے ستائیس (۲۷) حصے کر کے

چار چار (۴،۴) حصے حسن علی ابن حسن لطف اللہ اور عزیز اللہ کو دو (۲) حصے مسماۃ اصغری کو چھ (۶) حصے شفاعت

اللہ کو اور تین (۳) حصے رسولن کو عطا کیے جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اصول کی صفت پالی ہے اور عدد فروع

سے ہے تنقیح فتاویٰ حامدیہ۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....295﴾

## سوال

شیخ حراب النبی نے انتقال کیا اور زوجہ وجہ النساء اور دختر سلمیٰ اور بھائی عبدالنبی کو چھوڑا۔ پھر وجہ النساء فوت ہوئی اور دختر کنیز سلمیٰ اور چار بھتیجے چھوڑے۔

سائل: سید اصغر حسین  
مسجد لوکل  
۱۲۳ اپریل ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصواب

حراب النبی مسئلہ  $۶۴ = ۸ \times ۸$

	میت	
زوجہ	دختر	اخ
وجہ النساء	کنیز سلمیٰ	عبدالنبی
۱	$۳۲ = ۸ \times ۴$	$۲۴ = ۸ \times ۳$
وجہ النساء	مسئلہ	
	میت	
دختر	ابناء الاخ ۳ نفر	
۴	۴	
الاحیاء		
سلمیٰ	عبدالنبی	ابناء الاخ
۳۶	۲۴	۴

ترکہ مورث شصت و چہار سہام کردہ سی و شش سہام بہ سلمیٰ و بہ عبدالنبی بست و چار سہام و بہ ہر چار

ابناء الاخ چار سہام بدہند۔

(ترجمہ: وراثت میں چھوڑے ہوئے ترکہ کے چونسٹھ (۶۴) حصے کر کے چھتیس (۳۶) سلمی کو چوبیس (۲۴)

عبدالنبی کو اور چارے حصے چاروں بھتیجیوں کو دیں گے) واللہ اعلم وحکمہ احکم

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....296﴾

### سوال

ولایت اللہ خان کی تین زوجہ تھیں۔ اور اولاد ہر ایک سے موجود ہے۔ اول سے مجید اللہ خان دوم سے دو بیٹے لوشاء اللہ ماشاء اللہ۔ سوم سے ثناء اللہ مسماۃ حسینی۔ زوجہ اول کا انتقال ہو گیا۔ مجید اللہ دین مہر میں قابض کچھ جائیداد کا ہوگا۔ زوجہ دوم سوم حقیقی بہنیں ہیں۔ اور اب ولایت اللہ نے تمام جائیداد (مجید اللہ خان کے نام) ہبہ لکھ دی۔ اور ایک زوجہ کو طلاق لکھ دی۔

اب استفسار یہ ہے کہ مجید اللہ کے بیٹوں اور تین بیٹیوں کو کیا ملے گا۔ اور سوتیلی ماؤں کا حصہ اس کی

جائیداد میں ہے یا نہیں؟

الطاف حسین از سرانے اگست ضلع ایبٹہ

۲۲۔ اپریل ۱۹۱۶ء

### الجواب

هو المصوب

ترکہ مجید اللہ خان یک ہزار و ہشت سہام کردہ بعد ادائے دین مہر ہر دو زوجہ مجید اللہ یک صد و بست و شش سہام نصف نصف کردہ بدہند و ہر ایک از دختران دو صد و بست و چار و برادران علاقہ ہر ایک راشحت سہام و نصف آں مسماۃ حسینی خواہند داد۔ اگر بدستی دارخان ولایت اللہ ہر دو زوجہ کہ ہم شیرگان حقیقی ہستند۔ تفریق واجب است و تعزیر لازم۔

ترجمہ: دین مہر کی ادائیگی کے بعد مجید اللہ خان کے ترکہ کے ایک ہزار آٹھ کر کے اس کی دونوں بیویوں کو ایک سو چھبیس (۱۲۶) کا نصف نصف (۶۳، ۶۳) حصے دیئے جائیں گے بیٹیوں میں سے ہر ایک کو دو سو جو بیس (۲۲۳) حصے علاقہ بھائیوں میں ہر ایک کو ساٹھ (۶۰) اور اس کا نصف یعنی تیس (۳۰) حصے مسماۃ حسینی کو دیئے

جائیں گے۔ ولایت اللہ کے وارثوں میں دونوں بیویاں جو حقیقی بہنیں ہیں ان میں تفریق واجب تھی اور تعزیر لازم)

مجید اللہ

### میت

زوجه	زوجه	بنات	اخوة الاب	اخت الاب
سلمیٰ	لیلیٰ	کریمہ سمیدہ حمیدہ	لوشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ ثناء اللہ	حسینی بیگم
۶۳	۶۳	۲۲۲	۶۰	۳۰

عالم گیریہ میں ہے:-

و ان فارقها بعد الاخول فلها المهر و يحب الاقل من المسمى و من مهر المثل و علیها العدة و یثبت النسب و یعتزل عن امراته حتی تنفضی عدة اختها کذا فی المحيط و۔ (ترجمہ: اگر زوجہ کی بہن سے نکاح کیا اور دخول کے بعد اس سے الگ ہوا تو اس کے لیے مہر ہے۔ مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہوگا واجب ہوگا۔ اور علیحدہ ہونے والی اس صورت پر عدت لازم ہے اور اگر اس سے اولاد ہوگی تو اس کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا۔ وہ مرد اپنی پہلی زوجہ سے الگ رہے جب تک کہ اس کی بہن کی عدت ختم نہ ہو جائے) واللہ اعلم بالصواب و عنده ام الكتاب.

المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....297﴾

## سوال

بازمیر اور اس کی زوجہ کو چند قرابت داروں نے قتل کیا۔ اول بازمیر خان مرگیا۔ پھر اس کی زوجہ مری۔ اس نے ایک بہن اور بھانجی وغیرہ چھوڑے۔ ترکہ بموجب حکم شرع کس کو ملے گا؟۔

سائل: رحم علی خان افغان

قصبہ ماڑی ریاست دھول پور

۲۸ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

بصورت عدم مانع، ترکہ بازمیر خان کا تمام وکمال اس کی زوجہ کو پہنچا اور اس کی وفات پر اس کی بہن کو دیا جاوے گا۔ بہن کی موجودگی میں شرعاً کوئی ضبط کر سکتا نہیں ہے۔ اور قاتلان ترکہ سے قطعاً محروم ہیں۔

مسئلہ بازمیر خان

میت

زوجہ سکھو

مسئلہ

میت

اخت سکھو

ہکذا حکم الفرائض واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الكتاب  
المفتی السید محمد اعظم شاہ عفی عنہ



## ﴿فتویٰ نمبر..... 298﴾

## سوال

نظام الدین مرا۔ اس نے بی بی اور دو لڑکیاں چھوڑیں اور دو سگے بھائی۔ بعد بی بی مری اس نے دو لڑکیاں چھوڑیں۔ پس از روئے شرع شریف ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔ جب تین سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ چھوڑا ہو۔

سائل: نواب حسین برادر نظام کڑہ سوئی آگرہ

۹ مارچ ۱۹۱۶ء

## الجواب

هو المصوب

نظام الدین

		میت			
اخ	اخ	بنت	بنت	زوجہ	
ولی الدین	نواب	خوشنودی	مصطفائی	امتیازی بیگم	
۵	۵	۱۶	۱۶	(۶)	
				امتیازی بیگم	
				میت	
				مصطفائی	
				خوشنودی	
			۳	۳	

بصورت عدم موانع ترکہ مورث چہل و ہشت سهام کردہ نوزدہ نوزدہ ہر ایک از مصطفائی بیگم و خوشنودی بیگم و بیخ بیخ بہر ایک از نواب و ولی الدین خواہند داد۔

یعنی بہ مصطفائی یک صد و چہل سہ روپیہ نفقت آنہ و سہ پیسہ و سہ پائی و ہمیں قدر بہ خوشنودی و بہ نواب سی

وقت روپیہ دوازدہ آنہ و دو پانی و بہ ہمیں قدر بہ ولی الدین گردید۔

(ترجمہ: مانع موجود نہ ہونے کی صورت میں مورث کے ترکہ کے اثبات لیس (۲۸) حصہ کر کے مصطفائی بیگم اور خوشنودی بیگم میں سے ہر کو انیس (۱۹) انیس (۱۹) حصے، نواب اور ولی الدین میں سے ہر ایک کو پانچ (۵) پانچ (۵) حصے دیئے جائیں گے۔ یعنی مصطفائی بیگم کو ایک سو تینتالیس روپے سات آنے، تین پیسے اور تین پائی (۳-۳-۳-۳-۳) اور اتنے ہی خوشنودی بیگم کو، نواب سینتیس روپے بارہ آنے اور دو پائی (۲-۱۲-۳۷) اور اتنے ہی ولی الدین کا حصہ ہے)

واللہ اعلم و حکمہ احکم  
کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ





## ﴿فتویٰ نمبر.....299﴾

## سوال

مجید اللہ جان نے حسب ذیل ورثا چھوڑے۔ شرعاً تقسیم فرمادی جائے۔ دو زوجہ، تین دختر، تین بھائی  
علاقی، ایک چچا کا لڑکا۔

۳ مارچ ۱۹۱۶ء

حاکم گنج محلہ چلوئی فرخ آباد انسپکٹر حلقہ او

## الجواب

هو المصوب

مسئلہ ۱۰۰۸

حمید اللہ خان

## میت

زوجه	زوجه	بنت	بنت	بنت	اخوہ علاقائی	اخت علاقائی	ابن العم
امیر بیگم	عمید جان بیگم	بیگم	رحمت	نعمت	ماشاء اللہ۔ لو شاء اللہ۔ ثار اللہ	حسینی بیگم	نصرت اللہ
۶۳	۶۳	۲۲۲	۲۲۲	۲۲۲	۶۰	۶۰	۳۰

بعد ادائے حقوق یک ہزار و ہشت سہام کردہ شصت و سہ ہر ایک از امیر بیگم و عمید جان بیگم دو صد بست  
و چہار ہر ایک، بیگم و رحمت و نعمت و شصت سہام ہر ایک از ماشاء اللہ و لو شاء اللہ و ثار اللہ و سی سہام بہ حسینی بیگم خواہند داد۔  
(ترجمہ: حقوق کی ادائیگی کے بعد جائداد کے ایک ہزار آٹھ (۱۰۰۸) حصے کر کے زوجہ امیر بیگم اور  
زوجہ عمید جان بیگم میں سے ہر ایک کو تریسٹھ (۶۳) بیٹی بیگم، بیٹی رحمت اور بیٹی نعمت میں سے ہر ایک جو سو چوبیس  
(۲۲۲) علاقائی بھائی ماشاء اللہ علاقائی بھائی لو شاء اللہ اور علاقائی بھائی ثار اللہ میں سے ہر ایک کو ساٹھ (۶۰) اور  
اخت علاقائی حسینی بیگم کو تیس حصے دیں گے) واللہ اعلم و حکمہ احکم۔

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

## ﴿فتویٰ نمبر.....300﴾

## سوال

سالانہ بخش مرے۔ دو پسر، تین دختر چھوڑیں اور ایک زوجہ۔ پھر زوجہ مری۔ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟  
سائل: چوہدری اللہ بخش کڑہ نیال آگرہ

۲۱ فروری ۱۹۱۶ء

## الجواب

بعد تقسیم ما تقدم ۵۶ سهام کر کے سولہ سولہ دونوں دونوں لڑکوں کو اور آٹھ آٹھ تینوں دختروں کو

دیں گے۔

والله اعلم و حکمہ احکم۔

مسئلہ ۸×۷=۵۶

میت

ابن ابن بنت بنت

۷×۲ ۷×۲ ۷×۱ ۷×۱

۱۶ ۱۶ ۸ ۸

زوجہ

مالت و ترکت

هذه الورثة

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....301﴾

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ درج ذیل میں مسی امیر بخش نے ایک زوجہ اور ماں دو بھائی، ایک بہن اپنے وارث چھوڑے اور بھتیجہ یتیم، جس کا باپ مرحوم کے سامنے فوت ہو گیا تھا چھوڑا۔ اور تین بھانجے اور دو بھانجیاں جن کی ماں یعنی مرحوم کی ہمیشہ مرحوم کے سامنے فوت ہو گئی ہے چھوڑے ہیں۔ اب مرحوم کا ترکہ حکم شرع کس طرح تقسیم ہو؟

الجواب

هو الموفق للحق والصواب

امیر بخش مسئلہ ۶۰/۱۲

زوجہ	ام	اخ	اخ	اخت
۳/۱۵	۲/۱۰	۱۲	۱۲	۷

صورت مسئلہ مذکورہ بالا میں ترکہ امیر بخش کا ساٹھ 60 سهام پر تقسیم ہوگا۔ ان جملہ میں سے 15 زوجہ کو اور 10 ماں کو 14-14 دونوں بھائی کو اور 7 بہن کو ملیں گے۔ باقی وارث محروم رہیں گے۔

هكذا حکم الفرائض واللہ اعلم

عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....302﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ حسب ذیل اشخاص کی وفات ہوئی۔ از روئے شرع شریف حصہ ہر

ایک کا کیا ہوا؟۔ بینوا توجروا

- 1 امان اللہ مرا۔ اس نے نبی بخش، کریم بخش پسران، عمدہ، نبی جان دختران چھوڑیں۔
- 2 نبی بخش مرا اس نے زوجہ لدو، امرن، رحیمن، قسیمن دختران کریم بخش بھائی، عمدہ، نبی بہن چھوڑیں۔
- 3 کریم بخش مرا زوجہ خواجن، بہن عمدہ، نبی جان چھوڑیں
- 4 عمدہ مری بدرالدین، پیرالدین، وہاب الدین پسران، بوہن، بیگم دختران چھوڑیں۔
- 5 خواجن مری، بھانجا یک، بھانجیاں ۳ نفر، بھتیجی یک، بھتیجی یک چھوڑیں۔

۲۰ دسمبر ۱۵ء شیخ عنایت

## الجواب

هو المصوب

امان اللہ مسئلہ ۶/۶۲۷/۸۶۲۷/۳۴۵۶/۲۷۶۲۸

اہماء

بنات

کریم بخش

نبی بخش

نبی جان

عمدہ

۲/۲۸۸

۲

۱/۲۲/۵۷۶/۳۶۰۸

۱/۱۲۲/۵۷۶

۱۲۲/۲۸۸/۷۲/۲۲

نبی بخش مسئلہ

بیدہ (۲)

میت

قسیمن (بنت)

رحیمن (بنت)

امرنا (بنت)

لدو (زوجہ)

۱۶/۲۲/۲۵۶/۲۰۲۸

۱۶/۲۲/۲۵۶/۲۰۲۸

۱۶/۲۲/۲۵۶/۲۰۲۸

۳/۹/۳۶/۱۲۲/۱۱۵۳

اخ	عمدہ	اخذ
کریم بخش	عمدہ	بنی جان
۳۰	۱۵/۶۰	۱۵/۶۰/۳۸۰
مسئلہ: ۳/۸/۳		
میت	بیدہ ۱۰۹/۳۱۸	
زوجہ	اخوان	
خواجن	عمدہ	بنی جان
۱/۲/۲۱۸/۱۷۲۳	۳/۳۲۷	۳/۳۲۷/۲۶۱۶
مسئلہ ۸	عمدہ	۹۶۳
ابناء	بیدہ	بنات
بدرالدین، پیرالدین، وہاب الدین اق		بوین، بیگم
۲/۱۹۲۶	۲/۱۹۲۶	۱/۹۶۳، ۱/۹۶۳
مسئلہ ۱۵/۳	خواجن	
میت		
بنات الاخ	بنات الاخت	ابن الاخت
سعیدہ، شریفہ	سلمیٰ، لیلیٰ، عزیزہ	شفیق
۵ ۵	۱ ۱ ۱	۲

والله تعالى اعلم احکم احکم  
کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....303﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور ایک بی بی سات بیٹیاں ایک بیٹا ایک بھتیجی وارث چھوڑے پس بموجب شرع شریف زید کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟۔

سائل کریم بخش ۸ دسمبر ۱۹۱۵ء

## الجواب

هو الملمہم للحق والصواب

زید  
↓  
میت

زوجه۔	ابن۔	بنت۔	بنت۔	بنت۔	بنت۔	بنت۔	بنت۔	بنت۔	بنت الاخ
↓	↓	↓	↓	↓	↓	↓	↓	↓	↓
۱/۹	۱۲	۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷

بعد تقسیم ما تقدم علی الارث وعدم موانع وانحصار ورثہ جملہ ترکہ زید کا ۷۲ سہام پر منقسم ہوگا۔ ازاں جملہ 9 سہام زوجہ کو ملے گا اور 14 سہام ابن کو اور سات سات سہام ہر ایک بنت کو ملیں گے۔ اور بنت الاخ محروم ہے۔

والله اعلم بالصواب

حررہ: عاجز محمد رمضان عفی عنہ

مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ

مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۱۵ء

﴿فتویٰ نمبر.....304﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندر میں صورت کہ ہندہ نے وقت انتقال ایک شوہر چھوڑا اور ایک ماہر اور دو بھائی اور ایک زمین اور کچھ جائیداد جو شوہر اول کے مہر سے خریدی تھی۔ اور وہ مہراب شوہر ثانی کے ذمہ باقی ہے۔ یہ تر کہ ان ورثہ میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

حافظ ظہور علی ساکن تیراھولی دروازہ

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث یعنی مصارفِ تجہیز و تکفین متوسط اور اداءِ قرض میت اگر ہو اور جاری کرنے وصیت میت کے اگر کوئی وصیت علاوہ وارث کے کی ہو جو کچھ مال بچے اس کے تیس (۳۰) حصہ کر کے اس میں سے پندرہ (۱۵) حصہ شوہر کو اور پانچ (۵) ماں کو اور چار (۴) چار (۴) دونوں بھائیوں کو اور دو (۲) بہن کو دیا جائے گا۔

صورتہ ہکذا

ہندہ مسئلہ: ۳۰/۶

میت				
شوہر	ام	اخ	اخ	اخت
۳/۱۵	۱/۵	۴	۴	۲
المبلغ				
۳۰				

حورہ العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....305﴾

### سوال

اللہ بخش، خدا بخش، مولا بخش، تینوں بھائیوں نے ایک جائیداد پختہ مکان اور کچھ زمین شرکت میں خریدی۔ پھر اللہ بخش کا انتقال ہوا۔ اس نے وقت انتقال علاوہ جائیداد مذکور کے دو ڈھائی سو کا زیور بھی چھوڑا۔ اور یہ وارث چھوڑے۔ زوجہ مسماۃ فیاضی ماں مسماۃ رحمان بی بی اور دو بھائی۔ ان کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ بیوا تو جروا

سائل: خدا بخش سکنہ نائی کی منڈی حلقہ ہدن خان

۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث تیسرے حصے جائیداد مشترکہ اور زیور متروکہ اللہ بخش یعنی جائیداد اور زیور اللہ بخش چوبیس (۲۴) حصے کر کے چھ (۶) حصے زوجہ کو دیئے جائیں گے اور چار (۴) حصے ام یعنی والدہ اللہ بخش کو اور سات (۷) سات (۷) حصہ دونوں بھائیوں مسمی خدا بخش اور مولا بخش کو دیئے جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

حورہ العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد

حفظہ اللہ من شر الحساد





﴿فتویٰ نمبر.....306﴾

سوال

بخدمت جناب مولانا دیدار علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ ایک شخص کی زوجہ کا انتقال ہو گیا اس کے مال سے شوہر کو کس قدر ملے گا؟

۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ آدم جی جان محمد متولی  
جامع مسجد ریاست بہاول نگر ملک کاٹھیاواڑ

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

شوہر کو اگر دوسرے اولاد چھوڑ کر مری ہے۔ لڑکا خواہ لڑکی چوتھائی کل مال کا ملے گا۔ اور اگر لاولد مری ہے تو کل مال زوجہ سے آدھا ملے گا۔ باقی دوسرے ورثہ بہن بھائی کو۔ اگر بیٹی بیٹا نہ ہو اس طرح کہ دو دو حصہ بھائیوں کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ بہنوں کو۔ اور اگر بیٹا بیٹی ماں باپ سے ہوں باقی ان میں تقسیم ہوگا۔ ☆ اور بغیر زوج کوئی وارث نہیں چھوڑا یہاں تک کہ نہ ماموں چھوڑا نہ خالہ نہ خالہ زاد بھائی نہ ماموں زاد وغیرہم تو اس زمانہ میں بوجہ نہ ہونے بیت المال کے وہ باقی بھی زوج کو دے دیا جائے اگر بہت مفلس ہو ورنہ مسلمان اپاہجوں کا وہ حق ہے۔

حورہ العبدالراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی مفتی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....307﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ حبیباً نے انتقال کیا اس نے پانچ بیٹے مسیمان فیاض بیگ و عظیم بیگ و ریاض الدین بیگ و غفور بیگ و اسماعیل بیگ، دو بیٹیاں ہرمزی خانم و جمو خانم کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد ہرمزی خانم نے انتقال کیا۔ اس نے ایک خاوند لطف اللہ خان دو بیٹے مسیح اللہ خان و شفیع اللہ خان اور پانچ مذکورہ الصدر (برادران) اور جمو بہن کو وارث چھوڑا۔

اس کے بعد مسیح اللہ خان نے انتقال کیا۔ اس نے ایک باپ لطف اللہ خان ایک بھائی شفیع اللہ خان اور ایک لڑکا مسیح اللہ خان اور ایک بی بی شافیہ کو چھوڑا۔

اس کے بعد لطف اللہ خان نے انتقال کیا اس نے ایک بیٹا شفیع اللہ خان و پوتا مسیح اللہ خان کو چھوڑا۔  
امر مسئول یہ ہے کہ جائداد متروکہ حبیباً سے ہر ایک کتنے کتنے سهام کا بروئے شرع شریف مالک و مستحق ہے؟ اور کون محروم ہے۔ بینوا تو جروا

شفیع اللہ خان

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث بصورت ہونے و رشہ کے اسی قدر جتنے مندرجہ ہیں، کل مال متروکہ حبیباً کے سات سواڑسٹھ (۷۶۸) حصہ کر کے ایک سواٹھائیس (۱۲۸) فیاض بیگ، عظیم بیگ، ریاض الدین بیگ، غفور بیگ، اسماعیل بیگ کو دیئے جائیں گے۔ اور چونٹھ (۶۴) حصہ جمو کو اور چوالیس (۲۴) شفیع

اللہ کو اور سترہ (۱۷) مسیح اللہ کو اور تین (۳) شافیہ کو۔

صورتہ ہکذا

حیثیہ مسئلہ: ۷۶۸/۹۶/۱۲

میت

ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
اسماعیل بیگ	غفور بیگ	ریاض الدین بیگ	عظیم بیگ	فیاض بیگ
۲/۱۶/۱۲۸	۲/۱۶/۱۲۸	۲/۱۶/۱۲۸	۲/۱۶/۱۲۸	۲/۱۶/۱۲۸

بنت  
ہرمزی  
بنت  
حمو  
۱/۸/۶۳

ہرمزی مسئلہ ۸/۴

بیدہ (۱)

میت	زوج	ابن	ابن	اخوہ	اخت
	لطف اللہ	مسیح اللہ	شفیع اللہ	م	م

۱/۲/۱۶

مسیح اللہ خان مسئلہ ۲۴

بالتک

بیدہ (۳)

میت	زوجہ	ابن	اب	اخ
	شافیہ	مسیح اللہ	لطف اللہ	شفیع اللہ
	۳	۱۷	۴	م

لطف اللہ خان مسئلہ: ۱

میت بیدہ (۲۰)

		ابن الامین	ابن	
		۴	۱۲۰	
			الاحیاء	
اسماعیل بیگ	غفور بیگ	ریاض الدین بیگ	عظیم بیگ	فیاض بیگ
۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸	۱۲۸
	شافیہ	سمع اللہ	شفیع اللہ	حمو
	۳	۱۷	۲۲	۴
				المبلغ
				۷۶۸

حودہ العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی  
 فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....308﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور اس نے مفصلہ ذیل رشتہ دار چھوڑے۔ بیوی، لڑکی، بھائی، لڑکا، لڑکی جو بغیر عقد نکاح پیدا ہوئی یعنی باہر کی عورت سے جس سے نکاح نہیں ہوا۔

۱۳ فروری ۱۸ء/ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ  
عثمان علی محلہ خٹک پورہ فرخ آباد معرفت فضل حسین

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور ادائے قرض و مہر وغیرہ کل مال زید کے آٹھ (۸) حصہ کر کے ایک (۱) حصہ بیوی کو دیا جائے گا اور سات (۷) حصہ بیٹی کو۔ صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۸

میت

بنت

زوجہ

۷

۱

اس واسطے کہ بھتیجا بھتیجی اگر فی الواقع ولد الزنا ہیں اور ان کا باپ بھی ان کے ولد الزنا ہونے اور بلا نکاح رکھنے ان کے کا مقر ہے تو ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس واسطے کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

کما هو ظاهر من الرواية المذكورة في آخر باب العدة في صفحة ۸۳ من الجزء

الثانی من الجوہرۃ النیرۃ حیث قال:

.....  
 واذا تروجت الحامل من الزنا جاز النكاح.... ولا توطأ حامل حتى تضع حملها  
 الا ان يكون هو الزانى فيجوز له ان يطاها.... ولا يمنع من وطئها ولها النفقة عند الكل ثم  
 اذا جاءت بولد ستة اشهر فصاعدا بعد النكاح ثبت نسبه ويرث منه وان جاءت به لاقل  
 من ذلك لا يثبت نسبه ولا يرث منه كذا في الوقعات ما

☆ (ترجمہ: زنا سے حاملہ عورت اگر نکاح کرے تو اس کا نکاح جائز ہے۔ ارشادِ نبوی ہے زنا سے حاملہ عورت  
 کے ساتھ اس کا خاوند وضع حمل تک جماع نہ کرے ہاں اگر زانی نے نکاح کیا ہو تو وہ اس سے جماع کر سکتا ہے۔  
 اسے اس سے جماع سے منع نہ کیا جائے گا۔ تمام علماء کے نزدیک وہ عورت نفقہ کی مستحق ہے۔ پھر نکاح کے چھ ماہ  
 یا اس سے زائد مدت کے بعد اس کے ہاں بچہ کی پیدائش ہو تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے  
 باپ کی وراثت پائے گا۔ اور اگر اس سے کم مدت میں اس کا ہاں بچہ کی پیدائش ہو تو اس کا نسب نکاح کرنے  
 والے سے ثابت نہ ہوگا۔ اور نہ ہی وہ وراثت کا پائے گا۔ الوقعات میں اسی طرح ہے)

اور اگر فی الواقع نکاح ہو گیا تھا اور بھتیجی بھتیجی فی الواقع ولد الزنا نہیں ہیں گو بجز دو گواہوں کے اور کسی کو  
 خبر نکاح نہ ہو تو آٹھ (۸) حصہ کل مال کے کر کے ایک حصہ تو بیوی کو ملے گا اور چار حصہ بیٹی کو اور دو بھتیجے کو اور ایک  
 بھتیجی کو اگر بھتیجی بھتیجی دو ہیں۔

صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۸

	میت		
زوجہ	ابن الاخ	بنت	بنت الاخ
۱	۲	۲	۱

حردہ العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی مسجد جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....309﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد بخش ہمارے دادا نے عرصہ تقریباً ۸۰ سال کا ہوا وفات پائی۔ اور انہوں نے دو لڑکے بڑا شیخ عنایت اللہ اور چھوٹا شیخ نصر اللہ اور ایک بیوہ اور دو مکان نمبر ۲ چھوڑے۔

عرصہ پچاس سال کا ہوا کہ بڑا لڑکا شیخ عنایت اللہ نے وفات پائی۔ انہوں نے تین لڑکے احمد اللہ و انعام اللہ غلام جیلانی اور ایک اپنی زوجہ چھوڑی۔

چند سال بعد زوجہ محمد بخش نے انتقال کیا۔ اور اس کے چند سال بعد چھوٹے نصر اللہ نے انتقال کیا۔ انہوں نے دو لڑکی اور ایک لڑکا چھوڑا۔ اور اپنی زوجہ چھوڑی۔ شیخ نصر اللہ نے اپنی حیات میں ہر دو مکان نمبر ۲ کو بضرورت خود رہن کر دیا۔ بابت مکان نمبر امرتہن نے نالش دائر عدالت کر دی۔ مکان نمبر ۱ رہن میں قرق ہو گیا۔ پسران شیخ عنایت اللہ مرحوم نے جو اس وقت نابالغ تھے عدالت میں عذر دائر کر دی کہ ہم نابالغان کے حصہ کارہن رکھنے کا چچا کو اختیار نہ تھا۔ عدالت سے مکان مذکور میں نصف حق ثابت کیا گیا۔ اور نصف مکان جو حصہ نصر اللہ سمجھا گیا نیلام کر دیا گیا۔ اس پر ہم لوگ قابض و داخل رہے۔ ایک بھائی ہمارا انعام اللہ درمیان میں فوت ہو گیا۔ بقیہ دو بھائی احمد اللہ و غلام جیلانی اب تک اس پر قابض چلے آتے ہیں۔

بعد گزرنے زمانہ ۲۵ سال کے پسر شیخ نصر اللہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس مکان سے میری دادی کا حصہ مجھ کو دیا جائے۔

آیا وہ کچھ پانے کا مستحق ہے؟ دوسرا مکان نمبر ۲ خود ہی رہن تھا وہ بعد وفات شیخ نصر اللہ کے بیچ ہو گیا۔ چونکہ مکان ۲ موروثی جائداد ہے اس میں مکان میں شرعی کچھ حق پسران شیخ عنایت اللہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور اگر مکان نمبر ۱ میں کچھ حصہ شرعی دادی کا پسر نصر اللہ کا نکلے تو وہ حصہ حالت موجودہ سے دیا جائے گا یا حالت سابقہ

سے؟ کیوں کہ بوجہ کہنہ اور بوسیدہ ہونے کے مکان کو پسرانِ شیخ عنایت اللہ نے از سر نو بنوایا ہے۔

شجرہ محمد بخش

بیوہ

شیخ نصر اللہ

شیخ عنایت اللہ

احمد اللہ۔ انعام اللہ۔ غلام جیلانی۔ فیاض الدین۔ دختر۔ دختر۔ دختر

الجواب

اللهم رب زدنی علما

محمد بخش مسئلہ ۱۶۸/۱۱۵۲/۹۲۱۶

میت

ابن نصر اللہ

ابن عنایت اللہ

زوجہ مریم

۷

۷

۱۲/۱۲۲

عنایت اللہ مسئلہ ۷۲/۲۲

بیدہ ۷

میت

ابن

ابن

ابن

ام

زوجہ

غلام جیلانی

انعام اللہ

احمد اللہ

مریم

فاطمہ

۱۷/۱۱۹/۹۵۲

۱۷/۱۱۹/۹۵۲

۱۷/۱۱۹/۹۵۲

۲/۱۲/۸۳

۳/۹/۶۳/۵۰۳

مریم مسئلہ

بیدہ (۲۲۸)

میت

ابن نصر اللہ

بیدہ ۲۲۸

۲۸۸

توافق بالربع

نصر اللہ مسئلہ ۳۲۸

بیدہ ۱۸۳/۷۳۲

میت



زوجه	ابن	بنت	بنت
زینب	عمر	زیدین	خانم
۱۴/۷۳۲	۱۴/۲۵۶۲	۷/۱۲۸۱	۷/۱۲۸۱

اللہم ارننا الحق والباطل باطلا. صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال محمد بخش کے نو ہزار دو سولہ (۹۲۱۶) حصہ کر کے حسب صورت مذکورہ بالا فاطمہ کو پانچ سو چار (۵۰۴) حصہ دیئے جائیں گے اور احمد اللہ کو نو سو بانوے (۹۹۲) اور اتنے ہی انعام اللہ اور اتنے ہی غلام جیلانی کو اور سات سو بیس (۷۳۲) حصہ زینب کو دو ہزار پانچ سو باسٹھ (۲۵۶۲) حصہ عمر کو اور ایک ہزار دو سو اکیاسی (۱۲۸۱) زیدین اور اتنے ہی خانم کو

بدیں تفصیل

الاحیاء

فاطمہ	احمد اللہ	انعام اللہ	غلام جیلانی	زینب	عمر	زیدین	خانم
۵۰۴	۹۵۲	۹۵۲	۹۵۲	۷۳۲	۲۵۶۲	۱۲۸۱	۱۲۸۱

المبلغ

۹۲۱۶

لہذا کل مال محمد بخش کے من جملہ نو ہزار دو سولہ (۹۲۱۶) حصوں کے تین ہزار تین سو ساٹھ (۳۳۶۰) حصہ کے حق دار عنایت اللہ کے تینوں بیٹے اور بیوی ہے۔ اور پانچ ہزار آٹھ سو چھپن (۵۸۵۶) حصوں کے حق دار نصر اللہ کے بیٹا، بیٹی اور بیوی رہی۔ اور اگر محمد بخش کی بیوی مریم نے قبل تقسیم حصص مہر بھی لیا ہوگا تو وہ بھی اور جو بھی اس کی ملک ہوگا وہ بھی فقط نصر اللہ کے ذریعہ فقط ورثہ نصر اللہ ہی پر حسب تفصیل مذکورہ تقسیم ہوگا۔ اور اس میں سے اولاد عنایت اللہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس واسطے کہ عنایت اللہ مریم سے پہلے ہی مرچکا تھا۔ اور موجودگی بیٹے میں دادی کے مال سے پوتوں کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ انعام اللہ کے مال سے اگر انعام اللہ بعد مریم مرا ہے نصر اللہ کی اولاد کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اور اگر انعام اللہ مریم اپنی دادی کے سامنے مرا ہے تو جب بھی مال انعام اللہ سے اولاد نصر اللہ کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس واسطے کہ دادی کی موجودگی میں کہ جو فاطمہ

ام انعام اللہ ہے کچھ نہیں ملتا۔ لہذا کل مال انعام اللہ کا انعام اللہ کے بھائی اور ماں ہی کو ملے گا۔ اور اب صورتِ مسئلہ اس طرح ہو جائے گی کہ بعد ماتقدم علی الارث از مہر و دیگر دیون میت وغیرہ کے کل مال میت کے ستائیس ہزار چھ سو اڑتالیس (۲۷۶۳۸) حصہ کر کے انیس سو اٹھاسی (۱۹۸۸) حصہ فاطمہ کو دیئے جائیں گے اور احمد اللہ کو چار ہزار چھیا لیس (۴۰۴۶) اور اتنے ہی غلام جیلانی کو۔ لہذا جملہ ورثہ عنایت اللہ کے دونوں مکانوں میں دس ہزار اسی (۱۰۸۰) حصہ ہوئے۔ اور نصر اللہ سے زینب کو دو ہزار ایک سو چھیا نوے (۲۱۹۶) حصہ دیئے جائیں گے۔ اور عمر کو سات ہزار چھ سو چھیا سی (۷۶۸۶) اور زیدن کو تین ہزار آٹھ سو تینتالیس (۳۸۲۳) اور اتنے ہی حصے خانم کو دیئے جائیں گے۔ لہذا جملہ ورثہ نصر اللہ کے کل سترہ ہزار پانچ سو اڑسٹھ (۱۷۵۶۸) حصے ہوں گے۔ حسب صورت:

محمد بخش مسئلہ ۱۶۸/۱۱۵۲/۱۳۸۲۳/۲۷۶۳۸

میت		زوجہ	
ابن	ابن	مریم	مریم
نصر اللہ	عنایت اللہ	۱۲/۱۴۴	۷
۷/۵۰۴/۶۰۴۸	۷	۷	۷
عنایت اللہ مسئلہ ۲۲/۲۲		میت	
بیدہ ۷	میت	زوجہ	فاطمہ
ابن	ابن	ام	مریم
غلام جیلانی	انعام اللہ	احمد اللہ	مریم
۱۷/۱۱۹/۱۴۲۸/۲۸۵۶	۱۷/۱۱۹	۱۷/۱۱۹/۱۴۲۸/۲۸۵۶	۳/۱۲/۸۴
			۳/۹/۶۳/۷۵۶
			مریم مسئلہ
			میت
			بیدہ ۲۲۸

ابن	ابن الابن	ابن الابن	ابن الابن
نصر اللہ	انعام اللہ	احمد اللہ	احمد اللہ
۲۲۸/۲۷۳۶	م	م	م
			انعام اللہ مسئلہ ۱۲/۶
میت	بیدہ ۱۱۹	اخ	م
جدہ	م	م	م
مریم	احمد اللہ	فاطمہ	مریم
م	۵/۵۹۵/۱۱۹۰	۱/۲/۲۳۸/۲۷۶	۵/۵۹۵/۱۱۹۰
			نصر اللہ مسئلہ ۳۲/۸ توافق بستہ عشر
میت	بیدہ ۵۲۹/۸۷۸۲	ابن	میت
زوجہ	بنت	ابن	زوجہ
زینب	زینب	عمر	زینب
۱/۲/۲۱۹۶	۷/۳۸۲۳	۱۲/۷۶۸۶	۷/۳۸۲۳
الاحیاء			
فاطمہ	غلام جیلانی	زینب	غلام جیلانی
۱۹۸۸	۲۰۳۶	۲۱۹۶	۲۰۳۶
المبلغ	۳۸۲۳	۳۸۲۳	۳۸۲۳
۲۷۶۳۸			

حردہ: العبد الراجی

ابو محمد محمد دیدار علی المہفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....310﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید مرا۔ وہ صرف ایک مکان چار پانچ سو روپیہ کا رکھتا تھا۔ اس نے ایک لڑکی نابالغ، ایک بہن اور اپنی زوجہ اور اپنی والدہ چھوڑی۔ زوجہ نے دوسرا نکاح کر لیا ہے۔ وہ مکان ایک شخص کے پاس متوفی رہن کر گیا تھا۔ والدہ متوفی اور اس کی بہن اس مکان کو فروخت کرنا چاہتی ہے۔ آیا اس میں زوجہ کے مشورے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ موافق شریعت کے ہر ایک کا کیا حصہ ہوا؟

۲۷ مارچ ۱۹۱۸ء

شیخ نبی بخش

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورت مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال زید کے چوبیس (۲۴) حصہ کر کے تین (۳) حصہ زوجہ کو ملیں گے اور چار (۴) حصہ ماں کو اور بارہ حصہ بیٹی کو اور باقی پانچ (۵) حصہ بہن کو۔

صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۲۴

میت

زوجه	ام	بنت	اخت
۳	۴	۱۲	۵

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....311﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی پہاڑی رنگ ریز نے ۱۲ مارچ ۱۸ء کو قضا کی۔ اور حسب ذیل رشتہ دار چھوڑے۔ تجیا ماں، فخر الدین بھائی، حبیب لڑکا، شکورن بیوی، بہن شکورن، بہن بشیرا۔ ۱۸ مارچ ۱۸ء کو حبیب ولد پہاڑی کا انتقال ہو گیا۔ تجیا دادی، فخر الدین چچا، شکورن ماں، زینب بیوی چھوڑی۔ اثاثہ البیت جو کہ موجود ہے وہ پہاڑی اور حبیب کی کمائی ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس کی کتنی کمائی ہے؟ اس صورت میں اثاثہ البیت ورثا میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

ورثا پہاڑی و حبیب از محلہ املی

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بعد ماتقدم علی الارث اداء دین مہر وغیرہ اور وصیتِ ٹکٹ مال سے اگر میت نے وصیت کسی وارث کو کی نہ ہو بصورت ہونے اسی قدر وارثوں کے ہر دو میں کل مال پہاڑی کے دو سواٹھاسی (۲۸۸) حصہ کر کے چھتیس (۳۶) حصہ شکورن کو دیئے جائیں گے اور بیاسی (۸۲) حصہ تجیا کو اور کیاون (۵۱) زینب کو اور ایک سوانیس (۱۱۹) فخر الدین کو باقی کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

صورتہ ہکذا:

پہاڑی مسئلہ ۲۸۸/۲۴

میت

زوجہ ام ابن اخت اخت

شکورن	تجیا	حبیب	فخرالدین	شکورن	بشیرا
۳۶۳۶	۳۶۳۸	۱۷	۴	۴	۴
حبیب مسئلہ ۱۲					
میت					
زوجہ					
۵۱۳	۲۳۶۲	جدہ	عم	سوئیلی مام	۴
الاحیاء					
شکورن					
۳۶	۸۲	تجیا	زینب	فخرالدین	۱۱۹
لمبلغ					
۲۸۸					

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد ویدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....312﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماة ہندہ فوت ہوئی۔ اس نے وارث حسب ذیل چھوڑے۔ ترکہ متوفی کتنے سهام پر تقسیم ہوگا؟ اور ہر وارث کو کتنے کتنے سهام پہنچیں گے؟ بینوا توجروا

تفصیل وارثان

پدر متوفی شوہر متوفی پسر متوفی دختر متوفی دختر متوفی

۵ جمادی الثانیہ ۱۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

ہندہ مسئلہ ۲۸/۱۲

میت

شوہر	اب	ابن	بنت	بنت
۳/۱۲	۲/۸	۱۲	۷	۷

صورت مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور منحصر ہونے ورثاء کے ورثہ مذکورہ میں کل مال ہندہ کے اڑتالیس (۲۸) حصہ کر کے بارہ (۱۲) حصہ شوہر کو دیئے جائیں گے اور آٹھ (۸) باپ کو اور چودہ (۱۲) بیٹے کو اور سات (۷) سات (۷) حصہ دونوں بیٹیوں کو حسب صورت مذکورہ بالا واللہ اعلم وحکمہ احکم

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر..... 313﴾

## سوال

چہمی فرمایند علمائے دین متین دریں مسئلہ: مسمیٰ فجا، امیر اللہ و عبد اللہ یہ تین برادر حقیقی ہیں۔ اول فجا فوت ہوا اس کا ترکہ ایک بیٹا، چار بیٹیاں اور ایک زوجہ پر پہنچا۔ زالا بعد امیر اللہ فوت ہوا اولاد۔ وارثوں میں ایک عبد اللہ برادر اور مسماۃ بنحو زوجہ چھوڑی فجا کی۔ اولاد کو ترکہ پہنچے گا یا نہیں؟ مسئلہ کے سہام پر تقسیم ہوگا؟

۲۴ جمادی الثانی رسخاوت علی

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورتِ مسئلہ میں بعد ماتقدم علی الارث اور ہونے ورثہ کے اسی قدر کل مال فجا کے اڑتالیس (۲۸) حصہ کر کے چھ (۶) حصہ زوجہ کو دیئے جائیں گے اور چودہ (۱۴) حصہ ابن کو اور سات (۷) سات (۷) حصہ برابر چاروں بیٹیوں کو صورتہ ہکذا:

فجا مسئلہ ۸

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۶	۱۴	۷	۷	۷	۷

علیٰ ہذا بعد ماتقدم علی الارث اور ہونے ورثہ کے اسی قدر کل مال امیر اللہ کے چار (۴) حصہ کر کے ایک (۱) زوجہ کو دیا جائے گا اور تین (۳) حصہ بھائی مسمیٰ عبد اللہ کو اور عصبہ قریب بھائی کی موجودگی میں بھتیجیوں کو کچھ نہیں تھا۔

اللہ اعلم و علمہ احکم. صورتہ ہکذا:

امیر اللہ مسئلہ ۴

میت	زوج	اخ
۱	۳	۳
ابناء الاخ		
م		

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....314﴾

### سوال

چہمی فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ مسماة لاڈ و فوت ہوئی۔ الہی بخش خاوند مسماة رحیما والدہ اور تین بھائی حقیقی چھوڑے۔ مسئلہ کتنے سهام پر تقسیم ہوگا؟

سخت علی

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورت مسئلہ میں بعد ماتقدم علی الارث کے اگر بجز ان ورثہ کے اور کوئی وارث نہیں ہے کل مال لا ولد کے اٹھارہ (۱۸) حصہ کر کے نو حصہ شوہر کو دیئے جائیں گے اور تین (۳) حصہ اس کی والدہ مسماة رحیما کو اور باقی دو (۲) دو (۲) حصہ تینوں بھائیوں کو

صورتہ ہکذا

لاڈ و مسئلہ ۱۸/۶

میت

زوج	ام	اخ	اخ	اخ
الہی بخش	رحیم	۲	۲	۲
۳/۹	۱/۳			

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....315﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ بشارتی بیگم فوت ہوئی۔ اس نے ایک بہو مسماۃ نیازی بیگم اور ایک بھانجی مسماۃ فیاضی بیگم جن کے خاوند بشارتی بیگم کی حیات میں فوت ہو چکے ہیں اور ایک علاقائی بہن مسماۃ ارشادی بیگم مرحومہ کی ایک لڑکی یعنی بشارتی کی بھانجی مسماۃ کنیز فاطمہ اور دوسری علاقائی بہن مسماۃ ممتازی بیگم مرحومہ کی ایک لڑکی مسماۃ اکرامی بیگم اور دو لڑکیوں کے حکیم سید باقر علی اور حکیم سید یاد علی چھوڑے۔ اس صورت میں ترکہ بشارتی بیگم کس کس پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

۲ رجب ۱۳۶۵ھ

محمد علی میوہ کڑہ اکبر آبادی

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں امام محمد اور امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک چونکہ بوجہ ہونے مسئلہ کے ردیہ بعد ماتقدم علی الارث کل مال بشارتی بیگم کا نصف ارشادی کا اور نصف ممتازی کا قرار دے کر دونوں کی اولاد پر بطریق معروف للذکر مثل خط الاثنین کما هو ظاہر من روایۃ المذكورۃ فی صفحہ ۵۶۱ من الشافعی المصری۔

لہذا کل مال بشارتی کے دس (۱۰) حصہ کر کے پانچ (۵) حصہ ارشادی بیگم کو دیئے جائیں گے اور دو (۲) دو (۲) حصہ حکیم سید یاد علی اور حکیم سید باقر علی کو اور ایک (۱) حصہ اکرامی بیگم کو اور بوجہ امام اعظم رحمۃ اللہ امام محمد رحمۃ اللہ کے ساتھ یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے اور چونکہ ارشادی بھی قبل بشارتی کے مرچکی ہے لہذا اس کے پانچ (۵) حصہ

کنیرفاطمہ کو مل جائیں گے۔

صورتہ ہکذا

بشارتی بیگم مسئلہ ۱۰۲

اخت ارشادی بیگم

اخت ممتازی بیگم

۱/۵

۱

ممتازی بیگم مسئلہ ۵

ابن یاد علی

ابن باقر علی

اخت اکرامی بیگم

۲

۲

۱

بہو اور بھاونج کو شرعاً کچھ نہیں ملتا۔ فقط

اور امام ابی یوسف رحمہ اللہ چونکہ لحاظ ان اصول کا جو میت کے سامنے مرچکے ہیں نہیں کرتے لہذا ان کے نزدیک میراث بشارتی اس طرح تقسیم ہوگی کہ کل مال بشارتی کے بعد ما تقدم علی الارث چھ (۶) حصہ کر کے دو (۲) دو (۲) حصہ حکیم سید یاد علی اور حکیم سید باقر علی کو اور ایک (۱) ایک (۱) حصہ اکرامی بیگم اور کنیرفاطمہ کو دیا جائے گا۔

بشارتی بیگم مسئلہ

میت

ابن الاخت

ابن الاخت

بنت الاخت

بنت الاخت

باقر علی

یاد علی

اکرامی بیگم

کنیرفاطمہ

۲

۲

۱

۱

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....316﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وزیر خان نامی جس کے تین بیٹے اور تین لڑکیاں اور جائداد یعنی مکان وزیر خان مرحوم کا مبلغ چار سو روپیہ کا ہے۔ جس میں دو سو قرض ہیں۔ اب مطابق شرع شریف تقسیم کس طرح ہونی چاہئے؟

۶ رجب ۱۳۶۵ھ

نذیر خان ساکن منٹولہ اکبر آباد

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اداء دین میت وغیرہ کے جو فارغ قرض سے جائداد قیمتی دو سو روپیہ کی بچے اس کے نو (۹) حصہ کر کے دو (۲) دو (۲) حصہ تینوں بیٹوں کو دے دیئے جائیں گے اور ایک (۱) ایک (۱) حصہ تینوں بیٹیوں کو۔

صورتہ ہکدا

وزیر خان مسئلہ ۹

میت

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
۲	۲	۲	۱	۱	۱

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....317﴾

## سوال

بغالی خدمت فیض درجت جناب مولانا مولوی مفتی سید محمد دیدار علی صاحب جامع مسجد شہر آگرہ دام ظلہ بعد سلام سنت الاسلام کے عرض ہے کہ ایک مقدمہ دیوانی حسب ذیل فتویٰ عدالت سٹی مجسٹریٹی بھرت پور میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ بموجب قانون شرع محمدی فتویٰ ارقام فرما کر مرحمت فرمایا جائے تاکہ پیش عدالت موصوف کیا جائے۔

پدر نے اپنے پسر کو بوجہ اس کے کہ اس نے ایک طوائف کو بہ سلسلہ آشنائی ڈال لیا اس کو دو مکان اپنی جائداد سے علیحدہ کر کے بموجب حصہ دے دیئے۔ اور وہ مکانات تاحیات اس کے قبضہ میں رہے۔ چنانچہ پسر اس کے ان مکانات سے بروئے تحریر کچھ تعلق نہ رکھتے۔ اور اس طوائف کے لطن سے دو پسر نا جائز ہوئے۔ اور وہ مکانات بوجہ بد چلتی پسران طوائف ضبط و نیلام ہو جائیں تو کیا ہر دو طوائف زادہ بوجوہات بالابقیہ ترکہ مورث اعلیٰ میں حقدار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

۱۹ اپریل ۱۹۱۵ء

فاطمہ بیوہ نبی بخش قوم شیخ بلند دروازہ بھرت پور

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

☆ طوائف زادے اگر اس طوائف سے نکاح صحیح نہیں ہوا تھا اور بلا نکاح وطی حرام کے وہ پیدا ہوئے ہیں ان کا نسب اس حرام کار سے ثابت نہیں ہوتا۔ ☆ وہ اس حرام کار کی میراث میں کسی وراثت سے کوئی حصہ نہیں لے سکتے۔ اور ان کو اس کے مال متروکہ سے کچھ نہیں پہنچتا۔ چنانچہ یہ امر عبارت صفحہ ۵۰

جلد ہشتم بحر الرائق سے ظاہر ہے حیث قال

و فی المضمورات اعلم بان الکفار یتوارثون فیما بینہم بالاسباب التی یتوارث بہا المسلمون من نسب او سبب او نکاح ولا خلاف انہم لا یرثون بالانکحة التی لا تصح بین المسلمین بحال نحو نکاح المحارم بنسب اور ضاع و نکاح المطلقة قبل التزویج بزواج آخرما

(ترجمہ: مضمورات میں ہے کہ کفار آپس میں ان اسباب کی بنا پر وراثت پاتے جن کی وجہ سے مسلمان وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔ مثلاً نسب یا سبب یا نکاح اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ان نکاحوں کے باعث وراثت نہیں پاتے جو مسلمانوں کے درمیان کسی صورت میں بھی صحیح نہیں۔ مثلاً نسب رضاعت کے باعث محارم کے ساتھ نکاح یا جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بغیر اس کے کہ وہ کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کرے)

☆ البتہ اگر زانی مذکور اپنی حین حیات میں بحالت صحت و تندرستی و ثبات ہوش و حواس ان طوائف زادوں کو جو بلا نکاح پیدا ہوئے تھے یا کسی اور کو اپنی کچھ جائداد یا کل جائداد ہبہ کر کے قبضہ کرادے بلاشبہ وہ موصوب لہ کہ جس کو وہ ہبہ کر دے ملک ہو جائے گی۔ لہذا بعد موت واہب کوئی وارث دعویٰ نہیں کر سکتا۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....318﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ نے وقت انتقال ایک لڑکی بارہ یوم کی چھوڑی۔ اور وہ لڑکی بھی اپنی ماں سے نو یوم بعد مر گئی۔ اب میری زوجہ کے ورثہ میں اس کی خالہ نانی پھوپھی زندہ ہیں۔ مرحومہ کا مہر دوسو روپیہ کا تھا اور زیور برتن کپڑے وغیرہ جو اس کی والدین نے جہیز میں دیا تھا تقریباً پچاس روپیہ کے مالیت کا تھا۔ لہذا از روئے شرع شریف اس کی زیور اور مہر وغیرہ پانے کا کون کون مستحق ہو سکتا ہے؟

۱۷ رجب ۱۳۶۶ھ

کریم خان ساکن محلہ رکاب گنج آگرہ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال زوجہ کریم خان کے بتیس (۳۲) حصہ کر کے تیس

(۲۳) حصہ کریم خان کو دیئے جائیں گے اور نو (۹) زینب نانی زوجہ کریم خان کو دیئے جائیں گے۔

صورتہ ہکذا

زوجہ کریم خان مسئلہ

میت

زوج کریم خان	بنت مریم	ام الام زینب	خالہ	عمہ
۳۲/۲۸	۶/۹	۲/۳۶	۲	۲

مریم مسئلہ ۶

میت

عمہ الام	خاتہ الام	ام ام الام زینب	اب کریم خان
م	م	۱۳	۵/۱۵

الاحیاء

زینب	کریم خان
۹	۲۳

المبلغ

۳۲

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی اٹھنی  
 جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....319﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندریں صورت کہ زید نے وقت انتقال ایک زوجہ زینب اور بیٹا خیراتی اودو بنت تمیزن اور اللہ رکھی چھوڑے۔ بعدہ اللہ رکھی کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک زوج حسی بیگ ابن محمد بیگ بنت معصومن ماں زینب چھوڑی۔ بعدہ زینب کا انتقال ہوا۔ اس نے ابن خیراتی بنت تمیزن ابن البنت محمد بیگ بنت البنت معصومن چھوڑی ترکہ زید کس طرح تقسیم ہوگا؟

۹ رجب ۱۳۶ھ

اسٹیشن ماسٹر سابق ریاست الور

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورت مسئلہ میں بعد ماتقدم علی الارث اور دین مہر وغیرہ کے کل مال زید کے گیارہ سو باون (۱۱۵۲) حصہ کر کے چھ سو اٹھائیس (۶۲۸) حصہ خیراتی کو اور تین سو چودہ (۳۱۴) حصہ تمیزن کو اور تریسٹھ (۶۳) حصہ حسی بیگ کو اور اٹھانوے (۹۸) حصہ محمد بیگ کو اور انچاس (۲۹) حصہ معصومن کو دیئے جائیں گے۔ فقط

صورتہ ہکذا

زید مسئلہ

میت

بنت اللہ رکھی

بنت تمیزن

ابن خیراتی

زوجہ زینب

۷

۷/۲۵۲

۱۳/۵۰۳

۱۴/۱۴۳

اللہ رکھی مسئلہ

میت

ام زینب	بنت معصومن	ابن محمد بیگ	زوج حسنی بیگ
۲/۶/۳۲	۷/۳۹	۱۴/۹۸	۳/۹/۶۳
			زینب مسئلہ

میت

بنت البنت معصومن	ابن البنت محمد بیگ	بنت تمیزن	ابن خیراتی
۲	۲	۱/۶۲	۲/۱۲۳

الاحیاء

معصومن	محمد بیگ	حنسی بیگ	تمیزن	خیراتی
۳۹	۹۸	۶۳	۳۱۴	۶۲۸
				لمبلغ
				۱۱۵۲

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....320﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پھوپھی اگر لا ولد مری تو اس کے مال سے بھتیجے، بھتیجیوں کا شرعا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو ہر ایک کو کس قدر مال متروکہ سے ملے گا؟

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

عبدالعزیز ملنگ دہلوی

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

اگر پھوپھی نے جو لا ولد مری ہے۔ بجز بھتیجے، بھتیجیوں کے اور کوئی وارث شرعا بھائی، بہن، باپ یا شوہر وغیرہم نہیں چھوڑا تو بعد ما تقدم علی الارث کل مال بھتیجیوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور بھتیجیوں کو بھتیجیوں کی موجودگی میں کچھ نہ ملے گا۔ اس واسطے کہ بھتیجے عصبہ ہیں اور بھتیجی ذوالارحام۔ ☆ اور عصبہ کی موجودگی میں ذوالارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ فقط

حورہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی المشہدی الرضوی لکھنوی

المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....321﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اور بجز جہیز اور کچھ مال نہیں چھوڑا۔ اور وارث فقط خاوند اور باپ اور ماں اور دو بہن ایک بھائی کو چھوڑا ہے۔ اندریں صورت مال متروکہ ہندہ کیوں کر تقسیم ہوگا؟

فضل اللہ گٹھیا ماموں بھانجہ شہر آگرہ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال متروکہ ہندہ کے چھ (۶) حصہ کر کے نصف مال یعنی تین (۳) حصہ شوہر ہندہ کو اور سدس یعنی ایک (۱) حصہ ماں کو اور ما بقی دو (۲) حصہ والد ہندہ کو ملیں گے۔ اور موجودگی عصبہ قریب باپ میں بھائی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔ فقط

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی

جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....322﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زید کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ایک زوجہ دو لڑکیاں اور تین لڑکے چھوڑے۔ بعد کچھ عرصہ کے زوجہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ زوجہ کا بھائی مہر کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے۔ رقم کل ۴۵ عدد گنیاں زیور قریب سات سو کے سب ماموں کے پاس ہے۔ اب ہم کس طرح تقسیم کریں؟  
شریف حسین۔ حجام آگرہ

### الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث دین مہر وغیرہ کل مال زید کے ۶۴ حصہ کر کے چودہ (14) چودہ (14) حصہ تینوں بیٹوں کو اور سات (۷) سات (۷) دونوں بیٹیوں کو اور آٹھ (۸) حصہ زوجہ کو دیئے جائیں گے۔ اور پھر مہر کل مال مریم کے آٹھ (۸) حصہ کر کے دو (۲) دو (۲) حصہ تینوں بیٹوں کو ایک (۱) ایک (۱) حصہ دونوں بیٹیوں کو ملے گا اور بیٹوں کی موجودگی میں بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔

صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۶۴/۸

میت		میت	
زوجہ	ابن	ابن	ابن
مریم	زید	عمر	بکر
۸	۱۴	۱۴	۱۴
مریم مسئلہ ۸			

میت		میت	
ابن	ابن	ابن	ابن
۲	۲	۲	۲
میت		میت	
ابن	ابن	ابن	ابن
۲	۲	۲	۲

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المشہدی المفتی فی جامع اکبر آباد

## ﴿فتویٰ نمبر.....323﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں۔ ایک شخص نے بعد انتقال دو وارث چھوڑے ایک زوجہ و لڑکا۔ اور کچھ اثاثہ مثل زیور وغیرہ وہ اپنی حیات میں اپنے دو ادارہ وغیرہ میں فروخت کر کے صرف کر گیا۔ باقی اثاثہ تجہیز و تکفین و فاتحہ اور سوم میں صرف ہوا۔ سوم کے روز ہی خوش دامن اور خسر اپنی لڑکی کو بہکا کر اپنے مکان میں لے گئے۔ حتیٰ کہ ایام عدت کا بھی خیال نہ کیا۔ اور لڑکے مرحوم کو جو تقریباً ڈیڑھ سال کا ہے متوفی کے والدین کے پاس چھوڑ گئے۔ اب والدین زوجہ مرحوم سے اپنا سامان جہیز والدین مرحوم سے طلب کرتے ہیں اس صورت میں زوجہ متوفی مستحق پانے سامان جہیز کے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے از روئے قانون شرع آگاہی بخشی جاوے۔

۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

☆ صورتِ مسئلہ میں بعد منہائی مصارف تجہیز و تکفین و اداء دین مہر وغیرہ ما تقدم علی الارث کل مال ما بقی زید کے چوبیس (۲۴) حصہ کر کے تین حصہ زوجہ کو دیئے جائیں گے اور چار (۴) چار (۴) حصہ ماں باپ کو اور تیرہ (۱۳) حصہ باقی ابن زید کو دیئے جائیں گے۔

☆ اور علاوہ مصارف تجہیز و تکفین بطریق متوسط فاتحہ سوم وغیرہ میں بلا اجازت دیگر ورثہ جس وارث نے مال زید سے صرف کیا ہے وہ فقط اس کے حصہ سے وضع کر لیا جائے گا۔ ☆ اور حصہ عاقل بالغ اگر باجائز دیگر ورثہ صرف کیا گیا ہے تو سب کے حصوں سے بقدر اس کے حصوں کے وضع ہو جائے گا۔

☆ اور کل سامان جہیز کی حق دار بلاشبہ زوجہ زید ہے۔ اس واسطے کہ عرفاً کل سامان جہیز ماں باپ اپنی لڑکی کو ہی دیا کرتے ہیں ☆ اور لڑکے کی پرورش کا اس کو اختیار ہے۔ اگر وہ چاہے اس کو حق پرورش حاصل ہے۔

ورنہ پرورش کرنے پر اس پر بقول صحیح جبر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صفحہ ۳۸۷ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

و اذا امتنعت الام عن امساک الولد و لیس لها زوج اختلفوا فیہ قال الفقیہ ابو جعفر والفقیہ ابو الیث رحمہما اللہ تعالیٰ یجبر الام علی امساک الولد و قال مشائخنا رحمہم لا تجبر لان الام لا تجبر فی الصحیح۔ انتھی مختصراً بقدر الحاجة۔

(ترجمہ: ماں نے بچے کو اپنے پاس روکے رکھنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا خاوند بھی نہیں۔ اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ امام فقیہ ابو جعفر اور امام فقیہ ابو الیث رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا اس کو مجبور کیا جائے گا کہ بچے کو اپنے پاس رکھے اور ہمارے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا اس پر جبر نہ کیا جائے گا کیوں کہ صحیح قول کی رو سے ماں پر جبر نہیں کیا جاسکتا)

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....324﴾

## سوال

اللہ بخش، خدا بخش، مولا بخش، تینوں بھائیوں نے ایک جائداد پختہ مکان اور کچھ زمین شرکت میں خریدی۔ پھر اللہ بخش کا انتقال ہوا۔ اس نے وقت انتقال علاوہ جائداد مذکور کے دو ڈھائی سو کا زیور بھی چھوڑا۔ اور یہ وارث چھوڑے۔ زوجہ مسماۃ فیاضی، ماں مسماۃ رحمان بی بی اور دو بھائی۔ ان کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ بینواتوجروا

سائل: خدا بخش سکنہ نائی کی منڈی حلقہ ہدن خان

۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث تیسرے حصے جائداد مشترکہ اور زیور متروکہ اللہ بخش سے جائداد اور زیور اللہ بخش چوبیس (۲۴) حصے کر کے چھ (۶) حصے زوجہ کو دیئے جائیں گے اور چار (۴) حصے ام یعنی والدہ اللہ بخش کو اور سات (۷) سات (۷) حصہ دونوں بھائیوں مسمی خدا بخش اور مولا بخش کو دیئے جائیں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد





﴿فتویٰ نمبر.....325﴾

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا۔ زید کی دو بہنیں تھیں۔ اور حقیقی بھائی کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک بہنوئی موجود ہے۔ اور دونوں بہنیں زید کی حیات ہی میں مر گئیں تھیں۔ زید کی دونوں بہنوں کے دو لڑکے موجود ہیں۔ یعنی ایک لڑکا ایک بہن کا اور ایک لڑکا دوسری بہن کا۔ زید کے حقیقی چچا کا ایک لڑکا موجود ہے۔ زید اپنے بھانجہ کے مکان پر مرا۔ صرفہ علاج و خوراک زید کے بھانجہ نے اپنے ذاتی روپیہ سے کیا۔ اب بتلائیے کہ حسب شرع شریف بھانجوں کا کیا ترکہ ہوگا؟ اور حقیقی چچا زاد بھائی کا کیا ترکہ ہوگا؟ کیونکہ زید کی اولاد و بیوی وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اور صرفہ خوراک و علاج جو زید کے بھانجہ کا ہوا ہے وہ شرعاً پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟۔

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ

صوبہ دار علی رضا خان محلہ لاڈپورہ راجپوتانہ

الجواب

بعد تقدم علی الارث بصورت ہونے ورثہ اس قدر جو درج سوال ہیں کل مال زید کا زید کے چچا کے بیٹے

کو ملے گا۔ اس واسطے کہ وہ عصبہ ہے۔

كما في السراجي

اما العصبه بنفسه فكل ذكر لا تدخل في نسبتہ الى الميت النثي و هم اربعة اصناف

جزء الميت و اصله و جزء ابیه و جزء جدہ الاقرب فالاقرب يرجحون بقرب الدرجة

اعنى اولهم بالميراث جزء الميت اى البنون ثم بنوهم وان سفلوا ثم اصله اى الأب ثم

الجد اى أب الأب وان علا ثم جزء ابیه اى الإخوة ثم بنوهم وان سفلوا ثم جزء جدہ اى

الاعمام ثم بنوهم و ان سفلووا!

(ترجمہ: عصبہ بنفسہ ہر وہ مرد ہوتا ہے کہ میت کے ساتھ اس کے رشتہ میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جزء المیت (۲) اصل المیت (۳) جزء اب المیت (۴) جزء جد الاقرب ثم الاقرب یہ تمام درجہ کے قرب کے ساتھ ترجیح پائیں گے۔ یعنی ان تمام میں میت کی میراث کا سب سے زیادہ حق دار میت کا جزء یعنی اس کے بیٹے پھر بیٹوں کے بیٹے ہیں اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے کیوں نہ ہوں۔ ان کی عدم موجودگی میں میت اصل یعنی باپ پھر دادا اگرچہ وہ کتنا ہی اونچے درجہ کا ہوا۔ اس کے بعد میت کے باپ کی جزء یعنی بھائی پھر ان کے بھائی ان کے بیٹے اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے ہوں وارث ہوں گے۔ ان کے بعد میت کے دادا کی جزء یعنی چچا پھر ان کے بیٹے اگرچہ نیچے ہوں وارث ٹھہریں گے)

☆ اور بھانجوں کو موجودگی ابن العم میں کچھ نہیں ملتا اس واسطے کہ وہ ذوی الارحام سے ہیں۔

اور اگر بھانجوں نے اپنے پاس سے باوصف موجود ہونے مال زید کے علاج و خوراک زید میں صرف کیا ہے اس کا ان کو ثواب ملے گا۔ مال زید سے وہ صرف نہیں لے سکتے اس واسطے کہ بعد موت زید کے وہ مال چچا کے بیٹے کا ہو گیا۔ البتہ اگر بطریق قرض زید کو اگر روپیہ دے کر اس کے علاج و خوراک میں صرف کیا تھا تو بشرط ثابت ہو جانے اس امر کے بشہادت شہود معتبر مال زید سے اپنا قرض وصول کر سکتے ہیں۔

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....326﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء شریعتِ غر اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک اپنی زوجہ وارث اور ایک بہن ضعیفہ وارث چھوڑی۔ اور مبلغ تین سو روپیہ کا قرض جو بعد نکاح چھوڑا۔ اور مبلغ پانچ سو روپیہ مہر کے چھوڑا۔ پہلے دین مہر ادا کیا جائے یا قرضہ؟ اور بہن کا اگر ہے حصہ تو کتنا؟ اور بہن نے بعد فوتیگی اپنے بھائی کے جو کچھ روپیہ نقد و اشیا ظروف خیانت سے یا رضا مندی سے اپنی بھاجہ سے زائد وصول کر لیے یہ اس میں یعنی اگر حصہ بہن کا ہے محسوب ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور جائداد جو چھوڑی ہے ذاتی زید کی ہے موروثی نہیں ہے؟

۷ اشوال ۳۶ھ

### الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں کل مالِ متروکہ زید سے بعد تجھیز و تکفین جو کچھ بچے اس سے اس کے ذمہ جس قدر

قرض ہو خواہ قرضہ مہر ہو یا علاوہ اس کے وہ سب ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ صفحہ ۵۳۵، ۵۳۶ در مختار میں ہے

یبدأ من ترکة الميت بتجهیزه یعم التکفین من غیر تقبیر ولا تبذیر تقدم دیونہ التي

لها مطالب من جهة العبادۃ انتھی مختصراً

(ترجمہ: میت کے ترکہ میں سب سے پہلے اس کی تجھیز پر کیا جائے گا۔ اس میں اس کا کفن بھی داخل ہے۔ جو

کنجوسی اور فضول خرچی کے بغیر کیا جائے گا۔ ☆ اس کے بعد اس کے وہ قرض ادا کیے جائیں گے جن کا مطالبہ

بندوں کی جانب سے ہوگا)

☆ اور پھر بعد اداءِ دیون اور اجراءِ وصیت کے تہائی مال باقی سے اگر میت نے وصیت غیر وارث کو کی ہو۔ اگر کچھ بچے اس کے چار حصہ کر کے ایک حصہ زوجہ کو دیا جائے گا اور تین حصہ بہن کو بطریق فرضیت اور ایک بطریق رد۔ اور رضامندی سے زوجہ زید نے جس قدر مال زید کی بہن کو دے دیا اس کے علاوہ جو خیانت سے زید کی بہن نے لیا ہے وہ بلاشبہ اس کے حصہ سے مگر الیا جائے گا اگر اس کا ثبوت شرعاً نہ ہو جائے۔

حردہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنؤی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....327﴾

### سوال

بکھنور جناب مفتی صاحب جامع مسجد آگرہ

السلام علیکم مہربانی فرما کر غلام علی مرحوم کے حصص تقسیم فرما کر ممنون مشکور فرمائیں والسلام

غلام علی مرحوم نے قضا کی اور زندہ چھوڑا اصغر علی، تراب علی، امان علی، مسماۃ امامی جان، پسران و دختر غلام

علی مرحوم اصغر علی نے قضا کی زندہ چھوڑا مسماۃ بسم اللہ و مسماۃ بند و دختران اصغر علی مرحوم اور تراب علی و امان علی

و مسماۃ امامی جان

مسماۃ بسم اللہ نے قضا کی زندہ چھوڑا زید و بکر پسران مسماۃ بسم اللہ مرحومہ اور مسماۃ بند و دختر علی اصغر

مرحوم اور تراب علی و امان علی و مسماۃ امامی جان

مسماۃ بند و نے قضا کی زندہ چھوڑا عبداللہ پسر مسماۃ بند و مرحومہ اور تراب علی و امان علی و مسماۃ امامی

جان پسران و دختر غلام علی اور زید و بکر پسران بسم اللہ

مسماۃ امامی جان نے قضا کی زندہ چھوڑا احمد بخش مراد بخش پسران مسماۃ امامی جان اور زید و بکر و

عبداللہ اور تراب علی و امان علی

احمد بخش نے قضا کی زندہ چھوڑا مسماۃ عشو بیوہ و محمود بخش و مولا بخش والہی بخش و مسماۃ آمنہ پسران و

بیوہ و دختر احمد بخش مرحوم اور مراد بخش اور زید و بکر و عبداللہ و تراب علی و امان علی

مراد بخش نے قضا کی زندہ چھوڑا مسماۃ زبیدہ بیوہ و عبدالواحد و رموں و مسماۃ حبیبہ و مسماۃ عشو و مسماۃ اللو

و مسماۃ اللو پسران و دختران و بیوہ مراد بخش مرحوم و مسماۃ عشو و محمود بخش والہی بخش و مولا بخش و مسماۃ آمنہ پسران و

دختر بیوہ احمد بخش اور زید و بکر و عبداللہ اور تراب علی و امان علی۔

تراب علی نے قضا کی زندہ چھوڑا محبوب علی و بشارت علی و حکمت علی و مسماۃ اللو پسران و دختر تراب علی

مرحوم اور امان علی پسر غلام علی اور مسماۃ زبیدہ بیوہ و عبدالواحد و رموں و مسماۃ حبیبہ و مسماۃ عشو و مسماۃ اللو و مسماۃ اللو

پسران و دختران و بیوہ مراد بخش اور مسماة عشوہ بیوہ و محمود بخش والہی بخش و مولا بخش و مسماة آمنہ پسران و دختر و بیوہ احمد بخش مرحوم اور زید و بکر پسران مسماة بسم اللہ مرحومہ اور عبد اللہ پسر مسماة بند و مرحومہ۔

امان علی نے قضا کی زندہ چھوڑا احسان علی و فیاض علی و مسماة نین و مسماة بہن پسران و دختران امان علی مرحوم اور محبوب علی و بشارت علی و حکمت علی و مسماة اللو پسران و دختر تراب علی مرحوم اور مسماة عشوہ و محمود بخش والہی بخش و مولا بخش و مسماة آمنہ پسران و دختر و بیوہ احمد بخش مرحوم اور عبد اللہ پسر مسماة بند و مرحومہ و زید و بکر پسران مسماة بسم اللہ مرحوم اور مسماة زبیدہ بیوہ و عبد الواحد رمون و مسماة جیبو و مسماة عشوہ و مسماة اللو و مسماة اللو پسران و دختران و بیوہ مراد بخش۔ کل ۴۳ ورثہ زندہ موجود ہیں۔

۱۶ شوال ۱۳۶۶ھ

## الجواب

وهو الموفق للصواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنى علما

اللهم رب زدنى علما . صورت مسئلہ میں کل مال منقولہ و غیر منقولہ غلام علی مرحوم کے بعد ما تقدم علی الارث پینتیس ہزار دو سو اسی (۳۵۲۸۰) حصہ کر کے ایک ہزار چھ سو اسی (۱۶۸۰) زید کو اور اتنے بکر کو تین ہزار تین سو ساٹھ (۳۳۶۰) عبد اللہ کو اور اتنے ہی عشوہ و بھوہ احمد بخش کو اور سات ہزار چودہ (۷۰۱۴) محمود بخش کو اتنے ہی مولا بخش کو اتنے ہی الہی بخش کو اور تین سو ستاون (۳۵۷) آمنہ کو اور اتنے ہی زبیدہ و اللو و جیبو و عشوہ اللو اور سات سو چودہ (۷۱۴) عبد الواحد کو اور تین سو چونسٹھ (۳۶۴) محبوب علی، بشارت علی، حکمت علی کو ایک ہزار چھ سو پینتیس (۱۶۳۲) اللو بنت مراد بخش اور تین ہزار آٹھ سو آٹھ (۳۸۰۸) احسان علی کو اور اتنے ہی فیاض علی کو اور ایک ہزار نو سو چار (۱۹۰۴) نین کو اور اتنے ہی بہن کو دیئے جائیں گے۔

## صورتہ هكذا

محمود بخش	عشوزوجہ احمد بخش	عبداللہ	بکر	زید
۷۰۱۳	۳۵۷	۳۳۶۰	۱۶۸۰	۱۶۸۰
وللو	اللو	عشو	جیبو	امو
۳۵۷	۳۵۷	۳۵۷	۳۵۷	۳۵۷
اللو	حکمت علی	بشارت علی	محبوب علی	عبدالواحد
۱۶۳۲	۳۶۳	۳۶۳	۳۶۳	۷۱۳
	بن	نین	فیاض علی	احسان علی
	۱۹۰۴	۱۹۰۴	۳۸۰۸	۳۸۰۸

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی لکھنوی

مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....328﴾

## سوال

ایک متوفی مسلمان کے دو فرزند ایک چھوٹا دیگر بڑا ہے ان میں سے زائد حصہ جائداد متروکہ کا کون حقدار ہے؟ اور جائداد کی باہمی کس طرح پر تقسیم ہوگی؟

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم.

☆ تقسیم میراث میں چھوٹے بڑے کی رعایت نہیں کی جاتی۔ بصورت نہ ہونے کسی اور وارث کے بعد مصارفِ تجہیز و تکفین اور اداءِ دین میت خواہ دین مہر یا کسی اور کا ہو اور اداءِ وصیت میت تہائی مال سے اگر علاوہ وارث کسی اور کو وصیت کی ہو۔ کل مال میت سب برابر سب بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔ کسی کے حصہ میں بوجہ خورد و کلاں ہونے کے ایک رتی کی کمی بیشی جائز نہیں۔

ہکذا فی جمیع کتب الفرائض

(ترجمہ: علم میراث کی تمام کتابوں میں اسی طرح ہے)

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی فی جامع اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....329﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص محمد جان ہے۔ اس کے دو پسر یونس خان و یوسف خان تھے۔ جن جملہ ان کے یونس خان فوت ہو گیا۔ یوسف خان موجود ہے۔ لیکن متوفی یونس خان متوفی نے دو پسر صلیبی چھوڑے۔ بعدہ محمد جان بھی فوت ہو گیا۔ اب فرمائیے کہ محمد خان کی جائداد اور ترکہ گزشتہ سے یونس خان متوفی کے دونوں لڑکوں یعنی محمد خان کے پوتوں کو بروئے قرآن و حدیث حصہ ملے گا یا نہیں اور وہ حصہ پاسکتے ہیں یا نہیں؟

۱۲ رمضان ۱۳۳۶ھ

حافظ عبدالرحیم بیگ از مقام بھرت پور

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

و عليكم السلام رحمه الله و بركاته

چونکہ یونس خان محمد جان کے سامنے فوت ہو گیا لہذا یونس خان متوفی کو جائداد محمد خان سے کچھ نہیں ملے گا۔ اور محمد خان نے وقت انتقال چونکہ ایک بیٹا یوسف خان چھوڑا ہے اور دو پوتے یونس خان متوفی کے حقیقی بیٹے ہیں ☆ لہذا بیٹے کی موجودگی میں پوتوں کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس واسطے کہ عصبہ و اقرب کی موجودگی میں عصبہ و بعید کو کچھ نہیں ملتا۔ فقط

حردہ: عبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المشہدی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....330﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین کہ شیخ الہی بخش نے انتقال کیا۔ انہوں نے تین لڑکیاں مسمیان منتو، بندو، عثو اور ایک پوتا منیر الدین، ایک بیوہ مسماۃ جانی بیگم چھوڑے۔ بعدہ مسماۃ عثو نے انتقال کیا۔ اس کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے اور ایک شوہر چھوڑا۔ پھر زوجہ مسماۃ جانی بیگم کا انتقال ہوا۔ پھر مسماۃ منتو کا انتقال ہوا اس نے دو لڑکے ایک لڑکی اور ایک شوہر چھوڑا۔ بینوا توجروا

۲۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں مالِ نبی بخش کے بارہ ہزار نو سو ساٹھ (۱۲۹۶۰) حصہ کر کے تین ہزار پانچ سو اسی (۳۵۸۰) بندو کے دیئے جائیں گے۔ اور تین ہزار چار سو (۳۴۰۰) منیر الدین کو اور سات سو بیس (۷۲۰) حمدو اور پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) زید کو اور پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) خالد کو اور اسی قدر مسعود کو اور پانچ سو سینتیس (۵۳۷) محمودہ کو بعد ما تقدم علی الارث حصص مذکورہ کر کے دیئے جائیں گے واللہ اعلم و علمہ احکم۔

صورتہ ہکذا

الہی بخش مسئلہ ۱۲۹۶۰/۶۴۸/۷۲۲

میت

زوجه	بنت	بنت	بنت	ابن الابن
جانی بیگم	منتو	عثو	بندو	منیر الدین
۳/۹/۸۱	۱۶/۱۴۴	۱۶	۱۶/۱۴۴/۲۸۸۰	۱۵/۱۳۵/۲۷۰۰

عقود مسئلہ ۷۲/۱۲

توافق بالثمن

بیدہ ۲/۱۶

میت

زوج	ابن	ابن	بنت	بنت	ام
حمود	زید	خالد	مریم	فاطمہ	جانی بیگم
۳/۱۸/۳۶/۷۲۰	۱۲/۲۸/۵۶۰	۱۲/۲۸/۵۶۰	۷/۱۲/۲۸۰	۷/۱۲/۲۸۰	۲/۱۲/۲۳

جانی بیگم مسئلہ

بیدہ ۳۵/۱۰۵

میت

بنت	بنت	ابن الابن
منتو	بندو	منیر الدین
۱/۳۵	۱/۳۵/۷۰۰	۱/۳۵/۷۰۰

منتو مسئلہ ۲۰/۲

میت	تباہین	بیدہ ۱۷۹
زوج	ابن	ابن
عمر	محمود	مسعود
۱/۵/۸۹۵	۶/۱۰/۷۲	۳/۵/۳۷

لمبلغ

۱۲۹۶۰

## الاحیاء

بندو	منیرالدین	حمود	زید	خالد	مریم	فاطمہ	عمر
۳۵۸۰	۳۴۰۰	۷۲۰	۵۶۰	۵۶۰	۲۸۰	۲۸۰	۵۹۵
محمود	مسعود	محمودہ					
۱۰۷۴	۱۰۷۴	۵۳۷					

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الحسنی المفتی الالوری ثم الاکبر آبادی

واعظ اسلام جامع مسجد اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر..... 331﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوئی۔ اس نے چار علاقائی بھانجے اور بھانجیاں اور ایک علاقائی بھتیجا چھوڑا۔ ایسی صورت میں بھانجوں کو ترکہ ملے گا یا بھتیجے کو یا دونوں کو؟ اور اگر وہ بھتیجا بغیر نکاح کے کسی طوائف وغیرہ کے شکم سے ہو تو اس کو بھانجے کے مقابلے میں حصہ ملے گا یا نہیں؟۔

۱۵ شعبان ۱۳۶۶ھ

محمد علی میوہ کڑہ

## الجواب

اللهم رب زدنی علما

بھتیجا عصبہ ہے اور بھانجا بھانجی ذوی الارحام۔ لہذا کل مال متوفیہ کا بھتیجا لے گا اور بھانجا بھانجی کو کچھ نہیں ملے گا۔ ☆ اور اگر وہ بھتیجا بلا نکاح کسی طوائف سے پیدا ہوا ہے چونکہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہذا وہ بھتیجا شرعاً بھتیجا نہیں مانا جائے گا۔ اس واسطے اس کو مال متروکہ متوفیہ سے کچھ نہیں ملے گا اور کل مال متروکہ متوفیہ کا چونکہ یہاں بمقتضاء ظاہر سوال ایک ہی علاقائی بہن سے کل بھانجا بھانجی ہیں لہذا ہر بھانجا دو بھانجیوں کے برابر سمجھا جائے گا اور اسی حساب سے بقدر ان حصہ داروں کو حصہ کر کے دیئے جائیں۔

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

فی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....332﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ اللہ بخش نے انتقال کیا۔ انہوں نے ایک زوجہ پانچ لڑکے مسمیان احمد حسن، سجاد حسن، محمد حسن، حافظ واجد حسن، امداد حسن اور ایک دختر چھوڑا ہے۔ از روئے شرع شریف متروکہ مال ورثہ پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

۲۶ مئی ۱۸ء ۱۵ شعبان ۱۳۳۶ھ

سجاد حسن صابن گڑھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں کل مال اللہ بخش کے اٹھاسی (۸۸) حصہ کر کے گیارہ (۱۱) حصہ زوجہ کو اور

چودہ (۱۴) چودہ (۱۴) بیٹوں کو اور سات (۷) بیٹی کو دیئے جائیں گے۔

صورتہ ہکذا

اللہ بخش مسئلہ ۸۸/۸

زوجه	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	اخت
۱/۱۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	

حدرہ: العبد الراجی رحمۃ  
ابو محمد محمد دیدار علی لکھنوی المفتی

جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....333﴾

## سوال

حسب ذیل مسئلہ کے متعلق علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ زید و بکر دو حقیقی بھائی تھے۔ زید نے انتقال کے بعد اپنی منکوحہ بیوی اور ایک نابالغ لڑکے کو چھوڑا۔ قضاءِ الہی سے لڑکا بھی فوت ہو گیا۔ اب صرف زید کی بیوی اور اس کا بھائی بکر موجود ہے۔ پس از روئے شرع شریف زید مرحوم کی کل جائداد کا مالک و حقدار کون ہو سکتا ہے؟ زید کی وفات کے تین ماہ بعد اس کی بیوی کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اب تک موجود ہے۔ ایک لڑکا جو پہلے خاوند سے تھا (اس خاوند کی بھی وفات ہو چکی) وہ بھی موجود ہے۔

امام الدین آگرہ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللهم رب زدنی علما

صورت مسئلہ میں کل مال زید کے بہتر (۷۲) حصہ کر کے سولہ (۱۶) زینب کو دیئے جائیں گے اور

پیالیس (۳۲) مریم کو اور سات (۷) زفر کو اور اتنے ہی بکر کو۔ واللہ اعلم۔ صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۷۲/۲۳/۸

میت

زوجہ	ابن	بنت	اخ
زینب	خالد	مریم	بکر
۱۳/۹	۱۳	۷/۲۱	۴

مسئلہ خالد

میت

بیدہ ۱۴

عم	زفر	اخت	ام
بکر	زفر	مریم	زینب
۱۷	۱۷	۳۲۱	۱۷

الاحیاء

بکر	زفر	مریم	زینب
۷	۷	۴۲	۱۶

المبلغ

۷۲

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی

جامع مسجد اکبر آباد





## ﴿فتویٰ نمبر.....334﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ اللہ بخش نے انتقال کیا۔ چھ لڑکے ایک دختر ایک زوجہ چھوڑی۔ بعدہ ایک لڑکے نے انتقال کیا جس کے کوئی اولاد نہیں۔ از روئے شرع شریف ترکہ مورثِ اعلیٰ سے اور برادر سے ہم فرزند ان کو کس طرح پہنچتا ہے؟

۲۸ مئی ۱۹۸۱ء

شمشاد حسین صابون کڑہ آگرہ

## الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال اللہ بخش کے تین ہزار چار سو بتیس (۳۴۳۲) حصہ کر کے پانچ سو چھ (۵۰۶) مریم کو دیئے جائیں گے اور پانچ سو بتیس (۵۳۲) عمر کو اور اتنے ہی بکر، خالد، زفر اور حمید کو اور دو سو چھیاسٹھ (۲۶۶) زینب کو۔ صورتہ ہکذا

اللہ بخش مسئلہ ۸/۱۰۴۸/۲۳۳۲

## میت

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مریم	زید	عمر	بکر	خالد	زفر	حمید	زینب
۱۳/۱۳۲۹	۱۴	۱۳/۱۳۶۲	۱۳/۱۳۶۲	۱۳/۱۳۶۲	۱۳/۱۳۶۲	۱۳/۱۳۶۲	۷/۲۳۱

زید مسئلہ ۶/۶۶/۳۳

بیدہ ۱۴/۷						میت
اخ	اخ	اخ	اخ	اخ	اخ	ام
عمر	بکر	خالد	زفر	حمید	زینب	مریم
۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۱۱/۷۷

الاحیاء							مریم
عمر	بکر	خالد	زفر	حمید	زینب		مریم
۵۳۲	۵۳۲	۵۳۲	۵۳۲	۵۳۲	۲۶۶		۵۰۶
							المبلغ
							۳۲۳۲

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی المفتی

جامع مسجد اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....335﴾

سوال

بعد حمد و صلوة سید المرسلین .

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ارشاد حسین نے وقت انتقال اپنے کے تین بھائی اور دو زوجہ منکوحہ اور دو دختران بہ تفصیل ذیل چھوڑیں۔ ایک بھائی کا نام ولایت حسین اور دوسرا سخاوت حسین اور تیسرا فیاض حسین اور ایک زوجہ اول مرزائی بیگم اور زوجہ دوم سکندر بیگم زوجہ اول لا ولد کوئی اولاد نہیں۔ اور زوجہ دوم سکندر بیگم کی دو دختر ایک کا نام جعفری بیگم دوسری کا نام ممتازی بیگم۔ جعفری بیگم کا انتقال ہوا جس نے ایک شوہر تجمل حسین اور ایک دختر باقری بیگم چھوڑے۔ دختران کے چچا مسمی ولایت حسین کا انتقال ہوا۔ اور ولایت حسین نے چھ لڑکے چھوڑے ان کو ارشاد حسین کے ورثہ میں سے کیا کیا حصہ کس کس کا ہوگا؟

الجواب

صورت مسئلہ میں کل مال متروکہ ارشاد حسین کے بعد ما تقدم علی الارث چار سو بتیس (۴۳۲) حصہ کر کے ستائیس (۲۷-۲۷) دونوں بیویوں ارشاد حسین کو ایک سو چوالیس (۱۴۴) ممتازی کو اور تیس (۳۰،۳۰) حصہ سعادت حسین و فیاض حسین کو اور چھتیس (۳۶) تجمل حسین کو اور ایک سو آٹھ (۱۰۸) باقری کو اور پانچ پانچ (۵۵) حصہ چھ بیٹوں کو ولایت حسین مرحوم دیئے جائیں گے۔

صورتہ ہکذا:

ارشاد حسین مسئلہ ۲۴/۱۴۴/۲۳۲۲

## میت

زوجه	زوجه	بنت	بنت	اخ	اخ	اخ
مرزائی بیگم	سکندر بیگم	جعفری	ممتازی	ولایت حسین سخاوت حسین	فیاض حسین	
۹/۲۷	۹/۲۷	۲۸	۲۸/۱۲۳	۱۰	۱۰/۳۰	۱۰/۳۰
جعفری مسئلہ ۴						

میت	بیدہ ۱۲/۲۸
زوجه تجمل حسین	بنت باقری بیگم
۱/۱۲/۳۶	۳/۳۶/۱۰۸

ولایت حسین مسئلہ ۳/۶

میت	بیدہ ۵/۱۰				
ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
۵	۵	۵	۵	۵	۵

الاحیاء

مرزائی	سکندر بیگم	ممتازی بیگم	سخاوت حسین	فیاض حسین	تجمل حسین
۲۷	۲۷	۱۲۳	۳۰	۳۰	۳۶

باقری ابن (۶)

(۳۰ = ۶ × ۵) ۱۰۸

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی مفتی شہر آگرہ



## ﴿فتویٰ نمبر.....336﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ ممن نے انتقال کیا۔ اور مکان خاص تعمیر شدہ ذات اپنی کا چھوڑا۔ اور وارث اپنے مسماۃ اکبری زوجہ ایک لڑکا بندا، مسماۃ انوری اور سروری دو لڑکیاں چھوڑے۔ جو خاص ممن کے نطفہ سے پیدا تھیں۔

اور ایک وحید لڑکا اور اصغری لڑکی، اکبری کے پیٹ، مگر باپ دوسرا تھا۔ وقت عقد کے ان دونوں نابالغوں کو ہمراہ لائی تھی جس کی شادی ممن نے اپنی ذات سے کسی۔

سروری لڑکی کا انتقال ہوا بعد ممن کے اور اس کے بعد بندا کا انتقال ہوا۔ یہ لڑکی لا ولد تھی اور لڑکا نابالغ۔ اور بعد اس کے اکبری کا انتقال ہوا اور ایک لڑکی انوری جو خاص ممن سے پیدا ہوئی تھی وہ موجود ہے۔ اور وحید لڑکا اور اصغری لڑکی جو کہ اکبری ہمراہ لائی تھی وہ موجود ہے۔ غرض یہ ہے کہ اس کا حصہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

اور مسمیٰ ممن کے خاص دو بھائی تھے شیخ کلاویو جن کا موجودگی ممن میں انتقال ہو چکا تھا اب کلام مرحوم کا لڑکا اور بیو کی پانچ لڑکیاں موجود ہیں ان کا حصہ اس مکان موجودہ میں ہے یا نہیں؟

اور ایک لڑکا ممن کا پرورش کیا ہوا موجود ہے اس کا حصہ بھی مکان موجودہ میں ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو روا

۱۱ شعبان ۱۳۶۶ھ

وحید پسر ممن

## الجواب

وهو الموفق للصواب.

بسم الله الرحمن الرحيم

ممن مسئلہ ۸/۳۲/۱۹۲/۶/۵۷/۱۱۵۲

## میت

زوجہ اکبری	ابن بندو	بنت سروری	بنت انوری
۱۴/۲۳/۷۲	۱۴/۸۳	۷	۷/۳۲/۱۴۶/۲۵۲
سروری مسئلہ			

## میت

ام اکبری	میت	تباہین	بیدہ
۱۴/۲۱	۲/۱۳	۱۴/۲۱/۳۲	۱۴/۲۱/۳۲
بندو مسئلہ ۶/۳	اخ بندو	اخ ت انوری	اخ لام وحید
توافق بالصف	۲/۱۳	۱۴/۲۱/۳۲	۱۴/۲۱/۳۲

بیدہ ۲۹/۹۸

## میت

ام اکبری	میت	اخ ت انوری	اخ لام وحید	اخ ت لام اصغری
۱۴/۹	۳/۱۴۷/۲۹۳	۱۴/۲۱/۳۲	۱۴/۲۱/۳۲	۱۴/۲۱/۳۲

اکبری مسئلہ ۲/۳

میت	توافق بالصف	بیدہ ۷/۱۴۲
بنت انوری	ابن وحید	بنت اصغری
۱/۷۱	۲/۱۴۲	۱/۷۱

الاحیاء

انوری	وحید	اصغری
۶۵۹	۲۸۲	۲۱۱

المبلغ

۱۱۵۲

صورتِ مسئلہ میں بموجب صورتِ مذکورہ بالا بعد ما تقدم علی الارث کل مال ممن کے ایک ہزار ایک سو

.....  
 باون (۱۱۵۲) حصہ کر کے چھ سو انسٹھ (۶۵۹) حصہ انوری کو دیئے جائیں گے اور دو سو بیاسی (۲۸۲) حصہ وحید کو  
 اور دو سو گیارہ (۲۱۱) حصہ اصغری کو اور موجودگی پسر میں بھائی اگر موجود بھی ہوتے ان کو کچھ نہ ملتا پھر بھتیجوں کو کس  
 طرح مل سکتا ہے۔ علی ہذا شریعت میں متنبی یعنی پروردہ کو کچھ نہیں ملتا۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم

حورہ: العبدالراجی  
 ابو محمد محمد دیدار علی لمفتی  
 فی مسجد جامع اکبر آباد



## ﴿توئی نمبر.....337﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ مدار بخش اور ان کے ورثہ کا حسب ترتیب ذیل انتقال ہوا۔ اب ان کی جائداد اور مال متروکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

مدار بخش نے وقت انتقال غلام حسین، وزیر امیر، چھٹا، قادر بخش، حیدر بخش بیٹے اور نصیبین، فہیمہ، چھٹیا بیٹیاں اور نبی بخش، محمد حسین پوتے اور عمدہ پوتی چھوڑی۔

بعدہ چھٹیا بیٹی کا انتقال ہوا اس نے بھی فقط مذکورہ بالا بھائی اور بہنیں اور بھتیجا بھتیجی چھوڑیں۔

علیٰ ہذا حیدر بخش نے بھی یہی بھائی بہن بھتیجے بھتیجی چھوڑیں

پھر غلام حسین نے بھی بھائی بہن بھتیجا بھتیجی کے سوا کچھ نہ چھوڑا پھر وزیر بخش نے بھی یہی ورثہ اور ایک

مسماۃ کماں بیوی چھوڑی پھر امیر بخش نے بھی بجز ورثہ مذکورہ کچھ نہ چھوڑا۔

پھر قادر بخش نے بھی بجز ایک بیوی مسماۃ بیگم اور ورثہ مذکورہ کے کچھ نہ چھوڑا۔

بعدہ فہیمہ نے بھی بجز بھائی بہن بھتیجا بھتیجی مذکورہ کے کچھ نہ چھوڑا۔ بعدہ نصیبانے ورثہ مذکورہ چھوڑے

اور چار بیٹے عبدالحکیم، محمد امین، عنایت حسین، ممتاز حسین اور دو بیٹی امانی حسینی وارث چھوڑے۔ من بعد مسمی چھٹیا

نے وقت انتقال دو بھتیجے نبی بخش امداد حسین اور تین بھتیجی امراون، نذرین، مخدوم چھوڑے۔

من بعد نبی بخش نے ایک بیوی مسماۃ فاطمہ چھوڑی اور دو بیٹی نواب بن، بتولن چھوڑیں۔

اور غلام حسین نے چونکہ بلا نکاح ایک طوائف گھر میں ڈال لی تھی اور زنا سے دو بچے مسمی مصطفیٰ حسین

اور چھٹن پیدا ہوئے تھے لہذا علاوہ بھائی بہن وغیرہ یہ زنا سے دو بیٹے اور چھوڑے تھے۔

امیر بخش نے چونکہ جان محمد کو متبہنی کر لیا تھا لہذا علاوہ بہن بھائیوں کے جان محمد نے لے پا لک بیٹا بھی

چھوڑا تھا۔



## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علماً

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال مدار بخش کے ایک لاکھ اکاون ہزار دو سو (۱۵۱۲۰۰) حصہ کر کے سات ہزار پانچ سو ساٹھ (۷۵۶۰) کماں کو پانچ ہزار نو سو پچاسی (۵۹۸۵) بیگم کو اور باون ہزار تین (۵۲۰۰۳) حصہ امداد حسین کو اور آٹھ ہزار تین سو اسی (۸۳۷۹) امراون کو اور اتنے ہی مخدومین کو اور نذیرین کو اور چھ ہزار تین سو چوراسی (۶۳۸۳) عبدالحکیم کو اور اتنے ہی محمد امین عنایت حسین ممتاز حسین کو اور تین ہزار ایک سو بانوے (۳۱۹۲) امانی کو اور اتنے ہی حسینی کو اور تین ہزار نو سو نوے (۳۹۹۰) فاطمہ کو اور نو ابن کو دس ہزار چھ سو چالیس (۱۰۶۴۰) اور اتنے ہی بتولن کو اور تین ہزار تین سو پچیس (۳۳۲۵) محمد حسین کو دیئے جائیں گے۔

☆ علاوہ بریں زنا سے بلا نکاح جو طوائف کے دولڑکے مصطفیٰ حسین اور چھٹن غلام حسین نے چھوڑے ہیں چونکہ زنا سے ثبوت نسب نہیں ہوتا لہذا ان کو بطریق میراث کچھ نہیں ملے گا۔

☆ اور نہ جان محمد کو اس واسطے کہ شرعاً لے پالک بیٹا نہیں سمجھا جاتا۔ بیٹا وہی ہوتا ہے جو اپنے نطفہ سے پیدا

ہوتا ہو۔ واللہ اعلم و صورته هكذا

مدار بخش مسئلہ ۱۵/۲۹۰/۲۲۰/۳۳۶۰/۱۶۸۸۰/۵۰۳۰۰/۱۵۱۲۰۰

میت

ابن	ابن	ابن	ابن
غلام حسین	وزیر	امیر	چھٹا
۲/۲۸/۵۶	۲/۲۸/۵۶	۲/۲۸/۵۶/۲۲۴۸	۲/۲۸/۵۶/۲۲۴۸/۲۲۴۰/۶۷۲۰
ابن	ابن	بنت	بنت

چھٹیا	نصیبا	حیدر	قادر بخش
۱	۱۱۲۰/۲۲۴/۲۸/۱۳	۲/۲۸	۲/۲۸/۵۶/۲۲۸
بنت الابن	ابن الابن	ابن الابن	بنت
عمہ	محمد حسین	نبی بخش	فہیما
م	م	م	۱۱۲۰/۲۲۴/۲۸/۱۳
چھٹیا مسئلہ			
		بیدہ ۱	میت
اخ	اخ	اخ	اخ
قادر بخش حیدر	چھٹا	امیر	غلام حسین
۲	۲/۳۲	۲/۳۲	۲/۳۲
بنت الاخت	ابن الاخ	ابن الاخ	اخت
عمہ	محمد حسین	نبی بخش	نصیبا
م	م	م	۱۲/۱۶/۸۰/۲۴۰
		توافق بالسدس	حیدر بخش مسئلہ ۱۲
		بیدہ ۵/۳۰	میت
اخت	اخ	اخ	اخ
فہیما	قادر بخش	چھٹا	امیر
۱/۵/۳۰/۲۰۰	۲/۱۰/۸۰	۲/۱۰/۸۰	۲/۱۰
		۲/۱۰/۸۰/۳۰۰/۱۲۰۰	۲/۱۰
		ابناء الاخ	اخت
		نبی بخش	نصیبا
		محمد حسین	
		عمہ	
		م	۱/۵/۳۰/۲۰۰/۶۰۰

## غلام حسین مسئلہ را

میت ۷/۷۰

اغت	اغت	اغت	اغت	اغت
فہیما	قادر بخش	چھٹا	امیر	وزیر
۱/۷/۵۶/۲۸۰	۲/۱۳/۱۱۲	۲/۱۳/۱۱۲/۵۶۰/۱۶۸۰	۲/۱۳/۱۱۲	۲/۱۳

بنت الاغت

ابناء الاغت

اغت

عمدہ

نبی بخش، محمد حسین

نصیبیا

م

م

م

۱/۷/۵۶/۲۸۰/۸۳۰

وزیر بخش مسئلہ ۸/۳۲/۳

بیدہ

توافق بالربع

میت

اغت  
قادر بخشاغت  
چھٹااغت  
امیرزوجہ  
کمان

۶/۱۲۶

۶/۱۲۶/۶۳۰/۱۸۹۰

۶/۱۲۶

۱/۸/۱۶۸/۸۳۰/۲۵۲۰/۷۵۶۰

بنت الاغت

ابناء الاغت

اغت

اغت

عمدہ

نبی بخش - محمد حسین

فہیما

نصیبیا

م

م

م

۳/۶۳/۳۱۵

۳/۶۳/۳۱۵/۹۳۵

امیر بخش مسئلہ ۶

بیدہ ۱۳۳/۷۹۸

میت

اغت  
فہیمااغت  
نصیبین

اغت

اغت

قادر بخش

چھٹا

۱/۱۳۳/۶۶۵

۱/۱۳۳/۶۶۵/۱۹۹۵

۲/۲۶۶

۲/۲۶۶/۱۳۳۰/۳۹۹۰

بنت الاخ

ابناء الاخ

عمہ

نبی بخش محمد حسین

م

م

قادر بخش مسئلہ ۵/۳۰/۸ توافق بالٹمن

بیدہ ۱۳۳/۱۰۶۳۰

میت

بنت

ابن

زوجہ

امراون

امداد حسین

بیگم

۷/۹۳۱/۲۷۹۳/۸۳۷۹

۱۳/۱۸۶۲/۵۵۸۶/۱۶۷۵۸

۱/۵/۶۶۵

اغت  
اغت  
اغت  
فہیما  
فہیما  
م

بنت  
بنت  
نذیرین  
مخدومن  
۷/۹۳۱/۲۷۹۳/۸۳۷۹  
۷/۹۳۱/۲۷۹۳/۸۳۷۹

بنت الاخ

ابناء الاخ

م

م  
فہیما مسئلہ ۳

تبارین

بیدہ ۲۶۶۰

میت

بنت الاخ

ابناء الاخ

اغت

اغت

م

م

نصیبہ

چھٹا

۱/۲۶۶۰

۲/۵۳۲۰

مسئلہ ۱

نصیبہ

بیدہ ۱۰۶۳/۱۰۶۳۰

میت

بنت

ابن

ابن

ابن

امانی

ممتاز حسین

عنایت حسین

محمد امین

عبدالکیم

۱/۱۰۶۳/۳۱۹۲ ۲/۲۱۶۸/۶۳۸۴

۲/۲۱۶۸/۶۳۸۴

۲/۲۱۶۸/۶۳۸۴

۲/۲۱۶۸/۶۳۸۴

بنت حسینی	اخ	اہماء الاخ	بنت الاخ
۱۰۶۴/۳۱۹۲	م	م	م
چھٹا مسئلہ ۲			
میت		بیدہ ۱۰۶۴۰/۲۱۲۸۰	
ابن الاخ		ابن الاخ	بنات الاخ
نبی بخش		امداد حسین	امراون۔ نذیرن۔ مخدومن
۱۰۶۴۰/۳۱۹۲۰		۱۰۶۴۰/۳۱۹۲۰	م م م
نبی بخش مسئلہ ۲۲/۲۸			
توافق بستہ عشر			
میت		بیدہ ۲۶۵/۱۰۶۴۰	
زوجہ	بنت	ابن العم	بنت العم
فاطمہ	نوابن	امداد حسین	محمد حسین
۳/۶/۳۹۹۰	۸/۱۶/۱۰۶۴۰	۵/۳۳۲۵	۵/۳۳۲۵
			م
الاحیاء			
کمان بیگم	امداد حسین	امراون نذیرن مخدومن عبدالحکیم	محمد امین
۷۵۶۰	۵۹۸۵	۸۴۷۹	۶۳۸۴
۵۲۰۰۳		۸۴۷۹	
عنایت حسین	ممتاز حسین	امانی حسینی فاطمہ نوابن بتولن محمد حسین	
۶۳۸۴	۶۳۸۴	۳۱۹۲	۳۳۲۵
		۳۹۹۰	۱۰۶۴۰
۱۵۱۴۰۰		۱۰۶۴۰	

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی  
 ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی فی جامع اکبر آباد  
 ۲۲ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ



## ﴿فتویٰ نمبر.....338﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد بخش ہمارے دادا نے عرصہ 80 سال کا ہوا کہ وفات پائی انہوں نے دو لڑکے بڑا شیخ عنایت اللہ اور چھوٹا شیخ نصر اللہ اور ایک اپنی بیوہ اور دو مکان چھوڑے۔ عرصہ 50 سال کا ہوا بڑے لڑکے شیخ عنایت اللہ نے وفات پائی اور انہوں نے تین لڑکے احمد اللہ انعام اللہ و غلام جیلانی اور ایک اپنی زوجہ چھوڑی۔ چند سال بعد زوجہ محمد بخش مرحوم نے انتقال کیا۔

اور اس کے چند سال بعد چھوٹے لڑکے شیخ نصر اللہ نے اپنی حیات میں ہر دو مکان کو بضرورت خود رہن رکھ دیا بابت مکان نمبر 1 مرتہن نے نالش دائر عدالت کی۔ مکان نمبر 1 زیر رہن میں فرق ہو گیا۔ پسران شیخ عنایت اللہ مرحوم نے جو اس وقت نابالغ تھے عدالت میں عذر داری کر دی کہ ہم نابالغان کے حصہ کارہن رکھنے کا چچا کو اختیار نہ تھا۔ عدالت سے مکان مذکور میں نصف حصہ ثابت کیا گیا اور نصف مکان جو حصہ نصر اللہ سمجھا گیا نیلام کر دیا گیا۔ اس پر ہم لوگ قابض اور ذخیل ہیں۔ ایک بھائی ہمارا انعام اللہ درمیان میں فوت ہو گیا۔ باقی دو بھائی احمد اللہ و غلام جیلانی اب تک اس پر قابض اور ذخیل چلے آتے ہیں۔

بعد گزرنے زمانہ 45 سال کے پسر شیخ نصر اللہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس مکان نمبر 1 میں میری دادی کا حق ہے مجھ کو دیا جائے۔ آیا وہ کچھ پانے کا مستحق ہے؟

اور دوسرا مکان نمبر 2 جو غلی رہن تھا بعد وفات شیخ نصر اللہ من جانب مرتہن بیع ہو گیا ہے۔ چونکہ مکان 2 موروثی جائداد ہے۔ اس مکان میں شرعی کچھ حصہ پسران شرعی دادی کا پسر شیخ نصر اللہ کا نکلے تو وہ حصہ حالت موجودہ سے دیا جائے گا یا حالت سابقہ سے؟ کیوں کہ بوجہ کہنہ اور بوسیدہ ہونے کے مکان کو پسران شیخ عنایت اللہ نے از سر نو بنوایا ہے۔

بینوا بالکتاب وتوجروا بالصواب

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم رب زدني علما

محمد بخش مسئلہ ۱۶/۸/۱۱۵۲/۹۲۱۶

میت

زوجه	ابن	ابن
مریم	عنایت اللہ	نصر اللہ
۱۲/۲۲	۷	۷/۵.۴

عنایت اللہ مسئلہ ۷/۲۲

زوجه	ام	ابن	ابن	ابن
فاطمہ	مریم	احمد اللہ	انعام اللہ	غلام جیلانی
۳/۹/۶۳/۵۰۴	۴/۱۲/۸۴	۱۷/۱۱۹/۹۵۲	۱۷/۱۱۹/۹۵۲	۱۷/۱۱۹/۹۵۲

مریم مسئلہ

بیدہ ۲۸۸

میت

ابن نصر اللہ

۲۸۸

نصر اللہ مسئلہ ۳۲/۸

میت توافق با مریم بیدہ ۱۸۲/۷۳۲

زوجه	ابن	بنت	بنت
زینب	عمر	زیدن	خانم
۱/۳/۷۳۳	۱۳/۲۵۶۲	۷/۱۲۸۱	۷/۱۲۸۱

## اللهم أرنا الحق حقا والباطل باطلا

صورتِ مستولہ میں بعد ما تقدم علی الارث کل مال محمد بخش کے نو ہزار دو سو سولہ (۹۲۱۶) حصہ کر کے حسب صورتِ مذکورہ بالا فاطمہ کو پانچ سو چار (۵۰۴) حصہ دیئے جائیں گے اور احمد اللہ کو نو سو باون (۹۵۲) اور اتنے ہی انعام اللہ کو اتنے ہی غلام جیلانی کو اور سات سو تیس (۷۳۲) حصہ زینب کو اور دو ہزار پانچ سو باسٹھ (۲۵۶۲) حصہ عمر کو اور ایک ہزار دو سو کیا سی (۱۲۸۱) زیدین اور اتنے ہی خانم کو بدیں تفصیل

## الاحیاء

فاطمہ	احمد اللہ	انعام اللہ	غلام جیلانی	زینب	عمر	زیدین
۵۰۴	۹۵۲	۹۵۲	۹۵۲	۷۳۲	۲۵۶۲	۱۲۸۱
المبلغ						
۹۲۱۶						

لہذا کل مال محمد بخش سے من جملہ ۹۲۱۶ حصوں کے تین ہزار تین سو ساٹھ (۳۳۶۰) کے حقدار عنایت اللہ کے تینوں بیٹے اور بیوی رہے اور پانچ ہزار آٹھ سو چھپن (۵۸۵۶) حصوں کے حقدار نصر اللہ کے بیٹا، بیٹی اور بیوی رہے۔

اور اگر محمد بخش کی بیوی مریم نے قبل تقسیم حصص مہر بھی لیا ہوگا تو وہ بھی اور جو بھی اس کی ملک ہوگا تو وہ بھی نصر اللہ کے ذریعہ سے فقط ورثہ نصر اللہ کا ہے۔

پھر حسب تفصیل مذکورہ تقسیم ہوگا میراث نصر اللہ اور اس میں سے اولاد عنایت اللہ کو کچھ نہیں مل سکتا اس واسطے کہ عنایت اللہ مریم سے پہلے ہی مرچکا تھا اور موجودگی بیٹے میں دادی کے مال سے پوتوں کو کچھ نہیں مل سکتا۔ البتہ انعام اللہ کے مال سے اگر انعام اللہ بعد مریم مرا ہے۔ نصر اللہ کی اولاد کو کچھ نہیں مل سکتا اور اگر انعام اللہ مریم اپنی دادی کے سامنے مرا ہے تو جب بھی انعام اللہ سے اولاد نصر اللہ کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس واسطے کہ دادی کو موجودگی ام میں جو فاطمہ ام انعام اللہ کو کچھ نہیں ملتا۔ لہذا کل مال انعام اللہ کا انعام اللہ کے بھائی اور ماں ہی کو ملے گا۔



اب صورتِ مسئلہ اس طرح ہو جائے گی کہ بعد ما تقدم علی الارث زرمہر دیگر دیون میت وغیرہ کے کل مال میت کے ستائیس ہزار چھ سو اڑتالیس (۲۷۶۳۸) حصہ کر کے انیس سو اٹھاسی (۱۹۸۸) حصہ فاطمہ کو دیئے جائیں گے اور احمد اللہ کو چار ہزار چھیا لیس (۴۰۳۶) اور اتنے ہی غلام جیلانی کو۔

لہذا جملہ ورثہ عنایت اللہ کے دونوں مکانوں میں دس ہزار اسی (۱۰۰۸۰) حصہ ہوئے اور ورثہ نصر اللہ سے زینب کو دو ہزار ایک سو چھیا نو نے (۲۱۹۶) حصہ دیئے جائیں گے اور عمر کو سات ہزار چھ سو چھیا سی (۷۶۸۶) اور زیدن کو تین ہزار آٹھ سو تینتالیس (۳۸۴۳) اور اتنے ہی حصہ خانم کو دیئے جائیں گے۔ لہذا جملہ ورثہ نصر اللہ کے کل سترہ ہزار پانچ سو اڑسٹھ (۱۷۵۶۸) حصہ ہوں گے حصہ صورت آئندہ

اور پسرانِ عنایت اللہ نے جس قدر نیا مکان اس زمین میں جو حصہ پسرانِ نصر اللہ خان میں آئے بنا لیا ہے اگر باجارت نصر اللہ یا پسرانِ نصر اللہ بنایا ہے۔ زمین مع نو ساختہ مکان پسرانِ نصر اللہ کو دے دی جائے گی اور بعد منہائی قیمت اس قدر بلے کی جو اصل مکان سے بھصہ پسرانِ نصر اللہ آئے۔ پسرانِ نصر اللہ سے اسی قدر روپیہ جو بنوانے مکانِ جدید میں بھصہ نصر اللہ صرف ہوا ہے۔ پسرانِ عنایت اللہ کو دلوایا جائے۔

چنانچہ یہ امر اس روایت سے جو جامع الفصولین کے صفحہ ۱۶۰ میں مذکور ہے دائر ہے۔ و ہذہ عبارتہ

الاصل ان من بنی فی دار غیرہ بامر فالبناء فلرب الدار و یرجع علیہ بما انفق۔

☆ (ترجمہ: قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کسی دوسرے شخص کے گھر میں اس کے حکم سے کوئی تعمیر کی تو وہ تعمیر کردہ عمارت گھر کے مالک کی ہوگی اور تعمیر کرنے والے نے جو کچھ خرچ کیا اس کی وصولی کے لیے گھر کے مالک کی طرف رجوع کرے)

☆ اور اگر پسرانِ عنایت اللہ نے بلا اجازت پسرانِ نصر اللہ کے ان کے حصہ میں اپنے واسطے مکان بنا لیا تھا تو اس مکان کی وہی مالک رہیں گے مگر مالکِ زمین جب چاہے اپنی زمین کو مکان گروا کر لے سکتا ہے۔ اور اگر بتراضی و طرفین زمین کی قیمت مالکِ زمین کو دے دے تو مضانقہ نہیں۔ اور اگر بانی مکان نے زمین والے کے

.....  
 واسطے ہی مکان بنوایا تھا تو مکان وزمین دونوں کا مالک زمین والا ہی رہے گا اور لاگت مکان بھی نہ دلوائی جائے گی۔

چنانچہ صفحہ ۵۲۷ در مختار مطبوعہ علی ہاشم در المختار مصری میں ہے:

عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دين عليها لصحة امرها ولو عمر

لنفسه بلا اذنها فالعمارة له ويكون غاصبا للعرصة فيومر بالتفريغ بطلبها ذلك ولها بلا

اذنها فالعمارة لها وهو متطوع ما هكذا في الشافى ۱

(ترجمہ: کسی نے اپنے مال سے عورت کی اجازت کے ساتھ اس کا گھر تعمیر کیا تو وہ عمارت عورت کی ملکیت ہوگا

اور خرچ شدہ رقم اس کے ذمہ دین ہوگا کیوں کہ اس کا حکم کرنا درست ہے۔ اور اگر خاوند نے اپنی ذات کے لیے

اس کی اجازت کے بغیر (اس کی جگہ پر) تعمیر کیا تو تعمیر کردہ مکان خاوند کا ہے اور وہ اس زمین کا غاصب ٹھہرے

گا جب وہ مطالبہ کرے تو اس کو وہ جگہ خالی کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر خاوند نے عورت کے اجازت کے بغیر

اس کی زمین پر عورت کے لیے گھر تعمیر کیا تو وہ عمارت عورت کی ہے اور مرد خوشی سے خرچ کرنے والا شمار ہوگا)

محمد بخش

میت

ابن نصر اللہ

ابن عنات اللہ

زوجہ

۷/۵۰۴/۶۰۴۸

۷

۱۲/۱۴۴

عنایت اللہ مسئلہ ۷۲/۲۴

میت بیہ ۷

ابن احمد اللہ

ام مریم

زوجہ قاطمہ

ابن غلام جیلانی

ابن انعام اللہ

۱۷/۱۱۹/۱۴۲۸/۲۸۶۵

۴/۱۲/۸

۴۳/۹/۶۳/۷۵۶/۱۵۱۲

۷/۱۱۹/۱۴۲۸/۲۸۶۵

۱۷/۱۱۹

## مریم مسئلہ ۱

میت

ابن نصر اللہ	ابن الام بن احمد اللہ	ابن الام بن انعام اللہ	ابن الام بن غلام جیلانی
۲۸۸/۲۷۳۶	م	م	م

انعام اللہ مسئلہ ۱۲/۶

میت

جدہ مریم	ام فاطمہ	ارخ احمد اللہ	ارخ غلام جیلانی
م	۱/۲/۲۳۸/۳۷۶	۵/۵۹۵/۱۱۹۰	۵/۵۹۵/۱۱۹۰

نصر اللہ مسئلہ ۳۲/۸

میت

زوجہ زینب	ابن عمر	بنت زیدین	بنت خانم
۱/۳/۲۱۹۶	۱۲/۷۶۸۶	۷/۳۸۴۳	۷/۳۸۴۳

الاحیاء

فاطمہ احمد اللہ	غلام جیلانی	زینب	عمر	زیدین	خانم
۳۰۳۶ ۱۹۸۸	۳۰۳۶	۲۱۹۶	۷۶۸۶	۳۸۴۳	۳۸۴۳

المبلغ

۲۷۶۳۸

حودہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی المفتی

فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....339﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور پانچ ورثا چھوڑے۔ دو بی بی، دو بھائی، ایک بہن۔ اس شخص کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

## الجواب

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث میر دو زوجہ وغیرہ کل مال زید کے چالیس حصہ کر کے پانچ پانچ حصہ دونوں زوجہ کو اور بارہ بارہ حصہ دونوں بھائیوں کو اور چھ حصہ بہن کو حسبِ مسطور ذیل دیئے جائیں گے۔

زید مسئلہ ۴۰

		میت			
زوجہ	زوجہ	اخ	اخ	اخت	
۵	۵	۱۲	۱۲	۶	

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد



﴿فتویٰ نمبر.....340﴾

سوال

ایک لڑکی ڈھائی برس کی ہے جس کے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بہن، خالہ سب کا انتقال ہو گیا ہے۔ فقط اس کے قرابتیوں میں سے یہ رشتہ دار باقی ہیں۔ اس کی ماں کا ماموں اور تین چچا تایا اور تین پھوپھی۔ اس مال کا جو اس لڑکی کے ماں باپ نے بوقت مرگ مکان وغیرہ چھوڑا ہے اس میں اس لڑکی کا کتنا حصہ ہے؟ اور اس کی ماں کے بھائی بہنوں اور اس کے باپ کے بھائی بہنوں کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب

کل مال پدر سے لڑکی کو نصف ملے گا۔ اس طرح کہ کل مال زید پدر دختر کے اٹھارہ حصہ کر کے اس میں سے نو حصہ لڑکی کے ہوں گے۔ دو دو حصہ تینوں زید کے بھائیوں کے اور ایک حصہ زید کی تینوں بہنوں کا جو لڑکی کی تین پھوپھیاں ہیں اور مال کا چونکہ بجز اس نابالغہ کے اور ایک ماموں کے جو ذوی الارحام سے ہے اور کوئی وارث نہیں ہے۔ ☆ لہذا کل مال والدہ نابالغہ مذکورہ کا اس لڑکی نابالغہ کو ملے گا۔

☆ پھر لڑکی کے حصہ کا کل مال اگر لڑکی کی پرورش کی ضرورت ہو وہاں خرچ کیا جائے گا ورنہ چچا تایوں میں جو امانت دار ہو۔ اس کے پاس لڑکی کے بالغ ہونے تک محفوظ رہے۔

واللہ اعلم وعلمہ احکم

حردہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ

محمد دیدار علی لکھنوی المفتی فی جامع اکبر آباد

۱۶ فروری ۱۹۱۸ء



## ﴿فتویٰ نمبر.....341﴾

### سوال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کریم بیگ نے وقت انتقال ایک جائیداد مشترکہ چھوڑی جو آدھی کریم بیگ کی تھی اور آدھی الف بیگ بردار حقیقی کریم بیگ کی اور یہ وارث چھوڑے۔  
زوجہ مغلانی چار بیٹے نعیم بیگ، ابراہیم بیگ، تقسیم بیگ، مستقیم بیگ، دو دختر امر او خانم، بادشاہی خانم، مگر مغلانی نے کل جائیداد حصہ کریم بیگ اپنے مہر میں نیلام کرادی جس کو الف بیگ پہلی بیوی مسماۃ کہی نے خریدلی۔  
بعدہ کہی کا انتقال ہوا اس نے یہ وارث چھوڑے۔ شوہر الف بیگ، دختر نظامی دو برادر احمد حسین، تجمل حسین۔

بعدہ الف بیگ کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک بیوی چھوڑی، مسماۃ خانم اور دو دختر ایک اپنی زوجہ اول مسماۃ کہی سے مسماۃ نظامی بیگم اور ایک زوجہ دوم مسماۃ خانم سے مسماۃ ثریا بیگم اور ایک بہن مسماۃ امامی بیگم اور چار بھتیجے اور دو بھتیجی

بعدہ تجمل حسین کا انتقال ہوا اس نے یہ ورثہ چھوڑے۔ زوجہ رفیق بیگم اور دو لڑکے جمیل حسن و جلیل حسن اور تین لڑکی عزیز بیگم، شریف بیگم، شفیق بیگم اور ایک بھائی احمد حسین۔

بعدہ عزیز بیگم کا انتقال ہوا۔ اس نے ایک ماں رفیق بیگم اور دو بھائی جمیل اور جلیل اور دو بہن شریف بیگم اور شفیق بیگم اور ایک چچا احمد حسین کو چھوڑا۔

بعدہ نعیم بیگ کا انتقال ہوا اس نے ایک بیوی نظامی کو اور ایک ماں مسماۃ مریم مغلانی اور تین بھائی ابراہیم بیگ، مستقیم بیگ، تقسیم بیگ اور دو بہن امر او بیگم اور بادشاہی بیگم کو چھوڑا۔  
بعدہ امر او بیگم کا انتقال ہوا اس نے ایک بہن بادشاہی بیگم چھوڑی اور تین بھائی ابراہیم، مستقیم، تقسیم اور ایک ماں مغلانی۔

بعدہ نظامی کا انتقال ہوا اس نے دو بھتیجے جلیل اور جمیل اور دو بھتیجی شریف بیگم اور شفیق بیگم اور

اندریں صورت ترکہ الف بیگ و کہی کس طرح تقسیم ہوگا؟ اس واسطے کہ نعیم بیگ نے تو کچھ ترکہ نہ چھوڑا۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم .

اللهم رب زدنی علما

صورت مسئلہ میں اول بعد ما تقدم علی الارث کل جائداد زر خرید کہی اس طرح تقسیم ہوگی کہ کل جائداد کہی کے ایک ہزار ایک سو باون (۱۱۵۲) حصہ کر کے دو سو اٹھاسی (۲۸۸) حصہ الف بیگ کو دیئے جائیں گے اور پانچ سو چھتر (۵۷۶) نظامی کو اور ایک سو چوالیس (۱۴۴) احمد حسین کو اور چوبیس (۲۴) رفیق بیگم اور چالیس (۴۰) جمیل اور چالیس (۴۰) ہی جلیل کو اور بیس (۲۰) شریف بیگم کو اور بیس (۲۰) ہی شفیق بیگم کو۔

صورتہ هذا

کہی مسئلہ ۱۱۵۲/۶۳/۴

زوج	بنت	اخ	اخ
الف بیگ	نظامی	احمد حسین	تجمل حسین
۱/۲/۱۶/۲۸۸	۲/۳/۳۲/۵۷۶	۱/۸/۱۴۴	۱
تجمل حسین مسئلہ ۸			

میت

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	اخ
رفیق بیگم	جمیل حسن	جلیل حسن	شریف بیگم	عزیز بیگم	شفیق بیگم	احمد حسین
۱/۱۸	۲/۳۶	۲/۳۶	۱/۱۸	۱	۱/۱۸	۴
عزیز بیگم مسئلہ ۱۸/۳						

میت

ام	اخ	اخ	اخ	اخت	اخت	عم
----	----	----	----	-----	-----	----

رفیق بیگم	جلیل	جمیل	شریف بیگم	شفیق بیگم	احمد حسین
۱۶	۴	۴	۲	۲	۴

الاحیاء

الف بیگ	نظامی	احمد حسین	رفیق بیگم	جمیل	جلیل	شفیق بیگم	شریف بیگم
۲۸۸	۵۷۶	۱۴۴	۲۴	۴۰	۴۰	۲۰	۲۰

المبلغ

۱۱۵۲

اور نصف جائداد الف بیگ معہ اس حصہ کے جو الف بیگ کو جائداد زر خرید کہی اپنی زوجہ سے ملا ہے اس طرح تقسیم ہوگی کہ کل مال الف بیگ کے چوبیس حصہ کر کے تین حصہ خانم زوجہ الف بیگ کو ملیں گے اور آٹھ حصہ ثریا بنت الف بیگ کو جو خانم زوجہ ثانی سے ہے اور آٹھ ہی نظامی بنت الف بیگ کو جو زوجہ اول مسماۃ کہی سے ہے اور پانچ حصہ امامی خانم اخت الف بیگ کو اور بھتیجیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ صورتہ ہکذا

الف بیگ مسئلہ

زوجہ خانم	بنت ثریا خانم	بنت نظامی	اخت امامی خانم
۳	۸	۸	۵

اور نعیم بیگ نے کچھ مال چھوڑا نہیں لہذا اس کی تقسیم کی حاجت نہیں۔

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ

ابو محمد محمد دیدار علی

المفتی فی جامع اکبر آباد

مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ





## ﴿فتویٰ نمبر.....342﴾

## سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی وفات کے بعد حسب ذیل ورثہ چھوڑے ایک بیوی دو لڑکیاں۔ بعد انتقال زید کے چار ماہ بعد ایک لڑکا پیدا ہوا اور چار ماہ زندہ رہ کر فوت ہو گیا اور صرف ایک بیوہ دو لڑکیاں باقی رہ گئیں۔ ترکہ مورث ورثہ پر کس طرح تقسیم ہوگا؟

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ

## الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔

اللهم رب زدنی علما

صورتِ مسئلہ میں بعد ما تقدم علی الارث اور انحصار ورثہ کے ورثہ مذکورہ میں کل مال زید کے ایک سو ساٹھ حصہ کر کے ۳۴ حصہ مریم کو دیئے جائیں گے۔ اور ۶۳ حصہ زینب کو اور اتنے ہندہ کو۔ صورتہ ہکذا

زید مسئلہ ۱۶۰/۳۲/۸

میت

زوجہ	ابن	بنت	بنت
مریم	بکر	ہندہ	زینب
۱۴/۲۰	۱۴	۷/۳۵	۷/۳۵
بکر مسئلہ			

بیدہ (۱۴)

میت

اخت

اخت

ام

زینب

ہندہ

مریم

۲/۲۸

۲/۲۸

۱/۱۳

الاحیاء

مریم ہندہ زینب

۶۳ ۶۳ ۳۳

لمبلغ

۱۶۰

حورہ: العبدالراجی رحمۃ ربہ  
 ابو محمد محمد دیدار علی الحسنی المفتی فی جامع اکبر آباد



## ﴿فتویٰ نمبر.....343﴾

### سوال

عرض حال یہ ہے کہ یہاں پر ایک مولوی صاحب نے وعظ میں فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک شہادت کے بعد کئی روز تک نہایت ناگفتہ بہ حالت میں پڑی رہی اور آپ کی ایک ٹانگ (نعوذ باللہ) کتوں نے چبا ڈالی۔ مولوی صاحب اس واقعہ کو ایک تاریخی واقعہ بتلاتے ہیں۔ لہذا مفصل تحریر فرمائیے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی سے جو دریافت کیا گیا تو وہ ایسا تحریر فرماتے ہیں۔ امام حافظ ابن حجر عسقلانی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں فرماتے ہیں۔

قال الزبير ابن بكار بويوع يوم الاثنين لليلة بقيت من ذى الحجة سنة ثلاث و عشرين و قتل يوم الجمعة لثمان عشرة خلت من ذى الحجة بعد العصر ووفن ليلة السبت بين المغرب والعشاء.

(ترجمہ: حضرت زبیر بن بکار نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیعت ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ کو کی گئی۔ جمعہ کے دن اٹھارہ ذی الحجہ کو عصر کے بعد آپ کو شہید کیا گیا اور ہفتہ کے کی رات کو مغرب اور عشاء کے ماہین آپ کو دفن کیا گیا)

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے تحفہ اثنا عشریہ میں امیر المؤمنین ذوالنورین رضی اللہ عنہ دسویں طعن میں اول ملائین سے نقل کیا کہ :

بعد از قتل اورا تاسہ روز افتادہ گذاشتند و بدفن اونپر داختمند

(ترجمہ: بعد مارے جانے کے تین روز اسی طرح پڑا رہنے دیا کسی نے دفن نہیں کیا) (۳)

۱	کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ	جلد ۲ ، صفحہ ۳۶۳	مطبوعہ مکتبہ المثنیٰ لبنان
۲	تحفہ اثنا عشریہ	صفحہ	مطبوعہ ترکی
۳	ترجمہ اردو تحفہ اثنا عشریہ	صفحہ ۶۷۶	نور محمد اصح المطابع کراچی

کتوں کا لفظ اس طعن میں نہیں ہے۔ پھر جواب میں بہت سی روایت ذکر کر کے فرمایا:-

ازیس روایات مشہورہ متعددہ ثابت شدہ تاسہ روز افتادہ ماندن لاشِ عثمان محض افتراء و دروغ ست و در جمیع تواریخ تکذیب آن موجود است زیرا کہ باجماع مورخین شہادت عثمان بعد از عصر روز جمعہ ہیژدہم ذی الحجہ واقع شدہ است و دفن او در بقیع شب شبینہ وقوع یافت بلاشبہ انتہی

(ترجمہ: اور انہیں چند روایات سے ثابت<sup>۱</sup> ہوا کہ تین روز لاشِ عثمان کا پڑا رہنا جو کہتے ہیں یہ بھی محض افتراء و دروغ ہے۔ سب تواریخ دانوں نے اس بات کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ تکذیب اس کی تواریخ میں موجود ہے۔ اس واسطے کہ سب مورخ متفق ہیں کہ جمعہ کے دن اٹھارہویں ذی الحجہ کو بعد عصر عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور دو شنبہ کی شب بقیع میں دفن کیا بے شبہ<sup>۲</sup>)

ورایتی کتبت فی بعض تعلیقاتی الحدیثیة و هذا ایضا تجاوز نعم لا تقبل المناکیر المنکرات فی مقابله المشهورات المقبولات. واللہ تعالیٰ اعلم فقط

(ترجمہ: مجھے اپنے بارے میں گمان ہے کہ میں نے بعض اپنی جدید تعلیقات میں لکھا ہے کہ یہ بھی (حق سے) تجاوز ہے۔ ہاں مقبول اور مشہور روایات کے مقابلہ میں مجہول اور منکر روایات کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶ھ

عبدالوہاب مدرس مدرسہ بھرت پور معرفت مولوی سعادت اللہ

۱ تحفہ الٹنا عشریہ

۲ ”اور یہ بھی انہی چند روایات سے ثابت ہوا“ درست ترجمہ نہیں ہے بلکہ صحیح ترجمہ یوں ہے۔ ان متعدد (کئی ایک) مشہور

مرتب عنہ

روایات سے ثابت ہوا)

۳ اردو ترجمہ تحفہ الٹنا عشریہ صفحہ ۶۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

## الجواب

هو الموفق للصواب .

بسم الله الرحمن الرحيم

استیعاب ابن عبدالبر و تاریخ طبری کے دیکھنے سے جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تاریخ شہادت اور تاریخ دفن میں بہت کچھ اختلاف ہے علامہ طبری صفحہ ۱۴۵ جلد خامس اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

یعقوب بن زید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن اٹھارہ ذی الحجہ کو بعد عصر ۳۶ء میں شہید کئے گئے اور دوسرے راوی کہتے ہیں کہ ۳۵ میں شہید کئے گئے۔ عامر شعمی کہتے ہیں کہ وفات رسول اللہ ﷺ سے ۲۵ سال بعد صبح کے وقت شہید کئے گئے بعض کہتے ہیں صبح یعنی چاشت کے قریب علی ہذا بعض کہتے ہیں کہ آپ کی لاش مبارک دو روز بے گور و کفن رہی اور بعض کہتے ہیں کوڑا ڈالنے کی جگہ تین دن بے گور و کفن رہی۔

☆ علی ہذا القیاس چونکہ یہ تاریخیں مدت بعد لکھی گئی ہیں کسی نے کچھ بیان کیا کسی نے کچھ کہا۔ ☆ بہر حال چونکہ زیادہ معتبر قابل اعتبار یہی روایت ہے ☆ کہ بعد عصر اٹھارہ ذی الحجہ کو بروز جمعہ شہید کئے گئے اور ہفتہ کی شب کو بقیع کے حش الکوکب نامی ایک باغچے میں جس کو آپ نے خرید کر بقیع میں داخل کر دیا تھا اور بطریق کرامت یا غالباً حضور ﷺ کی بشارت کے موافق ہمیشہ جب آپ وہاں تشریف لاتے فرماتے کہ یہاں ایک مرد صالح دفن کیا جائے گا دفن کئے گئے۔

كما هو ظاهر من تصريحات التحفة والطبری والاستيعاب لابن عبدالبر .

☆ اور گورستان یہود میں جس کا نام دیر سلع تھا بعض بلوائیوں نے دفن کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر وہاں دفن نہ کر سکے اور چند صحابہ و تابعین نے ملائکہ کے آواز اطمینان دہ سن کر فرشتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو

جہاں کی نسبت آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ایک مرد صالح دفن ہوگا وہاں ہی حش الکوکب باغیچہ ربیع میں دفن کئے گئے اور روایت کتے کی تو روایت کتے ہی کی ہے علی ہذا روایت دفن کی گورستان یہود میں۔

☆☆ بہر نوح جو بھی کچھ ہوا موجب ترقی و مرآتپ شہادت حضرت عثمان تھا ☆ جیسے حضرت سید الشہداء جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ کی لاش مبارک پر گھوڑوں کو دوڑایا جانا اور کئی روز لاش مبارک کا بے گور و کفن رہنا موجب ترقی مرآتپ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ تھا۔ ان واقعات کو بطریق تنقیص و اہانت بیان کرنا موجب خوف زوال ایمان ہے۔ اللہ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو تنقیص مرآتپ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بچائے آمین

حورہ: العبد الراجی رحمۃ ربہ القوی

ابو محمد محمد دیدار علی مفتی جامع مسجد آگرہ

نوٹ: معرفت عمران گل طالب علم بمولوی سعادت اللہ صاحب فرستادہ شد



## ﴿فتویٰ نمبر.....344﴾

### سوال

مولا عمر (رضی اللہ عنہ) نے بزغالہ منخقہ یعنی گردن مروڑا بہن کو کھلانا چاہا اور انہوں نے کھانے سے انکار کیا حالانکہ ممانعت منخقہ اس وقت نہ تھی پھر کیوں انکار کیا؟

جناب مولوی غلام محی الدین خان صاحب

امام جامع مسجد شاہجہاں پور۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء

### الجواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بزغالہ منخقہ کو پکانا کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ روضۃ الصفا میں ہے کہ

عمر بزغالہ بدست خود ذبح ساختہ بریاں کردہ بنظر او در آورد. (۱)

(ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکری کا بچہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اسے بھونا اور ان کے

سامنے لائے)

پس انکار ذبیحہ کفار سے بحکم

لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ (۲)

(ترجمہ: جس جانور پر وقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے مت کھاؤ)

تھایا بہ تعظیمِ تعلیمِ رسولِ کریم ﷺ ہوگا۔

کتبہ المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ



(۱) روضۃ الصفا. جلد صفحہ مطبوعہ

(۲) القرآن الحکیم: سورہ الانعام: آیت ۱۲۱







بسم الله الرحمن الرحيم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَارْحَمِهِمْ  
وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي  
خَلَقَ لَنَا دِينَنَا وَجَعَلَ لَنَا فِيهِ  
أَحْسَنَ مَا كُنَّا نَرْجُو

وَاللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ  
وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ

وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ

وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ

وَجْعَلْ لَهُمْ جَنَّاتٍ وَعُيُونًا كَمَا وَعَدْتَ الْمُؤْمِنِينَ

